

قرآن و حدیث کی روشنی میں تحقیقی فتاویٰ کا مجموعہ

فَتَاوِیْ بِنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ

جلد ششم

مفتی عبد الرحمن ملاحیل صاحب مدظلہ
رئیس دارالافتاء و تحقیق خطیب بزرگ مسجد اقصیٰ

دارالافتاء و تحقیق
ابوبکر صدیق مسجد قبلہ اقصیٰ

قرآن و حدیث کی روشنی میں تحقیقی فتاویٰ کا مجموعہ

فَتَاوِیْ عِبَادِ الرَّحْمٰنِ

جلد ششم

مُفَتِّیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مُلَاخِیْلٌ صَادِقٌ اَبْرَکَاتُهُمْ
رئیس دارالافتاء والتحقیق خطیب ابوبکر صدیق مسجد ڈیفنس

دَارُ الْاِفْتَاءِ وَالتَّحْقِیْقِ
ابوبکر صدیق مسجد۔ فیزا ڈی ایچ اے، کراچی

جملہ حقوق طبع و نشر محفوظ ہیں

ناشر: مفتی عبدالرحمن ملا خیل صاحب رییس دارالافتاء و تحقیق ابو بکر صدیق مسجد فیروز ڈی ایچ اے
مطبع: ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک کراچی فون نمبر: 32630051

مسائل معلوم کرنے کے لئے مفتی صاحب سے مندرجہ ذیل نمبروں پر
رابطہ کر سکتے ہیں براہ کرم نماز اور آرام کے اوقات کا خیال رکھیں۔

برائے رابطہ فون نمبر: 02135804388

موبائل: 0333-2251145 03132775126

☆ ملنے کے پتے ☆

ناشر: مفتی عبدالرحمن ملا خیل (مندرجہ بالا تینوں نمبرز)

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی فون نمبر: 32638114

دارالاشاعت اردو بازار کراچی فون نمبر: 32631861

اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

قرآن محل اردو بازار ڈیرہ اسماعیل خان

مولوی سیف الرحمن عبدال خیل ڈیرہ اسماعیل خان فون نمبر: 03139341266

مکتبہ جاوید میانوالی شہر

مکتبہ رشیدیہ شیش محل روڈ لاہور فون نمبر: 04237364516

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ فون نمبر: 0812662263

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
30	﴿باب خيار العيب﴾	1
30.....	﴿تمام عيوب سے براءت کے ساتھ کسی چیز کو بیچنا جائز ہے﴾	2
31.....	﴿ضمانت کے باوجود بیع میں عیب نکلنے کی صورت میں خریدار کس سے رجوع کرے گا؟﴾	3
32.....	﴿خيار شرط میں وراثت جاری نہیں ہوتی﴾	4
33.....	﴿خریدی ہوئی عیب دار چیز کے منافع کا حق خریدار کو حاصل ہے﴾	5
34.....	﴿خيار عیب کی وجہ سے ضمان لینے کا حکم﴾	6
35.....	﴿خریدنے کے بعد انڈوں کا خراب نکلنا﴾	7
36.....	﴿خریدار کو عیب کے بقدر رجوع کا حق حاصل ہے﴾	8
37.....	﴿خيار عیب کا مسئلہ﴾	9
38.....	﴿گاڑی کے کاغذات میں فرق ہونا عیب ہے﴾	10
40.....	﴿گاڑی میں عیب ظاہر ہو جائے تو خریدار کو واپس کرنے کا اختیار ہے﴾	11
41.....	﴿کسی مکان میں جنات کا ہونا عیب ہے﴾	12
42	﴿باب الاقالات﴾	13
42.....	﴿ثمن اول سے کی زیادتی کے ساتھ اقالہ کرنا باطل ہے﴾	14
43.....	﴿اقالہ کی صورت میں پوری رقم واپس کرنا ضروری ہے﴾	15
44.....	﴿خریدی ہوئی گاڑی واپس کرنا﴾	16
46.....	﴿اقالہ میں بیع کی ایک صورت﴾	17
47.....	﴿اقالہ میں بیع جدید کی ایک صورت﴾	18
48.....	﴿باہمی رضامندی سے سودا بیع کرنا جائز ہے﴾	19

صفحہ نمبر

عنوانات

نمبر شمار

- 20 ﴿ لا تجوز الاقالة باقل من الثمن الاول ﴾..... 49
- 20 ﴿ پہلی قیمت سے کم پر اقالہ کرنا ناجائز ہے ﴾..... 49
- 21 ﴿ بیع ختم کرنے والے پر جرمانے کی شرط باطل ہے ﴾..... 50
- 22 ﴿ خریدار اگر بقاء ادا نہیں کر رہا تو بائع معاملہ فسخ کر سکتا ہے ﴾..... 51
- 23 ﴿ اقالہ کی صورت میں بیع پر قبضہ کئے بغیر دوسرے کو بیچنا صحیح نہیں ہے ﴾..... 52
- 24 ﴿ باب القرض والربا ﴾..... 54
- 25 ﴿ بيمہ زندگی کی شرعی حیثیت ﴾..... 54
- 26 ﴿ پراویڈنٹ فنڈ پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود نہیں ﴾..... 54
- 27 ﴿ پرائز بونڈ اسکیم سود جوئے پر مشتمل اسکیم ہے ﴾..... 55
- 28 ﴿ قرض کے ساتھ شرط لگانے کا حکم ﴾..... 57
- 29 ﴿ بنے ہوئے زیورات کا تبادلہ خالص سونے کیساتھ ﴾..... 58
- 30 ﴿ قرض پر زکوٰۃ ﴾..... 59
- 31 ﴿ دین کا کچھ حصہ وقت کے بدلے معاف کرنا ناجائز نہیں ﴾..... 59
- 32 ﴿ گندم بطور قرض لینے دینے کا حکم ﴾..... 61
- 33 ﴿ قومی بچت اسکیم کے نفع کا حکم ﴾..... 62
- 34 ﴿ وزیراعظم یوتھ لون اسکیم سے قرضہ لینا ناجائز نہیں ﴾..... 63
- 35 ﴿ قرض کی واپسی میں پیسوں کی قیمت کے اتار چڑھاؤ کا اعتبار نہیں ﴾..... 64
- 36 ﴿ بینک کی ملازمت حرام کیوں ہے ؟ ﴾..... 65
- 37 ﴿ پڑوسیوں کا آپس میں چیزوں کا لین دین قرض ہے ﴾..... 66

- 38 ﴿ دوکانداروں کے پاس رقم رکھوانے کی شرعی حیثیت ﴾..... 67
- 39 ﴿ جو چیزیں قدر و جنس میں مشترک ہوں ان میں قرض کا معاملہ کرنا ﴾..... 67
- 40 ﴿ مختلف کرنسیوں کے تبادلے میں تقابض شرط نہیں ﴾..... 68
- 41 ﴿ ایک ملک کی کرنسی کے باہم تبادلہ میں ادھار ناجائز ہے ﴾..... 69
- 42 ﴿ قرض اور دین کا مسئلہ ﴾..... 70
- 43 ﴿ قرض خواہ مقرض سے صرف شدہ کرایہ وغیرہ وصول کر سکتا ہے ﴾..... 70
- 44 ﴿ سونے کو قرض پر دینے کا حکم ﴾..... 71
- 45 ﴿ قرض لینے یا ادھار چیزیں خریدنے کے بعد ادائیگی کا طریقہ ﴾..... 71
- 46 ﴿ قرض کی بنیاد پر نفع لینے کا حکم ﴾..... 72
- 47 ﴿ نقد روپے قرض دیکر سونا وصول کرنا جائز نہیں ﴾..... 73
- 48 ﴿ قرض خواہ کا شئی مقروضہ کو مقرض کے ہاتھ فروخت کرنا ﴾..... 74
- 49 ﴿ قرض وصول کرنے کی تدبیر ﴾..... 75
- 50 ﴿ مدت میں کمی کی شرط پر دین میں کمی کرنا جائز نہیں ﴾..... 76
- 51 ﴿ کسی کو قرض دیکر ماہوار متعین مقدار میں پیسے لینا سود ہے ﴾..... 77
- 52 ﴿ قرض پر متعین نفع لینا حرام ہے ﴾..... 78
- 53 ﴿ مقروض سود پر رقم لے کر اگر قرضہ ادا کرے؟ ﴾..... 79
- 54 ﴿ اضطراری حالت کے بغیر سودی قرض لینا جائز نہیں ﴾..... 80
- 55 ﴿ متعینہ برتن یا وزن کے ذریعے آٹا، چینی وغیرہ بطور قرض دینا جائز ہے ﴾..... 82
- 56 ﴿ سود کی حقیقت اور مثالیں ﴾..... 83

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
85.....	﴿ سودی معاملہ میں گواہ خط و کتابت کرنے والا بھی برابر کا شریک ہے ﴾	57
85.....	﴿ سود معاملہ میں گواہ بننے والے پر بھی لعنت ہے ﴾	58
86.....	﴿ سودی معاملہ میں وکیل بننا جائز نہیں ﴾	59
87.....	﴿ سود لینا زیادہ گناہ ہے یا دینا ؟ ﴾	60
88.....	﴿ ہنڈی بھیجنے پر فیس لینا سود نہیں ﴾	61
90.....	﴿ اپنے بھائی کا سودی قرضہ ادا کرنے کا حکم ﴾	62
90.....	﴿ جس میع اور قرض پر اضافی رقم لینے کا حکم اور اسکی متبادل صورت ﴾	63
92.....	﴿ سودی رقم اپنے مقروض پر صدقہ کرنا اور قرض وصول کرنا ﴾	64
93.....	﴿ سودی رقم غریبوں میں تقسیم کرنے کی غرض سے سودی معاملہ ہرگز جائز نہیں ہے ﴾	65
94.....	﴿ انعامی قرضہ اندازی جو اور سود ہے ﴾	66
96.....	﴿ تعبیر بدل کر سودی معاملہ کرنا ﴾	67
97.....	﴿ سود کی ایک خاص صورت ﴾	68
98.....	﴿ دارالحرب میں سود لینے کا حکم اور ترکہ میں اگر سود کا مال ہو ﴾	69
99	﴿ باب الوکالۃ ﴾	70
99.....	﴿ وکالت بالمعصۃ کا حکم ﴾	71
100.....	﴿ مباح امور میں وکالت جائز نہیں ﴾	72
102.....	﴿ ویزہ دلوانے پر کمیشن لینا جائز ہے ﴾	73
103.....	﴿ وکیل کے پاس مؤکل کا مال امانت ہے ﴾	74
104.....	﴿ وکیل مؤکل کی خلاف ورزی پر مال کا ضامن ہوگا ﴾	75
105.....	﴿ مؤکل سے اجازت لئے بغیر وکیل دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا ﴾	76

- 77 ﴿فروخت کنندہ کا وکیل کو کچھ رقم چھوڑنا﴾ 107.....
- 78 ﴿وکیل کا کمیشن وصول کرنا﴾ 108.....
- 79 ﴿مبیع کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو وکیل کیلئے حکم﴾ 109.....
- 80 ﴿سبزی منڈی میں کمیشن پر وکالت کرنا﴾ 110.....
- 81 ﴿وکالت سے معزول ہونے کا علم ہونا ضروری ہے﴾ 111.....
- 82 ﴿شروع میں کوئی معاملہ صحیح کرے اور بعد میں غیر مشروع دکھانے کی کوشش کرے﴾ 112..
- 83 ﴿موکل اور وکیل کے درمیان مقدار مقبوض میں اختلاف ہو جائے﴾ 113.....
- 84 ﴿وکیل کا موکل کیساتھ نئے عقد پر مراہجہ کا حکم﴾ 114.....
- 85 ﴿وکیل اپنی چیز موکل کو نہیں بیچ سکتا﴾ 115.....
- 86 ﴿باب المسلم﴾ 117
- 87 ﴿بیع سلم کے لئے شرائط﴾ 117.....
- 88 ﴿بیع سلم میں مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف جائز نہیں﴾ 118.....
- 89 ﴿مسلم فیہ کی جگہ کسی اور چیز کے دینے کا حکم﴾ 119.....
- 90 ﴿بیع سلم میں مسلم فیہ کے عوض کوئی دوسری چیز لینا جائز نہیں ہے﴾ 120.....
- 91 ﴿مختلف کر لسی کا عقد سلم جائز ہے﴾ 121.....
- 92 ﴿اخبار و رسائل جاری کروانا﴾ 122.....
- 93 ﴿بیع سلم کی ایک صورت﴾ 123.....
- 94 ﴿کتاب الدعوی﴾ 124
- 95 ﴿بہتجہ کا چچا سے زمین کا مطالبہ کرنا﴾ 124.....

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
125.....	﴿باب اگر زمین کی تقسیم پر راضی ہو تو بیٹوں کا اعتراض مسوع نہیں ہوگا﴾	96
127.....	﴿مدعی اور مدعی علیہ میں سے کسی ایک کی غیر موجودگی میں قاضی کے فیصلہ کا حکم﴾	97
131.....	﴿عرصہ دراز کے بعد زمین پر دعویٰ کرنا﴾	98
133.....	﴿اپنے حق کے وصولیابی کیلئے حق سے زیادہ کا دعویٰ کرنا﴾	99
134.....	﴿کتوں کی نشاندہی کرنے سے کسی کو چور قرار نہیں دیا جاسکتا﴾	100
135.....	﴿کسی دوسرے پر کسی چیز کو لازم کرنے کیلئے گواہوں کی گواہی یا مدعی علیہ کا اقرار ضروری ہے﴾	101
136.....	﴿دوسرے کی ملکیت میں کسی کو دعویٰ کرنے کا حق نہیں ہے﴾	102
137.....	﴿مصارف مقدمہ جھوٹے مدعی کے ذمہ ہیں﴾	103
138	﴿کتاب الحوالہ﴾	104
138.....	﴿حوالہ کرنے کی ایک صورت﴾	105
140.....	﴿حوالہ میں دین کا معلوم ہونا ضروری ہے﴾	106
140.....	﴿امانت ضائع ہونے کی صورت میں حوالہ کا حکم﴾	107
141.....	﴿حوالہ کا مسئلہ﴾	108
142	﴿باب الاحتمار﴾	109
142	﴿ذخیرہ اندوزی کا بیان﴾	109
142.....	﴿چینی کی ذخیرہ اندوزی کا حکم﴾	110
143.....	﴿ذخیرہ اندوزی سے متعلق سوال و جواب﴾	111
144.....	﴿سگریٹ کی ذخیرہ اندوزی کرنے کا حکم﴾	112
146	﴿کتاب الشہادۃ والقضاء﴾	113
146.....	﴿گواہی کی شرائط﴾	114

صفحہ نمبر

عنوانات

نمبر شمار

- 115 ﴿وڈیو وغیرہ کے ذریعے سے اثبات جرم﴾..... 146
- 116 ﴿تنہا عورت کی گواہی معتبر نہیں﴾..... 147
- 117 ﴿ماں کی گواہی بیٹوں کے حق میں قابل قبول نہیں﴾..... 148
- 118 ﴿راتے میں پان، سٹریٹ کھانے پینے سے مردودا شہادت نہیں ہوتا﴾..... 148
- 119 ﴿کیا غیر عالم با اثر شخص کو شرعاً ثالث مقرر کرنا جائز ہے؟﴾..... 149
- 120 ﴿کتاب الاجارات﴾..... 150
- 120 ﴿ملازمت کرنے اور کرایہ پر لینے، دینے کا بیان﴾..... 150
- 121 ﴿امامت پر اجرت لینا جائز ہے﴾..... 150
- 122 ﴿امام مسجد کی بیماری کے دنوں کی تنخواہ﴾..... 151
- 123 ﴿طاعات پر اجرت لینے کا مسئلہ﴾..... 152
- 124 ﴿غیر حاضری کے دنوں کی تنخواہ کا حکم﴾..... 155
- 125 ﴿درزی اگر لبائی و چوڑائی میں کمی بیشی کر دے تو کیا حکم ہے﴾..... 155
- 126 ﴿ملازم کے لئے وقت سے پہلے گھر آنے کا حکم﴾..... 156
- 127 ﴿غیر مسلم کے لئے اجرت پر کام کرنا جائز ہے﴾..... 158
- 128 ﴿کفار کے ہاں ملازمت کی ایک خاص صورت کا بیان﴾..... 159
- 129 ﴿گائے چرانے کی اجرت اس کے دودھ اور نسل میں سے مقرر کرنا﴾..... 160
- 130 ﴿گائے پالنے کی اجرت اس کی قیمت میں سے مقرر کرنا﴾..... 161
- 131 ﴿شراب کی فیکٹری میں کام کرنا منع ہے﴾..... 162
- 132 ﴿بقدر مسافت ٹیکسی کے کرایہ کا حکم﴾..... 163

صفحہ نمبر

عنوانات

نمبر شمار

- 133 ﴿اجارہ پر طویل الیعاذ میں لینے کا حکم﴾..... 164
- 134 ﴿متعین کردہ شخص کے علاوہ ٹیکسی چلانے کا حکم﴾..... 165
- 135 ﴿متعین کردہ پکوان کا مزدوروں سے کھانا پکوانے کا حکم﴾..... 166
- 136 ﴿ایڈوانس رقم پیشگی کرایہ کی تاویل سے لینے کا حکم﴾..... 167
- 137 ﴿کسی کیلئے قرضہ وصول کرانے پر اجرت لینا جائز ہے﴾..... 168
- 138 ﴿رشتہ کرانے پر اجرت لینا کیسا ہے؟﴾..... 168
- 139 ﴿یتیم بچوں کی مدد کے لئے ان کے کاروبار کو سنبھالنا﴾..... 169
- 140 ﴿گھنٹوں کے اعتبار سے اجرت طے کرنا جائز ہے﴾..... 171
- 141 ﴿ٹرین نہ رکنے کی وجہ سے جو سفر ہوا اس کا کرایہ لازم نہیں﴾..... 173
- 142 ﴿اجارہ فاسدہ کی ایک صورت﴾..... 173
- 143 ﴿اجارہ فاسدہ میں تعدی کی صورت میں تاوان لازم ہوگا﴾..... 175
- 144 ﴿علماء کا گھروں میں جا کر پڑھانے کا حکم﴾..... 176
- 145 ﴿کار پارکنگ کا ٹھیکہ لینا﴾..... 177
- 146 ﴿اجیر عام سے کوئی چیز بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو ضمان نہیں﴾..... 178
- 147 ﴿دھوبی سے کپڑے گم پر ضمان کا مسئلہ﴾..... 179
- 148 ﴿دھوبی کی غفلت سے کپڑا جل جائے تو تاوان وصول کرنا جائز ہے﴾..... 180
- 149 ﴿اجیر خاص سے کوئی چیز اتفاقاً ضائع ہو جائے تو ضمان نہیں﴾..... 182
- 150 ﴿گاڑی کرایہ پر دینے کا حکم﴾..... 182
- 151 ﴿گاڑی کو کرایہ پر دینا صحیح ہے﴾..... 183

- 152 ﴿گازی کو متعین اجرت پر دینا جائز ہے﴾..... 184
- 153 ﴿رقوم کی منتقلی پر بینک کا پیسے کا ٹنا اجرت ہے سو نہیں﴾..... 185
- 154 ﴿گمریہ اخراجات کیلئے بذریعہ کہنی رقم بھیجنا جائز ہے﴾..... 185
- 155 ﴿کرایہ پرلی ہوئی زمین دوسرے کو کرایہ پر دینے کا حکم﴾..... 186
- 156 ﴿رہن رکھی ہوئی زمین کرایہ پر دینا جائز نہیں﴾..... 187
- 157 ﴿ایام علالت کے مشاہرہ لینے کا حکم﴾..... 188
- 158 ﴿گازی برآمد کرنے پر متعین انعام ملے کرنا﴾..... 188
- 159 ﴿اجیر کو اجرت پیسوں کے علاوہ بھی دی جاسکتی ہے﴾..... 189
- 160 ﴿تمام سرکاری ملازمین اجیر خاص کے حکم میں ہیں﴾..... 190
- 161 ﴿اجارہ فاسدہ کی ایک صورت﴾..... 191
- 162 ﴿یہ عقد مضاربہ ہے اجارہ فاسدہ نہیں﴾..... 192
- 163 ﴿ڈاکٹر کینتھ کیشن کے جہدہ میں زائد شرط لگانے کا حکم﴾..... 193
- 164 ﴿کرائے پر گاڑیاں اور رکشے چلانے والے اجیر مشترک کے حکم میں ہیں﴾..... 194
- 165 ﴿مسجد میں اجرت لیکر بچوں کو قرآن کی تعلیم دینے کا حکم﴾..... 195
- 166 ﴿جالوروں کی جفتی کرانے پر اجرت لینا درست نہیں﴾..... 196
- 167 ﴿جالور کو نصف دودھ کے عوض پالنے کیلئے دینا درست نہیں﴾..... 197
- 168 ﴿جالور کو نصف پر دینے کا حکم﴾..... 198
- 169 ﴿جالوروں کی جفتی کرانے پر اجرت لینے کا حکم﴾..... 199
- 170 ﴿کرایہ دار کا دوسرے کو مکان کرایہ پر دینے کی شرعی حیثیت﴾..... 200

- 171 ﴿کرایہ کے مکان میں رہائش اختیار نہ کی تو تب بھی کرایہ واجب ہے﴾..... 201
- 172 ﴿کمپنی کے ساتھ طے شدہ معاہدہ کی پاسداری ضروری ہے﴾..... 202
- 173 ﴿درزی کے کام سے متعلق چند مسائل﴾..... 203
- 174 ﴿قفیز الطحان کا مسئلہ﴾..... 204
- 175 ﴿مزدور کو اسکے عمل سے حاصل ہونے والی چیز اجرت میں دینا﴾..... 205
- 176 ﴿ڈیوٹی کے اوقات میں اضافی کام پر اضافی تنخواہ کا مطالبہ درست نہیں﴾..... 206
- 177 ﴿اپنی مزدوری دوسرے شخص کو بیچنا شرعاً کیسا ہے؟﴾..... 207
- 178 ﴿ریڈیو کی مرمت پر اجرت لینا﴾..... 208
- 179 ﴿جہاں عام رائج ہو تو شریک کو اجیر بنانے کی گنجائش ہے﴾..... 208
- 180 ﴿اجیر خاص کا اپنی جگہ مستاجر کو مقرر کرنا﴾..... 210
- 181 ﴿گندم وغیرہ پہوانے کی اجرت﴾..... 211
- 182 ﴿جعلی سند لے کر ملازمت کرنے کا حکم﴾..... 211
- 183 ﴿گھریلو ضرورت کیلئے عیسائی عورت کو ملازمہ رکھنا﴾..... 212
- 184 ﴿غیر مسلم کیلئے کرایہ پر کام کرنا﴾..... 213
- 185 ﴿اجیر عام کی لاپرواہی کی وجہ سے تاوان لینا درست ہے﴾..... 213
- 186 ﴿غیر مسلم کو کام کیلئے رکھنے اور اسے زکوٰۃ دینے کا حکم﴾..... 214
- 187 ﴿حجام، بڑھئی، لوہار وغیرہ کیلئے غلہ میں سے سالانہ اجرت مقرر کرنا﴾..... 215
- 188 ﴿ڈیوٹی کے دوران دوسرے کام کرنے کا حکم﴾..... 216
- 189 ﴿رگساز پر رمضان کی ایک صورت﴾..... 217

- 190 ﴿اسکول استاذ اپنی جگہ دوسرے آدمی کو نہیں رکھ سکتا﴾..... 218
- 191 ﴿ہیڈ ماسٹر اگر وقت مقررہ سے پہلے چھٹی دیدے تو دیگر اساتذہ بھی جاسکتے ہیں یا نہیں﴾..... 219
- 192 ﴿سرکاری ملازم تاخیر سے آنے کی صورت میں خاص آمد کا وقت لکھے﴾..... 220
- 193 ﴿سرکاری ملازم اپنی جگہ دوسرا آدمی مقرر کر سکتا ہے یا نہیں؟﴾..... 221
- 194 ﴿سرکاری ملازمین کا ایام رخصت کی تنخواہ لینے کا حکم﴾..... 222
- 195 ﴿سرکاری ملازمین کا حکومت سے پیشگی تنخواہ لینے کا حکم﴾..... 223
- 196 ﴿اجارہ کی ایک صورت اور اس کا حکم﴾..... 224
- 197 ﴿جھوٹ بول کر حاصل کی گئی ملازمت کی تنخواہ کا حکم﴾..... 225
- 198 ﴿کتابوں کو کرایہ پر دینے کا حکم﴾..... 226
- 199 ﴿عورت کی ملازمت کی شرعی حیثیت﴾..... 227
- 200 ﴿اجارہ میں مارکیٹ ویلیو کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں﴾..... 227
- 201 ﴿کیشن کا ایک مسئلہ﴾..... 228
- 202 ﴿کسی کو پالنے کے لئے جانور یا تو اس کا خرچہ خود مالک پر ہوگا﴾..... 229
- 203 ﴿بینک میں ملازمت کا حکم﴾..... 230
- 204 ﴿آٹا پینے کی اجرت﴾..... 231
- 205 ﴿اجیر مشترک کا مسئلہ﴾..... 232
- 206 ﴿مدرسہ کے سفیر کیلئے چندہ سے فیصد کے اعتبار سے حصہ لینا جائز نہیں﴾..... 233
- 207 ﴿کفالت پر اجرت لینے کا حکم﴾..... 233
- 208 ﴿سرکاری ادارے کی طرف سے مکان کے کرائے کا مسئلہ﴾..... 234

- 209 ﴿ دلال کی اجرت شرعاً جائز ہے ﴾ 236
- 210 ﴿ ٹیپ ریکارڈ اور ریڈیو میکینک کی اجرت ﴾ 237
- 211 ﴿ دلال کی اجرت فیصد کے اعتبار سے ﴾ 237
- 212 ﴿ بکریوں کی نسل کو ان کے پالنے کی اجرت بنانا ﴾ 238
- 213 ﴿ کرایہ ادا نہ کرنے کی صورت میں کرایہ دار کی کسی چیز پر قبضہ کرنا کا حکم ﴾ 239
- 214 ﴿ اپنی ملکوت زمین کا کرایہ اپنے حصے کے بقدر دوسرے شریک سے وصول کرنا ﴾ 240
- 215 ﴿ مطلقہ ثلاثہ کیلئے اجرت رضاعت لینا جائز ہے ﴾ 241
- 216 ﴿ قلمی سی ڈیز بیچنے والے کو دوکان کرایہ پر دینے کا حکم ﴾ 242
- 217 ﴿ سودی بینک کے ملازم کے گھر میں کرایہ پر رہنا ﴾ 243
- 218 ﴿ اجارہ کے معاملہ کو قرض کے معاملہ کیساتھ مشروط کرنے کا حکم ﴾ 243
- 219 ﴿ بینک کے لئے مکان کرایہ پر دینا ﴾ 244
- 220 ﴿ ٹیوشن اکیڈمی کا ٹیچر کو ٹیوشن دلانے پر اجرت لینا ﴾ 245
- 221 ﴿ مدت اجارہ ختم ہونے سے پہلے مکان فروخت کرنا ﴾ 246
- 222 ﴿ اجارہ کی ایک صورت کا حکم ﴾ 247
- 223 ﴿ اجارہ میں زمیندار کو کاشت کی عام اجازت دینا ﴾ 249
- 224 ﴿ ٹیوب ویل کا پانی اجارہ پر دینے کا حکم ﴾ 249
- 225 ﴿ رہن رکھا ہوا مکان کرایہ پر دینا ﴾ 250
- 226 ﴿ سود کی رقم سے تنخواہ لینے کا حکم ﴾ 252
- 227 ﴿ کمیشن پر چندہ کرنے کا حکم ﴾ 252

- 228 ﴿سودی ادارے کو زمین یا مکان کرایے پر یا ملکیت دینا کیسا ہے؟﴾ 254.....
- 229 ﴿اشیاء کا کرایہ وصول کرنا سود نہیں ہے﴾ 254.....
- 230 ﴿کمیشن کی رقم دے کر گاہک بڑھانے کا حکم﴾ 256.....
- 231 ﴿دلال (کمیشن ایجنٹ) کے پاس ایڈوانس جمع کی ہوئی رقم کا حکم﴾ 256.....
- 232 ﴿دلال کے لئے کمیشن کے علاوہ منافع رکھنا جائز نہیں﴾ 257.....
- 233 ﴿سامان دلانے پر کمیشن لینا جائز ہے﴾ 260.....
- 234 ﴿پڑوسی سے گیس کنکشن لگانا جائز نہیں﴾ 261.....
- 235 ﴿کتاب الوودیعة والعاریة والغصب﴾ 262
- 236 ﴿امانت کی رقم بغرض حفاظت بڑے لوٹوں میں تبدیل کرنا﴾ 262.....
- 237 ﴿امانت کی رقم سے کوئی چیز خریدنا خیانت ہے رقم لوٹانا واجب ہے﴾ 263.....
- 238 ﴿امانت رکھی ہوئی چیز خراب ہو رہی ہو تو کیا کیا جائے؟﴾ 265.....
- 239 ﴿محکمہ کی گاڑی کو ذاتی کام کیلئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے﴾ 266.....
- 240 ﴿عاریہ موقت کا حکم﴾ 266.....
- 241 ﴿امانت میں تصرف کرنے کا حکم﴾ 267.....
- 242 ﴿امانت دار کو امانت میں تصرف کا حق حاصل نہیں﴾ 268.....
- 243 ﴿امانت کی حفاظت پر اجرت لینا جائز ہے﴾ 269.....
- 244 ﴿مستعار چیز میں نقص آنے کا حکم﴾ 269.....
- 245 ﴿مستعار چیز کے ہلاک ہونے کی صورت میں ضمان کا حکم﴾ 270.....
- 246 ﴿مرمت کرنے والے کے پاس دوسروں کا سامان امانت ہے﴾ 271.....

- 247 ﴿بچے کی عاریۃ دی ہوئی چیز کا استعمال﴾..... 272
- 248 ﴿عاریۃ لی ہوئی چیز دوسروں کو دینے کا حکم﴾..... 273
- 249 ﴿وہ غائب مالک امانت کے امانتدار تصرف کو لے نہ سکی﴾..... 274
- 250 ﴿منصوبہ زمین کی پیداوار اور ہلاک ہونے کی صورت میں ضمان کا حکم﴾..... 275
- 251 ﴿غیر کی زمین میں کسی بھی قسم کا مالکانہ تصرف کرنا﴾..... 276
- 252 ﴿منصوبہ زمین کی پیداوار کا حکم﴾..... 277
- 253 ﴿تصرع میں رجوع نہیں ہو سکتا﴾..... 278
- 254 ﴿بغیر اجازت کے دوسرے کی زمین فروخت کرنا﴾..... 279
- 255 ﴿دسولی حق کی ایک صورت کا حکم﴾..... 280
- 256 ﴿غصب کردہ چیز مالک کو واپس کرنا ضروری ہے﴾..... 281
- 257 ﴿غصب کے اقرار کے بعد انکار کا حکم﴾..... 282
- 258 ﴿کتاب الہبۃ والرشوۃ﴾..... 284
- 259 ﴿تابالغہ کے ہبہ کا حکم﴾..... 284
- 260 ﴿زندگی میں جائیداد تقسیم کرنا ہے یا میراث؟﴾..... 285
- 261 ﴿والد جو مال اپنی زندگی میں بیٹوں کو دے وہ ہبہ ہے اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی﴾..... 286
- 262 ﴿ماں کا اپنے ایک بیٹے کو پوری جائیداد ہبہ کرنا﴾..... 290
- 263 ﴿بھائی کو ہبہ کی ہوئی چیز میں رجوع جائز نہیں﴾..... 291
- 264 ﴿بیٹے کی شادی پر خرچہ کردہ رقم کی واپسی کا مطالبہ کرنا والد کے لئے جائز نہیں ہے﴾..... 292
- 265 ﴿ہبہ کی ایک خاص صورت﴾..... 293

صفحہ نمبر

عنوانات

نمبر شمار

- 266 ﴿موصوبہ کے قبضے کے بعد سرکاری کاغذات کا اعتبار نہیں ہے﴾ 294.....
- 267 ﴿زندگی میں دی جانے والی رقم بہہ ہے میراث نہیں﴾ 296.....
- 268 ﴿زندگی میں بہہ کی گئی زمین میں دیگر ورثاء کا کوئی حق نہیں﴾ 298.....
- 269 ﴿بہہ سے رجوع کرنے کا حکم﴾ 299.....
- 270 ﴿اپنے وارث کو زمین ہبہ کرنے کا حکم﴾ 299.....
- 271 ﴿زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کا شرعی طریقہ﴾ 300.....
- 272 ﴿بغیر قبضہ کے بہہ تام نہیں ہوتا﴾ 301.....
- 273 ﴿والد کی زندگی میں اس کی جائیداد پر خرچ کردہ رقم کو ترکہ سے وصول کرنا جائز نہیں﴾ 302.....
- 274 ﴿ہبہ تام ہونے سے ملکیت ہو جاتی ہے﴾ 303.....
- 275 ﴿بہہ قبضہ کرائے بغیر تام نہیں ہوتا﴾ 304.....
- 276 ﴿شادی کے موقع پر تحفے تحائف وغیرہ دینے کی شرعی حیثیت﴾ 304.....
- 277 ﴿شادی کے موقع پر دلہن کو تحفہ تحائف دینے کا حکم﴾ 305.....
- 278 ﴿کسی مشترک چیز کا بہہ کرنا صحیح نہیں ہے﴾ 307.....
- 279 ﴿کاغذات میں بیوی کا نام لکھوانے سے بیوی مکان کی مالک نہیں بنتی﴾ 309.....
- 280 ﴿ہبہ سے رجوع کرنے کی چند مستثنیٰ صورتیں﴾ 310.....
- 281 ﴿والد صاحب کی حیات میں تقسیم شدہ جائیداد کا حکم﴾ 311.....
- 282 ﴿اپنی زندگی میں جائیداد ورثاء میں تقسیم کرنا جائز ہے﴾ 313.....
- 283 ﴿واپڈا کے ملازم کیلئے مفت پنشن کسی کو بہہ کرنا درست نہیں﴾ 314.....
- 284 ﴿حکم العطیۃ والوصیۃ باعضاء اللسانۃ﴾ 314.....

314..... ﴿انسانی اعضاء کو عطیہ کرنے کا حکم﴾ 284

315..... ﴿والد سے مانگی گئی رقم قرض ہے یا ہبہ؟﴾ 285

316..... ﴿صدقہ اور حبہ میں فرق﴾ 286

317..... ﴿بھکاری سے صدقہ یا ہبہ میں کوئی چیز لینا کیسا ہے؟﴾ 287

318..... ﴿تاحیات ہبہ کرنے سے ہمیشہ کے لئے حبہ ہو جاتا ہے﴾ 288

319..... ﴿مٹنی کے موقع پر لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کو انگٹھی دینا﴾ 289

319..... ﴿قبضہ کے بغیر حبہ تام نہیں ہوتا﴾ 290

321..... ﴿والد نے زندگی میں کسی اولاد کو حصہ دیا تو وہ حبہ ہے﴾ 291

323..... ﴿والد کو اپنی حیات میں اپنی جائیداد میں جائز تصرف کا مکمل اختیار حاصل ہے﴾ 292

324..... ﴿اولاد نہ ہونے کی صورت میں زندگی میں تقسیم جائیداد وغیرہ کی تفصیل﴾ 293

326..... ﴿زندگی میں اولاد کے درمیان جائیداد تقسیم کرنا﴾ 294

329..... ﴿معاشرے کے خوف سے بہن کا بھائیوں کو زمین بخش دینے کا حکم﴾ 295

330..... ﴿والد کا اپنی حیات میں اولاد کے درمیان مال و جائیداد کو تقسیم کرنا﴾ 296

331..... ﴿زندگی میں مال تقسیم کرنا﴾ 297

332..... ﴿زندگی میں اولاد کے درمیان جائیداد تقسیم کرنا﴾ 298

333..... ﴿حکومت کی طرف سے میت کے بچوں کو ملنے والی امداد کے وہ خود حقدار ہیں﴾ 299

334..... ﴿باپ کا ایک بیٹے کو زندگی میں وارث بنانا﴾ 300

335..... ﴿زندہ گائے کا متعین حصہ ہبہ کرنا﴾ 301

335..... ﴿قابل تقسیم میراث میں سے قبل از تقسیم اپنا حصہ حبہ کرنا﴾ 302

صفحہ نمبر

عنوانات

نمبر شمار

- 303 ﴿ رشوت کی حقیقت کا بیان ﴾ 336.....
- 304 ﴿ اپنا جائز حق وصول کرنے کیلئے رشوت دینے کی گنجائش ہے ﴾ 338.....
- 305 ﴿ ویزا کے حصول کے لئے رشوت دینا ﴾ 339.....
- 306 ﴿ چیک پوسٹ والوں کو پیسہ دینے کا حکم ﴾ 339.....
- 307 ﴿ لڑکی والوں کا مہر کے علاوہ رقم کا مطالبہ کرنا رشوت ہے ﴾ 341.....
- 308 ﴿ پیسے دیکر نہرات اور فیصد بڑھوانا ﴾ 342.....
- 309 ﴿ انسروں کے ظلم سے بچنے کے لیے رشوت دینے کی گنجائش ہے ﴾ 342.....
- 310 ﴿ متنی سے انکار کے بعد اس دوران بھیجے گئے ہدایا کا حکم ﴾ 343.....
- 311 ﴿ گاڑی والے کا پولیس کو رشوت دینا ﴾ 344.....
- 312 ﴿ رخصتی سے قبل دلہن کے ماموں کا رقم لینا ﴾ 345.....
- 313 ﴿ نقل، سفارش اور رشوت کے ذریعے ڈپلوے کی سند حاصل کرنا گناہ ہے ﴾ 346....
- 314 ﴿ مکمل پنشن کی وصولی کے لیے رشوت دینے کا حکم ﴾ 347.....
- 315 ﴿ من اعطی الرشوة لاداء الحج ﴾ 347.....
- 315 ﴿ حج پر جانے کے لیے رشوت دینے کا حکم ﴾ 347.....
- 316 ﴿ رشوت دیکر سند، ڈگری حاصل کرنے کا حکم ﴾ 348.....
- 317 ﴿ مال کلیر کروانے کیلئے افسران بالا کو رشوت دینا ﴾ 349.....
- 318 ﴿ بحالت مجبوری رشوت دیکر واپڈا سے میٹر خریدنا جائز ہے ﴾ 350.....
- 319 ﴿ پوزیشن لینے کیلئے رشوت دینا حرام ہے ﴾ 352.....
- 320 ﴿ مجبوراً رشوت دیکر آفسر حضرات سے سروس بک صحیح کرانے کی گنجائش ہے ﴾ 353..

صفحہ نمبر

عنوانات

نمبر شمار

- 321 ﴿ظلم سے بچنے کے لئے رشوت دینے کا حکم﴾..... 354
- 322 ﴿کتاب القصاص والحدود والتعزیرات﴾ 355
- 323 ﴿اپنے اصول یا فردع کے قتل پر قصاص کا حکم﴾..... 355
- 324 ﴿اپنے حق کے حاصل کرنے میں دوسرے کے قتل کا حکم﴾..... 355
- 325 ﴿مقتول کے درثاء میں سے کوئی بھی معاف کر دے تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے﴾..... 356
- 326 ﴿قاتل کو مقتول کے درثاء کے علاوہ کوئی قتل کر دے تو کیا حکم ہے؟﴾..... 357
- 327 ﴿قتل خطاء میں کفارہ کا حکم﴾..... 358
- 328 ﴿راج وزن کے مطابق سونے چاندی سے قتل خطاء کی دیت﴾..... 359
- 329 ﴿کفارہ قتل خطاء اور کفارہ یمین میں تداخل جائز نہیں ہے﴾..... 360
- 330 ﴿ایک ولی کے معاف کرنے سے قصاص کا حق ساقط ہو جاتا ہے﴾..... 362
- 331 ﴿دورہ کی حالت میں اوپر رضائی ڈال کر سانس بند ہونے سے مر گیا تو۔۔۔؟﴾..... 363
- 332 ﴿چوری کی حلافی کیلئے وہی چیز یا اس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہے﴾..... 364
- 333 ﴿مرتد سے متعلق شرعی حکم﴾..... 365
- 334 ﴿سرکار دوعالمہ علیہ السلام کی شان میں نازیبا الفاظ بولنے سے نکاح ختم ہو جاتا ہے﴾..... 366
- 335 ﴿عورت مرتد ہو جائے تو قتل نہیں کیا جائے گا﴾..... 368
- 336 ﴿کسی کے حکم پر قتل کرنے سے دیت واجب ہوگی؟﴾..... 368
- 337 ﴿بیوی کو حالت زنا میں دیکھ کر قتل کرنے کا حکم﴾..... 369
- 338 ﴿بیوی کو حالت زنا میں دیکھ کر زانی کے ساتھ قتل کرنے کا حکم﴾..... 370
- 339 ﴿حد کے نفاذ سے قبل توبہ کرنے سے حد ساقط نہیں ہو سکتی﴾..... 374

صفحہ نمبر

عنوانات

نمبر شمار

- 340..... ﴿محسن خلوت صحیح سے نہیں ہوتا اس کیلئے جماع شرط ہے﴾ 375.....
- 341..... ﴿نہند کی حالت میں بچہ کا ماں کے پہلو میں آکر مر جانے کا حکم﴾ 376.....
- 342..... ﴿مالی جرمانہ لینا شرعاً جائز نہیں﴾ 377.....
- 343..... ﴿فیس میں تاخیر کرنے کی وجہ سے جرمانہ وصول کرنا جائز نہیں﴾ 378.....
- 344..... ﴿بطور ضمانت لی گئی رقم میں تصرف کا حکم﴾ 379.....
- 345..... ﴿مالی جرمانے کا حکم﴾ ملاویہ بندہ کے علوم کا پاسان
دینی و ملی کتابوں کا عظیم مرکز فیکٹریم پرنٹل
- 346..... ﴿مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے﴾ حنفی کتب خانہ محمد معاذ خان
- 347..... ﴿مالی جرمانہ وصول کرنا حرام ہے﴾ درس عہد کیلئے ایک مفید ترین
فیکٹریم پرنٹل
- 348..... ﴿تعزیر بالمال جائز نہیں ہے﴾ 384.....
- 349..... ﴿گاڑی کے نیچے کچل کر ہلاک ہونے کی صورت میں ڈرائیور پر ضمان﴾ 385.....
- 350..... ﴿عام رفتار سے تیز چلانے کی صورت میں حادثہ کا تاوان لازم ہوگا﴾ 386.....
- 351..... ﴿کسی کے مارنے یا ہانکانے سے جانور گر کر ہلاک ہو جائے تو ضمان واجب ہے﴾ 387.....
- 352..... ﴿ظالم سے مالی جرمانہ وصول کرنے کا حکم﴾ 388.....
- 353..... ﴿بعض من المجنون ما اتلف﴾ 390.....
- 353..... ﴿مجنون اگر کوئی چیز ضائع کر دے تو اس سے تاوان لیا جائے گا﴾ 390.....
- 354..... ﴿بچے پر ضمان آنے کا حکم﴾ 390.....
- 355..... ﴿گاڑی کے پیچھے لٹک کر ہلاک ہونے والے کا ضمان نہیں﴾ 392.....
- 356..... ﴿لا ضمان علی من اتلف خمر مسلم﴾ 393.....
- 356..... ﴿مسلمان کی شراب ضائع کرنے سے تاوان نہیں آتا﴾ 393.....

صفحہ نمبر

عنوانات

نمبر شمار

394	﴿کتاب الرهن﴾	357
394.....	﴿رهن کا ایک مسئلہ﴾	358
395.....	﴿مرہونہ چیز کو بیچنے کا حکم﴾	359
395.....	﴿کیا مرہن راہن کی اجازت سے مرہونہ چیز سے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟﴾	360
397.....	﴿راہن سے نفع کی ایک خاص صورت کا بیان﴾	361
398.....	﴿مرہن گروی چیز سے استفادہ نہیں کر سکتا﴾	362
399.....	﴿گروی زمین سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں﴾	363
400.....	﴿زیورات گروی رکھ کر قرض لینا جائز ہے﴾	364
402.....	﴿اشیاء منقولہ کے راہن کا طریقہ و حکم﴾	365
403.....	﴿راہن میں مرہونہ چیز کے مالک بننے کی شرط لگانے سے معاملہ فاسد ہو جاتا ہے﴾	366
404.....	﴿اگر راہن کو تیسرا آدمی ہلاک کر دے تو کیا حکم ہے؟﴾	367
406	﴿کتاب الشفعة﴾	368
406.....	﴿حق شفعہ کی شرائط﴾	369
407.....	﴿شفیع مشتری سے تعمیر وغیرہ اکھاڑنے کا مطالبہ کر سکتا ہے﴾	370
408.....	﴿دھوکہ دہی سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوتا﴾	371
409.....	﴿وقف شدہ زمین پر شفعہ کا دعویٰ کرنا﴾	372
410.....	﴿شفعہ کا حق غیر مسلم کو بھی حاصل ہے﴾	373
410.....	﴿زمین کے بدلے زمین خریدے تو شفیع پر زمین کی قیمت لازم ہوگی﴾	374
411.....	﴿زمین کے بدلے زمین کی بیخ میں بھی حق شفعہ ثابت ہوتا ہے﴾	375

صفحہ نمبر

عنوانات

نمبر شمار

- 376 ﴿حق شفیعہ کے بدلے عوض لینے کا حکم﴾..... 412
- 377 ﴿شفیعہ سے بچنے کے لئے حیلہ کرنے کا حکم﴾..... 412
- 378 ﴿شفیعہ میں شفیع پر وہی قیمت لازم ہوتی ہے جس پر پہلے سودا ہو چکا ہو﴾..... 413
- 379 ﴿شفیعہ کرنے والے کئی ہوں تو ہر ایک مستحق ہوگا﴾..... 414
- 380 ﴿باب احياء الموات﴾..... 415
- 381 ﴿غیر آباد زمین کو آباد کرنے کا حکم﴾..... 415
- 382 ﴿لايجوز احياء ارض ليها حاجة المسلمين﴾..... 416
- 383 ﴿غیر آباد زمین کے ارد گرد پتھر رکھنے سے ملکیت کا حکم﴾..... 416
- 384 ﴿كتاب الصيد والبهائم والاضحية والعقيقة﴾..... 418
- 385 ﴿کیا عید کے دنوں میں شکار کرنا جائز نہیں ہے؟﴾..... 418
- 386 ﴿سدھائے ہوئے کتے کے شکار کا حکم﴾..... 419
- 387 ﴿کتاب کسی بکری پر حملہ کر کے اس کا گوشت کھائے تو اس بکری کے گوشت کا حکم﴾..... 420
- 388 ﴿بارود کے ذریعہ شکار کردہ مچھلیاں حلال ہیں﴾..... 421
- 389 ﴿بوجہ مجبوری بائیں ہاتھ سے ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں﴾..... 422
- 390 ﴿بے ہوشی کی حالت میں ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت حلال ہے﴾..... 423
- 391 ﴿کسی شکار کا سر ہاتھ میں پکڑ کر تن سے جدا کرنے کا حکم﴾..... 424
- 392 ﴿غلیل یا بندوق سے شکار کا حکم﴾..... 424
- 393 ﴿شکار کے لئے کانٹے میں زندہ مچھلی لگانے کا حکم﴾..... 425
- 394 ﴿کوڑے کی حلت و حرمت کا مسئلہ﴾..... 425

- 395 ﴿حلال جانوروں میں سات چیزوں کے مکروہ تحریمی ہونے کے بارے میں بیان﴾ 427
- 396 ﴿مارا ہی کے حلال اور حرام ہونے کا مسئلہ﴾ 427.....
- 397 ﴿گھوڑے کی حلت و حرمت کا حکم﴾ 428.....
- 398 ﴿پرندے اگر جال (دام) میں مرے ہوئے طیس تو حلال نہیں﴾ 429.....
- 399 ﴿غیر مملوکہ زمین کو محبوس کر کے شکار سے منع کرنا﴾ 429.....
- 400 ﴿خارپشت حلال ہے یا حرام؟﴾ 430.....
- 401 ﴿بدھ حلال ہے یا حرام؟﴾ 431.....
- 402 ﴿نحوت کو ختم کرنے کے لئے ذبح کی ہوئی مرغی حلال ہے﴾ 432.....
- 403 ﴿احکام ذبیحہ﴾ 433
- 403 ﴿ذبح سے متعلق کچھ احکام﴾ 433
- 404 ﴿ذبح کے وقت زندہ ہونے کا یقین کافی ہے﴾ 435.....
- 405 ﴿ذبح کے وقت جانور کے سر کاٹ جانا﴾ 436.....
- 406 ﴿ذبح کے بعد گوشت کا دھونا ضروری ہے یا نہیں؟﴾ 436.....
- 407 ﴿حالت جنابت کا ذبیحہ حلال ہے﴾ 437.....
- 408 ﴿زخمی جانور کے حلال ہونے کا حکم﴾ 437.....
- 409 ﴿دوران ذبح یا بعد میں جانور حرکت کرے تو حلال ہے﴾ 438.....
- 410 ﴿عورت کے ذبیحہ میں شرعاً کوئی قباحت نہیں﴾ 439.....
- 411 ﴿عورت کا ذبیحہ حلال ہے﴾ 440.....
- 412 ﴿ذبح کرتے ہوئے قبلہ رخ ہونا سنت ہے﴾ 440.....

صفحہ نمبر

عنوانات

نمبر شمار

- 413 ﴿حکم ذبیحة الشیعة و نکاح لسانہم﴾..... 441
- 413 ﴿شیعہ کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح﴾..... 441
- 414 ﴿موجودہ اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم﴾..... 441
- 415 ﴿ذبح کرتے وقت جانور کا سر الگ کرنا مکروہ ہے﴾..... 443
- 416 ﴿ذبح میں مدد کرنے والے کا تسبیہ کہنا واجب نہیں﴾..... 443
- 417 ﴿جھٹکے اور سستی کی وجہ سے متروک التسمیہ ذبیحہ کا حکم﴾..... 445
- 418 ﴿حلق کے گروہ سے اوپر اگر ذبح ہوا تب بھی جانور حلال ہے﴾..... 446
- 419 ﴿ذبح کا مسنون طریقہ﴾..... 447
- 420 ﴿جانوروں کو خسی کرنا جائز ہے﴾..... 449
- 421 ﴿اوقات مکروہہ میں قربانی جائز ہے﴾..... 449
- 422 ﴿قربانی کے نصاب سے متعلق ایک اہم مسئلہ﴾..... 450
- 423 ﴿قربانی کے نصاب کے بارے میں﴾..... 452
- 424 ﴿الگ الگ جمع پونجی رکھنے پر باپ، بیٹے دونوں پر قربانی واجب ہے﴾..... 454
- 425 ﴿آدی امریکہ میں ہے اس کی قربانی پاکستان میں ہے کس وقت کریں﴾..... 455
- 426 ﴿قربانی اور صاحب قربانی الگ الگ ہوں تو کس کا اعتبار ہوگا؟﴾..... 456
- 427 ﴿قربانی کی ایک خاص صورت کا بیان﴾..... 456
- 428 ﴿ایصال ثواب کی نیت سے قربانی کا جانور لینے سے قربانی واجب نہیں﴾..... 458
- 429 ﴿میت کی طرف سے کی گئی قربانی کی گوشت کا حکم﴾..... 459
- 430 ﴿جانور بھاگ جائے تو ذبح اضطراری کرنا جائز ہے﴾..... 460

- 431 ﴿ قربانی کے بتل سے جفتی کرانا ﴾ 461
- 432 ﴿ قربانی کا مسئلہ ﴾ 462
- 433 ﴿ قربانی کی کھالوں کی قیمت کا معارف ﴾ 463
- 434 ﴿ قربانی کی کھال غنی کو بھی دی جاسکتی ہے ﴾ 464
- 435 ﴿ قربانی کا جانور تبدیل کرنے کا حکم ﴾ 464
- 436 ﴿ ایک جانور میں سات سے زیادہ آدمی شریک نہیں ہو سکتے ﴾ 466
- 437 ﴿ قربانی کے بڑے جانور میں سات سے کم شرکاء بھی ہو سکتے ہیں ﴾ 467
- 438 ﴿ الاولیٰ ترک الاصل من الشعر والظفر فی عشر ذی الحجل لمن قصدان بضعی ﴾ 467
- 438 ﴿ قربانی کرنے والے کیلئے ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں بال اور ناخن کو نہ کاٹنا بہتر ہے ﴾ 467
- 439 ﴿ جس جانور کے پیدائشی طور پر سینک یا دم نہ ہو اس کی قربانی جائز ہے ﴾ 468
- 440 ﴿ جس پر قربانی واجب نہ ہو قربانی کرنے کے بعد گوشت کا حکم ﴾ 469
- 441 ﴿ قربانی کا جانور اگر قربانی سے پہلے ہلاک ہو تو اس کا حکم ﴾ 470
- 442 ﴿ قربانی گائے، بتل، بکرے میں سے کس کی قربانی افضل ہے؟ ﴾ 471
- 443 ﴿ جس جگہ قربانی کا جانور ہے اس جگہ کا اعتبار ہے ﴾ 472
- 444 ﴿ غریب آدمی کا پالتو جانور میں قربانی کی نیت کا حکم ﴾ 473
- 445 ﴿ گاؤں میں قربانی کا مستحب وقت ﴾ 473
- 446 ﴿ ۱۰ ذی الحجہ کی رات میں نیز شک کی صورت میں ۱۲ ذی الحجہ کو قربانی کا حکم ﴾ 474
- 447 ﴿ مشترکہ قربانی میں گوشت کی تقسیم ضروری نہیں ﴾ 475
- 448 ﴿ غنی آدمی کے لئے قربانی کا جانور بدلنا درست ہے ﴾ 476
- 449 ﴿ قربانی کے جانور میں دوسرے کو شریک کرنا جائز ہے ﴾ 477

صفحہ نمبر

عنوانات

نمبر شمار

- 450 ﴿پیدائشی طور پر بغیر کان والے جانور کی قربانی کا حکم﴾ 478.....
- 451 ﴿قربانی کا وقت گزرنے سے پہلے صاحب نصاب ہو جائے تو قربانی واجب ہے﴾ 478.....
- 452 ﴿نذر مانی ہوئی قربانی کی ہلاکت کا حکم﴾ 479.....
- 453 ﴿نماز عید کے بعد اور خطبہ سے قبل قربانی کا حکم﴾ 479.....
- 454 ﴿قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا جائز ہے﴾ 480.....
- 455 ﴿خصی جانوروں کی قربانی کا حکم﴾ 480.....
- 456 ﴿ایک خصیہ والے جانور کی قربانی کا حکم﴾ 481.....
- 457 ﴿باوجود صاحب نصاب ہونے کے گزشتہ سالوں کی فوت شدہ قربانی کا حکم﴾ 482.....
- 458 ﴿شرکاء آپس میں قربانی کا گوشت وزن کر کے تقسیم کریں﴾ 483.....
- 459 ﴿قربانی میں میت کی شراکت کا حکم﴾ 483.....
- 460 ﴿جس بیل کے گھٹیا پر پاؤں یا سینک نکل آئے ہوں اس کی قربانی جائز ہے﴾ 484.....
- 461 ﴿چار سینک والے جانور کی قربانی جائز ہے﴾ 485.....
- 462 ﴿قربانی سے متعلق چند مسائل﴾ 486.....
- 463 ﴿مرحوم کی طرف سے قربانی کرنے کا حکم﴾ 488.....
- 464 ﴿ایام نحر میں قربانی نہ کرنے کی صورت میں اس کی قضا کا حکم﴾ 488.....
- 465 ﴿قربانی کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ اختیار کرنے کا حکم﴾ 489.....
- 466 ﴿قربانی کے بکرے کے لئے ایک سال کا پورا ہونا شرط ہے﴾ 491.....
- 467 ﴿قربانی کرنے کے بعد غریب آدمی صاحب نصاب ہو جائے﴾ 492.....
- 468 ﴿قربانی کے لئے بکرے کی عمر ایک سال ہونا شرط ہے﴾ 493.....
- 469 ﴿جانور کی رقم صدقہ کرنے سے عقیقہ کی سنت ادا نہ ہوگی﴾ 493.....

- 494..... ﴿عقیقہ اور قربانی کے جانور میں فرق نہیں ہے﴾ 470
- 495..... ﴿عقیقہ میں چند آدمی مل کر ایک جانور ذبح کر سکتے ہیں﴾ 471
- 496..... ﴿لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے ذبح کرنا ضروری نہیں﴾ 472
- 496..... ﴿عقیقہ میں ایک بکرہ ذبح کرنا جائز ہے﴾ 473
- 497..... ﴿عقیقہ کے وقت بچے کے بالوں کو چاندی کے ساتھ وزن کرنا﴾ 474
- 498..... ﴿بچے کی ختنہ اور دیگر خوشی کے موقع پر دعوت کرنا مستحب ہے﴾ 475
- 499..... ﴿عذر کی وجہ سے ختنہ نہ کرانے کی گنجائش ہے﴾ 476
- 499..... ﴿بدنعلی کی ہوئی جانور کی قربانی کا حکم﴾ 477
- 501 ﴿کتاب الحظرو الاباحہ﴾ 478
- 501..... ﴿اللہ تعالیٰ کا نام سن کر "جل جلالہ" کہنا واجب ہے﴾ 479
- 501..... ﴿بے وضو آدمی کو تنگ کی ہوئی قرآنی آیات کو نہیں چھو سکتا﴾ 480
- 502..... ﴿قرآن مجید کے بوسیدہ اور اراق کو جلانا جائز ہے یا نہیں؟﴾ 481
- 503..... ﴿حالت جنابت میں اللہ تعالیٰ پڑھنے کا حکم﴾ 482
- 504..... ﴿انگلیوں کو چٹانہ نماز میں مکروہ ہے اور عام حالات میں بھی ناپسندیدہ ہے﴾ 483
- 504..... ﴿دوکان میں نقش لگانے کا حکم﴾ 484
- 505..... ﴿اپریل فول کا حکم﴾ 485
- 506..... ﴿موہائل سیٹ میں محفوظ قرآن پاک کو بغیر وضو کے چھونا﴾ 486
- 506..... ﴿بے وضو آدمی کے لیے آیت قرآنیہ یا حدیث لکھنے کا حکم﴾ 487
- 507..... ﴿بغیر وضو کے کتابت قرآن، کتابت حدیث کا حکم﴾ 488
- 508..... ﴿جواب کے آخر میں "واللہ اعلم بالصواب" لکھنا اکابر کا طریقہ ہے﴾ 489

- 490 ﴿اوقات مکروہہ میں تلاوت کا حکم﴾..... 509
- 491 ﴿حرام کمائی کو ذاتی استعمال میں لانا حرام ہے﴾..... 509
- 492 ﴿چڑے کا غلاف قرآن مجید سے الگ ہو تو ہاتھ لگانا جائز ہے﴾..... 511
- 493 ﴿جھوٹ بول کر مزدوری لینا حرام ہے﴾..... 512
- 494 ﴿انگریزی سیکھنا جائز ہے، البتہ انگریزوں کی تہذیب سے بچنا ضروری ہے﴾..... 513
- 495 ﴿چوری کا مال خفیہ طریقہ سے مالک تک پہنچا دینے سے چور بری ہو جاتا ہے﴾..... 514
- 496 ﴿حصول ملازمت کے لئے طبی معاینہ کرانے کا حکم﴾..... 514
- 497 ﴿سحری کے وقت لوگوں کو اٹھانے کے لئے دھول بجانا جائز ہے﴾..... 516
- 498 ﴿عذر کی وجہ سے اعضاء بننے سے پہلے اسقاط حمل کی گنجائش ہے﴾..... 516
- 499 ﴿گاڑی، بس وغیرہ میں تلاوت کرنے کا حکم﴾..... 517
- 500 ﴿قبائلی علاقوں میں مطلقہ بیٹیوں کیساتھ ظلم کی ایک صورت کا حکم﴾..... 518
- 501 ﴿حرام مال کو صدقہ کرنا واجب ہے﴾..... 519
- 502 ﴿کسی کو ناجائز مولود کا علم ہو تو کیا کرے؟﴾..... 520
- 503 ﴿زیر ناف بالوں کے حدود﴾..... 521
- 504 ﴿زیر ناف بالوں کو صاف کرنے کیلئے بال صفا پاؤڈر استعمال کرنا درست ہے﴾..... 522
- 505 ﴿مقامات اقوام معذ بہ کی سیر بہ نیت عبرت جائز ہے﴾..... 523
- 506 ﴿چاپلوسی کرتے ہوئے اپنے کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے﴾..... 524
- 507 ﴿قبر سے نکال کر پوسٹ مارٹم کرنے کا حکم﴾..... 525
- 508 ﴿شوہر جنتی نہ ہو تو بیوی کا نکاح دوسرے جنتی سے کیا جائیگا﴾..... 526
- 509 ﴿بغیر مطالبہ کے محکمہ کے آفیسر کو کچھ دینا رشوت نہیں ہے﴾..... 527

﴿باب خيار العيب﴾

﴿تمام عیوب سے براءت کے ساتھ کسی چیز کو بیچنا جائز ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل بعض دکانداروں نے اپنی دکان پر یا جس چیز کو وہ بیچنا چاہتے ہیں اس پر لکھا ہوتا ہے کہ ”خرید اہو مال واپس نہیں ہوگا“ اور جب خریداران سے کوئی چیز خریدتا ہے تو بائع اس وقت صراحتاً کہہ دیتا ہے کہ بھائی یہ چیز ہے اس کو چیک کر لیں لے جانے کے بعد اگر اس میں کسی بھی قسم کی خرابی کے بارے میں آپ کو علم ہو تو میں واپس نہیں لوں گا کیا دکانداروں کا اس طرح سے کسی چیز کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ ہم نے تو سنا ہے کہ خریدنے کے بعد اگر کسی شیئ مبیعہ (سامان) میں کوئی خرابی نظر آجائے تو خریدار اس کو واپس کر سکتا ہے۔ مستفتی: فخر الزمان

﴿مولا﴾ کسی چیز کی فروخت کے وقت اگر فروخت کرنے والے نے یہ کہہ دیا کہ یہ چیز ہے اس کو آپ اچھی طرح چیک کر لیں بعد میں اگر اس میں کوئی خرابی نکلی تو میں واپس نہیں لوں گا تو دکانداروں کے لئے شرعاً اس طرح معاملہ کرنے کی اجازت ہے اور فروخت کنندہ کے اس طرح کہہ دینے سے مشتری بائع کو وہ چیز واپس نہیں لو سکتا۔

اسی طرح اگر بائع نے کہا تو نہیں لیکن دکان پر لکھا ہوا آویزاں ہے کہ ”خرید اہو مال واپس نہ ہوگا“ اور دکانداروں کے عرف میں بھی اس طرح لکھ لینے سے بچی ہوئی چیز کو واپس نہیں لیا جاتا اور مشتری (خریدار) کو اشیاء خریدتے ہوئے اس آویزاں تحریر کے بارے میں علم بھی ہو جائے تو ایسی صورت میں بھی مشتری کو خریدی ہوئی چیز شرعاً واپس لوٹانے کا حق نہیں، البتہ اگر خریدتے وقت بائع نے اس طرح کے الفاظ نہ کہے ہوں اور خرید و فروخت کا معاملہ مطلق ہوا ہو پھر خریدنے والے کو اس خریدی گئی شے میں کسی ایسی خرابی کا علم ہو جائے جو کہ بیچنے سے قبل فروخت کنندہ کے پاس اس شے میں موجود تھی تو خریدنے والے کو ایسی صورت میں واپس لوٹانے کا حق حاصل ہے۔

لما فی القیویر مع الدر: (۲۲/۵) مطبع سعید

(رویح البیوع بشرط براءۃ من کل عیب و ان لم یسم) خلافاً للشافعی لان البراءۃ عن العیوب المجهولة لا یصح عندہ و یصح عندنا لعدم القضاء الی المنازعة و یدخل فیہ الموجود للمحدث (بعد العقد) قبل القبض فلا یدریم

وفی الشامیۃ بیان قال بعثک هذا لا مبدع علی انی ہری، من کل عیب..... قلت: ولا خصوصیۃ لهذا اللفظ بل مثله کل ما یؤدی معناه..... ومنہ ما معروف فی زماننا فیما اذا باع دارا مثلاً فبقول بعثک هذه الدار علی انها کوم قراب، وفی بیع الدابة بقول مکسره معطمة، وفی نحو الثوب بقول هراق علی الزنادور یدون بذلك انه مشتمل علی جمیع المیوب فاذا رضیہ المشتري لا یمار له لانه قبله بکل عیب یمار له.

ولسالی الهدایۃ وحاشیتها: (۲/۲۱، مطبع رحمانیہ)

اوباع بالرقم واعلمہ فی المجلس الرقم فی الاصل الکتابۃ والختم والتاجر رقم الثیاب ای یعلمہا بان ثمنها کذا والمراد من البیع بالرقم هو ان یعلم البائع علی الثوب بعلامۃ یعلم بها الدلال او غیرہ بان ثمن الثوب کذا یمار ولا یعلم المشتري ذلك القدر فبقول صاحب الثوب او الدلال او غیرہ بعثک هذا الثوب برقمہ فقال المشتري قبلت من غیر ان یعلم مقداره ینعقد البیع فاسدائم لو علم المشتري قدر ذلك الرقم فی المجلس وقبله ینقلب البیع جائز بالاتفاق.

ولسالی الاشباہ والنظائر: (ص ۹۹ مطبع قدیمی)

المبحث الثالث: العادة المطردة هل تنزل منزلة الشرط؟ قال فی اجارة الظہیریۃ: والمعروف عرفاً کالمشروط شرعاً.

واللہ اعلم بالصواب: فیما اقبل عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۶۷۰

۱۴۳۱ھ

﴿ ضمانت کے باوجود بیع میں عیب نکلنے کی صورت میں خریدار کس سے رجوع کریگا؟ ﴾
 ﴿مو ۱﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے ایک شخص نے کہا کہ فلاں جگہ آپ کا مطلوبہ سامان ہے، چل کر خرید لیتے ہیں، چنانچہ میں ان کے ساتھ گیا جب میں نے سامان دیکھا تو کچھ شک سا ہو گیا کہ یہ سامان دو نمبر ہے اور میں نے اس شک کا اظہار لیکر جانے والے شخص سے بھی کیا تو اس نے کہا کہ آپ خرید لیں اگر کوئی عیب ثابت ہو گیا تو میں ذمہ دار ہوں گا، لہذا میں نے ان کے کہنے پر خرید لیا اپنے گودام میں پہنچاتے ہی وہاں پر موجود دوسرے کاروباری حضرات نے مجھ سے کہا کہ یہ تو واقعی دو نمبر سامان ہے۔

لہذا میں نے وہ سامان اٹھایا اور اس شخص کے گودام میں اتار دیا جس کے کہنے پر میں نے لیا تھا، پہلے تو وہ کچھ بھی نہیں مان رہا تھا لیکن جب درمیان کے لوگوں نے فیصلہ کیا کہ آدھا مال آدمی رقم کے بدلے میں آپ کا ہوگا اور آدھا مال آدمی رقم کے بدلے میں دوسرے کا تو وہ راضی ہو گیا،

اب وہ سارا مال اسکے گودام میں تھا کہ اچانک رات کو غائب ہو گیا، پہلے تو وہ یہ کہ رہا تھا کہ چوری ہو گیا لیکن اب وہ یہ کہ رہا ہے کہ صلح اس بات پر ہوئی تھی کہ آدمی رقم دیکر سارا سامان میں لوں گا جبکہ فیصلہ دی ہوا تھا جو اوپر ذکر کیا گیا، پوچھنا یہ ہے کہ میرے لئے اس سے نصف سامان لینے کا شریعت میں کیا طریقہ ہے؟ بیوا تو جروا۔

﴿مولا﴾ جب آپ لوگوں کے درمیان صلح اس بات پر ہو گئی کہ آدھا مال آدمی رقم کے بدلے ایک کا ہوگا اور بقیہ آدھا مال آدمی رقم کے بدلے دوسرے کا تو اب دوسرے آدمی پر لازم ہے کہ وہ آدمی رقم آپ کو ادا کر کے آدھا مال لے لے اور بقیہ آدھا مال آپ کو دے۔

اب اگر وہ انکار کرتا ہے کہ صلح اس طرح نہیں ہوئی تھی تو آپ پر لازم ہے کہ آپ گواہوں کی گواہی کے ذریعے ثابت کریں کہ صلح اس طرح ہوئی تھی اور اگر گواہ نہ ہوں تو وہ اس طرح مصالحت سے انکار کے ساتھ قسم کھالے تو آپ کا دعویٰ رد ہوگا، البتہ وہ قسم کھانے سے انکار کرے تب آپ کے لئے اس سے نصف رقم اور نصف سامان لینے کا حق شریعت کی طرف سے حاصل ہوگا۔

لسالی التنبیر مع الدر (۵/۵۴۷-۵۴۸، طبع سعید)

(فان اقر اخيهما (او انكر فبهر من المدعى قضى عليه) بلا طلب المدعى (والا) بغير من (حلفه)

الحاكم (بعد طلبه) اذ لا بد من طلب البمين في جميع الدعاوى.

ولسالى الهدية: (۳/۲۱۰، طبع رحمانیہ)

واذا صنعت الدعوى سال القاضى المدعى عليه عنها ليتكشف وجه للحكم فان

اعترف قضى عليه بهوار انكر سال المدعى البيبتوران احضرها قضى بها.

الجواب صحیح: محمد الراجحی عفا الله عنہ

والله اعلم بالصواب: سلمان احمد

فتویٰ نمبر: ۲۸۷۸

۱۳ صفر الخیر ۱۳۳۲ھ

﴿خيار شرط میں وراثت جاری نہیں ہوتی﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب نے تکبیل احمد سے موٹر سائیکل خریدی اجس ۳۵۰۰۰ روپیہ کے والد صاحب نے ان سے کہا کہ تین دن کا مجھے اختیار دو پسند آیا تو ٹھیک ہے ورنہ واپس کرونگا۔ لیکن اچانک میرے والد صاحب اس دنیا فانی سے رخصت ہو گئے۔ اب میں موٹر سائیکل واپس کرنا چاہتا ہوں، تو کیا شرعاً مجھے واپس

کرنے کا اختیار حاصل ہے؟ برائے مہربانی وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: راجہ ابرار الحق

﴿مجموع﴾ آپ کے والد مرحوم کو تین دن تک موٹر سائیکل لینے یا رد کرنے کا اختیار تھا، انہوں نے اپنی حیات میں رد کرنے کا کوئی فیصلہ نہیں کیا، اب انکے انتقال کے بعد آپ لوگوں کو رد کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے، لہذا آپ اس خیار شرط کی بنیاد پر واپس نہیں کر سکتے۔

لما فی القنویں الابصار: (۵۸۱/۲، طبع: سمیع)

(وتم العقد بموته) ولا یخلفه الوارث کخیار رؤیة وتعزیر (قوله بموته) ای موت من له الخیار بانعما کان او مشترکاً (قوله ولا یخلفه الوارث) لانه لیس الا مشیئة وارده ولا بتصور انتقاله والارث فیما یقبل الانتقال هدایہ.

ولما فی الهدایہ: (۳۲/۲، طبع: رحمانیہ)

واذا مات من له الخیار بطل خیاره ولم ینقل الی ورثته

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید کوہاٹی

فتویٰ نمبر:

۲۷ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

﴿خریدی ہوئی عیب دار چیز کے منافع کا حق خریدار کو حاصل ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے بکر کو ایک گاڑی فروخت کی، اور بکر نے یہ گاڑی آگے زیادہ قیمت پر قسطوں میں حامد کو فروخت کی، حامد نے کچھ قسطیں ادا کی اور اس گاڑی سے تقریباً ۷۰ ہزار روپے نفع بھی کمایا، پھر اس گاڑی کے کاغذات میں عیب لکھا، جس کی وجہ سے یہ گاڑی حامد نے بکر کو اور بکر نے زید کو واپس کر دی، عرض سوال یہ ہے کہ گاڑی سے جو ۷۰ ہزار روپے نفع حاصل کیا ہے وہ کس کا ہے؟

﴿مجموع﴾ مذکورہ صورت میں گاڑی سے جو نفع حاصل ہوا ہے وہ مشتری ثانی یعنی حامد کا حق ہے، کیونکہ خدا نخواستہ حامد کے پاس گاڑی کا کوئی نقصان اگر ہوتا تو اس کی تلافی بھی حامد کے ذمہ ہوتی لہذا نفع بھی اسی کا حق بنتا ہے۔

لما فی سنن ابی داؤد: (۱۳۹/۲، طبع: رحمانیہ)

عن عائشة ان رجلاً ابتاع غلاماً فاقام عنده ما شاء الله ان یقیم ثم وجد به عیباً فخاصمه الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فردہ علیہ فقال الرجل یا رسول اللہ قد استغفل غلامی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخراج بالضمان.

ولما فی الأشباه والنظائر ص: ۱۲۸ طبع: قدوسی کراچی

قال ابو عبيد: الخراج فی هذا الحديث غلة العبد يشتريه الرجل فيستعمله زماناً ثم يعثر منه على عيب دلسه البائع فيرده وياخذ جميع الثمن و يدرز بغلته كلها ، لأنه كان في ضمانه ، ولو هلك هلك من ماله (انتهى)

ولما فی الشامی ۱۹، ۱۸/۵ طبع: سعید

والمفصلة نرعان: متولدة كالولد وغير متولدة ككسب وغلة و هبة و صدقة ، فقبل القبض لا تمنع الرد فاذا رد فهي للمشتري بلا ثمن عنده ولا تطيب له ، و عندها للبائع ولا تطيب له ، و بعد القبض لا تمنع الرد ايضا و تطيب له الزيادة .

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد ابرار غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۲۵۳۱

۱۹ صفر الحیر ۱۴۳۳ھ

﴿خیار عیب کی وجہ سے ضمان لینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ میں نے ایک کپڑا خریدا اور اس کو کاٹ لیا پھر معلوم ہوا کہ اسکی ایک طرف مکمل خراب ہے جبکہ جگہ سے پھٹا ہوا ہے جو سینے کے قابل نہیں تو کیا اب میں کپڑا واپس کر سکتا ہوں ، اگر کپڑا واپس نہیں کر سکتا تو مجھے جو نقصان پہنچا ہے اس کا ضمان لے سکتا ہوں؟

﴿جواب﴾ معاملہ کے وقت واقعی یہ کپڑا اگر زیادہ مقدار میں پھٹا ہوا تھا اور آپ پر یہ عیب مخفی رہا تو آپ کو واپس کرنے کا حق حاصل تھا لیکن آپ نے رد کرنے سے پہلے کاٹ لیا ہے اب تو بائع لینے کو تیار نہیں ہوگا ، البتہ مارکیٹ میں اتنا پھٹا ہوا کپڑا جتنے کا ملتا ہے صرف اتنے پیسے بائع اپنے پاس رکھ سکتا ہے باقی زائد رقم واپس کرنا شرعاً اس کی ذمہ داری ہے اس صورت میں کپڑا آپ ہی کا ہوگا۔ اور بائع چاہے تو کٹا ہوا پورا کپڑا اپنے پاس رکھے اور پوری رقم واپس کر دے۔

لما فی الرد للمعتار: (۵/۵) طبع: سعید

لا بد فی العيب ان لا يتسكن من لوائته بلا مشقة فخرج احرام الجارية بونجاسة ثوب لا يتقص بالفسل وان يكون عند البائع ولو لم يعلم به المشتري ولم يكن البراءة منه خاصاً أو عاماً، ان لا يعلم به عند القبض ولم يوجد من المشتري ما يدل على الرضا به بعد العلم بالعيب ولما فی القنویرو الدر: (۵/۱۹) طبع: سعید

(وله للرد برضا البائع) الا لسانع عيب أو زيادة (كان اشترى ثوبا فقطعه فاطلع على عيب رجع به كاي يتقصانه لتعذر الرد بالقطع) فان قبله البائع كذلك له ذلك لانه اسقط حقه

ولما فی الرد المحتار (۱۹/۵، طبع: سعید)

(قوله كان اشترى ثوبا تمثيل لاصل المسألة لا للزيادة) (قوله فقطعه) ووطء الجارية كالقطع بكرا كانت أو ثيبا (قوله فاطلع على عيب) ذكر الفاء بليد ان القطع لو كان بعد الاطلاع على العيب لا يرجع بالتقصان.

ولما فی الھندیۃ: (۸۲/۳، طبع: قدسی)

رجل اشترى ثوبا فقطعه ولم يخط لرجده به عيبا فليس له ان يرده فان قال البائع انا اقبله كذلك كان له ذلك

ولما فی البحر الرائق: (۴۹/۱، طبع: سعید)

(قوله ومن اشترى ثوبا فقطعه فوجد به عيبا رجع بالعيب ای بتقصان العيب التميم لان القطع عيب حادث (قوله وان قبله البائع كذلك فله ذلك) لان الامتناع لحقه وقد رضی به.

والشاعر علم بالصواب: ضياء الحق انگی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

نوی نمبر: ۳۲۰۹

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

﴿ خریدنے کے بعد انڈوں کا خراب نکلنا ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک دکاندار ہو، میری دکان پر کھانے پینے کی اشیاء زیادہ تر فروخت ہوتی ہیں، ان اشیاء میں سے مرغیوں کے انڈے بھی ہوتے ہیں، بعض لوگ انڈے لے جاتے ہیں، اور بعض انڈے توڑ کر واپس لاتے ہیں، جو کہ اندر سے انڈے خراب نکلتے ہیں ہمیں انڈا فروخت کرتے وقت یہ علم نہیں ہوتا کہ آیا یہ انڈا صحیح ہے یا خراب لیکن دکان پر پڑے ہوئے کچھ دن گزر جاتے ہیں، جسکی وجہ سے خرابی پیدا ہو جاتی ہے، اب پوچھنا یہ ہے کہ جو گا ہک خراب انڈے واپس لاتے ہیں، کیا شریعت کی روشنی میں ان لوگوں کا واپس کرنا اور ہمیں واپس لینا درست ہے؟ مستفتی: محمد زبیر معادیہ

﴿جواب﴾ انڈے پڑے پڑے آپ کے پاس خراب ہو گئے تھے البتہ خراب ہونے کا علم توڑنے کے بعد ہوا، اس لئے یہ آپ کا نقصان ہے گا ہک کو پوری رقم واپس لینے کا حق ہے، البتہ آپ کو گا ہک کی بات پر اطمینان نہ ہو تو الگ بات ہے، اگر آپ جانتے ہیں کہ گا ہک آپ کے پاس سے ابھی انڈے لیکر گیا اور وہ خراب نکلے ہیں تو پوری رقم واپس کر دینا ضروری ہے۔

لما فی الھندیۃ: (۸۴/۳، طبع: رشیدیہ)

ومن اشترى بيضيا أو بطيخا أو قثاء أو خيارا أو جوزا أو قرا أو فاكهة فكسره غير عالم

بالعیب فوجدہ فاسدا فان لم ينتفع به كالقرع المرء والبیض المزور يرجع بلسن كله لانه ليس بمال فيكون بيعه باطلا بخلاف ما لو كسره عالما بالعیب لا یرده.

ولما فی التلویح مع الدر: (۲۵/۵ طبع: سعید)

(شری نحو بیض و بطیخ) کجوز و قلاء (فکسره فوجد فاسدا ینتفع به) ولو علنا للردوب (فله) ان لم یتناول منه شیئا بعد علمه بغیبه (تقصانه) الا اذا رضی البائع به ولو علم بعیبه قبل کسره فله رده (وان لم ینتفع به اصلا فله کل الثمن) لبطال البیع، ولو کان اکثره فاسدا جاز بعصته عندهما نهر.

ولما فی البحر الرائق: (۲/۱ طبع: سعید)

(قوله) ولو اشتری بیضا أو قلاء أو جوزا فوجدہ فاسدا ینتفع به رجع بتقصان للعیب والا بكل الثمن کای ان لم یکن منتقما به فانه یرجع بجمیع الثمن لانه لیس بمال فکان البیع باطلا.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جهان ڈیوی

فتویٰ نمبر: ۳۲۶۱

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿ خریدار کو عیب کے بقدر رجوع کا حق حاصل ہے ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا کپڑے کا ایک کارخانہ ہے، میرے ایک دوست جو لیدر کی جیکس تیار کر کے ایکسپورٹ کرتے ہیں ان جیکس میں استعمال ہونے والا کپڑا مجھ سے خریدتے ہیں، ہمارے درمیان یہ معاہدہ طے ہوا تھا کہ میں مخصوص کیمیکل سے رنگا ہوا کپڑا فروخت نہیں کروں گا، کپڑا خریدنے کے بعد بسا اوقات لیبارٹری میں چیک بھی کرواتے ہیں لیکن ایک مرتبہ کپڑا خریدنے کے بعد لیبارٹری میں چیک کئے بغیر اس نے جیکس تیار کر کے ایکسپورٹ کی، جب اس ملک میں جا کر کپڑا چیک ہوا تو پتا چلا کہ ممنوعہ کیمیکل استعمال ہوا ہے، خریدار نے وہ کپڑا اتار کر دوسرا کپڑا لگایا اور جیکس کو فروخت کر دیا، اب اس کا کہنا ہے کہ اس سارے عمل کے دوران ۸ لاکھ روپے کا نقصان ہوا ہے۔

لہذا آدھا نقصان تم برداشت کرتے ہوئے چار لاکھ روپے ادا کرو، پوچھنا یہ ہے کہ میرے دوست کا یہ مطالبہ درست ہے یا نہیں؟ نیز میرے ذمہ اس نقصان کی ضمان ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ میں نے اپنے دوست کو یہ کپڑا تقریباً ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے کا فروخت کیا تھا۔

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں آپ کے دوست کا مطالبہ کہ چار لاکھ روپے کا نقصان آپ کو برداشت کرنا ہوگا صحیح نہیں ہے، البتہ کپڑے میں مطلوبہ معیار نہ ہونے کی وجہ سے صرف کی

(عیب) کی بقدر قیمت کم کرنے کا انہیں حق حاصل ہے مثلاً یہ کپڑا بغیر عیب کے اگر ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے کا تھا تو اس عیب کے ہوتے ہوئے بھی آخر مارکیٹ میں کچھ قیمت تو ہوگی، لہذا ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے میں سے عیب دار کپڑے کی قیمت کے برابر رقم لینا آپ کا حق ہے، وہ اپنے پاس رکھ لیں باقی رقم اپنے دوست کو واپس کر دیں چار لاکھ روپے ان کو ادا کرنا آپ کے ذمہ واجب نہیں ہے۔

لما فی الهدایۃ: (۲/۲۴، طبع رحمانیہ)

فان قطع الثوب و خاطه او صبغه احمر اولت السریق بحسن ثم اطلع علی عیب رجع
بتقصانه لامتناع الرد بسبب الزیادۃ.

ولما فی مجمع الضمانات: (ص ۲۹۵، طبع دار الکتب العلمیۃ بھروت)

ولو اشتری ثوباً مصبغہ او قطعہ او خاطہ او طعن الحنطۃ لا یرد فان باعہ لہ یرجع بالتقصان.

ولما فی التنبیہ مع الدرر: (۵/۲۰، طبع بیچ ایم سعید)

(فلو قطعہ) المشتري (و خاطہ)..... (ثم اطلع علی عیب رجع بتقصانه)

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبدالکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۲۰۵

۱۳ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

﴿خیار عیب کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ میں نے ایک اپارٹمنٹ رہائشی مقصد کے لئے پسند کیا اور اس سلسلے میں تین چار مرتبہ اپنی فیملی کو بھی وہاں لے گیا، اس نے ہمیں دکھایا، میرے اور دوسری پارٹی کے ایجنٹ پر یہ بات پوری طرح واضح تھی کہ مجھے رہائشی مقصد کے لئے اپارٹمنٹ کی ضرورت ہے اور اسی مقصد سے مجھے وہ دکھا رہے تھے پھر ایک اپارٹمنٹ پسند آ گیا جو کہ انھوں نے مجھے چار دفعہ دکھایا تھا، اسکے میں نے 5 لاکھ روپے بیعانہ کی صورت میں ادا کئے اور دو ماہ بعد پوری رقم ادا کرنی تھی، مجھ پر کسی نے بھی یہ بات واضح نہیں کی تھی بیعانہ لیتے وقت کہ یہ اپارٹمنٹ رہائشی نہیں ہے بلکہ کمرشل ہے، جب مکمل ادائیگی کا وقت آیا تو میرے میٹر کے بارے میں پوچھنے پر کہ یہ میٹر 3 فیز والا ہے یا نہیں؟ یہ بات مکمل کی کہ یہ میٹر اور بلکہ پورا اپارٹمنٹ ہی کمرشل پر اپرٹی ہے اور اب اسکا رہائش میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

اب پوری صورت حال آپ کے سامنے ہے جبکہ میرے ساتھ دھوکہ ہوا ہے اور مجھے بالکل

اس پر اپنی کے عیب کے بارے میں بتایا ہی نہیں گیا تو کیا میں اپنا بیعانہ واپس مانگنے میں حق بجانب ہوں یا نہیں؟

﴿محرر﴾ نیک و معتد اسٹیٹ ایجنٹوں سے استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ بعض علاقوں میں کمرشل پلاٹ میں رہائش کی اجازت ہوتی ہے اور بعض میں رہائش اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہوتی، سو آپ کا یہ پلاٹ اگر ایسے علاقہ میں ہے جہاں رہائش کی قطعاً اجازت نہیں تو اس صورت میں یہ عیب شمار ہوگا (جس کا آپ پہلے علم نہیں تھا) لہذا آپ پلاٹ واپس کر سکتے ہیں اور بیعانہ کی رقم واپس لوٹانا ان کے ذمہ لازم ہے۔

لما فی الہندیۃ: (۶۱/۲، مطبع رشیدیہ)

واذا اشتری شیئاً لم یعلم بالعیب وقت الشراء ولا علمہ قبلہ والعیب یسیر او فاحش فله

الخیار ان شاء رضى بجمیع الخس وان شاء رددہ

ولما فی الہندیۃ: (۶۲/۲، مطبع رشیدیہ)

رجل اشتری شائعاً وجدہا مقطوعاً لان من اشترى لعل الاضحية كان له ان يردھا وكنك كل ماہین

الاضحية ان اشترى لعل الاضحية لا يكون له ان يردھا لان يكون نكك عیباً عن الناس

ولما فی الہندیۃ: (۶۳/۲، مطبع رشیدیہ)

اشتری ارضاً ونخلالیمس لھا مشرب ولم یعلم بہ لہ الخیار. کذا فی الوجیز للکردی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفر اللہ

فتویٰ نمبر: ۸۱۳

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

﴿گواہی کے کاغذات میں فرق ہونا عیب ہے﴾

﴿محرر﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کبھی ہم کسی دوست پر اعتماد کر کے اس سے گاڑی خرید لیتے ہیں پھر کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کاغذات میں فرق ہے، آیا ہم اس کو گاڑی واپس لینے پر مجبور کر سکتے ہیں اور اپنی رقم واپس لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اس دوران گاڑی استعمال بھی ہوئی ہے اور پندرہ، بیس ہزار روپے بھی ہم نے اس پر خرچ کئے ہیں، اس کا کیا ہوگا؟ کاغذات میں کبھی فرق اس کو معلوم ہوتا ہے اور کبھی اس کو بھی معلوم نہیں ہوتا۔

﴿محرر﴾ صورت مسئلہ میں خرید و فروخت کے وقت اگر گاڑی بیچنے والے نے ہر قسم کے میوب سے براءت کا اظہار کیا ہو کہ یہ گاڑی ہے اور یہ اس کے کاغذات ہیں انھی طرح دیکھ لو

بعد میں اگر کوئی عیب نکل آیا تو ہم ذمہ دار نہیں ہوں گے اس طرح اگر اس نے کہا ہو پھر تو خریدار کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بائع کو گاڑی واپس لینے پر مجبور کر دے۔

ہاں اگر بائع مشتری (خریدار) پر احسان کر کے اپنی خوشی سے گاڑی واپس لینا چاہے تو واپس لے سکتا ہے۔ اور اگر خریدار فروخت کے وقت عیوب سے برأت کا اظہار نہ کیا ہو اور پھر خریدار کے پاس کاغذات کے اندر یا گاڑی کے اندر کوئی پرانا عیب نکل آئے تو اس صورت میں خریدار کو یہ اختیار ہو گا چاہے تو پوری قیمت میں گاڑی اپنے پاس رکھے یا اس عیب کی وجہ سے یہ گاڑی بائع کو واپس کر دے اور اپنی پوری رقم بائع سے وصول کرے اور اس بارے میں فقہاء کرام نے یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے ”کہ ہر وہ چیز جو تاجروں کی عادت میں نقصان ثمن (قیمت کی کمی) کا باعث ہو وہ عیب ہے۔“

یعنی یہ بات کہ گاڑی خریدنے کے بعد استعمال ہوئی ہے اور خریدار نے اس پر پندرہ، بیس ہزار روپے خرچ کئے ہیں اس سے مراد اگر ایسے خرچے ہیں جو کہ گاڑی کے استعمال کے سلسلہ میں کرنے پڑتے ہیں مثلاً پیٹرول، آئل، ڈیزل وغیرہ تو ایسے خرچے خریدار وصول نہیں کر سکتا اور اگر رنگ یا انجن میں کام کیا ہے تو ایسی صورت میں گاڑی بائع کو واپس نہیں کی جائے گی، البتہ عیب کے بقدر رقم خریدار بائع سے وصول کرے گا جس کی قیمت ٹرانسپورٹ والے لگائیں گے۔

لشافی شرح المجلة للأتاسی: (۲/۲۱۰، المادة ۳۳۶، طبع رشیدیہ)

البيع المطلق يقتضي سلامة المبيع من العيوب يعني ان بيع المال بدون البراءة من العيوب بلا ذكرانه معيب أو سالم يقتضي ان يكون المبيع سالماً خالياً من العيب لأن الشراء انما شرع لدفع الحاجة، ودفع الحاجة على التمام انما يكون بالسالم من العيب غالباً فكان قصد المشتري الى السالم هو الغالب فكان وصف السلامة كالشروط فيتخير عند فقده كى لا يتضرر بالزام مالم يرض به ولان السلامة من العيب لما كانت الاصل في المخلوق انصرف مطلق العقد اليها (افاده في الفتح) المادة ۳۳۷ ما بيع مطلقاً اذا ظهر فيه عيب قديم يكون المشتري مخيراً ان شاء قبله بثلثه المسمى.

ولشافی فتح القدير: (۱/۱۳، طبع رشیدیہ)

(فامتنع اصلاً وليس للبائع ان يأخذه) وان رضی المشتري بترك الزيادة (لان الامتناع) لم يتمحض لحقه بل لحقه وحق الشرع بسبب ما ذكرنا من لزوم الربا ورضاه باسقاط حقه لا يتعدى الى حق الشرع بالاستقاط.

و کذا فی الدر المختار: (۱/۱۶۸-۱۸۹، مطبع امدادیہ ملتان) و کذا فی
الہندیہ: (۲/۶۷-۷۷، مطبع رشیدیہ کونٹہ)

واللہ اعلم: صلاح الدین ڈیروی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۷۲۰

۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

﴿گاڑی میں عیب ظاہر ہو جائے تو خریدار کو واپس کرنے کا اختیار ہے﴾
﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک شخص سے
ایک گاڑی خریدی گاڑی کا ظاہری رنگ دروغن بہت اچھا تھا کیونکہ کچھ عرصہ قبل نیا کروایا تھا
فروخت کرتے وقت بائع نے کہا کہ رنگ بھی ابھی کیا ہے اور انجن بھی، اسکی وجہ سے اس نے
گاڑی کی قیمت زیادہ بتائی اور میں نے ان تمام صفات کو سن کر اور گاڑی کو دیکھ کر اسکی بتائی ہوئی
قیمت مناسب سمجھی اور خرید لی لیکن چند دنوں کے بعد ایک ماہر مکینک کے ذریعے پتہ چلا کہ گاڑی
میں وہ صفات نہیں ہیں جو بائع نے بتائی تھیں، انجن پرانا تھا صرف رنگ کیا گیا تھا۔

پوچھنا یہ ہے کہ کیا شرعاً میں اس گاڑی کو واپس کر سکتا ہوں جبکہ میں نے چند دن گاڑی
استعمال کر کے کچھ پیسے بھی کمائے ہیں۔ برائے مہربانی مسئلے کا شرعی حل بیان فرمائیں۔

﴿مولا﴾ جب آپ نے بائع کی بیان کردہ صفات کی وجہ سے اسکی بتائی ہوئی قیمت کو
مناسب سمجھ کر گاڑی خریدی اور بعد میں گاڑی کو ان صفات کا حامل نہ پایا تو آپ کو اختیار ہے کہ اگر
آپ چاہیں تو گاڑی کو دی ہوئی یعنی پوری قیمت کے عوض لے لیں یا واپس کرنا چاہتے ہیں تو
گاڑی کو لوٹا کر بائع سے پوری قیمت واپس لے لیں کیونکہ انجن وغیرہ کا کمزور اور پرانا ہونا عرفاً
ایک عیب ہے جسکی وجہ سے گاڑی کی قیمت میں غیر معمولی کمی ہوتی ہے۔

اور جو پیسے آپ نے گاڑی کو استعمال کر کے کمائے ہیں ان کے آپ مالک ہیں کیونکہ بیع تام
ہونے کے بعد آپ چونکہ گاڑی کے باقاعدہ مالک قرار پائے تھے اور اپنی ملوکہ گاڑی وغیرہ کے
ذریعے اگر کوئی کچھ کمائے تو وہی اس کا مالک ہوتا ہے کسی دوسرے کا اس میں کوئی حق نہیں ہوتا۔

لسالی القدر مع الدر: (۵/۵، مطبع سعید)

(من وجد بشریہ ما ینقص اللمن) اولویسیراجوہرہ (عند التجار) المراد بہم ارباب
المعرفۃ بكل تجارہ وصنعة لاله المصنف (أخذہ بكل اللمن اوردہ)

ولمافی البحر الرائق (۱/۱۶ طبع سعید)

(قوله من وجنب المنبيع عنبالخذه بكن الشمن لورمعالان مطلق العتبتنضی وصف
السلامة فمعتداته بتخیر کیلا یقتصر ریلزوم مالا یرضی به دل کلامه انه لیس له
امساكه واخذتصان لان الاوصاف لا یقابلیاش من الشمن فی مبرر نعتت
ولمافی منعی ابی داؤد (۲/۱۲۱ طبع رحمانیہ)

حنثا احسن یونس حنثا لیس ابی شنب عن مغنہن خفاف عن عروہ عن عائشہ قالت
قال رسول علی الله عنہ وسلم الخراج بالنضان۔

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واذا علم بالاصواب: شارح محمود کو بائی عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۰۵۸

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ

﴿کسی مکان میں جنات کا ہونا بھی عیب ہے﴾

﴿مولا﴾ ایک آدمی نے مکان کرائے پر لیا لیکن ساتھ خیابان کی شرط بھی لگا دی پھر وہ
آدمی دو دن تک اس مکان میں رہا، مکان میں بے پروا کوئی عیب نہ تھا لیکن وہاں جنات تھے جو
مختلف طریقوں سے پریشان کرتے تھے تو کیا یہ جنات کا ہونا عیب شمار کیا جائے گا؟ اور کیا اسکی
جگہ سے اجارہ نسخ ہو جائے گا؟ بیذا تو جروا۔

﴿مولا﴾ جنات اگر کسی مخصوص آدمی کے ساتھ ہیں کہ اسکے داخل ہونے کی وجہ سے پریشان
کرتے ہیں تو یہ عیب شمار نہ ہوگا اور اسکی جگہ سے اجارہ نسخ نہ ہوگا اور اگر جنات کسی آدمی کے ساتھ
خاص نہیں ہیں بلکہ مکان میں ہیں اور خواہ مخواہ پریشان کرتے ہیں تو یہ عیب شمار ہوگا اور اسکی جگہ
سے اجارہ نسخ ہو جائے گا۔

لمافی الشامی (۱/۱۱ طبع سعید)

قال البیہقی فی حضمہ ان لرحم الشی یلع کثیرا فی النبوت وینال لہ من اللجان عنرفی
لسخ الاجارہ غلما یحصل من الضرر لیس ما ذکرہ اہ اقل یظہر ہنثوکان لرحم لثات
الشرامالوکان لشخص مغصہ من فلاح وناخبرنی بعض شرفاء ان اقل زوجہ
سعر وائمہ فکنا نخلت نلرہ یحصل لرحم وناخبرجت یقطع واللہ تعالیٰ اعلم فامل۔

واذا علم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۳۶۱

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ

﴿باب الاقالہ﴾

﴿ثمن اول سے کمی و زیادتی کے ساتھ اقالہ کرنا باطل ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو قسطوں پر 41 لاکھ روپے پر ٹرک دے دیا، تو خریدار کچھ مہینے کے بعد نام ہو کر ٹرک واپس کرنا چاہتا ہے بائع تیار ہے لیکن ٹرانسپورٹ کے اصول کے مطابق 4 لاکھ روپے کٹوتی آتی ہے، آیا یہ معاملہ جائز ہے اگر جائز نہیں تو اسکی جائز صورت کیا ہوگی؟ مستفتی: وزیرستانی

﴿جواب﴾ ایجاب قبول سے بیع تام ہو جاتی ہے، بیع مکمل ہو جانے کے بعد خریدار یا بائع کو کسی شرعی وجہ کے بغیر رد کرنے کا کوئی اختیار نہیں رہتا البتہ باہمی رضامندی سے واپس کرنا چاہیں تو کمی بیشی کے بغیر نسخ کر سکتے ہیں، شرعی اصطلاح میں اسے اقالہ کہتے ہیں، اقالہ کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے ثواب کا کام ہے، لیکن اسی ریٹ پر واپس کرنا ضروری ہوتا ہے کمی بیشی جائز نہیں ہوتی۔

نسخ بیع یعنی اقالہ کے علاوہ نیا عقد یعنی الگ سودا بھی اسی چیز کا جائز ہوتا ہے اور نئے عقد میں باہمی رضامندی سے معاوضہ جو بھی طے کرنا چاہیں کر سکتے ہیں لیکن نیا عقد اس صورت میں جائز ہوتا ہے جبکہ پہلا معاملہ بے باقی ہو چکا ہو، خریدار نے پورا پیسہ ادا کر دیا ہو، خریدار کے ذمہ پیسے ادا کرنا اگر باقی ہے۔ تو صرف اقالہ کی گنجائش ہوتی ہے نیا سودا اس شخص سے جائز نہیں ہوتا۔ لہذا خریدار کے ذمہ چونکہ ابھی کافی قسطیں ادا کرنا باقی ہیں تو اس صورت میں اقالہ ہی جائز ہے ٹرانسپورٹ کے اصول کے تحت کٹوتی کر کے واپس کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

جائز صورت یہ ممکن ہے کہ تیسرا کوئی آدمی مثلاً یہ گاڑی اس خریدار سے 4 لاکھ کم میں خرید لے یعنی 37 لاکھ میں ادھار خرید لے پھر 37 لاکھ میں بائع اول اس تیسرے شخص سے یہ گاڑی ادھار خرید لے اور بطور حوالہ اس کا مطالبہ اپنے مقروض یعنی خریدار اول کی طرف منتقل کر دے، دونوں کے قرضے آپس میں برابر ہیں اس لئے تیسرے شخص کا معاملہ ختم ہو جائے گا اور خریدار اول کے ذمہ 4 لاکھ روپے باقی رہ جائیگا اور پہلے سے اگر ادا کر دیا ہے تو کچھ باقی نہ رہے گا، بہر حال اس صورت میں بائع اول کیلئے 4 لاکھ کی بچت ہو جائیگی۔

لسا فی سنن ابی داؤد: (۱۳۲/۲ طبع رحمانیہ)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اقال مسلما اقالہ اللہ عشرتہ یوم القیامۃ.

ولسا فی فتح القدیر: (۲۲۸/۱ طبع رشیدیہ)

قوله (الاقالة جائزة فی البیع بمثل الثمن الاول) علیہ اجماع المسلمین لقوله ﷺ من اقال نادما ببعتہ اقال اللہ عشرتہ یوم القیامۃ "اخرجه ابوداؤد وابن ماجہ الخ.

ولسا فی البحر الرائق: (۱۰۴/۱ طبع سعید کراچی)

(قوله وتصح بمثل الثمن الاول وشرط الأكثر او الاقل بلا تعیب وجنس اخر لغو ولزمه الثمن الاول) هذا عند ابی حنیفۃ لان الفسخ یرد علی عین ما یرد علیہ العقد فاشترط خلافہ باطل ولا تبطل الاقالة کما قدمنا قید بقوله بلا تعیب اذ لو تعیب بعدہ جار اشتراط الاقل ویجعل العط بازارا ما فأت بالعیب —

ولسا فی الہندیہ: (۱۵۶/۳ طبع رشیدیہ)

باع جاریۃ بالف درهم وتقابل العقد فیہا بالف درهم صحت الاقالة وان تقابلا بالف و خمسانۃ صحت الاقالة بالف ویلغو ذکر خمسانۃ —

ولسا فی المعیط اللہرمانی: (۲۸۱/۹ طبع ادارۃ القرآن)

یجب ان یعلم ان شرأ ما باع الرجل بنفسه — باقل مما باع — قبل نقد الثمن لا یجوز اذا کان السلعة علی حالہا لم ینتقض بعیب وكذلك ان بقى علیہ شی من (لثمنه) ان قل — فللمحدث المعروف ولاجل شبهة الربا.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: لکرت اللہ بنوی غفرلہ ولوالدیہ

نوی نمبر: ۳۶۶۸

ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ

﴿اقالہ کی صورت میں پوری رقم واپس کرنا ضروری ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے ایک شخص سے ایک عیسیٰ خریدی لیکن چند دن کے بعد مجھے پسند نہ آئی تو میں نے واپس کرنا چاہی لیکن بائع نے کہا کہ میں پورے پیسے واپس نہیں کروں گا بلکہ کچھ رقم روک کر باقی رقم دوں گا کیونکہ تم نے گاڑی کو چند دن چلایا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اس شخص کا ایسا کرنا جائز ہے؟ بیوقوف جروا۔

﴿مولا﴾ آپ نے عیسیٰ خرید لی ہے، اب بائع کی رضامندی کے بغیر واپس نہیں کر سکتے بائع بخوشی آپ سے لینے کے لئے اگر تیار ہے تو پوری رقم واپس کرنا اس کے ذمہ ہے، البتہ آپ کے چلانے سے عیسیٰ میں کوئی عیب آگیا ہو تو بقدر نقصان رقم روکنے کا اسے اختیار ہے۔

لہامی الشامی: (۱۲۵/۵، مطبع سعید)

(قوله وبالمسکوت عنه) المراد ان الواجب عو الثمن الاول سواء سواه اولاً.

ولہامی فتح القدیر: (۲۲۸/۶، مطبع رشیدیہ)

قوله: (الاقالة جائزۃ فی البیع بمثل الثمن الاول) علیہ اجماع المسلمین لقوله ﷺ: "من اقال نادماً بیعته اقال الله عشرته يوم القيامة". اخرجه ابو داؤد وابن ماجہ الخ.

ولہامی البحر: (۱۰۱/۶-۱۰۲، مطبع سعید)

واما شرائط صحتیها فمنها رضا المتعاقدين لان الکلام فی رفع عقد لازم --- قید بقوله بلاتعیب اذ لزم تعیب بعده جاز اشتراط الاقل ویجمل الحط بازاء ما فات بالعیب ولا بد ان یکون المتصان بقدر حصۃ الفائت ولا یجوز ان یتقص من الثمن اکثر منه.

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: شارح محمود بن سینار گل کوہاٹی

نوی نمبر: ۲۵۳

۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

﴿خریدی ہوئی گاڑی واپس کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک گاڑی ایک لاکھ ستر ہزار کی خریدی، ستر ہزار اس میں ادا کر چکا ہوں اور گاڑی میں کچھ کام بھی کر چکا ہوں، اب ایک مہینہ بعد واپس کرنا چاہتا ہوں لیکن بیچنے والا اس شرط پر واپس لیتا ہے کہ دی ہوئی رقم میں سے کچھ کوئی کرینگے مزید پیسے آپ نے گاڑی پر لگائے ہیں وہ بھی واپس نہیں کئے جائینگے تو کیا اس شرط پر گاڑی واپس کرنا میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: ارشاد احمد ذہنی فیروزہ

﴿جواب﴾ مسلمان کے قول و فعل کو اللہ نے بڑا مقام دیا ہے ایجاب و قبول ہونے کے بعد سودا بخت ہو جاتا ہے، اب بغیر شرعی وجہ کے واپس نہیں ہو سکتا، ہاں بائع مشتری دونوں باہمی رضامندی سے واپس کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں جس کو اقالہ کہتے ہیں اقالہ دراصل منخ بیع سے عبارت ہے، اس لئے بائع پر لازم ہے کہ پوری رقم واپس کر دے اور خریدار وہی چیز ویسے ہی واپس کر دے جس طرح اس نے لی تھی، البتہ استعمال کی وجہ سے کوئی کمی آگئی ہو تو مارکیٹ میں رائج اس نقصان کی قیمت کے برابر بائع خریدار کو پیسے کم دے سکتا ہے۔

لیکن مذکورہ صورت میں خریدار نے گاڑی میں چونکہ کام کیا ہے، یہ کام اگر ایسا ہو کہ اب گاڑی سے دوبارہ الگ بھی ہو سکتا ہو مثلاً ٹائر وغیرہ ڈال دیئے ہوں تو بائع کو اختیار ہے کہ چاہے تو

اسکی قیمت دیکر گاڑی واپس لے اور چاہے تو گاڑی واپس نہ لے، اور یہ کام اگر الگ ہونے والا نہ ہو مثلاً رنگ وغیرہ کر دیا ہے تو اب واپسی ممکن نہیں، البتہ ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ خریدار کے ذمہ اگر بچایا ہے تو پہلے وہ پورا دیدے پھر بائع کیساتھ باہمی رضامندی سے نیا سودا کرے جس طرح دونوں چاہیں سودا کر سکتے ہیں۔

ولمافی الدر المختار (۱۲۱/۵، طبع سعید) لان من شرائطها اتحاد المجلس ورضا المتعاقدين.

ولمافی الهدایہ (۴۲/۲-۴۳، طبع رحمانیہ)

فان شرط اکثره لو قل فالشرط باطل..... لان بحث فی المبيع عیب لعین فنجازت (الاقالة لال)

ولمافی الهدایہ (۴۲/۲، طبع رحمانیہ) وکل ما وجب نقصان اللّٰسن فی عادة التجار فهو عیب.

ولمافی التتویر مع الدر (۱۲۶/۵، طبع سعید)

وکنافی (الاقل) الامع تعیبه فتكون فسخا بالاقل لو بقدر العیب لا یریدو لا یتقص قبل الا بقدر ما یقتضی الناس فیہ.

ولمافی الشامی (۱۲۵/۵، طبع سعید)

قمناعن الخلاصة ان ما يمنع الرد بالعيب يمنع الاقالة و قد معنا ايضا ان الرد بالعيب
يمنع في المتصلة الغير المتولدة مطلقا..... ان الرد بالعيب يمنع لو الزيادة متصلة لم
تتولد..... ككسب وغلة لا يمنع الرد والنسخ بسائر اسبابه اه..... وهذا اذا تايلا على ان يكون
الثوب للبايع والخيطة للمشتري يعني يقال للمشتري افترق الخيطة وسلم الثوب
للمايه من ضرر المشتري فلورضى يكون الخيطة للبايع بان يسلم الثوب اليه كذلك
نقول تصح اه..... وقد سنلت في مبيع استغله المشتري هل تصح الاقالة فيه فاجبت
بقولي نعم وتطبيب الفتلة والغلة اسم للزيادة المتصلة كأجرة الدار وكسب العبد.

ولمافی تقریرات الشرحی (۱۵۲/۵، طبع سعید)

الصحة مخالفة لاطلاق ما تقدم عن الخلاصة والفصولين وفيها الربا..... وقد تقدم في
خيار العيب للشارح انهما ليرضيا بالرد لا يقتضي القاضي به لحق الشرع لحصول
الربا فني قوله اذا سلم المشتري الثوب الى البايع تصح الاقالة نظر.

ولمافی المحيط (۲۸۱/۹، طبع ادارة القرآن)

يجب ان يعلم ان شراء ما باع الرجل بنفسه..... بأقل مما باع..... قبل نقد اللّسن لا يجوز، اذا
كان السلعة على حالها لم ينتقض بعيب، وكذلك ان بلى عليه شيء من أثنائه، وان قل
..... فلله حديث المعروف بولا جل شبهة الربا.

والله اعلم بالصواب: عبد الرحمن كوهانی

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا الله عنه

نوی نمبر: ۳۰۰۳

کیم ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿اقالہ میں فسخ بیع کی ایک صورت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک شخص کو دو مکان فروخت کئے اور دونوں کی الگ الگ قیمت متعین کی اور رقم کی ادائیگی کے لئے ایک مدت مقرر کر لی، اس شخص نے مجھے ایک مکان کی قیمت ادا کی دوسرے مکان کی بہت معمولی رقم دے دی، باقی کے لئے مہلت لے لی، اور مہلت پر مہلت لیتا رہا، یہاں تک کہ ایک سال گزر گیا لیکن یہ شخص مکان کی قیمت ادا نہیں کر سکا، مکان کا قبضہ ابھی تک میں نے اسے نہیں دیا ہے بار بار وعدوں پر وعدوں سے میں اب تنگ آ گیا ہوں، اب میں نے کہا کہ میں مزید مہلت نہیں دے سکتا، ایک مکان کی رقم آپ نے پوری دی ہے فقط وہی مکان آپ کو دیتا ہوں اور دوسرے مکان کی تھوڑی سی رقم جو آپ نے دی ہے وہ واپس کر دیتا ہوں تو اس نے کہا کہ ٹھیک ہے لیکن اب میں اپنی دی ہوئی رقم سے زیادہ لوں گا اس لئے کہ مارکیٹ کی ویلیو زیادہ ہو گئی ہے تو کیا شرعاً اس کا یہ مطالبہ درست ہے؟

مستفتی: خالد بلوانی ابوبکر صدیقؓ مسجد

﴿جواب﴾ خریدار پہلی مرتبہ مقررہ مدت پوری ہونے پر حسب وعدہ آپ کو پیسے پورے نہ دے سکا، تو اسی وقت آپ بیع واپس کرتے، یہ آپ کا حق ہے، البتہ مزید مہلت پر مہلت دینا آپ کا احسان ہے بہر حال اب تک اگر اس نے رقم پوری نہیں دی ہے تو آپ اس کو صرف اپنی رقم واپس کر دیں، اس کو زیادہ رقم کے مطالبہ کا حق حاصل نہیں ہے، یہ فسخ بیع کی صورت ہے طے شدہ رقم سے زیادہ یا کم کرنے کی شرعاً ہرگز گنجائش نہیں ہے، خلاف کرنے کی صورت میں زائد یا کم لینا دینا کسی طرح جائز نہیں ہے البتہ قبضہ کرنے کے بعد وہ کسی تیسری پارٹی کو فروخت کرتا، تو یہ نیا سودا شمار ہوتا اور زیادہ پیسوں کے بدلے بھی بیچنا جائز ہوتا لیکن قبضہ کرنے سے پہلے وہ کسی تیسری پارٹی کو بھی فروخت نہیں کر سکتا، چونکہ اس نے پیسے اکچوا نہیں کئے اس لئے مکان آپ کا اپنا ہے لہذا آپ سودا واپس کرنا چاہیں تو صرف اس کی اپنی رقم واپس کر دیں زیادہ کا وہ ہرگز حقدار نہیں ہے، بالفرض وہ اپنی رقم لینے سے اگر انکار کرے تو آپ مکان جس کو چاہیں فروخت کر سکتے ہیں آپ کے ذمہ صرف وہی رقم واپس کرنا لازم ہوگا جو اس نے ادا کی تھی۔

لسا فی الہدایۃ: (۷۲۴، مطبع بر حسانہ)

الاقالۃ جائزۃ فی البیوع بمثل النفس الاول..... فان شرط اکثر منه او اقل فالشرط

باطل ویرد مثل الثمن الاول

ولما فی الشامی (۱۲/۵) طبع سعید

(قوله فسخ فی حق المتعاقدين) هذا اذا كانت قبل القبض بالاجماع وما بعد فكذاک
عن الامام _____ الصحيح قبل الامام كما فی تصحيح العلامة قاسم

ولما فی المحيط البرهانی (۳۸۱/۱) طبع ناصر القرآن

يجب ان يعلم ان شراء ما باع الرجل بنفسه _____ باقل ما باع _____ قبل
نقد الثمن لا يجوز ما كان سلعة على حالها لم ينتقض بعيبه وكذلك ان بنى عليه
شيئ من (ثمنه) وان قل _____ وللحديث المعروف ولاجل شبهة الربا

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا الله عنه وَاَللّٰهُ اَعْلَمُ بِالْغُیُوبِ تنویر المرقن غفر له والودیع

توی نمبر: ۳۷۹۷

۲۲ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

﴿اقلہ میں بیع جدید کی ایک صورت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید اور بکر نے آپس میں
موٹر سائیکل کا سودا کیا یعنی زید کی موٹر سائیکل بکر نے اپنی موٹر سائیکل کے بدلے لی اور زید نے
تین ہزار اضافی رقم بھی دی۔ بکر نے زید کی موٹر سائیکل پر اچھا خاصہ کام کر لیا اب بکر تادم ہو رہا
ہے سودا خراج کرنا چاہتا ہے زید اس شرط پر راضی ہے کہ میرے تین ہزار روپے واپس کر دیں اور
آپ نے جو خرچ کیا ہے وہ میں نہیں دے سکتا تو کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟ مستفتی: ایک ساکل
﴿جواب﴾ زید کی مذکورہ شرط بکر کو اگر منظور ہے یعنی گاڑی میں جو کام کیا ہے اس کا معاوضہ
نہیں لے رہا اور زید کو تین ہزار روپے بھی دے رہا ہے تو یہ نئے سودا کی صورت ہے باہمی
رضا مندی سے، تو جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

لما فی الہدایہ (۷۲/۳) طبع رحمانیہ

الاقالة جائزۃ فی البیع بمثل الثمن الاول۔ فان شرط اکثر منه او اقل فالشرط باطل
ویرد مثل الثمن الاول۔

ولما فی اللہدائع الصنائع (۳۰۹) طبع سعید

ولو تباعها عیناً بعین وتابضاً ثم ملکته احداهما فی بد مشترکها لم تتابلا صحت
الاقالة وعلى المشتري الهالك قيمة الهالك ان لم يكن له مثل ومثله ان كان له
مثل فبطله الى صاحبه ويسترد منه العين لان كل واحد منهما مبيع على حدة لقيام
العقد كل واحد منهما ثم خرج الهالك من ان يكون قيام للعقد به لغيره بالآخر واذا بطل

المبیع بقی فسخ فیصح او یتول المبیع احدهما والاخر ثمن اذ المبیع لا بد له من الثمن فاذا هلک احدهما تعین الهالک للثمن والقائم للمبیع لما فیہ من تصحیح العقد وفي قلب المسألة فكان تصحیح اولی فبقى البیع بقاء المبیع فاحتمل الاقالة وكذا لم تقایلا والعیتان قانتان.

ولما فی الشامی: (۱۲۱/۵) مطبع: سمید

(قوله فی المقایضة) بالیاء المثناة المتحیة: وهی بیع عین بعین كان تبایعا عبداً بجارية فهلک العبد فی ید بائع الجارية ثم اقالا البیع فی الجارية وجب رد قيمة العبد بولا تبطل بهلاك احدهما بعد وجودهما، لان كل واحد منهما مبیع، فكان المبیع قائماً.

ولما فی الشامی: (۱۲۲/۵) مطبع: سمید

(قوله فسخ فی حق المتعاقدين) هذا اذا كانت قبل القبض بالاجماع وماما بعده فكذلك عند الامام الا اذا تعذر بان ولدت المبیعة فتبطل، قال ابو یوسف: هی بیع الا اذا تعذر بان وقعت قبل القبض فی المنقول فلتكون فسخاً الا اذا تعذر ايضاً بان ولدت للمبیعة والاقالة قبل القبض فتبطل وقال محمد: هی فسخ ان كانت بالثمن الاول او باقل بولو باكثر او بجنس آخر فبیع. والصحيح قول الامام كما فی تصحیح العلامة القاسم.

ولما فی فتح المقلید: (۲۵۳/۱) مطبع: رشیدیہ

ولو ولدت المبیعة ثم تقایلا بطلت الاقالة عنده لان الولد مانع من الفسخ، هذا اذا ولدت بعد القبض وماما اذا ولدت قبله فالاقالة صحيحة عنده، حاصله ما ذکر فی الذخيرة ان الجارية اذا ازدادت ثم تقایلا فان كان قبل القبض صحت الاقالة سواء كانت الزيادة متصلة كالسمن والجمال او متصلة كالولد والارث والمقر، لان الزيادة قبل القبض لا تمنع الفسخ متصلة كانت او متصلة بوان كانت الزيادة بعد القبض فان كانت متصلة فالاقالة باطلة عند ابی حنيفة لا يصحها الا فسخاً وقد تعذر حقاً لشرع بوان كانت متصلة فهی صحيحة عنده لانها لا تمنع الفسخ برضاء من له الحق فی الزيادة ببطلان حقه فيها بول التقایل دلیل الرضا فامكن تصحیحها فسخاً.

ولما فی اللہنایة: (۳۲۷/۱۰) مطبع: حقانیة

(ولو ولدت المبیعة ولداً ثم تقایلا فالاقالة باطلة عنده) یعنی عند ابی حنيفة (لان الولد مانع من الفسخ) لاجل الزيادة، (لو عندهما يكون بیعاً).

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا الله عنه

والله اعلم بالصواب: تنویر الرحمن غفر له ولوالديه

نوی: ۳۶۷۲

۱۷ رجب الثانی ۱۳۳۳ھ

﴿بامی رضا مندی سے سودا فسخ کرنا جائز ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ میں نے ایک صاحب کو اپنی

موٹر سائیکل قسطوں پر دی، اس پر قبضہ کرتے وقت اس نے دوسروں کے بطور قسط ادا کئے لیکن کچھ دن بعد اس معاملے پر نادام ہو کر مجھ سے معاملہ منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا، میں نے بخوشی قبول کر لیا، معاملہ منسوخ ہونے کے بعد پہلی ادا کردہ قسط اس نے بخوشی مجھے دیدی، نیز موٹر سائیکل میں مرمت کا کام بھی اس کی طرف سے پیدا ہو گیا تھا، کیا میرے لئے مذکورہ رقم لینا جائز ہے؟ سائل: اسرار احمد ﴿مجموع﴾ باہمی رضامندی سے سودا کو منسوخ کرنا جائز ہے پھر پوری رقم واپس کر دینا ضرور ہوتا ہے، البتہ خریدار بخوشی رقم چھوڑنا چاہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

لما فی الہدایۃ: (۷۲/۲)، طبع رحمانیہ

الاقالة جائزۃ فی البیع بمثل الثمن الاول.... فان شرط اکثر منه او اقل فالشرط باطل ویرد مثل الثمن الاول.

ولما فی الشامی: (۱۲۲/۵)، طبع ایچ ایم سعید

(قوله فسخ فی حق المتعاقدين) هذا اذا كانت قبل القبض بالاجماع وما بعده فکذا عند الامام.... والصحيح قول الامام كفاي تصحيح العلامة قاسم.

ولما فی المتنیر مع الدر: (۱۲۵/۵-۱۲۶)، طبع ایچ ایم سعید

(وتصح بمثل الثمن الاول وبالسكوت عنه.... وان شرط غير جنسه او اكثر منه او اقل) الا مع تعييبه فتكون فسخا باقل لو بقدر العيب لا زهد ولا تنقص الخ.

وفي الشامی: (قوله الا مع تعييبه) اي تعيب للمبيع عند المشتري فانها تصح باقل، وصار المحطوط بازاء نقصان العيب قهستاني.

والله اعلم بالصواب: محمد الله فابغفر له

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

نوی نمبر: ۱۹۱۷

۲۱ سفر المظفر ۱۴۳۰ھ

﴿لاتجوز الاقالة باقل من الثمن الاول﴾

﴿پہلی قیمت سے کم پر اقالہ کرنا ناجائز ہے﴾

﴿سوال﴾ انی تاجر ربما بیع شیئا فیرجع المشتري به بعد يوم او یومین وهو نادم

وهو راض علی ان ارجع بمتاخی باقل من ثمن الاول فهل یجوز لی ان اخلع مالی

سائل: حاجی قدیر شاہ

واعطيه اقل من ثمن الاول؟

﴿مجموع﴾ لاتجوز الاقالة الا بالثمن الاول فان شرط البائع الحط بطلت

الاقالة، نعم اذا لم يشترطه فی العقدواخذ المشتري الاقل بطيب نفسه فلا بأس به

و کذا ان حدث العیب فی المبیع واشترط الحط فی الاقالة یصح ویجعل الحط بازاء ما فات بالعیب فی المبیع واللہ اعلم.

لما فی الہدایۃ: (۴۲/۳-۴۳، طبع رحمانیہ)

الاقالة جائزہ فی البیع بمثل الثمن الاول۔ فان شرط اکثر منه أو اقل فالشرط باطل ویرد بمثل الثمن الاول۔ الا ان یحدث فی المبیع عیب فحینئذ تجاز الاقالة بالاقل لان الحط یجعل بازاء ما فات بالعیب.

ولما فی الفقه الاسلامی: (۴۸۲/۵، طبع رشیدیہ)

فعلى قول ابی حنیفۃ تصح الاقالة بالثمن الاول ویبطل ما شرطه المتعاقدان من الزیادۃ لو التخصان أو الاجل، أو الجنس الآخر۔ الخ.

واللہ اعلم بالصواب: محمد سلر

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

توی نمبر: ۲۲۲۷

الربیع الاول ۱۴۳۰ھ

﴿بیع ختم کرنے والے پر جرمانے کی شرط باطل ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ زید نے بکر سے ایک موٹر کار خریدی ایک موٹر سائیکل نقد اور تیس ہزار روپے مؤجل دو ماہ تک کے عوض اور دونوں نے یہ شرط لگائی کہ جو بھی بیع پر پشیمان ہو اور ختم کرنا چاہے تو دس ہزار روپے جرمانہ دیکر بیع کو ختم کریگا ورنہ نہیں، کیا ایسی شرط لگانا جائز ہے؟ اور بیع ختم ہونے کی صورت میں اسکا پورا کرنا ضروری ہے؟ مستفتی: سیف اللہ سواتی

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں زید اور بکر کا بیع کے وقت یہ شرط لگانا کہ اس بیع کو ختم کرنے کا جو بھی مطالبہ کریگا اس سے دس ہزار روپے بطور جرمانہ وصول کرنے ہونگے، یہ شرط قاسد ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں بیع منعقد ہوگئی ہے چاہیں تو اسی کو قائم رکھیں اور اگر باہمی رضامندی سے فسخ کرنا چاہیں تو کمی بیشی کے بغیر فسخ کر سکتے ہیں جرمانہ وصول کرنا جائز نہیں ہے۔

لما فی الہدایۃ: (۴۲/۳، باب الاقالة، طبع رحمانیہ)

الاقالة جائزۃ فی البیع بمثل الثمن الاول فان شرط اکثر منه لو اقل فالشرط باطل ویرد بمثل الثمن الاول.

ولما فی البحر الرائق: (۱۰۴/۱، طبع سعید)

وقوله وتصح بمثل الثمن الاول وشرط الاكثر الاقل بلا تعیب وجنس اخر لغو ولزمه الثمن الاول هذا عند ابی حنیفۃ لان الفسخ یرد علی عین ما یرد علیہ العقد فاشترط خلافه باطل ولا تبطل الاقالة كما قدمنا.

ولما فی الشامی: (۱۲۴/۵) طبع سعید

(قوله وحکمها انها لم یفسخ الخ) لان حکم العقد الاثر الثابت به کالملك فی البیوع، ولما
الفسخ بمعنی الرفع فهو حقیقتها..... هذا اذا كانت قبل القبض بالاجماع وما بعده
فکذلك عند الامام الا اذا تعذر..... والصحيح قول الامام كما فی تصحيح العلامة قاسم.
الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا الله عنه واللہ اعلم بالصواب: جیب الرحمن سواتی

توی نمبر: ۱۷۸۱

۲۵ یقعدہ ۱۴۲۹ھ

﴿ خریدار اگر بقایا ادا نہیں کر رہا تو بائع معاملہ فسخ کر سکتا ہے ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنی زمین
فروخت کی اور خریدار سے کچھ رقم ایڈوانس لے لی۔ اب اس زمین کی قیمت میں کمی ہو گئی جس کی
وجہ سے خریدار بقیہ ٹمن ادا کرنے میں ٹال مٹول کر رہا ہے۔ وضاحت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس
صورت میں بائع یہ معاملہ فسخ کر کے زمین کسی اور کے ہاتھ بیچ سکتا ہے اور دوسری جگہ زمین بکنے
تک ایڈوانس رقم روک سکتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: عبد العزیز ابو بکر صدیق مسجد فیروز

﴿جواب﴾ مارکیٹ ریٹ میں کمی واقع ہونے کی وجہ سے خریدار کی رغبت واقعی اگر ختم ہو گئی
ہے اور وہ ٹمن ادا کرنے میں اب ٹال مٹول کر رہا ہے تو خریدار کا یہ عمل اس کی طرف سے معاملہ کو
فسخ کرنے پر دلالت کر رہا ہے۔ ایسی صورت میں اگر بائع بھی اس معاملہ سے دست بردار ہو کر فسخ
کرنا چاہے تو معاملہ فسخ ہو جائیگا اور زمین کسی اور کے ہاتھ بیچنا جائز ہوگا۔ البتہ معاملہ فسخ ہو جانے
کے بعد خریدار کو اس کی ایڈوانس رقم واپس کرنا ضروری ہے۔ اس کو روکنا جائز نہیں۔

لما فی الہدایہ: (۱۵۳/۳) طبع رحمانیہ

ومن قال لآخر اشتريت مني هذه للجارية فانكر الآخر ان اجمع المانع على ترك
الخصومة وسعه ان يطأها لان المشتري لما جعد كان فسخا من جهته اذ الفسخ بثبت
به كما اذا تجاحدا فاذا عزم المانع على ترك الخصومة تم الفسخ
ولما فی فتح القدیر: (۳۰۹/۷) طبع المكتبة الرشيدية كوتله

الوجه الثاني التزام ان الفسخ يحصل بواحد وهو قوله ولانه لما تعذر استيفاء الثمن من
المشتري فات رضا المانع فيستبد بنفسه لفوات شرط البیوع وهو التراضي
ولما فی الہنتیة: (۱۵۹/۳) طبع المكتبة الرشيدية كوتله

ولا یصح تعلیق الاقالة بالشرط بان باع ثوبا من زيد قال زيد اشتريته رخيصا فقال ان وجدت

مشتريا بائنه فبعمه منه فوجده فباعه بازید لا یعتقد البیوع الثانی کفافی الوجیز لکدری
ولما فی شرح المجلة: (۲۱۲/۲-۱) طبع المکتبة الرشیدیة کونته

فتصرف الغیر فی مال الغیر منفع الا ان تكون وصایة او ولاية او تدعو ضرورة فیعجز
الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفی عنہ واللہ اعلم بالصواب: نعیم اللہ شیخ غفرلہ ولوالدیہ
۹ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ فتویٰ نمبر ۳۹۵۳

﴿ا قالہ کی صورت میں بیع پر قبضہ کئے بغیر دوسرے کو بیچنا صحیح نہیں ہے﴾

﴿مومن﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی نے ادھار ایک بکری خریدی اور اس پر قبضہ بھی کیا، پھر ایک دن بعد بائع کو کہا کہ میں بکری نہیں خریدتا اب تک بکری مشتری کے پاس ہے۔ عرض مسئلہ یہ ہے کہ بائع کیلئے اس بکری کا کسی دوسرے پر بیچنا صحیح ہے یا نہیں؟

﴿مورب﴾ مسلمان کے قول میں بڑا وزن ہے، ایجاب و قبول سے سودا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد بائع کی ملکیت سے بیع نکل جاتی ہے مشتری اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ اور اس کا عوض یعنی طے شدہ ثمن مشتری کے ذمہ واجب ہو جاتا ہے، بائع و مشتری میں سے کسی کو بھی اپنی زبان سے بھیرنے کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ البتہ بیع میں کوئی پوشیدہ عیب تھا جسکی بعد میں مشتری کو خبر ہوئی۔ یا اس نے پہلے سے خیار شرط کے ساتھ سودا کیا تھا تو عیب کی وجہ سے اسی طرح خیار شرط کی وجہ سے سودے سے انکار کرنے کا اسے اختیار رہتا ہے۔

مذکورہ صورت میں مشتری نے پہلے سے خیار شرط کے بغیر چونکہ بکری خریدی ہے اور بکری میں کسی عیب کے ظاہر ہونے کا بھی کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا لہذا بائع کی رضامندی کے بغیر وہ بکری واپس نہیں کر سکتا، ثمن ادا کرنا اس کے ذمہ ہے۔ البتہ بائع و مشتری کی باہمی رضامندی سے سودا فسخ ہو سکتا ہے۔

مشتری نے کہہ دیا ہے کہ میں بکری نہیں لیتا صرف اس کے کہنے سے سودا فسخ نہیں ہوتا، ہاں بائع کو بھی منظور ہو تو سودا فسخ ہو جائے گا، پھر بائع بکری واپس اپنے قبضے میں لے لے اور اس کے بعد وہ چاہے تو کسی اور کو فروخت کر سکتا ہے اپنے قبضہ میں واپس لئے بغیر کسی اور کو فروخت نہیں کر سکتا اسلئے کہ اقالہ (فسخ بیع) میں جب تیسرے شخص سے سودا ہو تو اس کے حق میں ان کا اقالہ بیع جدید ہے گویا بائع نے واپس وہ بکری اسی قیمت پر خرید لی اور خریدار جب تک منقولہ چیز پر قبضہ نہیں کرتا اس چیز کو آگے نہیں بیچ سکتا۔

ولما في الهداية: (٢٠١٩/٣، طبع برحمانيه لاهور)

البيع بمنعقد بالايجاب والقبول اذا كانا بلفظ الماضي واذا حصل الايجاب والقبول لزوم البيع (ويثبت الملك لكل واحد منهما) ولا خيار لواحد منهما الا من عيب او عدم رؤية.

ولما في الهداية: (٢٢٣/٣، طبع برحمانيه لاهور)

وانقطع المشتري على عيب في المبيع فهو بالخيار ان شاء اخذه بجميع الثمن وان شاء رده وفيه ايضاً: (٢٣٣/٣، طبع برحمانيه لاهور)

ومن شرط له الخيار فله ان يفسخ في مدة الخيار وله ان يجيز فان اجاز بغير حصة صاحبه جاز وان فسخ لم يجز الا ان يكون الآخر حاضراً.

وفيهِ ايضاً: (٤٢٣/٣، طبع برحمانيه لاهور)

لان العقد حقهما فيلزم ان يرفع دفعاً لهما جميعاً.

ولما في الهندية: (١٢٣/٣، طبع قديمي)

وانما عرفت المبيع والثمن فنقول من حكم المبيع اذا كان منقولاً ان لا يجوز بيعه قبل القبض وفيهِ ايضاً على صنف ١٥، وهو نظير ما اذا قضى القاضي برد العبد المشتري بالعيب على البائع فلم يقبضه البائع حتى باعه ان باعه من المشتري يجوز وان باعه عن غيره لا يجوز كذا في النخبة.

ولما في الدر المختار: (١٢٠/٥، طبع سعيد)

وفي السراجية لا بد (أى في الاقالة) من التسليم والقبض من الجانبين

ولما في التنوير مع الدر والمرد: (١٢٦/٥، ١٢٤)

(و) الرابع (جاز للبائع بيع المبيع منه) ثانياً بعدما (قبل قبضه) ولو كان بيعاً في حقهما لبطل كبيعته من غير المشتري عيني. (قوله والرابع) صورته باع زيد من عمرو شيئاً منقولاً ككتاب، وقبضه ثم تقايلاً ثم باعه زيد ثانياً من عمرو قبل قبضه منه جاز البيع لأن الاقالة فسخ في حقهما، فقد عاد الى البائع ملكه السابق فلم يكن بانعماً ما شراه قبل قبضه. (قوله كبيعته من غير المشتري) أى كما لو باعه البائع المذكور من غير المشتري قبل قبضه من المشتري فيفسد للبيع لكون الاقالة بيعاً جديداً في حق ثالث: فصار بانعماً ما شراه قبل قبضه...

وفيهِ ايضاً على صنف (١٢٤)، (و) انما (هى بيع في حق ثالث) أى لو بعد القبض بلفظ الاقالة فلو قبله فهى فسخ في حق الكل في غير العقار (قوله في غير العقار) أى في المنقول لأنه لا يجوز بيعه قبل قبضه.

والله اعلم بالصواب: عمران الحق سواتي

الجواب صح: مفتي عبدالرحمن عفا الله عنه

فتوى نمبر: ١٣٦٩

٢٨ جمادى الاولى ١٣٣٩ هـ

﴿باب القرض والرباء﴾

﴿بیمہ زندگی کی شرعی حیثیت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ بیمہ زندگی کی شرعی حیثیت کیا ہے قرآن و سنت کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟ مستفی: شاہد حنیف صاحب

﴿جواب﴾ بیمہ زندگی ناجائز اور حرام ہے۔ حرام ہونے کی بنیادی دو وجوہات ہیں (۱) ربا یعنی سود (۲) قمار یعنی جواربا (سود) تو ہر صورت میں موجود ہے، البتہ قمار اس وقت آتا ہے جب متعین مدت سے پہلے کوئی حادثہ اور نقصان پیش آجائے اور قسطیں پوری نہ ادا کی ہوں، اس کو نقصان کرام کی اصطلاح میں "تملیک علی الخطر" سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ ایک طرف سے ادائیگی واقعی اور یقینی ہو لیکن واپسی واقعی اور یقینی نہ ہو، ہو سکتا ہے مل جائیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نہ ملیں۔ بہر حال انشورس (بیمہ) کی تمام صورتوں میں ربا (سود) تو لازم آتا ہے اور کبھی قمار بھی، اس لیے انشورس کی تمام صورتیں ناجائز اور حرام ہیں۔

لما فی قوله وتعالیٰ (ال عمران ۱۲۰) ﴿بایہا الذلین امنوا لا تاكلوا الربوا اضعافاً مضاعف﴾ وقوله تبارک وتعالیٰ: ﴿سورة المائدة آیت نمبر ۱۰﴾

بایہا الذلین امنوا انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان..... ولما فی الصحيح لمسلم: (۲/۲۷۷، طبع عظیمی)

عن جابر قال: لعن رسول الله ﷺ اكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء، ولما فی جامع الترمذی: (۱۲۵/۱، طبع غاروقی کتب خانہ)

عن ابن مسعود قال لعن رسول الله ﷺ اكل الربوا وموكله وشاهديه وكاتبه ولما فی رد المحتار: (۶/۳۰۴، طبع: سعید)

(قوله لانه يصير قماراً) لان القمار من القمار الذي يزداد نارة ويتقص اخرى وسى القمار قمارا لان كل واحد من المقامرين ممن يجوز ان يذهب ماله الى صاحبه بوجه فوز ان يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق انجی غفرلہ ولوالدہ

نوی نمبر: ۳۲۹۳

۳ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

﴿پراویڈنٹ فنڈ پر جواز اندر رقم ملتی ہے وہ سود نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سرکاری ملازمین سے

تخو اہوں میں سے کچھ رقم سرکاری ادارہ ملازمین کی مرضی معلوم کئے بغیر کاٹتا ہے اگر ملازم چاہے کہ یہ رقم نہ کاٹی جائے پھر بھی کاٹی جاتی ہے، پھر ملازم کو ریٹائرمنٹ پر اس طرح ملتی ہے کہ حکومت کچھ رقم اپنی طرف سے اصل رقم کے علاوہ ملا کر دیتی ہے اور اسکو منافع کا نام دیتی ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ منافع کی وہ رقم جو حکومت اپنی طرف سے (اصل رقم کے علاوہ) دیتی ہے آیا یہ سود کی مد میں شامل؟ اور اسکا لینا ملازم کیلئے جائز ہے یا نہیں؟ برائے کرم وضاحت فرما کر منون فرمائیں۔

﴿جواب﴾ صورت سولہ میں جو رقم ملازم کی تخوہ سے اسکی رضامندی کے بغیر کاٹی جاتی ہے ہو درحقیقت ملازم کی خدمات کا معاوضہ ہے جو ابھی تک اس نے وصول نہیں کیا لہذا یہ ادارہ کے ذمہ ملازم کا دین ہے جب تک ملازم خود یا اپنے وکیل کے ذریعے اسپر قبضہ نہ کر لے وہ اس مال کا مالک نہیں اور نہ ہی فی الحال اسکی ملازم کے تصرفات نافذ ہیں بلکہ اسکو صرف مطالبہ ادائیگی کا حق حاصل ہے اور فی الحال ادارہ اس مال کے ساتھ جو بھی معاملہ کر رہا ہے اپنی ملک میں کر رہا ہے ملازم کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور ادارہ کے تمام معاملات کی ذمہ داری خود ادارہ پر ہی عائد ہوتی ہے ملازم پر نہیں اسلئے کہ یہ تصرفات نہ ملازم کے مال ملک میں ہیں اور نہ ہی ان میں ادارہ ملازم کا وکیل ہے، لہذا جس وقت سرکاری ادارہ اپنا یہ واجب الاداء دین ادا کرتا ہے اور اسکی کچھ اپنے طرف سے ملا کر دیتا ہے تو یہ بھی ادارہ کا اپنا یکطرفہ عمل ہے کیونکہ اول تو ملازم نے اس زیادتی ملانے کا حکم نہیں دیا تھا اور اگر دیا بھی ہوتا تو وہ شرعاً غیر معتبر تھا، لہذا جو رقم ادارہ کی طرف سے زائد ملتی ہے چاہے ادارہ اسکو جو بھی نام دے اسپر شرعی اعتبار سے سود کی تعریف صادق نہیں آتی گویا ادارہ اپنی طرف سے بجائے خاص اجرت کے اضافی اجرت دے رہا ہے لہذا اسکا لینا جائز ہے۔

ما خود از: (پراویڈنٹ فنڈ پر سود و زکوٰۃ کا مسئلہ) مؤلفہ: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: عاقل شاہ

۱۲ ذی القعدۃ ۱۴۳۳ھ

نوی نمبر: ۳۸۶۷

﴿پرائز بونڈ اسکیم سود جوئے پر مشتمل اسکیم ہے﴾

﴿مولا﴾ مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، سلام مسنون کے بعد یہ پوچھنا

چاہتا ہوں کہ پرائز بونڈز کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور جب پرائز بونڈز کا انعام کسی کا نکل آئے تو اس رقم کا کیا حکم ہے؟ یہ بونڈز استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر استعمال نہیں کر سکتا تو اس رقم کا مصرف مستفی: حافظ کلیم اللہ بنوں کیا ہے؟ بیوا تو جروا۔

﴿مجموع﴾ پرائز بونڈز اسکیم سود جوئے پر مشتمل اسکیم ہے۔ اس پر حاصل ہونے والی رقم کو اگرچہ یہ لوگ انعام کا نام دیتے ہیں لیکن یہ کوئی انعام نہیں ہے۔ شرعاً یہ انعام کا حکم نہیں رکھتا لہذا اس سے بچنا ضروری ہے چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فتاویٰ عثمانی میں تحریر فرماتے ہیں ”مروجہ انعامی بونڈز پر جو انعام ملتا ہے تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس میں سود کو قمار کے ذریعے تقسیم کیا جاتا ہے۔ لہذا یہ انعام وصول کرنا شرعاً حرام ہے، البتہ اگر کوئی رقم اس طرح غلطی سے وصول کر لی گئی ہو تو اسے بغیر نیت ثواب کے صدقہ کر دینا ضروری ہے۔ اور صدقہ ایسا ہے کہ اپنے مستحق قریبی رشتہ داروں کو بھی دیا جاسکتا ہے“ (ج ۳/۱۷۵)

قال الله تعالى البقرة: (۲۷۵): ﴿وَأَحِلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾

آل عمران (۱۴): ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً﴾

ولمافی صحیح المسلم (۱۱۷/۲) مطبع قدیمی

لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم أكل الربا وموكله وكاتبه وشاعده وقال عم سواه

وفى الدر المختار (ج ۵/۱۸۲ سعید) بولا ربوا بین حربی ومسلم ونفی

وفى رد المحتار: باحترق بالحرابی عن المسلم الاصلی والذمی وكذا عن المسلم الحرابی.

(سورة المائدة: ۹): ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجَسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ﴾.

لفى تفسير ابن كثير ج ۲/۹۱: ﴿كل شئى من القمار فهو من الميسر حتى لعب الصبيان بالجو.

ولمافی الدر المختار مع رد المحتار (ج ۵/۱۲۸ باب الربا سعید)

هو لفضل خال عن عوض بمعيار شرعى مشروط لاحد المتعاقدين فى المعارضة

ولمافی الدر المختار (ج ۵/۳۸۵ باب الربا سعید):

لان سبيل الكسب الخبيث التصديق اذا تعذر الرد على صاحبه

(ولمافی القواعد الفقهية من: ۱۱۵) ﴿ويصدق بلانية الثواب وينوى به براءة الذمة

فى مجموع قواعد الفقه (ص ۱۱۴) والانعام بلا كسر عرفا الارض التى اعطاها السلطان او نائبه

لمافى بعوث فى قضايا فقهية معاصرة (ج ۲/).

الجاززة التى تمنع بدون التزام او وعد سابق: مثل ان ينجح طالب فى امتحان ليطمئ

جائزۃ من اسأذہ، او احد القاربه، وغیرہم بعد لنجاحہ یدون ان یکون التزام بذلك فی وعد سابق، وهذا تبرع وھبۃ یدون ای شک، ولاشبۃ فی حلتھا.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: مفتی اللہ عنہ

توی نمبر: ۳۸۹۶

۱۳ صفر ۱۴۳۵ھ

﴿قرض کیساتھ شرط لگانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ میں ہرات میں کاروبار کرتا ہوں ایک دفعہ میں نے ایک شخص کو دس (۱۰) لاکھ روپے بطور قرض دیئے اور شرط لگائی کہ اپنے شہر میں آپ سے وصول کرونگا اور میرا مقصد راستے کے خطرات سے بچتا تھا جبکہ اس سے پہلے میں نے ایسا معاملہ نہیں کیا تھا اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس طرح قرض دینا درست ہے؟

﴿جواب﴾ قرض دینے کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے بشرطیکہ خیر خواہی اور احسان کی بنیاد پر ہو قرض دینے والا کسی دنیاوی فائدہ اور نفع حاصل کرنے کی غرض سے نہ دے، مذکورہ صورت میں اگرچہ ظاہری نفع حاصل کرنا نہیں ہے لیکن راستے کے خطرات سے بچنا بھی ایک گونہ نفع ہے شرعی اصطلاح میں اس کو ”سفارۃ“ کہتے ہیں فقہاء کرام نے اس کو مکروہ لکھا ہے۔

لما فی مصنف ابن ابی شیبہ: (۵/۸۰ طبع: ممدادیہ)

حدثنا أبو بکر قال حدثنا حنص عن أشعث عن الحكم قال كل قرض جر متعة فہوربا.

ولما فی الہدایہ: (۲/۱۳۸ طبع: رحمانیہ)

قال وبكره السلتاج وهي قرض استفاد به المقرض سقوط خطر الطريق وهذا نوع يقع استفاد به وقتئذی رسول الله عليه السلام عن قرض جر نفعاً.

ولما فی النہر الفائق: (۳/۵۹۱ طبع: قدیمی)

(وكره السلتاج)..... وهو قرض استفاد به المقرض سقوط خطر الطريق بأن يقرض ماله عند الخوف عليه برد عليه في موضع آمن لأنه ”نهی عن قرض جر نفعاً“

ولما فی الفقہ الاسلامی وادللہ: (۶/۲۲۰ طبع: رشیدیہ)

وهی ان يدفع امرؤ الى تاجر مبلغاً قرضاً ليدفعه الى صديقه في بلد آخر ليستفيد به سقوط خطر الطريق وهذا مكروه تحريماً عند العتقية قرض استفاد به المقرض أمن خطر الطريق وهو يقع من النفع المستفاد على حساب المقرض وقتئذی رسول الله ﷺ عن قرض جر نفعاً.

واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا جانی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

توی نمبر: ۳۸۵

۱۹ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

﴿بنے ہوئے زیورات کا تبادلہ خالص سونے کے ساتھ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سبز میں ہمارے پاس پانچ تولہ سونے کے بنے ہوئے زیورات لاتے ہیں اس کے بدلے ہم اس کو چار تولہ خالص سونے کی ڈھلی دیتے ہیں تو آیا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ اس سے ہم مزدوری بھی مستفی: قد افی صراف ٹوبہ ٹیک سنگھ پنجاب نہیں لیتے۔

﴿جواب﴾ سونے کی بیع سونے کی عوض ہو یا چاندی کی بیع چاندی کے عوض ہو تو اس میں برابری اور جدا ہونے سے پہلے پہلے دونوں طرف سے قبضہ کرنا شرط ہے چاہے ایک طرف سے بنے ہوئے زیورات ہوں اور دوسری طرف سے خالص سونے کی ڈھلی، لہذا صورت مسئلہ میں چونکہ برابری نہیں ہے اس لیے یہ سودی معاملہ ہے اور ناجائز ہے۔

لما فی المہندیہ: (۲۱۸/۳ طبع رشیدیہ)

ولا يجوز بيع الذهب بالذهب والفضة بالفضة الا مثلاً بمثل تبراً كان أو مصنوعاً أو مضروباً ولأنه كان الغالب على الدراهم الفضة فهي فضة وإن كان الغالب على الدينار الذهب فهي ذهب ويعتبر فيها من تحريم التفاضل ما يعتبر في الجياذ حتى لا يجوز بيع الخالص بها ولا بيع بعضها الا متساوياً في الوزن۔

ولما فی بدائع الصنائع: (۱۹۶/۵ طبع سعید)

الدراهم المضروبة اقسام ثلاثة إما ان تكون الفضة فيها هي الغالبة — بان كان ثلثاها فضة وثلثاها صفراً أو كانت ثلاثة اربا عا فضة وربعها صفراً أو نحو ذلك فحكمها حكم الفضة الخالصة لا يجوز بيعها بالفضة الخالصة الا سواه سواء، وكذا بيع بعضها ببعض لا يجوز الا مثلاً بمثل لان اعتبار الغالب — لان الدراهم الجياذ لا تخلو عن قليل غش لان الفضة لا تنطبع بدونها فكان قليل الغش مما لا يمكن التحرر عنه فكانت المعبرة للغلبة۔

ولما فی المہندیہ: (۱۱۱/۳ کتاب الصرفہ طبع رحمانیہ)

فان باع فضة بفضة أو ذهباً بذهب لا يجوز الا مثلاً بمثل وان اختلفت في الجودة والصباغة لقوله عليه السلام "الذهب بالذهب مثلاً بمثل ورنأ بورن يدا بيد والفضل ربوا" ولا بد من قبض الموضين قبل الافتراق۔

واللہ اعلم بالصواب: محمد توفیق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۸۱۶

۲۳ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ

﴿جواب﴾ قرض کا معاملہ محض احسان اور ثواب کی بنیاد پر ہو تو شرعاً پسندیدہ اور بڑے اجر کا باعث ہوتا ہے دنیاوی مفاد حاصل کرنے کی عرض سے اگر کسی کو قرض دیدیا تو ثواب نہیں ملیگا۔ اور باقاعدہ کوئی نفع حاصل کرنا عقد میں شرط اگر قرار دیا تو سودی معاملہ ہو جاتا ہے جو کہ حرام ہے لہذا ازید اور خالد نے واقعی ایسا معاملہ اگر کیا ہے تو یہ عقد ناجائز واجب النسخ ہے۔

لما لم، انظر المختار: (٥/١٦٦ طبع جمعيت)

وفي الخلاصة القرض بالشرط حرام والشرط لغو بأن يقرض ان يكتب به ثلثي بلد كذا
ليوفي نيته وفي الشاهد كل قرض جرتعا فيفو حرام
وفي الشامية قوله كل قرض جرتعا فيفو حرام أي انا كان مشروطا كما علم مدته
عن البحر وعن الخلاصة وفي الصغيرة وانما لم يكن التبع مشروطا في القرض فعلى
قول الكرخي لا بأس به

ولما في خلاصة التتاری (۲/۱۰۳ طبع رشیدیہ)

وفي صرف الأصل لا بأس بقبول ثنية المغيريم واجابة دعوته مالم يشترط وكذا انقضى اجوده من لراحمه اذ دونها ورضى ببناء الوشره لم يجوز

وأيضاً في الفتاوى الخانية الموضع بدمشق البعثية: (٢/ ٢٥٢ طبع رشيدية)

ولمّا ان رجلاً استقرض انعام المنكّرة على ان يؤدّي صاحبها كان باطلاً وكان عليه مثل ما قبض

والله اعلم بالصواب: سمعنا من فضيلة

الجواب صحیح: عبد الرحمن عثمانی عن

فولی نمبر: ۳۳۶۳

٢٨ رجب المرجب ١٣٣٣ هـ

✽ دین کا کچھ حصہ وقت کے بدلے میں معاف کرنا جائز نہیں ہے

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید پر بکر کا قرضہ تھا یا دین تھا قرضہ وصولی کی جو تاریخ مقرر تھی وہ پوری ہو گئی اور کافی دن ہو گئے اب بکر مطالبہ کر رہا ہے اور زید کے پاس پیسے نہیں ہیں زید کے پاس ایک گاڑی ہے جسکی قیمت ایک لاکھ روپے ہے لیکن

ایرجی میں اگر فروخت کرنا چاہے تو اسی ہزار مل رہے ہیں بکر کہہ رہا ہے دس ہزار کا نقصان میں برداشت کروں گا اور دس ہزار کا نقصان آپ برداشت کرے کیا اس طرح جائز ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت ابراء عن الدین کی ہے اور ابراء عن الدین جب معلق بشرط نہ ہو تو جائز ہوتا ہے لہذا مذکورہ صورت میں اگر واجب الذمۃ قرض ہے تو ہر وقت مطالبہ کر سکتا ہے اگرچہ قرض دیتے وقت ایک تاریخ مقرر ہوئی تھی ادا کرنا لازمی ہے اور اگر دین ہے تو پھر بھی چونکہ ادائیگی کا وقت گزر چکا ہے اس لئے ادا کرنا لازمی ہے اور بکر کا نقصان برداشت کرنا اس کی طرف سے احسان ہوگا گویا کہ زید کو دین کے ایک حصہ سے بری کر رہا ہے لہذا یہ کوئی معاوضہ نہیں ہے ہاں دین کی صورت میں اگر وصولی کا وقت پورا نہ ہو تو یہ ابراء عن الدین معلق بشرط ہو جائے گا اور معاوضہ کی صورت ہو جائیگی بکر کی طرف سے اسقاط دین ہوگا اور اس کے معاوضے میں زید کی طرف سے اسقاط اجل ہوگا یہ چونکہ موجب رہا ہے اس لئے ناجائز اور حرام ہے۔

لما فی الہدایۃ ۴/۲۲۹ طبع قدیمی

ہبة الدین ممن علیہ الدین جائزۃ قیاسا واستحسانا و ہبة للدين من غیر من علیہ دین جائزۃ اذا امره بقبضہ استحسانا کذا فی التتارخانیۃ ہبة الدین ممن علیہ الدین و ابرائہ يتم من غیر قبول من المدين و یرتد برده ذکرہ عامۃ للمشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ و هو المختار

و کذا فی الہتایۃ شرح الہدایۃ ۱۲/۵۴ طبع رحمانیۃ

ولما فی تنویر الابصار ۵/۲۴۰ طبع سعید

قال اد لی خمس مائة غدا من الف لی علیک علی انک بری من الباقي فقبل بری وان لم یرد ذلک فی الغد عاد دینہ

ولما فی الشامیۃ علی هذه الصلۃ

لر قال ابرأتک عن الخمسة علی ان تلغ الخمسة حالۃ ان کانت للعشرة حالۃ صبح الابرأ لان ادلہ الخمسة یجب علیہ حالا فلا یکون هذا للمتعليق الابرأ بشرط تعجيل الخمسة ولو موجلة بطل الابرأ انما لم یعطه الخمسة

ولما فی التنویر مع الدرۃ ۵/۲۴۰ طبع سعید

ولا یصح (الصلح) عن دراهم علی دنائیر موجلة او عن الف موجل علی نصفه حالا او عن الف سرود علی نصفه بیضا وفي الشرح والاصل ان الاحسان ان وجد من الداین فاسقاط وان منهما فمماضت فی الشامیۃ (قوله لمعاوضة) ای ویجرى لیه حکمها فان تحلق الربا او شبهته لمسدت والا صحت قال ان وجد الاحسان من الدائن: بان صالح علی الشی هو ادون من

حقه قسرا او وصلا او وقتا: ان من الدائن والمدين بان دخل في الصلح ما لا يستحقه الدائن من وصف كالبيض بدل السود. او ما هو في معنى الوصف كتعجيل الموجل او عن جنس بخلاف جنسه

والله اعلم بالصواب: شفقت الله

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۴۰۴

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

﴿گندم بطور قرض لینے دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے ہاں گندم کے کاشت کے زمانے میں لوگ ایک دوسرے سے گندم کی بوری قرض لے لیتے ہیں، قرض خواہ اور مقرض کے درمیان یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ گندم کی کٹائی کے بعد قرض خواہ اپنی ایک بوری گندم واپس لے لے گا، کیا شریعت کی رو سے یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: زین اللہ تورہ شاہ خلع پشین

﴿جواب﴾ آپ کے علاقے میں گندم کی کٹائی تک بطور قرض گندم لینے دینے کا رائج معاملہ شرعاً درست ہے اس میں کوئی خرابی نہیں ہے، البتہ قرض دینے والے کو حق حاصل ہے وہ چاہے تو کٹائی سے پہلے بھی مطالبہ کر سکتا ہے اگرچہ کٹائی کے بعد واپس لینا طے ہوا تھا، اس لئے کہ قرض کے معاملہ میں مدت مقرر کرنے کا اعتبار نہیں ہوتا۔

ولمافی الهدایۃ: (۲/۸۴ مطبع رحمانیہ)

واذا وجد احرم التفاضل والنساء واذا وجد احد حصار عدم الاخر حل التفاضل وحرم النساء

ولمافی التنبیہ مع الرد: (۵/۱۱۱ مطبع سعید) (صح الترض فی مثلی لافى غیره)

وفی الشامیۃ: (قرله فی مثلی) کالمکیل والموزون والمعدود والمستقارب کالجوز والبیض.

ولمافی الہندیۃ: (۲/۲۰۲ مطبع رشیدیہ)

ولفی التجرید ولو اقترض مؤجلاً أو شرط التأجيل بعد القرض فالأجل باطل والمال

حال... ولا فرق بین أن یؤجل قبل استهلاك القرض أو بعده."

ولمافی درر الحکام: (۳/۸۲-۸۳، مطبع ماجدیہ کونٹہ)

وقال أحد الآخر: أعطنی خمس کھلات حنطۃ علی أن أودی لك مثلها بعد، وأعطاه کان

مذا المعتمد قرضاً ویكون هذا المعتمد بیعاً حتی لو کان بیعاً فهو غیر جائز لأنه ربا... لا یبطل

القرض بالشروط الفاسدة ویكون الشرط المذكور لغواً.

ولمافی الشامی: (۵/۱۵۸، مطبع سعید)

قرله (فلایلزم تأجيله) أي أنه یصح تأجيله مع كونه غیر لازم للقرض الرجوع عنه.

ولمالي المبدائع (۲/۴۶۱ طبع سعید)

والأول لا يلزم في القرض سواء كان مشروطاً بالعقد أو متاخراً عنه بخلاف سائر الديون

الجواب صحیح: محمد الرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عبد الباقی عثمانی

فتویٰ نمبر: ۲۹۷۸

۱۲ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ

﴿قومی بچت اسکیم کے نفع کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک بیوہ خاتون ہوں، میری کمائی کا کوئی ذریعہ نہیں سوائے اس کے کہ میں نے کچھ رقم ”قومی بچت“ سیونگ سینٹر میں جمع کروائی ہے اور وہاں سے مجھے فکسڈ نفع ملتا رہتا ہے جبکہ میرے بھائی وغیرہ اسے سود قرار دے کر نہ تو میرے ہاں آتے ہیں اور اگر کبھی آئے بھی تو بغیر کچھ کھائے پیئے چلے جاتے ہیں اور ان کا یہ عمل محض اس وجہ سے ہے کہ میں سودی رقم استعمال کر رہی ہوں۔

لہذا اب آپ حضرات کی خدمت میں عرض کرنی تھی کہ کیا مجھے ملنے والا نفع واقعی سود ہے اور اگر ہے تو کیا اس آمدنی سے لین دین جائز ہے کہ نہیں اور کیا اس کے مقابلے میں کوئی اسلامی ذریعہ ہے جسے اختیار کر کے مجھے بھی نفع ملتا رہے اور حلال بھی ہو، براہ کرم مذکورہ سوالات کا جواب عنایت فرما کر مشکور و ممنون فرمائیں۔ مستحبہ: ایک خاتون جو صغیر جنرل اسٹورڈینس فیروز

﴿جواب﴾ آپ کے بھائیوں کا رویہ غلط نہیں ہے، آپ قومی بچت یعنی سود سے اگر ان کو کھلاتی ہیں تو ایمان کا تقاضہ ہے کہ حرام مال کھانے سے پرہیز کریں، البتہ آپ کے بھائیوں کا اخلاقی فرض بنتا ہے کہ آپ کی رقم اپنی نگرانی میں کسی دیانتدار، تجربہ کار آدمی کو یا وہ لوگ خود اگر کر سکتے ہوں تو مضاربت پر یہ رقم تجارت میں لگائیں جس سے حلال کمائی آئے گی، قومی بچت اسکیم سے انشاء اللہ زیادہ ملے گا برکت بھی ہوگی، آپ بھائیوں سے اس کی درخواست کر لیں اور مسائل کی تفصیل کی ضرورت اگر پیش ہوئی تو رہنمائی کے لئے دوبارہ رجوع کر لیں۔

لمالي قوله تعالى: (سورة البقرة: ۲۷۵) اكل الله الربيع وحرم الربوا... الآية.

ولمالي الصحيح لمسلم: (۲/۲۷۴ طبع قدیمی)

لعم رسول الله صلى الله عليه وسلم اكل الربوا ولو موكله وكاتبه وشاهديه وقال وهم سواد

ولمالي المظهری: (۱/۳۹۹ طبع رشیدیہ)

الربوا في اللغة الزيادة قال الله تعالى: ويربي الصدقات والمعنى ان الله تعالى حرم

الزيادة في القرض على المقدّر المدفوع والزيادة في البيع لاحد البديلين
ولما في الفتاوى مع الدر: (۶۴۵/۵-۶۴۶، کتاب المضاربة، طبع سمیع)

(هي) لغة مفاعلة من الضرب في الارض وهو السير فيها وشرعا (عقد شركة في الربح
بمال من جانب ارب المال (و عمل من جانب المضارب (و ركنها الايجاب والقبول)
الجواب صحیح عبد الرحمن عفا الله عنه والحمد اعلم بالصواب: فیما اقبال عفا الله عنه

۵ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

نوی نمبر:

﴿وزیر اعظم لون پوتھ اسکیم سے قرضہ لینا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک
غریب آدمی ہوں اور میرے پاس کاروبار چلانے کیلئے ذاتی کوئی رقم نہیں ہے، لیکن آج کل
وزیر اعظم پاکستان نے نوجوانوں کیلئے قرضہ دینے کا حکم جاری کیا ہے اور اس کو پوتھ وزیر اعظم
پر وگرام کا نام دیا جا رہا ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ اس قرضہ کو لے سکتا ہوں یا نہیں کیونکہ میرے
بعض دوست علماء و طلباء ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اسکیم سود ہے؟

﴿جواب﴾ وزیر اعظم صاحب کے اس پروگرام کے بارے میں جہاں تک ہمیں معلوم ہے
کہ ایک سال تک اس پر کوئی سود نہیں لیں گے اور ایک سال کے دوران اگر قرضہ نہیں لوٹا یا تو ایک
خاص مقدار تک ہر ماہ اس پر سود لگتا جائیگا۔ قرضہ لینے والے سے اس معاہدہ پر باقاعدہ دستخط لائے
جاتے ہیں اس لئے یہ معاہدہ بلاشبہ سودی معاملہ ہے جسکی شرعا کوئی گنجائش نہیں ہے۔ عملی طور پر
سود لینے دینے کی نوبت اگرچہ نہ آئے تب بھی سودی معاملہ ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔

(لما فی قوله تعالیٰ سورة البقرة، آیت ۲۷۵) ﴿واحل الله البيع وحرم الربوا﴾ الخ

(لما فی المظہری ج ۱/۱۹۹ مرشدیہ)

الربوا فی اللغة الزيادة قال الله تعالیٰ یربى الصدقات والمعنى ان الله تعالیٰ حرم
الزيادة فی القرض على المقدّر المدفوع والزيادة فی البيع لاحد البديلين.

(لما فی مشکوٰۃ ج ۲/۲۲۲):

عن جابر قال لعن رسول الله ﷺ اكل الربوا ومزكله وكاتبه وشاھدیه وقال هم سواہ

(احكام القرآن للجصاص ج ۱/۲۶۹)

فمن الربا ما هو بيع ومنه ما ليس ببيع وهو ربا أهل الجاهلية وقرض المشروط لیه
الأجل وزيادة مال على المستقرض

(بدائع الصنائع کتاب البیوع، ۵۹۸/۱۰، طبع مہرروت)

لما الذي يرجع التي نكس القرض فهو أن يكون فيه جر منقعة فان كان لم يجر
منحوسا اذا اقرضه دارهم غلة على ان يرده عليه صحاحا ما اقرضه وشرط شرطه فيه
منقعة لساوي عن رسول الله ﷺ انه نهي عن قرضه جر نفعا، ولان الزيادة المشروطة
تشبه الربا، لانها فضل لا يقابله عوض والتحرر عن حقيقة الربا وعن شبهة الربا واجب
الجواب صحيح: مفتي عبدالرحمن عفا الله عنه والله اعلم بالصواب: مفتي الله غفر له والديه

۲۹ ربيع الثانی ۱۳۳۵ھ

تذکرہ نمبر ۳۰۱۵

﴿قرض کی واپسی میں پیسوں کی قیمت کے اتار چڑھاؤ کا اعتبار نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمرو کو کئی سال
پہلے کچھ پیسے قرض دیئے تھے، اب جب عمرو واپس دے رہا ہے تو زید زیادہ پیسوں کا مطالبہ
کر رہا ہے، اور کہہ رہا ہے کہ جس وقت میں نے دیئے تھے اس وقت پیسے کی قیمت زیادہ تھی اب
کم ہو گئی، لہذا پیسے زیادہ دو، اب پوچھنا یہ ہے کہ زید کے لئے زیادہ لینا اور عمرو کے لئے
زید کو زیادہ پیسے دینا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ قرض کی صورت میں جتنی رقم کسی کے ذمہ واجب الاداء ہوتی ہے
اتنی ہی رقم صاحب حق کو واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، اس میں مارکیٹ کے ریٹ کے اتار چڑھاؤ
کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی قرض دینے والے کی طرف سے زیادتی کا مطالبہ کرنے کی کوئی گنجائش
ہے، لہذا مسئلہ صورت میں زید نے عمرو کو جتنی رقم دی تھی اتنی ہی واپس لے اور زیادتی کا مطالبہ
نہ کرے، البتہ عمرو اگر اپنی طرف سے زیادہ دے تو بہتر ہے۔

لما قال تعالى: (البقرہ ۲۷۹) وان تبتم فلکم رؤس أموالکم لاتظلمون ولا تظلمون
ولما فی روح المعانی: (۲/۳، طبع رشیدیہ)

(فلکم رؤس أموالکم) تاخذونها لا غیر (لاتظلمون) غرماء کم باخذ لزیادہ۔

ولما فی الفقه الاسلامی والفتاویٰ: (۳۹/۵، طبع رشیدیہ)

ای لاتظلمون باخذ زیادہ علی رأس المال بل لکم ما دفعتم من غیر زیادہ ولا نقصان بوفیه
ایضاً: (ص ۷۸۱) کمو عقد مخصوص برده علی دفع مال مثلی لاخر لیرد مثله۔

ولما فی التنبیہ مع الفکر: (۱۶۲/۵، طبع سعید)

(استقرض من الفلوس الرانجنو العدالی فکسدت فعلبه مللها کاسده)

لا قیمتہا)..... فلا عبرۃ بفلانہ ورخصہ.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

لنوی نمبر: ۲۸۱۶

۲۷ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

﴿بینک کی ملازمت حرام کیوں ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ علماء حضرات سے سنا ہے کہ سودی بینک میں ملازمت کرنے والوں کی تنخواہ حرام ہے حالانکہ یہ انکی اپنی محنت اور پسینے کی کمائی ہوتی ہے، جو انکو تنخواہ وغیرہ کی صورت میں ملتی ہے، اس میں حرمت کی وجہ کیا ہے؟ یہ تو بالکل دوسری ملازمتوں کی طرح ایک ملازمت ہے اگر قرآن و حدیث میں اسکی حرمت کی کوئی دلیل مستفی: یعنی وینفس ہو تو بیان فرمادیں۔

﴿جواب﴾ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ بینک کے معاملات سودی ہوتے ہیں جو کہ حرام ہیں اور حرام کام میں معاون و مددگار بننا بھی حرام ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
لما لی قوله تعالی: الساندة: (آیت ۲)

﴿وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾

ترجمہ: اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر۔

بینک ملازم کا تعاون تو ظاہر ہے بلکہ بینک کا نائب بن کر ملازم ہی کام کرتا، فیجبر ہے تو سودی معاملات خود ذیل کرتا ہے، کیشیئر وغیرہ ہے تو لکھنے والا ہوتا ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ ”اللہ کی لعنت ہو سود لینے والے پر، دینے والے پر، گواہ بننے والے پر اور اس کے لکھنے والے پر“ (حدیث) باقی یہ کہنا کہ یہ انکی محنت کی کمائی ہے تو کیا ہر محنت کی کمائی حلال ہوتی ہے؟ محنت ہی حرام ہو تو کمائی کیسے حلال ہوگی؟ مزید یہ کہ ملازمین کو محنت کی اجرت جو ملتی ہے وہ بھی تو بینک کی آمدنی سے ملتی ہے اور وہ تمام حرام ہے، معلوم نہیں اتنی واضح بات میں آپکو شبہ کیوں ہو رہا ہے؟

لما لی الصحیح لمسلم: (۲/۲۷، طبع قدیمی)

عن جابر (رضی اللہ عنہ) قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ”اکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاہدہ وقال ہم سواہ“

﴿دو کاغذ اوروں کے پاس رقم رکھوانے کی شرعی حیثیت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری دکان ہے میرے کاؤں کے کچھ لوگ تنخواہ وغیرہ لے کر میرے پاس پیسے رکھواتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر واپس لے جاتے ہیں، ان پیسے رکھوانے والوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کے پیسے ہمارے پاس محفوظ رہیں اور بوقت مطالبہ ان کو ان کی رقم واپس ملے اور ان کی طرف سے استعمال کی اجازت ہوتی ہے، پوچھنا یہ ہے ان غیہوں کی شرعی حیثیت کیا ہے اور ان پیسوں کو اپنے کاروبار میں استعمال کر کے نفع حاصل کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟
 مستفتی: فخر الزمان بلال کالونی کورنگی

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں لوگوں کا آپ کے پاس رقم رکھوانا قرض ہے، رقم وصول کرتے ہی آپ اس کے مالک بن گئے، لہذا آپ کا اس رقم کو اپنی تجارت میں استعمال کرنا اور اس پر نفع حاصل کرنا درست ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی اہتمام ہو کہ جب بھی وہ لوگ اپنی رقم کا مطالبہ کریں تو آپ ان کو رقم واپس کریں۔

لشافی الشامی (۱/۱۶۱، طبع سعید)

«بصح الترض فی غیر المثل، لان الترض اعارة ابتداء، حتی صح بللغظنا معاوضة انتفاء، لانه لا يمكن الانتفاع به الا باستهلاك عيذه، فاستلزم ايجاب المثل في الذمة، وبملكه المستقرض بالتبض كالصحيح والمتبوض بقرض فاستيقين للرد في الترض الجائز لا يتم بل يرد المثل وان كان قائماً، وكنافي الشامی: (۵/۱۶۲، سعید)

ولشافی بدائع الصنائع (۴/۲۱۶، طبع ایچ ایم سعید)

«ما حکم الترض فہو رد المثل للقرض فی الحال وثبوت مثله فی ذمة المستقرض للقرض للحال وهذا جواب ظاهر الرواية.

الجواب صحیح: عبدالرحمن مفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: نعیم اقبال عفا اللہ عنہ

نوی نمبر: ۲۵۶۳

درتق الاول ۱۴۳۱ھ

﴿جو چیزیں قدر و جنس میں مشترک ہوں ان میں قرض کا معاملہ کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس کچھ اضافی چینی رکھی ہوئی تھی، میں نے اپنے دوست سے کہا کہ یہ چینی لے لو اپنی ضرورت میں استعمال کر لو اور ایک ماہ بعد اتنی ہی چینی مجھے واپس کر دینا اور اسی طرح کا معاملہ گندم وغیرہ میں بھی کر لیتے

ہیں، کیا میرا اس طرح کا معاملہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ مستفتی: عمر فاروق

﴿مورب﴾ ایسی اشیاء جو قدر و جنس میں مشترک ہوں ان کی خرید و فروخت میں کمی، زیادتی اور اوجھار ناجائز ہے لیکن ایسی اشیاء میں قرض کا معاملہ کیا جائے تو وہ درست ہے کیونکہ قرض کا معاملہ احسان کے طور پر ہوتا ہے اور آپ کا معاملہ بھی قرض کا معاملہ ہے، چینی، گندم وغیرہ چونکہ مثل اشیاء ہیں ان میں قرض کا معاملہ درست ہے، البتہ غیر مثل اشیاء میں قرض کا معاملہ جائز نہیں ہے۔

ولمافی التتویر مع الشرح (۱۴۱/۵-۱۴۲، طبع ایچ ایم سعید)

(عقہ) فی علمتہ صمد الزیادۃ (القرن مع الجنس فان وجناہرم الفضل ای للزیادۃ

(اوشنا) وکذا فی مشکوٰۃ المصابیح (ص ۲۰۲، طبع ایچ ایم سعید)

ولمافی البیان (۳۱۶/۴، طبع ایچ ایم سعید)

ان اقراض تبرع الا یزى انه لا یقابله عوض للمحال۔۔۔ کان المستقرض انتفع بالعين مدة ثم رجعین ما قبض وان کان یرد بئله فی الحقیقۃ وجعل رد بدل العین بمنزلة رد العین۔

ولمافی الہندیۃ (۲۰۱/۲، طبع رشیدیہ)

يجوز القرض فہما هو من ذوات الامثال كالمکیل والموزون والعددى المتقارب كالتبضع ولا يجوز فہما لیس من ذوات الامثال كالعھوان والشیاب والعندیات المتقاوۃ۔۔۔ ويجوز استقراض الذهب والفضۃ وزنا ولا يجوز عددا۔

واللہ اعلم بالصواب: عبدان خدا بخش

الجواب صحیح: عبد الرحمن مفا اللہ عز

نوی نمبر: ۲۵۹۳

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

﴿مختلف کرنیوں کے تبادلے میں تقابض شرط نہیں﴾

﴿مورب﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم چین سے سامان منگواتے ہیں، رقم کی ادائیگی کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ ہم یہاں مٹی پیچر سے رابطہ کر کے چین کی کرنسی کے ریٹ طے کرتے ہیں پھر ان کا ایک آدمی آکر ہم سے رقم لے جاتا ہے اور دو سے تین دن بعد چین میں موجود اس پارٹی کو جس سے ہم نے سامان خریدا ہے، اسکو چین کی کرنسی میں رقم دیدیتا ہے، سوال یہ ہے کہ مذکورہ طریقہ کار میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں ہے مثلاً کوئی شرط چھوٹ رہی ہو یا بید کی یا مثلاً بمثل کی؟ مستفتی: ابو حظلہ صدر کراچی

﴿مورب﴾ ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دوسرے ملک کی کرنسی سے ہو تو ایسی صورت میں

برائے اور قبا بنفشہ شریعت ہے، لہذا مسئلہ طریقہ کار جائز ہے۔

لما فی بیوت فی قضایا للہیتہما ص ۱۱۶-۱۱۷ (طبع دارالعلوم کراچی)

ومن جملة منالہو نسبتا کما هو معمول بہ فیوم عت کثیر من التجار و عامۃ الناس انہم یصلون عتۃ بنوع بشرط ان یونی الاختیار فی شکر عتلتنا آخریعت متعطل ان یصلی بنوعہا الف یصل سعیدی فی لسلک العربیۃ لعمدیۃ بشرط ان یونی عسرو بنیا لریعة آلا فیتب کتانتفی پاکستان لاما عتلتنا عتیتجوز متالبع لان الاتمان لا بشرط فیکتیب منو کتلتنا عتلتببع عتتبع فیتبع لیتنا التاجیل عتلتلالت لجنس قن خمس الانستلرخی و التلتری لرجل فلوسا بترلعلم و تلتلتن ولم تکر لتیس لغفعل لیتج حیتتبع لیتن مؤجل تلک جائز فی الاجناس المتخلتة.

والجواب صحیح محمد ادریس عفا اللہ عنہ

والجواب صحیح محمد ادریس عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۹۶

مرتبہ اول ۱۳۳۷ھ

﴿ایک ملک کی کرنسی کے باہم تبادلہ میں ادھار ناجائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کھلے پیسوں کے ساتھ

نوٹ کا تبادلہ کرتے وقت اگرچہ پیسے ادھار رہ جائیں (مثلاً ہزار کے نوٹ کا تبادلہ سات سو کے ساتھ کرتے وقت تین سو ادھار رہ جائیں) تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ مستفتی محمد عظیم

﴿جواب﴾ ہزار کے نوٹ کا تبادلہ سات سو روپیہ کے ساتھ کرتے وقت تین سو ادھار کر لینا

درست نہیں کیونکہ ایک ملک کی کرنسی میں جا نہیں سکتا بنفشہ اسی مجلس میں شرط ہے اور اس

صورت میں ایک جانب بدل کے کچھ حصے پر قبضہ اسی مجلس میں نہیں پایا گیا، البتہ اگر یہ معاملہ اس

طرح نہ لیا جائے کہ ہزار کا کھالیتے وقت اسی مجلس میں جتنے پیسے مثلاً سات سو روپیہ مل رہے ہوں

انہی کے بقدر تبادلہ کی تصریح کی جائے اور بقیہ تین سو روپیہ بطور قرض چھوڑ دئے جائیں تو یہ

صورت درست ہو جائے گی۔

لما فی البدایہ (۲۴۷/۲ طبع سعید)

و کذا فتیبا ہما لیسامیہ ہلس بعیہ فاللسان لا یتمیضان وان عینا لان التبعض فی المجلس شرط حتی یبطل بترك للتابعض فی المجلس لكونه افترا لواعن دین بدین ولہ تبعض احد البدلیین فی المجلس فالفرق القابل لتبعض الآخر ذکر الکرخی انه لا یبطل للعقد لان اشتراط التبعض من الجانبین من خصائص الصرف وهذا یس بصرف لیکتلی فیہ بالتبعض من احد الجانبین لان بہ یمخر عن کونه الترافع دین

بدین ہو ذکر فی بعض شروح مختصر الطحاوی رحمہ اللہ انہ یبطل لالکونہ صدقاً بل
لتمکن رباً النساء، لہ لوجود احدہ صلی علیہا الفضل و هو الجنس و هو الصبیح.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: ریاض الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۰۶

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

﴿قرض اور دین کے مسائل﴾

﴿قرض خواہ مقرض سے صرف شدہ کرایہ وغیرہ وصول کر سکتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں! کہ خالد نے بشر سے قرض لیا، اسکے بعد ادائیگی کا جب وقت آیا تو خالد مال منول کرنے لگا اور بشر کو قرض کی وصولیابی کے لئے بارہا اس کے پاس جانا پڑا اور آنے جانے میں خاصا کرایہ بھی صرف ہوا، پوچھنا یہ ہے کہ بشر کی جتنی رقم کرایہ وغیرہ میں لگ چکی ہے، وہ خالد سے وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: محمد عظیم لکھنوی مروت عبد خیل

﴿جواب﴾ اگر خالد وقت مقررہ پر قرض کی ادائیگی میں تنگدستی کی وجہ سے کوتاہی کر رہا ہے تو بشر کے لئے مناسب ہے کہ فراخی وقت تک اسکو مہلت دے دیں۔

لما فی قوله تعالى: (سورة البقرة: ۲۸۰) وان كان ذو عسرة فنظرة الى ميسرة - الآية.

البتہ تاخیر تنگدستی کی وجہ سے نہیں کرتا، باوجود مال دار ہونے کے اس کا اصل مقصد دین کی ادائیگی میں مال منول کرنا ہے تو یہ انسانی شرافت کے خلاف ہے جس کی مذمت حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے۔

لما فی سنن ابی داؤد (۱۲۰/۲، رحمہ اللہ) عن ابی ہریرۃ یقول: قال رسول اللہ ﷺ: مطل الغنی ظلم. ترجمہ: مالدار آدمی کا مال منول کرنا ظلم ہے۔

اور صورت مسئلہ کے مطابق بشر کے لئے خالد سے صرف شدہ کرایہ وغیرہ وصول کرنا درست ہے اور بشر کو چاہیے کہ مقررہ تاریخ پر رقم وصول نہ ہونے کی صورت میں قرضدار کو متنبہ کرے کہ اپنے حق کی وصولی کے لئے مجھے کرایہ خرچ کرنا پڑا تو وہ آپ کے ذمہ ہوگا۔

لما فی الشامی: (۲۸/۸، طبع امدادیہ ملتان)

وفی البزازیة ویستمعین باعوان الوالی علی الاحضار واجرة الاشخاص فی بیت المال

وقبل على المتبردا هو في منية الملقى، مؤنة المشخص قبل في بهت المال وفي الاصح
على المتبردا الخ وهكذا في عزيز الفتاوى: (۱/۲۱۹، طبع دار الاشاعت) وامدانا احكام:
(۲/۵۰۰، باب القرض والدين، طبع دار العلوم کراچی)

ولمالي الهداية: (۲/۲۸۲، طبع رحمانيه)

واجرة رد العارية على المستعير لان الرد واجب عليه لمانه قبضه لستعته نفسه والاجرة
مؤنة الرد فتكون عليه.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد اسلم چڑالی غفرلہ

۲۱ صفر الخیر ۱۴۲۹ھ

فتویٰ نمبر: ۱۱۳۳

﴿سُنَّے کو قرض پر دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ اس معاملہ کی شرعی حیثیت کیا ہے کہ میرے والد نے ایک آدمی سے ۲ تولہ سونا
قرض پر لیا اور اس کے ساتھ ایک سال کا معاہدہ کیا کہ ایک سال بعد آجکے سونا واپس کر دوں گا،
اب اس سونے کی قیمت فی تولہ ۲۳ ہزار روپے ہے جبکہ قرض پر لیتے وقت ایک تولہ کی قیمت ۱۸
ہزار روپے تھی، اب اسکو دو تولہ سونا واپس کرنا ضروری ہے یا سونا قرض پر لیتے وقت کی قیمت ۱۸
ہزار روپے فی تولہ کے حساب سے رقم واپس کی جائے؟ اور کیا سونے کو قرض پر لینا صحیح ہے؟

﴿جواب﴾ سونا بطور قرض لینا: دینا صحیح ہے اور سونا ہی واپس کرنا ضروری ہے، البتہ اس وقت
کی موجودہ قیمت لینے پر اگر وہ راضی ہے تو قیمت یعنی فی تولہ ۲۳۰۰۰ روپے بھی ادا کر سکتے ہیں۔

لمالی الشامی: (۵/۱۷۷، طبع سعید)

فاذا استقرض مائة دينار من نوع فلان بدين يوفى بدلها مائة من نوعها الموافق لمالها
للوزن أو يوفى بدلها وزناً لا عدداً أو ما بدون ذلك فهو ربا لأنه مجازفة

ولمالي الدر المختار: (۵/۲۵۹، باب للصرف، طبع سعید)

حتى لو استقرض مائة دينار قبل افتراقهما أو أمسكاً ما أشار إليه في العقد وأدباً مثلهما جاز.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: مزل شاہ

۱۸ ربیع ۱۴۲۳ھ

فتویٰ نمبر: ۲۳۷۸

﴿قرض لینے یا ادھار چیزیں خریدنے کے بعد ادائیگی کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱) ایک آدمی نے دوسرے سے (۱۰۰۰) روپے قرض لیا اسکے تقریباً دس سال بعد ادائیگی کرنا چاہتا ہے تو یہ شخص اس زمانے کے اعتبار سے ۱۰۰۰ روپے ادا کریگا یا موجودہ وقت میں روپوں کی مارکیٹ ویلیو کے مطابق ادا کریگا؟ (۲) ایک شخص نے دکاندار سے مختلف چیزیں بطور ادھار کے خرید لی، اس کے کئی سالوں بعد ادائیگی کر رہا ہے تو اس کی اس ادائیگی موجودہ وقت کی اشیاء کی قیمتوں کے اعتبار سے ہوگی یا اس وقت کی قیمتوں کے اعتبار سے؟

﴿محولہ﴾ صورت مسئلہ میں جو رقم بیع یا قرض کی صورت میں کسی کے ذمہ واجب الاداء ہوئی تو اتنی ہی رقم صاحب حق کو واپس کرنا ضروری ہے اس میں مارکیٹ ویلیو (پیسے کی بازاری قیمت) کے اتار چڑھاؤ کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ ایسا معاملہ تو سود کے زمرے میں داخل ہو کر ناجائز و حرام ہوگا، البتہ قرضدار اپنی طرف سے زیادہ ادا کر دے تو بہتر ہے۔

لسانی التدریس مع الدرر: (۱۶۲/۵، طبع سعید)

(استقرض من الفلوس الرانجہ والعدلی فکسدت فعلیہ مثلها کاسدۃ) کو (لا) یغرم (قیمتہا) و کذا کل ما یکال و یوزن لسا مرانہ مضمون بمثلہ فلا عبرۃ بغلانیہ و رخصہ و فی الشامیۃ (قرولہ فلا عبرۃ بغلانیہ و رخصہ).... ولا یبطل فی غلایہ النراہم و لا فی رخصنا.... و الفتاوی النینیۃ استقرض حنطۃ فاعطی مثلها بعد ما تغیر سعرها یجبر المترض علی التبدل و لسانی الدر مع الرد: (۱۶۱/۵، طبع سعید) و فی الاشباہ: کل قرض جزئفا حرام و فی الشامیۃ: قلت:.... ثم رایت فی جواهر الفتاوی اذا کان مشروطا ہا قرضانیہ مستقر و موربا و الا فلا بأس بہ.

واللہ اعلم بالصواب: محمد اسلم چترالی غفرلہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

نوی نمبر: ۱۲۱۶

۱۶ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

﴿قرض کی بنیاد پر نفع لینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے میں کہ مجھے ۳۰۰۰۰ روپے قرض کی ضرورت ہے، جس شخص سے مجھے قرض لینا ہے، وہ مجھے قرض دینے پر راضی ہے، واضح رہے کہ میں یہ مفروضہ رقم کاروبار میں لگانا چاہتا ہوں لیکن قرض دینے والے کا اصرار ہے کہ میں آپ کو قرض دے دوں گا لیکن جب یہ رقم آپ اپنے کاروبار میں لگائیں گے تو منافع کی صورت میں آپ مجھے اصل رقم ۳۰۰۰۰ (تیس ہزار) کی واپسی کیساتھ ایک فی صد منافع کی رقم بھی دیں گے تو آپ

حضرات سے گزارش و عرض یہ ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں میری رہنمائی فرمائیں کہ آیا اس شخص سے میں قرض کے طور پر یہ رقم لے سکتا ہوں؟ اور اس شخص کا یہ مطالبہ کہ منافع کی صورت میں ایک فی صد رقم اضافی دینا ہوگی درست ہے؟ والسلام

مستفتی: محمد الیاس صاحب

﴿جواب﴾ قرض کی بنیاد پر نفع لیتا ہی تو سود ہے جو کہ حرام ہے، البتہ پیسے دینے والے کو آپ نفع و نقصان کی بنیاد پر کاروبار میں شریک کر لیں تو منافع میں سے جو شرح فیصد مقرر ہو لیتا دینا جائز ہے مثلاً آپ کی محنت ہے اور آپ کے دوست کی رقم ہے ۳۰۰۰۰ تو اس رقم سے جو بھی کاروبار ہو مہینہ یا سال کے بعد مثلاً حساب کریں اس پر جو منافع ہوں پہلے سے طے شدہ شرح فیصد کے اعتبار سے تقسیم کریں بالفرض آپس میں طے کیا کہ محنت کرنے والے کو پچاس فیصد اور پیسے والے کو بھی پچاس فیصد منافع ملیں گے تو آدھے آدھے تقسیم کریں خدا خواستہ کوئی فائدہ نہیں ہوا تو کوئی بھی منافع کا مطالبہ نہیں کر سکتا اور نقصان ہوا تو اس ۳۰۰۰۰ سے پورا کیا جائیگا۔

لما فی قوله تعالیٰ: (سورة البقرة، آیت ۲۷۵) ﴿احل الله المبیع وحرم الربا... الآية﴾
ولما فی الشامی: (۱۶۶/۵، طبع سمید)

(قوله كل قرض جرت احرام) ان اذا كان مشروطا كما علم مساقله عن البحر وعن الخلاصة
وفی النخبة وان لم یکن التمتع مشروطا فی القرض، فعلى قول الكرخي لا بأس به.
ولما فی الهدایة: (۲/۲۱۲، طبع رحمانیہ) المضاربة عقد یقع علی الشرکة بمال من احد الجانبین.
ولما فی کنز الدقائق: (ص ۲۴۲، طبع قدیمی)

وما ملک من مال المضاربة لمن الربح فان زاد له مالک علی الربح لم یضمن المضارب.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زکی

فتویٰ نمبر: ۲۲۹۳

۱۷ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

﴿نقد روپے قرض دیکر سونا وصول کرنا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ میں نے ایک شخص کو چھ ہزار روپے قرض دیئے جبکہ اس وقت ایک تولہ سونا چھ ہزار کا تھا اور میں نے کہا کہ جب بھی آپ مجھے قرض واپس کر دے تو بجائے روپے ایک تولہ سونا دینا، اس نے بخوشی منظور کیا، اب وہ مجھے ایک تولہ سونا دے رہا ہے جبکہ ایک تولہ سونا تقریباً پچیس ہزار کا ہے تو کیا مجھے سونا لینا جائز ہے یا اصل قرض چھ ہزار روپے وصول کر لوں؟ مستفتی: ام احسان

﴿جواب﴾ قرض دیتے وقت آپ نے سونا لوٹانے کی جو شرط لگائی ہے، یہ غلط ہے، اس کا

کوئی اعتبار نہیں ہے اس شخص پر اب صرف چھ ہزار روپے ہی ادا کرنا ضروری ہے، آپ کیلئے سونا وصول کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، قرض دیتے وقت آپ کو چاہیے تھا کہ چھ ہزار روپے سونا خریدنے کی غرض سے اسکو دیتے پھر وہ آپ کے لئے سونا خرید کر لاتا اور آپ وہی سونا ہی اسکو بطور قرض دیتے تو آج آپ کو سونا وصول کرنے کا حق حاصل ہوتا لیکن اس وقت آپ نے روپے ہی بطور قرض دیئے تو اب چھ ہزار روپے ہی وصول کرنے کا حق آپ کو حاصل ہے سونا وصول کرنا جائز نہیں ہے۔

لما فی التنبیہ مع الدر: (۱۵/۵، طبع سعید)

(القرض لا یتعلق بالجائز من الشروط فالفاسد منها لا یبطله و لکنہ یلغو شرط ردنی آخره لمراسق من الدراهم المكسورة علی ان یؤدی صحیحاً کان باطلا) و کذا لواقضه طعاما بشرط رده فی مکان آخر (وکان علیہ مثل ما قبض) فان قضاه اجد بلا شرط جاز۔ وفي الخلاصة للقرض بالشروط حرام والشروط لغو الخ.

ولما فی المبسوط (ج ۱۴ ص ۳۰، طبع دار المعرفۃ لبنان)

والقرض لا یتعلق بالجائز من الشروط فالفاسد من الشروط لا یبطله و لکن یلغو شرط رد شیء اخر لعلیہ ان یرد مثل المقبوض.

والجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمن سواتی

۲۲ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

فتویٰ نمبر ۱۸۵۹

﴿قرض خواہ کاشی مقروضہ کو مقروض کے ہاتھ فروخت کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک غلہ والا اپنا غلہ غلہ فروش کو قرض دیتا ہے اور اس غلہ کے اندر تصرف کی بھی اجازت دیتا ہے اور کہتا ہے جب غلہ کی قیمت بڑھ جائیگی میں آپ کو فروخت کر دوں گا پھر جب غلہ کی قیمت بڑھ جاتی ہے تو اسی غلہ فروش کو وہ غلہ بیچتا ہے اور قیمت طے ہوتی ہے اس قسم کی بیع شرع کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: مولوی گل محمد عبدل خیل

﴿جواب﴾ شریعت کی رو سے یہ معاملہ جائز ہے کیونکہ (بیع الدین من علیہ الدین) کے قبیل سے ہے، البتہ مقروض (غلہ والا) کا غلہ فروش سے یہ کہنا کہ آپ کو بیچ دوں گا، صرف وعدہ کے درجہ میں ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، شرط کے درجہ میں ہو تو یہ غلط شرط ہے لیکن معاملہ چونکہ قرض کا ہے اور قرض کے معاملہ میں فاسد شرط کا اعتبار نہیں ہوتا، اس لئے وصولی کی صورت میں مقروض غلہ

فروش سے غلہ واپس کرنے کا حق رکھتا ہے، البتہ باہمی رضامندی سے غلہ کی قیمت طے کر کے وصول کرنا چاہیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

لما فی الدر المختار: (۴/۳۳ طبع امدادیہ) فی الاشباہ: بیع الدین انما یجوز من المذہبون۔

ولما فی المصنوع للسرخسی: (ج ۱۵ ص ۲۵۴ طبع دار الفکر بیروت)

فان بیع الدین من غیر من علیہ الدین لایجوز الا علی قول مالکؒ وهو یقول: کما یجوز بیعہ ممن علیہ فکذلک من غیرہ ولكننا نقول اذا باعہ منه بصیر قابضالہ بذمته واذا باعہ من غیرہ فیو لا یقدر علی تسلیمہ مالم یستوف ولا یدری متى یستوفی فانما یبیع مالا یقدر علی تسلیمہ وقد شرط للتسلیم أجلًا مجہولًا وهو الی ان یمضی فذلک مبطل للبیع۔

ولما فی الہندیۃ: (۲/۱۰۲ طبع رشیدیہ)

واما بعد قبض البدلین حکما بان کان لرجل علی آخر عشرة دراهم وللآخر علیہ دینار فاشتری کل واحد منهما ما علیہ بمالہ علی صاحبه حتی کان العقد صرافا ولم یکن صرافا بان کان لہ علی آخر فلوس أو طعام وللآخر علیہ دراهم فاشتری کل واحد منهما ما علیہ بمالہ علی صاحبه وترقا کان العقد جائز. واما بعد قبض احد البدلین حقیقۃ والاخر حکما بان کان لرجل علی رجل عشرة دراهم فاشتری من علیہ الدراہم الدراہم بدینار وقد الدینار وترقا عن المجلس فالعقد جائز۔

واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زکی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

نوی نمبر: ۱۸۷۹

۲ صفر الحیر ۱۳۳۰ھ

﴿قرض وصول کرنے کی تدبیر﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے علماء کرام و مفتیان شرع دین متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ مجھ سے ایک شخص نے ایک مقررہ وقت کی میعاد پر قرضہ لیا ہے جبکہ میعاد مکمل ہونے کے بعد میرا مقروض قرضہ چکانے میں ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے اور مجھے پیسوں کی اشد ضرورت بھی ہے، اب پوچھنا یہ ہے کہ میرے لئے اپنے مقروض کا مال اپنے قرض کے بدلہ میں اسکی اجازت کے بغیر کسی بھی طریقہ سے حاصل کر کے لینا جائز ہے کہ نہیں۔ مستفتی احمد سلام ضلع تورغر

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں آپ کو اپنے قرض کی حد تک مقروض کے مال میں سے زبردستی یا کسی بھی انکل سے وصول کرنا جائز ہے۔

لما فی القنویں مع الرد: ۱۵۰/۶ (سعید)

والقاضی یحبس الحر المذہبون للبیع مالہ لدینہ وقضی دراہمہ دینہ من دراہمہ (اولیٰ)

الشامیہ: (قوله بلامرہ) لأن للدائن أن يأخذ بيده إذا ظهر بجنس حقه بغير رضا المدين
فكان للقاضي أن يعينه ريلمي
ولسافي الفتوى: ۱۵۰۰/۶ (سعيد)

ولسافي المجتبى لرب المال مسك مال المدينون وهذا بلائنه وقيل لذائيس فله أخذ مكان
حقه قضاء عن دينه ولسافي الشامیہ: (قوله قيل وانليس الفخ) كذا عبر في المنع وظاهره أنه من
غير جنس حله والافلو من جنسه فله أخذ قدر حقه منه بلا كلام ولا وجه لحكايته بقيل على
أن اقسمناه في كتاب العجر عن المقدسي عن بعضهم أن الفتوى اليوم على جواز الأخذ.
ولسافي الشامی: ۱۵۱/۶ (سعيد)

(تنبيه) قال العموي في شرح الكنز نقلا عن العلامة المقدسي عن جده الأشقر عن شرح
التنويري للأخضب أن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لسطاوعتهم
لسافي المحقوق والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي مال لا سيما في
ديارات الملوك منهم العقوق،
قال الشاعر: عفا على هذا الزمان فإنه زمان عقوق لازم حلقه وكل رفيق غير
مرافق. وكل صديق فيه غير صدوق.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: فضل حق زیر ادوی
۱۳ رجب الثانی ۱۳۳۵ھ
فتویٰ نمبر: ۳۰۲۲

﴿ مدت میں کمی کی شرط پر دین میں کمی کرنا جائز نہیں ﴾

﴿ سوال ﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں ایک شخص کا کسی پر دس ہزار
روپے (۱۰۰۰۰) قرضہ یا دین مؤجل ہے اور دونوں میں اجل یعنی مدت ایک سال مقرر کی گئی
ہے، اس شخص نے مدیون سے کہا کہ فی الفور صرف آٹھ ہزار روپے (۸۰۰۰) ادا کر دو، باقی
دو ہزار روپے معاف کرنا ہوں اور اگر فی الفور ادائیگی نہیں کرتے تو بعد میں مکمل دس ہزار روپے
وصول کرونگا، اب سوال یہ ہے کہ اگر مدیون فی الفور آٹھ ہزار روپے ادا کر دے تو کیا یہ جائز ہے؟

﴿ جواب ﴾ قرض کی صورت میں بلاشبہ یہ جائز ہے، اسلئے کہ قرض میں تاخیر (مدت)
مقرر کر دینا معتبر نہیں ہے اور قرض خواہ کو کسی بھی وقت مطالبہ کا حق حاصل ہے، البتہ دین مؤجل
کی صورت میں یہ معاملہ ناجائز ہے، اس لئے کہ دین میں تاخیر معتبر ہے اور دائن کی طرف سے
اس شرط پر حصہ دین میں کمی کر دینا کہ مدیون اجل مقرر سے پہلے یا فی الفور دین ادا کر دے،
ناجائز ہے، اس لئے کہ اس صورت میں دونوں جانب سے معاوضہ ہے، دائن کی طرف سے حصہ

دین میں کمی کرنا اور مدیون کی طرف سے اسقاط اجل ہے اور یہ موجب ربوہ ہونے کی وجہ سے حرام اور ناجائز ہے۔

لما فی التنبیہ مع الدر: (۵/۱۵۷-۱۵۸، مطبع سعید)

(ولزم تأجيل كل دين).... (الا القرض) فلا يلزم تأجيله. وفي الشامية: أي انه يصح تأجيله مع كونه غير لازم للقرض الرجوع عنه لكن قال في الهداية: فان تأجيله لا يصح لانه اعارة وصلة في الابتداء الخ.

ولما فی التنبیہ مع الدر: (۵/۱۶۰، مطبع سعید)

ولا يصح (أو عن الف مؤجل على نصله حالا).... (أو عن الف مرد على نصفه بيضا) والأصل ان الاحسان ان وجد من الدائن فاسقاط وان منها معاوضة. وفي الشامية: (قوله حالا) لانه اعتباض عن الاجل وهو حرام.... (قوله معاوضة) أي ويجرى فيه حكمها فان تحقق الربا وشبهه فسدت أو الاصحت ط قال ط: بان صالح على شيء هو أدون من حقه قدر أو وصفا أو وقتا وان منها: أي من الدائن والمدين بان دخل في الصلح ما لا يستحق: الدائن من وصف كالبيض بدل السود أو ما هو في معنى الوصف كتعجيل المؤجل أو عن جنس بخلاف جنسه اه.

والله اعلم بالصواب: عبد الرزاق عفا الله عنه

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۱۳۵۱

۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

﴿کسی کو قرض دیکر ماہوار متعین مقدار میں پیسے لینا سود ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک دکاندار کو

کچھ رقم دی اور اسکو کہا کہ آپ اس سے کاروبار چلاتے رہو اور مجھے ماہوار ایک ہزار روپے دیا کرو، پوچھنا یہ ہے کہ یہ معاملہ سود کے زمرے میں تو نہیں آئے گا؟ مستفتی: محرم اقبال کو ہائی شکورہ

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ مضاربہ فاسدہ کی ہے جس کا حکم یہ ہے کہ نفع سارا رب المال کا

ہوگا اور مضارب کو اجرت ملے گی اور جو رقم آپ ماہانہ لے چکے ہیں وہ بلاشبہ حکماً سود ہے جس کا لینا دینا حرام ہے، اب تک اگر ماہانہ پیسے دکاندار سے لئے ہیں تو واپس کرنا ضروری ہے اور آئندہ کے لئے دکاندار کیساتھ کاروبار میں شریک ہونا چاہتے ہیں تو نیا عقد ضروری ہے۔

جسکی صحیح صورت یہ ہے کہ آپ جتنی رقم دکاندار کو دینا چاہتے ہیں اسکی نسبت دکاندار کے پاس

پہلے سے موجود سامان کیساتھ واضح ہو مثلاً دکاندار کے پاس پہلے سے دولاکھ کا سامان دکان میں

ہے اور مزید ایک لاکھ روپے آپ نے شامل کر دیے تو آپ دکان کے سامان میں صرف ایک تہائی حصہ میں حصہ دار ہیں اور اسی نسبت سے نفع نقصان میں بھی حصہ دار ہیں نفع آپ دونوں کی رضامندی سے طے کرنا ضروری ہے مثلاً پچاس فیصد یا کم و بیش جو بھی طے ہوا پکوانے ایک تہائی حصہ کا نفع ملتا رہے گا اور خدا نخواستہ نقصان اگر ہو گیا تو پہلے نفع سے پورا کیا جائیگا، اس سے بھی زیادہ ہوا تو سرمایہ کی نسبت سے آپ کی رقم سے بھی پورا کیا جائے گا۔

لما فی قوله تعالیٰ: (سورة البقرة مائت ۲۷۸)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ فَإِن لَّمْ تَتَّقُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ...﴾

ولما فی الشامی: (۱۶۶/۵ طبع سعید)

(کل قرض جرتعا حرام کی اذا کان مشروطا کاعلم مما نقله عن البحر.

ولما فی التکویر مع الدر: (۱۶۸/۵ تا ۱۷۰ طبع سعید)

(مرفضل خال عن عوض بعبارة شرعی مشروطا کذا فی الفضل (لا حد للمتاقدین فی المعامضة)

ولما فی بدائع الصنائع: (۸۵/۱ طبع ایچ ایم سعید)

ومنہا ان یكون المشروط للكل واحد منهما من المضارب ورب المال من الربح جزا
شأنه انصافا ولذا اوربعافان شرطاً عدداً مقدراً بان شرطان یكون لهما مائة درهم من
الربح او اقل او اکثر والباقي للاخر لا يجوز والمضاربة فاسدة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: ڈاکٹر محمود کوہاٹی غفرلہ ولوالدہ

فتویٰ نمبر: ۲۰۷۱

۱۹ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

﴿قرض پر متعین نفع لینا حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ میں اپنے گھر کی اوپر والی منزل پر تعمیر کرنا چاہتا ہوں تاکہ کرائے پر دوں لیکن میرے پاس رقم نہیں تھی، میں نے اپنے دوست سے قرض لیا تو دوست نے کہا کہ یہ رقم جب دل کرے واپس کرنا لیکن جو کرایہ آئے اس میں سے مجھے تہائی حصہ دینا پھر جب یہ رقم ادا کر دو گے پھر نہیں دینا، آیا اس طرح میرا اپنے دوست کو شریک کرنا درست ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد اعجاز کراٹک

﴿جواب﴾ آپ کا دوست اس شرط پر آپ کو تعمیر کیلئے بطور قرض رقم دے رہا ہے کہ کرایہ میں سے

اسکو بھی ایک تہائی دینا ہے تو یہ سودی معاملہ ہے ہرگز جائز نہیں ہے، البتہ یہ شرط نہ ہو پھر آپ بخوش اپنی طرف سے کرایہ میں سے دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں لیکن اسکو مطالبہ کا کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔

لما فی مصنف ابن ابی شیبہ: (۵/۸۰ مطبع امدادیہ)

حنن ابوبکر قال: عن ابراهیم قال: کل قرض جر منفعة فیندرہا۔

ولما فی الشامی: (۵/۱۶۱ مطبع ایچ ایم سعید)

کل قرض جر منعا حرام ای لئلا کان مشروطا کما علم من قبلہ عن البحر وعن الخلاصة وفي الفخوذ

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

فتویٰ نمبر: ۲۵۲۵

۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

﴿مفتروض سود پر رقم لیکر اگر قرضہ ادا کرے؟﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع دین متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے مجھ سے ایک سال کی میعاد پر ایک لاکھ روپیہ قرض لیا ہے جبکہ دو سال کا عرصہ مکمل ہو رہا ہے لیکن مفتروض نے ابھی تک میرے پیسے واپس نہیں دیئے ہیں جب میں اس سے قرضہ کا مطالبہ کرتا ہوں تو وہ آگے سے جواب میں کہتا ہے کہ میرے پاس فی الحال کوئی رقم نہیں ہے تاکہ میں آپ کا قرضہ چکا دوں، ہاں میں اتنا کر سکتا ہوں کہ کسی سے سود پر ایک لاکھ روپیہ قرض لیکر آپ کا قرضہ چکا دوں گا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ آیا میرے لئے اپنے مفتروض سے قرض کے بدلہ میں سود کا روپیہ لینا جائز ہے کہ نہیں، براہ کرم وضاحت فرمائیں۔ مستفتی رحمت سلام

﴿مولا﴾ قرض خواہ اگر اپنے مفتروض کو مہلت دے اور اس کے حالات بہتر ہونے تک قرض کا مطالبہ نہ کرے تو اسکا بہت بڑا اجر و ثواب ہے، احادیث میں آیا ہے کہ ایسے بندے کے ساتھ بروز قیامت اللہ تعالیٰ رعایت کا معاملہ فرمائے گی اس لئے آپ اپنے مفتروض کے ساتھ قرض کے معاملہ میں مزید رعایت فرمائیں تو زیادہ بہتر ہے اور اگر آپ مزید مہلت نہیں دینا چاہتے تو آپ کو حق حاصل ہے، مفتروض کے بارے میں اگر آپ کو یقین ہے کہ اس کے پاس قرض چکانے کیلئے دوسرا کوئی انتظام نہیں ہے سود پر پیسہ لیکر ہی آپ کا قرضہ ادا کریگا تو آپ یہ مشورہ اس کو قطعاً نہ دے، پھر وہ از خود کسی سے سود پر رقم لیکر آپ کا قرضہ ادا کرے گا تو یہ رقم آپ کیلئے سودی نہیں ہے یعنی حرام نہیں ہے آپ تو اپنا جائز حق وصول کر رہے ہیں لیکن پوری طرح پاک بھی

کس ہے سود کی محنت کی وجہ سے اس میں بے برکتی ضرور ہوگی۔

ولمالی احکام القرآن للجصاص، ۱۲۱/۱ (طبع قنبیسی)

لو ان كان نوح عسرا لمعظرا لم، ميسرا لم تلك ان ذكر الاعمار والافطار فتنل على من تعب
لحتمته به والافطار ان يكون اذ لملى حق فله ثبت وجوه وصحت لمطامته لما عايناه والاعجاز
ولمالي التبخاري: ۲۴۹/۱ (قنبیسی)

عن عبيد الله بن عبد الله انه سمع ابا هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال كان تاجر
يسمى النضر فلما رأى معسرا قال لفتيانہ تجاروز واعنه لملى الله ان يتجاروز عنه فتجاروز الله عنه
ولمالي التبخاري: ۲۴۹/۱ (طبع قنبیسی)

قال حسان بن سنان ما رأيت شيئا أهمون من انشورخ نوح ما يربيك انى ما لا يربك .
ولمالي مسلم: ۲۴۹/۲ (قنبیسی)

عن علي رضي الله تعالى عنه لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل التوبيا
ومؤكته ومكته وشاعنيه وقان هم سواء .
ولمالي الشامي: ۳۸۵/۱ (طبع قنبیسی)

كتب شفعية كتفصوب لم يحل أخذه وعلى هشوات شرجل وكبه من بيعه ليق
أو شظم أو أخنشر شوع يتورع التورع ولا يأخون منه شيئا وهو أولى بهم ويرثون على
أربابهم عرفوهم والافتنقوبية أن سهل الخبيث التصديق اشتهر انرد شي صاحبه
ولمالي البهر: ۲۰۱/۸ (طبع سعيد)

اذا كان لشخص مسلم دين على مسلم فباع الندي عليه الدين خيرا وأختمت وقضى
الدين لا يحل للمدين أن يأخذ ذلك بدينه،
ولمالي المکتبه: ۱۶/۵ (طبع شعبة كوثه)

ولو كان الدين لمسلم على مسلم فباع المسلم خيرا وأختمت قضاء صاحب الدين
كره له أن يتبض تلك من دينه كذا في السراج الموعج .
ولمالي مجمع الانهر: ۲۱۲/۲ (طبع مكتبة المنار)

ولو باع المسلم خيرا وأوفى دينه من ثمنها كره لرب الدين أخذه،

الجب مج: مفتي عبد الرحمن عفا الله عنه والله اعلم بالصواب: فضل حق زياردي

فتوى نمبر: ۳۹۷

۱۲ ربيع الاول ۱۴۳۵ھ

عوضطاری حالت کے بغیر سودی قرض لینا جائز نہیں ہے

﴿مرد﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں امر لینڈ میں کئی

سالوں سے کرایہ کے مکان میں رہتا ہوں اور کمائی کا زیادہ تر حصہ کرایہ میں خرچ ہو جاتا ہے جبکہ ذاتی مکان بنانے کے لئے حکومت کی طرف سے ضابطہ اور قانون یہ ہے کہ سودی قرض لیکر مکان بنایا جاسکتا ہے، کیا میرے لئے ایسی مجبوری میں سودی قرض لے کر مکان بنانا جائز ہے؟ براہ کرم مجبوری کا حل شریعت کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔
مستفتی: بھائی ظہور احمد کیانی

﴿جواب﴾ سودی معاملہ اور سودی لین دین بھص قطعی حرام ہے، قرآن وحدیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں، البتہ حالت اضطرار اور ضرورت شدیدہ میں جبکہ ہلاکت نفس کا خوف ہو تو بقدر ضرورت فقہاء کرام نے سودی قرض لینے کی گنجائش بتائی ہے لیکن سوال میں جو مجبوری بتائی گئی ہے، وہ اضطرار اور احتیاج شدید کی نہیں ہے، اس لئے مکان بنانے کے واسطے سودی قرض لینا جائز نہیں ہے، کرایہ کے مکان میں گزارہ کریں اور اس میں کچھ خسارہ بھی ہو تو شریعت کے پیش نظر برداشت کریں، انشاء اللہ اسی میں فلاح ہے۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ تیار مکان حکومت سے یا کسی شخص سے زیادہ قیمت پر قسطوں پر حاصل کریں اور اگر آپ وہاں کے رہائشی مسلمان بھائیوں کی توجہ اس طرف مبذول کرنے کی کوشش کریں گے تو انشاء اللہ آپ کے علاوہ دوسرے مسلمان بھائیوں کے لئے بھی آسانی ہوگی مثلاً چند ساتھی مل کر ذاتی مکان بنا کر قسطوں پر مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کریں تو یہ حلال کمائی کا ذریعہ ہوگا اور مسلمان بھائی سود دینے کی لعنت سے بھی بچ جائیں گے۔

ولمافی قوله تعالیٰ: ﴿سورة البقرة ۲۷۵﴾ (پارہ ۲) ﴿احل الله البيع وحرم الربوا..... الآية﴾
ولمافی قوله تعالیٰ: ﴿سورة ۲۷۹﴾ ﴿فان لم تعلقوا اذانوا بحرب من الله ورسوله..... الآية﴾
ولمافی الصحيح لمسلم: (۲/۲۷۷) (طبع قدیمی)

فی الحدیث عن جابر رضی اللہ عنہ قال: لعن رسول اللہ ﷺ اکل الربوا و موكله و كاتبه و شاهده و قال هم سواء.

ولمافی تكملة فتح الملهم: (۱/۲۱۹) (طبع دارالعلوم کراچی)

قوله ﷺ (و موكله) یعنی الذی یؤدی الربا الی غیره فائمه عقد الربا و المتعامل به سواء فی کل من الاخذ و المعطى۔ و لهذا جاز اعطائه عند الضرورة الشديدة كما فی شرح الاشباه و النظائر للحسوی و غیره.

ولمافی امداد الاحکام: (۲/۲۸۷) (طبع دارالعلوم کراچی)

قلت: وقد قالت الفقهاء بجواز اعطاء الرشوة للمضطر لدفع مضرة لا تندفع الا باعطائها

واما الخذل الرشوة فلا يجوز بحال والربا والرشوة من باب واحد مقتضاء ان يجوز اعطاء
الربا للمضطرب لدفع مضرة لا تندفع الا باعطائه واما الخذل الربا فلا يجوز اصلا.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم: ریاض الرحمن کوہاٹی غفرلہ

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

فتویٰ نمبر: ۱۳۰۶

﴿متعینہ برتن یا وزن کے ذریعے آٹا، چینی وغیرہ بطور قرض دینا جائز ہے﴾
﴿سوال﴾ ہمارے علاقے میں یہ طریقہ عام ہے کہ ایک گھر کی عورتیں دوسرے گھر سے
آٹا، چینی اور گھی وغیرہ برتن کے ذریعے ناپ تول کر کے لے لیتی ہیں اگر واپس دینے میں تھوڑی
بہت کمی وزیادتی ہو جائے تو رہا شمار ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: عبد الحمادی صاحب بمبئی کی مرادت
﴿جواب﴾ پڑوسیوں سے وقتی ضرورت پوری کرنے کے لئے آٹا چینی گھی وغیرہ بطور قرض
لینا جائز ہے اور اس طرح لین دین میں برتن اور پتھر کا تعین اور معروف ہونا ضروری ہے چونکہ
برتن اور پتھر ضائع ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے جلد واپس کر دینا چاہیے تاکہ بعد میں
جھگڑا پیدا نہ ہو، لین دین میں ناپ تول کا خاص خیال رکھا جائے، اس لئے جراب جیسی چیز کے
ذریعے ناپ تول یا تر لکڑی کے ذریعے وزن کرنا جائز نہیں ہے، اس کے باوجود بھی اگر کچھ کمی
بیش ہو جائے تو رہا شمار نہیں ہوگا کیونکہ رہا میں زیادہ لینے دینے کا عقد ہوتا ہے اور یہ معمولی کمی
بیش عقد میں شامل نہیں ہے، لہذا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لسامی الہدایۃ: (۲۲/۳) مطبع رحمانیہ

ویجوز باناء، بمعینہ لا یعرف مقدارہ وبوزن حجر بمعینہ لا یعرف مقدارہ لان الجہالۃ لا
تلفی الی المصارعۃ لسانہ یتعجل فیہ التسلیم فیندر ہلاکہ قبلہ.

ولسامی فتح القدیر: (۲۴۵/۶) مطبع رشیدیہ

قد قید الاناء بكونه مالا يحتمل الزیادة والتقصان كان يكون من خشب او حديد.

ولسامی الہدایۃ: (۲۰۲/۳) مطبع رشیدیہ

فان لم تكن المنفعة مشروطة فی العتق اعطاء المستقرض اجود ماعلیہ فلا بأس بہ.

ولسامی الدر المختار: (۱۶۴/۵) مطبع سعید

وفیہا استقرض العجین وزنا یجوز ویبغی جوازہ فی التخمیرہ بلا وزن سنل رسول اللہ ﷺ عن
خیرہ یتماطاه الجیران لیكون ربا فقال "ماراه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن الحديث.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: اسلام آباد شاہ بمبئی

فتویٰ نمبر: ۱۹۳۹

۲۶ صفر الخیر ۱۴۲۰ھ

﴿سود کی حقیقت اور مثالیں﴾

﴿مور﴾ سود کی حقیقت مثالوں سے واضح فرمائیں نیز بہت سے معاملات ہمیں صحیح نظر آتے ہیں جب علماء سے معلوم کرتے ہیں تو وہ سود بتا دیتے ہیں اور بعض معاملات ہمیں سود کے نظر آتے ہیں جبکہ علماء غیر سودی قرار دیتے ہیں؟! مستفی: بھائی شیراز صاحب کراچی

﴿مور﴾ سود کے لئے عربی زبان میں (ربا) کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کا لغوی معنی (زیادتی) ہے اور اصطلاح فقہ میں ”ربا“ ایسی زیادتی کو کہتے ہیں کہ متعاقبین میں سے کسی ایک کے لئے عقد کے نتیجے میں مشروط ثابت ہو اور اس کے بدلے میں دوسرے کے لئے کوئی عوض مقرر نہ ہو اور زیادتی کبھی ظاہری صورت سے نظر آتی ہے، مثلاً دس روپے کے مقابلہ میں بارہ روپے ملے ہو اور تو دو روپیہ کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے اور کبھی ظاہری صورت کے اعتبار سے نظر نہیں آتی وہ معنوی زیادتی ہوتی ہے مثلاً دس تولہ سونا دس تولہ سونے کے مقابلہ میں ملے ہو اور ایک طرف سے دتی ہو جبکہ دوسری طرف سے کچھ عرصہ کے بعد ادائیگی ہو تو شریعت نے نقد، ہاتھ میں آنے والے سونے کو بعد میں موصول ہونے والے سونے سے زیادہ مان لیا ہے، نیز ہر کیلی (ٹاپے جانے والی) یا موزونی (وزن کی جانے والی) چیز کی خرید و فروخت جب اپنی جنس کے ساتھ ہو تو کی بیشی اور ادھار سود کہلائے گا مثلاً گندم، گندم کے بدلے بچی جائے تو برابر اور نقد بچنا ضروری ہے ورنہ کمی بیشی یا ادھار بیع، سود شمار ہوگا۔

اس کے علاوہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں (۱) کوئی چیز قسطوں پر خریدی جائے اور عقد کے اندر یہ شرط ہو کہ بروقت ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں مزید رقم ادا کرنا ہوگی تو یہ مزید رقم محض قرض پر مشروط اضافہ ہے جو کہ سود ہے، ہاں یہ شرط نہ ہو تو جائز ہے خواہ قسطوں کی وجہ سے قیمت زیادہ مقرر کی جائے۔

(۲) کسی نے کوئی چیز قسطوار ۷۰ ہزار روپیہ میں بیچ دی پھر اس کو نقد پیسوں کی ضرورت پڑی، اس نے تیسرے شخص سے پچاس ہزار روپیہ قرضہ لے کر مشتری (خریدار) کو اس کے حوالہ کر دیا اور اسے یہ کہا کہ وہ ۷۰ ہزار قسطوار آپ کو ادا کرتا رہے گا، یہ بعینہ ربوا ہے کیونکہ اس صورت میں تیسرا شخص پچاس ہزار دیکر ستر ہزار وصول کر رہا ہے جس میں بیس ہزار سود لے رہا ہے۔

(۳) ایک آدمی کو کاروبار کے لئے سرمایہ کی ضرورت تھی، کسی دوسرے نے کہا کہ اس شرط پر سرمایہ دو لگا کہ دس فیصد منافع مجھے ضرور دو گے، لہذا روپے بطور قرض دیکر اس پر دس فیصد یا کوئی بھی فیصد منافع مقرر کرنا سون ہوگا، قرض دیکر سرمایہ کو محفوظ رکھا اور اسی سرمایہ کو کاروبار کا حصہ بنالیا لیکن نفع و نقصان کی بنیاد پر اگر شرکت کی تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ سرمایہ کو خطرہ میں ڈال دیا، قرض اور کاروبار میں یہی تو فرق ہے کہ قرض میں رقم پوری محفوظ ہوتی ہے اور کاروبار میں رقم خطرہ میں ہوتی ہے۔

(۴) ایک آدمی دوسرے کو اپنے پیسوں سے گاڑی خرید کر دیتا ہے اور یہ اقرار نامہ تحریر کراتا ہے کہ سال یا دو سال کے بعد دو لاکھ کی جگہ تین لاکھ دیگا یہ بھی سودی معاملہ ہے، اس لئے کہ گاڑی خریدنے والا (پیسہ لگانے والا) مشتری کا وکیل ہے اور گاڑی کی رقم مشتری کے ذمہ قرض ہے جس پر وہ سودی منافع لے رہا ہے، البتہ یہ جائز ہے کہ پیسہ لگانے والا پہلے گاڑی اپنے لئے خریدے اور قبضہ بھی کرے پھر تین لاکھ روپے میں مشتری پر فروخت کر دے۔

یہ چند مثالیں ذکر کی گئیں ہیں لیکن سودی عملوں کو سمجھنا چونکہ عام لوگوں کے لئے انتہائی مشکل ہے، اس لئے صحیح اور جائز معاملات کے قواعد، ضوابط اور شرائط جاننے کے سلسلے میں علماء کرام، فقہاء عظام سے راہنمائی حاصل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

ولمافی قولہ تعالیٰ (سورہ ماہتہ ۱۷) ﴿فاسئلواہل الذکر ان کنتم لاتعلمون..... الآية﴾

ولمافی احکام القرآن للجصاص (۱/۲۴۱ طبع قدیمی)

مولقراض المشروط فیہ الاجل وزیادۃ مال علی المستقرض۔

ولمافی للعنایۃ علی هامش الفتح (۴/۱۴۶ طبع رشیدیہ)

الربا مو الفضل المستحق لاحد المتعاقدين فی المعاوضۃ تلخالی عن عوض شرط فیہ۔

ولمافی التنبیہ مع الدرر (۵/۱۶۸ تا ۱۷۲ طبع سعید)

الربا (مو کلفۃ مطلق الزیادۃ وشرعاً الفضل) ولو حکماً فدخل رباً للنسیۃ والبیوع

للماسدۃ فکلہما من الربا..... (خال عن عوض بمعیار شرعی) و هو للکھل والوزن.....

(مشروط لاحد المتعاقدين فی المعاوضۃ)..... (وعلته) للقتدر مع الجنس فان وجد احرم

الفضل والنساء..... (وان وجد احدهما حل للفضل وحرم للنساء)

ولمافی الشامی (۵/۱۶۶ طبع سعید) کل فرض جرتعا حرام ای اذا کان مشروطاً۔

واللہ اعلم: ریاض الرحمن عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

نوی نمبر: ۱۶۲۳

۱۷ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ

﴿سودی معاملہ میں گواہ خط و کتابت کرنے والا بھی برابر کا شریک ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بہن سودی بینک سے قرضہ لینا چاہتی ہے اور سارے معاملات اس نے خود کئے ہیں بس صرف میرے کو گواہ بنایا ہے، مجھے صرف دستخط کرنا ہے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ میں بھی اس کے ساتھ شریک ہوں گا اور میرا دستخط کرنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ قرآن وحدیث میں سود کے بارے میں بے شمار وعیدیں آئیں ہیں، قرآن کریم میں ہے کہ "سود خوروں سے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا اعلان جنگ ہے" اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "سود کھانے والا کھلانے والا اس پر گواہ اور خط و کتابت کرنے والے سب (گناہ) میں برابر کے شریک ہیں" دوسری روایت میں ہے کہ "سود میں بے شمار گناہ ہیں اور ادنیٰ گناہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر ہے"۔

لہذا مسئلہ صورت میں آپ بھی برابر کے شریک ہو گئے ہرگز آپ اس معاملہ پر دستخط نہ کریں اور وعیدوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی بہن کو بھی اس لعنت سے منع کریں۔

لما فی مشکوٰۃ المصابیح: (ص ۲۲۲، مطبع ایچ ایم سعید)

عن جابر قال لعن رسول اللہ ﷺ اکل الربوا و موكله و كاتبه و شاهديه و قال هم سواد

ولما فی مشکوٰۃ المصابیح: (ص ۲۲۶، مطبع ایچ ایم سعید)

و عن ابی ہریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ: الربوا سبعون جزءا، ألسرھان یتکح الرجل امہ.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

نوی نمبر: ۲۳۷۰

۲۱ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ

﴿سودی معاملہ میں گواہ بننے والے پر بھی لعنت ہے﴾

﴿سوال﴾ ہمارے ایک پڑوسی نے مجھے کہا کہ میرے ساتھ شہر چلو، کچھ کام ہے، جب شہر میں گئے تو اس نے ایک بینک سے کاروبار کیلئے سودی قرضہ لیا، مجھے اور ایک اور شخص کو گواہ بنایا، میں ادھر انکار نہ کر سکا اگر شروع میں پتہ ہوتا کہ بینک سے قرضہ لینے جا رہا ہے تو میں انکار کرتا، اب میں نادم ہوں، کیا میں اس صورت میں گنہگار ہوں یا نہیں؟ مستفی: وزیر زادہ قاری چارسدہ

﴿جواب﴾ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، سود کے لکھنے والے

اور سود پر گواہ بننے والے تمام پر لعنت بھیجی ہے اور فرمایا ہے کہ سب گناہ میں نہ اہم کے شریک ہیں۔
لہذا آپ کو چاہئے کہ توبہ واستغفار کریں اور استغناء کیلئے ایسی مروت سے اجتناب کریں جو
شریعت کے خلاف ہو۔

لسانی الصصحیح لمصلحہ (۲/۲۷ طبع قلعہ)

عن جابر قال لعن رسول اللہ ﷺ کانک للریاء وموکلہ وکتابہ وشاہدہ وقل نعم سولہ

ولسانی سنن ابی داؤد (۲/۱۱۸ طبع رحمانیہ)

عن عبد اللہ بن مسعود قال لعن رسول اللہ ﷺ کانک للریاء وموکلہ وشاہدہ

و کتابہ وکذابی جامع الترمذی (۱/۱۲۵ طبع فاریوقی ملتان)

ولسانی مرقا المفاتیح (۱/۳۳ طبع رشیدیہ)

(و کتابہ وشاہدہ) قال النبی ﷺ کانک للریاء وموکلہ وشاہدہ

علینما یبتعیرن الا عاتۃ علی الباطل (لو قال) فی الشیء (عد سب لسانی فی اصل الاثم

وان کانوا مختلفین فی قدرہ

والجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب فی من اللہ غفر اللہ

۶ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

تقریب نمبر ۱۰۶۳

﴿سودی معاملہ میں وکیل بننا جائز نہیں ہے﴾

﴿مولا﴾ میرا بھائی بیرون ملک سے رقم میرے نام بھیج کر سودی بینک سے سودی کھاتہ میں
رکھوانے کو کہتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں رقم اس کے نام سودی بینک میں رکھوانے
سے میں بھی اس گناہ میں شریک ہوں گا یا نہیں؟ جبکہ انکار کی صورت میں وہ ناراض ہو جاتا ہے۔

﴿مولا﴾ نفوس قرآنی کے ساتھ ساتھ بیشتر احادیث مبارکہ ایسی موجود ہیں جن میں
سودی کاروبار کو نہ صرف حرام بلکہ اس پر سخت وعیدیں بھی آئی ہیں اور سود لینے، دینے، سودی تحریر یا
حساب لکھنے اور سودی شہادت دینے والوں پر بھی لعنت کی گئی ہے اور فرمایا کہ وہ سب لوگ ”گناہ“
میں برابر کے شریک ہیں۔

مذکورہ صورت میں چونکہ آپ نائب ”وکیل“ کی حیثیت سے سودی کھاتہ کھولنے والے قرار
پاتے ہیں کیونکہ ہر وہ عقد ”معاملہ“ جس میں وکیل اپنی طرف اضافت کرتا ہے، اس عقد کے حقوق
وکیل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں اور شریعت مطہرہ نے ہر قسم کے سودی معاملے کو حرام قرار دیا ہے،

اس لئے آپ کا اس جیسا تصرف کرنا ناجائز و حرام ہوگا، اس سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے، حرام کاموں میں رشتہ داروں کی ناراضگی کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا، اس لئے آپ کو چاہیے کہ بھائی سے خیر خواہانہ انداز سے معذرت کر لیں۔

ولمافی قوله تعالیٰ: ﴿الصورة البقرة ۲۷۰﴾ أحل الله البيع وحرم الربوا..... الآية.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا۔

ولمافی الصحيح لمسلم: (۲/۲۷۷ طبع قدیمی)

عن جابر قال: لعن رسول الله ﷺ أكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواد

ولمافی تكملة فتح الملهم: (۱/۶۱۱ طبع دارالعلوم کراچی)

قوله ﷺ "وموكله" یعنی الذی یؤدی الربا الی غیرہ قائم عقد الربا والتعامل بہ سواء فی کل من الأخذ والمعطى..... وقوله ﷺ "وكاتبه" لأن كتابة الربا عانة عليه.. فذالك حرام لوجهين الخ.

ولمافی للهداية: (۳/۱۸۷ طبع رحمانیہ)

والعقد الذی یعقده الرکلاء، علی ضربین کل عقد یضیفه للوکیل الی نفسه کالبيع والاجارة فعقودہ تتعلق بالوکیل دون المؤکل.

ولمافی قوله تعالیٰ: ﴿سورة الانعام ۱۵۲﴾ واذا قلتم فاعدلوا ولو كان ذا قربى..... الآية.

ترجمہ: اور جب کہنے لگو تو حق بات کہو اگرچہ وہ تمہارے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

ولمافی روح المعانی: (۸/۴۱۵ طبع رشیدیہ)

"واذا قلتم" قول فی حکومة او شهادة او نحرهما "فاعدلوا" وقولوا الحق "ولو كان المقول له او عليه" ذا قربى "ای صاحب قرابة منكم.

ولمافی مرقاة المفاتیح: (۷/۲۲۶ طبع رشیدیہ)

وعن علی قال قال رسول الله ﷺ لا طاعة فی معصية انما الطاعة فی المعروف "لا طاعة" ای لأحد کمالی رواية الجامع الصغير ای من الامام وغیره کالوالد والشیخ فی معصية "وفی رواية الجامع فی معصية الله" انما الطاعة فی المعروف "ای ما لا یفکره الشرع" (معلق علیہ)

واللہ اعلم بالصواب: فقہ احمد شمس

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

نوی نمبر: ۱۳۶۸

۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

﴿سود لینا زیادہ گناہ ہے یا دینا؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ سودی معاملہ میں سود لینے

والا زیادہ گنہگار ہوتا ہے یا دینے والا؟

﴿مجموع﴾ سود لینا اور دینا دونوں ناجائز و حرام ہیں، نصوص قرآنی اور احادیث مبارکہ میں انتہائی سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ اور احادیث میں سود لینے دینے اور سودی معاملہ لکھنے، گواہ بننے والے پر لعنت کی گئی ہے۔

رہا یہ سوال کہ سود لینا زیادہ سنگین جرم ہے یا دینا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حالات کے اختلاف سے اس کی حرمت کی شدت میں فرق آ سکتا ہے، کبھی تو لینے والے کا عمل زیادہ شنیع ہوتا ہے جبکہ بعض اوقات دینے والے کا جرم سنگین ہوتا ہے، بہر حال مسلمان کیلئے تو لینے، دینے دونوں کی سخت ممانعت ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ: ﴿سورۃ مائدہ: ۴۸﴾

﴿یٰۤایہا الذین امنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین ؕ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ الا یہ﴾

ولما فی الصحیح لمسلم: (۲/۲۶ طبع قدیمی)

لعن رسول اللہ ﷺ اکل الربا و موكله و كاتبه و شاعديه و قال هم سواء.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۱۶۲۷ فتویٰ نمبر:

۱۰ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

﴿ہنڈی بھیجنے پر فیس لینا سود نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہنڈی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز ہنڈی کا کاروبار کرنے والا ہنڈی بھیجنے کے عوض دو تین سو روپے لیتا ہے، آیا یہ سود تو نہیں ہے؟

﴿مجموع﴾ ہنڈی کا کاروبار کرنے والا اگر ایک ہی ملک کی کرنسی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتا ہے تو یہ صورت شرعاً قرض ہے اور اس صورت میں ہنڈی کا کاروبار کرنے والا جو دو تین سو روپے لیتا ہے اگر وہ رقم پہنچانے اور دفتری اخراجات پر معاوضہ لیتا ہے تو اس محنت پر فیس لینا جائز ہے، البتہ اگر مذکورہ کاروبار کی حکومت کی طرف سے اجازت نہ ہو تو قانون کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا اور اگر ہنڈی کا کاروبار کرنے والا آدمی مختلف ملکوں کی کرنسی کا آپس میں تبادلہ کرتا ہے یعنی ایک ملک میں ایک کرنسی وصول کرتا ہے اور دوسرے ملک میں دوسری کرنسی دیتا ہے تو یہ

معاملہ تین شرائط کے ساتھ جائز ہے: (۱) مجلس عقد میں دو دھڑوں میں سے ایک دھڑ پر بقرہ ضروری ہے۔ (۲) کر لسی کی جو قیمت عقد کے دن بازار میں رائج ہو اسی پر سودا کیا جائے اس سے زائد پر سودا نہ کیا جائے (۳) اس کاروبار کی حکومت کی طرف سے قانوناً اجازت ہو۔ پہلی دو شرطوں کی مخالفت کی صورت میں مذکورہ معاملہ ناجائز ہو جائے گا اور قسری شرط کی مخالفت کی صورت میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا اگرچہ نفس معاملہ درست ہوگا۔

لما فی حاشیہ شرح الوقایہ: (۱۱۹/۲) مطبع امدادیہ ملتان

و یجب ان یعلم ان التی فی زماننا المسماة فی لساننا (بہندی) منی آرٹریس من هنا ولاله حکم المسافاتج لان المسافاتج كانت لسقوط خطرات طریق ونظیر صول — وبعثنا فاعلم ان الہندی الذی حصل لنا علمنا الی الآن علی خستہ اقسام الاولی (منی آرٹری) وھو ان یدفع الدرام الی العکومت و یکتب ان یرفعہ فی البنت الخلائی فی التلانی فاعوانھا بأخذون الدرام ھنا و شیئا زائداً جریئاً ثم یفعلون فی المرسل الیہ وان لم یأخذھوا ولم یعرف مکانہ یردون الی المرسل — فلا بأس بکلتھا الا ما صرحنا بکراھتہ لکن الاحتیاط فی مثل ذلک المعاملات من الریو لاجب.

ولما فی المبسوط: (ج ۱۲ ص ۲۲) مطبع دار الکتب العلمیۃ

وان الشری الرجل للوسأیدرام ویتلفن ولم تکن قنلوس عشقنا یتبع جتہ ذلک قنلوس الرافج یتن کلتود و قنلینا ان حکم العتفی الثن وجوبنا و جودنا معاً ولا یشرط قنلینا قنل ملک بانھا الصحتہ المتعد... وناہج التتایض فی الصرف یتقضى لم العتویع لثوب بالدرام لیس بصرف وکذلک لو افترقا بعتقبض للدرام قبل قبض الدرالم.

ولما فی تکملۃ فتح الملہم: (۲۲۳/۲) مطبع دار للعلوم کراچی

ان المسلم یجب عنہ ان یطیع امیرہ فی الامور المباحۃ فان امر الامیر یمنع مباح وجبت مباشرتہ وان نہی عن امر مباح حرم ارتکابہ لان للہ سبعاۃ وتعالی قال اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم — فلما الیدم للہ سبعاۃ وتعالی بالذکر ظہر ان المراد اطاعتہم فی الامور المباحۃ.

ولما فی البحوث فی قضایا معاصرہ: (۱/۱۱-۱۶) مطبع دار للعلوم کراچی

فیجوز ان أن یباع الریال السعودی مثلاً بعدد اکثر من الروبیات الباکانیۃ — وھل یجوز هذا البیع نسئۃ... فاما عند الحنلیۃ فیجوز هذا البیع لان الانسان لا یشرط فیھا کونھا مسلوکۃ للماقد عند البیع عندهم بل یصح فیھا التاجیل عند اختلاف الجنس.

واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

قوی نمبر: ۱۵۳۸

۱۳ جمادی الثانی ۱۳۲۹ھ

﴿اپنے بھائی کا سودی قرضہ ادا کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے بینک سے سودی قرضہ لیا، بعد میں وہ ادا نہ کر سکا تاخیر کی وجہ سے قرضہ مزید بڑھ رہا ہے اور بینک شرح سود میں مزید اضافہ کر رہا ہے، اب اس کے پاس قرضہ ادا کرنے کا ظاہری کوئی سبب نہیں ہے، پوچھنا یہ ہے کہ ایسی صورت حال میں اگر اس کے بھائی یا رشتہ دار اس کا قرضہ اپنی طرف سے ادا کر دیں تو کیا ایسا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو پھر بطور قرض وہ اس کو اتنے پیسے دیدیں تاکہ اس پر مزید سودی قرضہ کا بوجھ نہ پڑے اور بعد میں اس سے اپنا قرضہ وصول کر لیں تو کیا شرعاً ان کے لئے ایسا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

مستفتی: محمد محمود صاحب اختر کالونی

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں اس کے بھائی یا رشتہ دار اگر سود سے خلاصی کی نیت کر کے اس کا قرضہ اتار دیں یا رقم بطور قرض اسے دیدیں تو دونوں صورتوں کی گنجائش ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ اسے رقم بطور قرض دیدیں تاکہ وہ بھی مزید سودی قرضہ سے بچ جائے اور سودی معاملے میں بھائیوں کا تعاون بھی نہ پایا جائے۔

لسالی قوله تعالى: (وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ)
 الجواب صحیح: عبد الرحمن مفا اللہ عنہ
 واللہ اعلم بالصواب: عبد الحکیم کشمیری مفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۶۸۶

۲۶ رجب ۱۴۲۹ھ

﴿جس بیع اور قرض پر اضافی رقم لینے کا حکم اور اسکی متبادل صورت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ (۱) زید (سنی) نے خالد (بوہری) سے 44 لاکھ روپے کی ایک دکان خریدی ہے، زید اس معینہ رقم سے 15 لاکھ روپے ادا کر چکا ہے اور 29 لاکھ روپے بقایا ہیں جنہیں ایک سال میں ادا کرنے ہیں اور خالد (بائع) سے مزید مہلت ملنے کی بھی امید ہے لیکن اس عقد کو طے ہوئے تین مہینے سے زیادہ عرصہ بیت گیا اس کے باوجود خالد (بائع) نے زید (مشتري) کو دکان کا قبضہ نہیں دیا بلکہ اس کے ذریعہ کارہا ہے، کیا اس کے لئے ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

(2) چونکہ زید کے پاس دکان خریدتے وقت 29 لاکھ روپے نہیں تھے تو اس نے غیر سے

قرض مانگا، عمیر چند شرائط کی بنیاد پر قرض دینے کے لئے راضی ہو گیا جو مندرجہ ذیل ہیں:

- (۱) ایک سال میں قسط وار 29 لاکھ روپے کے بدلے 40 لاکھ روپے واپس کرنے ہو گئے۔
- (۲) مالک دکان کو پیسے ادا کرنے کے بعد وہ دکان میرے نام پہ کرنی ہوگی اور جس وقت تم 40 لاکھ روپے مجھے ادا کرو گے تو پھر میں یہ دکان تمہارے نام کرونگا، کیا یہ معاملہ سود میں داخل ہے؟ اگر سود ہے تو اس معاملہ کو شرعی طریقے پر کیسے لایا جائے، نیز یہ شرائط پوری کرنے کا پابند ہے؟
- ﴿مجموع﴾ (۱) زید اور خالد نے اگر یہ سودا شروع میں ایسا ہی کیا تھا کہ پوری رقم خالد کو ملے گی تب دکان کا قبضہ زید کو دیا جائے گا پھر تو خالد قبضہ روک سکتا ہے لیکن اگر شروع میں اس قسم کی شرط نہیں لگائی تھی اور زید نے 15 لاکھ روپے ادا کر دیئے ہیں اور باقی قسط وار ادا کرنا طے ہوا ہے تو ایسی صورت میں دکان کا قبضہ خالد کے لئے روکنا جائز نہیں ہے، یہ ظلم ہے۔
- البتہ مقررہ تاریخ تک زید کوئی ایک قسط بھی ادا نہ کرے تو خالد کو حق حاصل ہوگا کہ دکان پر قبضہ کرے یا زید سے کوئی چیز لے کر گروی رکھے۔

لصافی البحر الرائق: (۲۷۹/۵، طبع سعید)

واذا رضى البائع بالتأجيل فقد استقط حقه في حبس المبيع فلورحل الأجل قبل قبضه
فلمشتري قبضه قبل نقد الثمن كذا في المحيط.

ولصافی جامع الترمذی: (۱۲۷/۱، طبع فاروقی ملتان)

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: عن بيعتين في بيعة وقد فسر بعض أهل العلم
قالوا بيعتين في بيعة أن يقول أبيعك هذا الثوب بتقديس عشرة وبنسيئة بعشرين ولا يفارقه
على أحد البيعتين فإذا فارقته على أحدهما فلا بأس إذا كانت العقد على واحد منهما.

ولصافی التنوير مع الدر: (۲۸۵/۱، طبع سعید)

(ولا يكلف) من قضي دينه) أو أبرأ بعضه (تسليم رهنه حتى يقبض البقية من الدين)

- (2) اضافی رقم لینے والی شرط تو بلاشبہ سودی معاملہ ہے جسکی شرعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، البتہ اس کی متبادل صورت یہ ہو سکتی ہے کہ عمیر زید کو قرض رقم نہ دے بلکہ زید سے کوئی چیز (موٹر، موٹر سائیکل وغیرہ) 29 لاکھ روپے میں نقد خرید کر اس پر قبضہ کرے، بعد ازاں وہی چیز زید کو 40 لاکھ روپے میں ادھار بیچ دے، اس طرح معاملہ کرنے سے سود بھی لازم نہیں آئے گا اور زید کو بھی ضرورت کے مطابق 29 لاکھ روپے مل جائیں گے جبکہ عمیر کو بھی معین مدت میں 40 لاکھ روپے

مل جائیں گے، بلاشبہ یہ ایک حیلہ ہے اور شرعی مفاسد سے خالی نہیں ہے لیکن سودیجسے گناہ نہیں ہے

لسالی البحر الرائق (۱/۱۶۶ طبع سعید)

وفى الخلاصة مع بيان السوازل وجل له على آخر عشرة دراهم فإذ انان يفرجها لى
الستة واختمه ثلاثه عشر فالحيلة أن يشتري منه بتلك العشرة متاعاً ويتبضع المتاع
منه وقبضه لمتاع عشرة ثم يبيع المتاع منه بثلاثة عشرة الى ست.

رہی دوسری شرط تو عیسراپنے رقم کے وصول یابی تک اس دکان کو گروی کے طور پر اپنے نام
کرا سکتا ہے پھر جو نئی رقم مل جائے تو زید کے نام منتقل کرا تا لازم ہے لیکن اس دوران گروی سے
فائدہ اٹھاتا عیسر کے لئے جائز نہیں ہے۔

واللہ اعلم بالصواب: خلیفۃ المسیح

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۰۸۹

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿سودی رقم اپنے مقروض پر صدقہ کرنا اور قرض وصول کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے بینک سے کچھ سودی
پیسہ ملا ہے، تو کیا میں ان پیسوں کو اپنے مقروض کو جو کہ غریب ہے بغیر نیت ثواب کے دیکر اس سے
اپنے قرض میں وصول کر سکتا ہوں یا نہیں؟ مستفتی محمد ساجد

﴿جواب﴾ آپ کا مقروض واقعی اگر غریب اور محتاج ہے، اور آپ نے بغیر نیت ثواب کے
اسکون پیسوں کا مالک بنایا، تو وہ آپ کو قرضے میں دے سکتا ہے، اور آپ کے لئے ان پیسوں کا لینا
اور اپنے استعمال میں لانا جائز ہے، کیونکہ ان پیسوں کی حرمت آپ کیلئے تھی، نہ کہ غریب کیلئے، اور
جب وہ غریب اپنے کھانے پینے میں لاسکتا ہے، تو اپنے قرض کے ادا کرنے میں بھی لاسکتا ہے۔

ولسالی بذل المجہود (۲/۲۷۱، باب فرض الوضوء) طبع مکتبۃ الشیخ

واما اذا كان عند رجل مال خبيث فاما ان ملكه بعد فاسد او حصل له بغير عند ولا يمكنه
ان يرده الى مالكه ويريد ان يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة الا ان يدفعه الى الفقراء.

ولسالی معارف المسكن (۲/۲۷۱، باب ما جاء لا تقبل صلاہ بغير طهور) طبع سعید

قال شيخنا: ويستلاد من كتب فقہاننا "كالهداية" وغيرها أن من ملك بملك خبيث
ولم يمكنه الرد الى المالك لمسه له التصديق على الفقراء من قال بحرمة رجاء
الثواب بل كفر من يرجو الثواب فأراد رجاء الأجر ينتس هذا المال الخبيث.

ولما فی الاختیار لتعلیل المختار ۱/۲۱ طبع لدہمی کتب خانہ

والملک الخبیث سبیلہ التصدق بہ ولو صرفہ فی حاجۃ نلّسہ جارثم ان کان غنیاً تصدق بمثلہ وان کان فقیراً لا يتصدق.

ولما فی العالم المکھربہ: (۲۲۲/۱) کتاب العیال الفصل الأول) طبع لدہمی کتب خانہ

”کل حیلۃ یحتال بها الرجل لیتخلص بها عن حرام أو لیتوصل بها الی حلال فیی حسنة“.

ولما فی الہدایۃ: (۲۳۹/۳) کتاب انہ کاتب) طبع رحمانیۃ

وما أدى المکاتب من الصدقات الی مولاه ثم عجز فهو طیب للمولی لتبدل الملک، فان العبد یتملک صدقۃ والمولی عرضاً عن العتق نوالہ وقعت الاشارة النبویۃ فی حدیث بریرۃ ہی لہا صدقۃ ولنا ہدیہ۔ ”وفی حاشیئہ (قولہ وما أدى المکاتب الخ) أخذ المکاتب الزکاة لکونه من المصارف ثم أدى الی المولی عن بدل الکتابۃ ثم عجز لظہر أن المولی أخذ الزکوة وهو غنی ومع ذالک یطیب لہ“ شرح الوقایہ.

ولما فی الفتح القدیر: ۱/۱۷۹ طبع رشیدیۃ

(وما أدى المکاتب من الصدقات الی مولاه ثم عجز فهو طیب للمولی لتبدل الملک) وتبدل الملک بمنزلۃ تبدل العین فی الشریعۃ.

واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۷۰۳

۸ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ

﴿سودی رقم غریبوں میں تقسیم کرنے کی غرض سے سودی معاملہ ہرگز جائز نہیں ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں سینٹ کا کام کرتا

ہوں، اور پیسے ”کرنٹ اکاؤنٹ“ میں جمع کرتا ہوں، اب کسی نے مشورہ دیا ہے کہ اپنے پیسے

سیونگ اکاؤنٹ“ میں جمع کرادوں اس سے جو منافع آئے گا اس کو غریبوں میں تقسیم کرو، کیونکہ بینک

والے تو دیسے بھی آپ کے پیسے سودی معاملات میں استعمال کرتے ہیں، کیا شرعاً میرے لئے

ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: ایک سائل جو سولانا نازکریا بھکر

﴿مولا﴾ کرنٹ اکاؤنٹ میں ضرورت کی وجہ سے پیسے رکھنے کی گنجائش ہے اگرچہ

بینک والے اس پیسے کو سودی معاملات میں لگاتے ہیں لیکن یہ کام وہ از خود کرتے ہیں پیسے رکھنے

والا تو حفاظت کی خاطر پیسہ بینک میں رکھتا ہے اس لئے وہ گنہگار نہیں ہوتا لیکن سیونگ اکاؤنٹ

میں پیسے رکھنے کے لئے باقاعدہ اپنے اختیار سے سودی معاملہ طے کرتا ہوتا ہے، جس کی کوئی

گنجائش نہیں ہے، حرام ہے، غریبوں کی مدد بھی اللہ ہی کرتا ہے ہم اور آپ کی کیا حیثیت ہے اور

مدرکریں تو کتنی کر سکتے ہیں؟ پھر یہ کون سی بکھداری ہے کہ غریب کی دنیا بنانے کے لئے ہم اور آپ اپنی آخرت برباد کریں، لہذا یہ غلط سوچ ہے شیطانی نظریہ ہے اس کے دھوکے میں نہ آئیں۔

لما فی قوله تعالى سورة البقرة آیت: ۲۷۵ ﴿أَحْلِلْ لِلَّهِ الْفَنَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا—آلایہ﴾

ولما فی مشکوٰۃ (ص ۲۲۲ مطبع: سعید)

عن جابر رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربوا و مؤکله و کتبه و شاهده و قال هم سواد
ولما فیہ ایضاً (ص ۲۲۲ باب الکسب و طلب الحلال) طبع: سعید

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ ﷺ قال لا یکسب عبد مال
حرام فیتصدق منه فیقبل منه، ولا یتقی منه فیبارک له فیہ، ولا یترکہ خلف ظهرہ الا
کان زاده الی النار، ان اللہ لا یحکو السینی بالسینی و لكن یحکو السینی بالحسن، ان
الخبیث لا یحکو الخبیث۔ رواہ احمد
وفی حاشیہ تحت هذا الحدیث —

قوله ان اللہ لا یحکو السینی بالسینی یعنی ان التصدق و الاتفاق من الحرام سینى لا
یحکو الاثم الذی حصل له من کسب للحرام و فیہ دفع لقرہم کون التصدق حسناً و
کون الانفاق مہارکاً مطلقاً بل قال بعض علمائنا من تصدق بمال حرام و رجا الثواب
کفر و لو عرف الفقیر و دعا له کفر۔

ولما فی الأشباه والنظائر (ص: ۸۷ طبع: قدیمی) (الضرورات تبیح المحظورات۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد ابراہیم غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۳۶۶۶

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿انعامی قرعہ اندازی جو اور سود ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے شہر مردان میں لگی
تھری شار سپر پاور موٹر سائیکل والوں نے ایک اسکیم نکالی ہے جو قرعہ اندازی پر موٹر سائیکل دیتے
ہیں لیکن ان کے کچھ شرائط و ضوابط ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) قرعہ اندازی کی مدت ۲۵ ماہ ہوگی ہر ممبر کو ۵ تاریخ تک ۲ ہزار روپے جمع کروانے ہونگے
قرعہ اندازی ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ کو سرڈھیری بازار میں کی جائے گی۔

(۲) جس ممبر کا نام قرعہ اندازی میں نکل آئے گا اس کو سپر پاور موٹر سائیکل 70 دیا جائیگا اور
باقی اقساط معاف ہونگی۔

(۳) سپر پاور موٹر سائیکل ایڈوانس لینے پر ہزار روپے ناقابل واپسی ایڈوانس دینے ہونگے۔

(۴) تاریخ تک قطع نہ کروانے پر قرعہ اندازی میں نام شامل نہ ہوگا متواتر دو اقساط شارٹ کرنے پر ممبر شپ کینسل کر دی جائے گی۔

(۵) شارٹ قسطیں جمع کرنے کی صورت میں ممبر شپ بحال کر دی جائے گی اور ۲۵ ماہ کے دوران کسی ممبر کا نام قرعہ اندازی میں نہیں آئے گا تو کمیٹی ختم ہونے کے دس دن کے اندر باقی سب ممبران کو 7000 روپے دیئے جائیں گے، نیز ۲ ہزار روپے اضافی جمع کروانے پر کسی اور کمیٹی والا موٹر سائیکل یونیک، زیملکو، حبیب بھی دی جاسکتی ہے۔

(۶) دوکاندار حضرات ۵۰۰ روپے ہفتہ دے کر اس چیک میں شامل ہو سکتے ہیں، روزانہ ۷۰ روپے جمع کرنے والا بھی اس چیک میں شامل ہو سکتا ہے۔

وضاحت! ہر قرعہ اندازی میں جس کے نام نمبر نکل آئے اسکو اختیار ہے کہ موٹر سائیکل لے لے یا چالیس ہزار روپے۔ اور آخری قرعہ اندازی پر ایک لاکھ روپے نقد انعام بھی دیا جائے گا۔

غرض مسئلہ یہ ہے کہ ان شرائط کیساتھ مذکورہ اسکیم میں شامل ہونا جائز ہے یا نہیں؟

﴿موجوب﴾ سوال میں ذکر کردہ اسکیم جوے اور سود کی ایک شکل ہے کیونکہ اس میں سب سے اہم شرط یہ ہے کہ قرعہ اندازی میں جس ممبر کا نام نکل آیا اس سے بقیہ قسطیں نہیں لیں گیں اور نام نکلنے پر اسکو ایک موٹر سائیکل یا ۴۰ ہزار روپے دیئے جائیں گے اور دوسری جانب رقم جمع کرانے والے کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ اپنے کم پیسوں کے ذریعے زیادہ پیسے حاصل کریں، اس وجہ سے اس میں سود اور جوادوں چیزیں پائی جاتی ہیں جو کہ حرام اور ناجائز ہیں۔

نیز تیسری شرط انھوں نے یہ لگائی ہے کہ ”موٹر سائیکل ایڈوانس لینے پر ۹ ہزار روپے ناقابل واپسی ایڈوانس دینے ہوئے“ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی ممبر اسکیم جاری نہ رکھ سکے تو یہ ۹ ہزار روپے اسکو واپس نہیں ملیں گے یہ بھی ناجائز ہے،

اور آخر میں جو وضاحت کی ہے کہ قرعہ اندازی میں جس ممبر کا نام نکل آئے اسکو اختیار ہے کہ موٹر سائیکل لے لے، یا ۴۰ ہزار روپے، یہ اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اگر نام نکلنے والا موٹر سائیکل کے بجائے ۴۰ ہزار روپے لے لے تو یہ پیسوں کا تبادلہ پیسوں کیساتھ ہوا اور اسکے لئے ضروری ہے کہ متعاقبین میں سے ہر ایک اسی مجلس میں پیسوں پر قبضہ کریں اور دونوں جانب سے پیسے

مجھے برابر ہو، اس میں کمی زیادتی کرنا سود ہے جو کہ حرام ہے، ان وجوہات کی بنا پر اس اسکیم میں شامل ہونا شریعت کی رو سے جائز نہیں ہے۔

ولما فی قوله تعالیٰ سورة البقرة، آية (۲۷۵) ہمارے ۲۰

﴿اخذ الله البنیع وخرم الربوا — الآية﴾

ولما فی قوله تعالیٰ ایضاً سورة المائدة، آية (۱۰) ہمارے ۱۰

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا جَعَلْنَا الْخَيْسُوفَ وَالْأَلْزَامَ رِجْسًا مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ
فَاخْتَصِمُوا لِعُقُوبَةٍ لَّعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ﴾

ولما فی تفسیر الابصار: (۱۲۸/۵، طبع: ایچ، ایم سعید کراچی)

هو فضل خال عن عوض بسماع شرعي مشروط لأحد المتعاقبين في المعاوضة.

ولما فی الشامی: (۶۱/۲، طبع: سعید کراچی)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي -

ولما فی الجوهر: (۲۸۲/۱، طبع: میر محمد کتب خانہ)

لنا لختص باسم الصرف لختص بشرائط ثلاثة، احدها وجود التقابض من كلال الجانبين قبل
التفرق بالابتن والثاني ان يكون بائناً لا خيلاً فيه والثالث ان لا يكون بدل الصرف مزجلاً.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد ابراہیم غفرلہ والدیہ

فتویٰ نمبر: ۳۷۳۰

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

﴿تعبیر بدل کر سودی معاملہ کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے مضاربت

کے طور پر ۲ لاکھ روپے دیئے تجارت کے بعد اسے ۱۰ ہزار کا نفع ہوا، مضارب نے اس شخص کو دو

لاکھ دس ہزار کا چیک دیا، جو کچھ عرصہ کے بعد کیش ہوگا، اس شخص کو فی الحال پیسوں کی ضرورت

پڑی اس نے کسی تیسرے شخص سے کہا کہ میں نے دو لاکھ روپے کی تجارت کی ہے جس میں دس

ہزار کا نفع، وہاں ہے لیکن پیسے مجھے کچھ عرصہ کے بعد ملیں گے چیک میرے پاس موجود ہے، لہذا

آپ مجھے ایک لاکھ روپے ابھی دیدیں اور میرے ساتھ اس کاروبار میں شریک ہو جائیں جب

مجھے پیسے مل جائیں گے تو آدھا نفع یعنی ۵ ہزار روپے آپ کو دوں گا۔ مستفی: امجد صاحب

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں اس شخص کا یہ معاملہ سودی ہے، اس لئے کہ جو رقم لے کر وہ

دوسرے شخص کو اپنے نفع میں شریک کر رہا ہے وہ حقیقت میں قرض ہے، کاروبار تو ہوا ہے اور اس

ہزار منافع بھی ہو چکا ہے، مزید اس پیسے سے یہ شخص مشترکہ کاروبار تو نہیں کر رہا بلکہ یہ تو ذات کے لئے استعمال کر رہا ہے، اس لئے یہ محض قرض ہے اور قرض پر زیادتی سود ہے جو شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اسی طرح تعبیر بدلنے سے کوئی بھی ناجائز معاملہ جائز نہیں ہو سکتا، لہذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ: (ال عمران، آیت ۱۲۰) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفًا﴾
الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ
۶ شعبان ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۷۴۹

﴿سود کی ایک خاص صورت﴾

﴿مولانا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ زید یہاں سے اونٹ لے جا کر ایران میں فروخت کرتا ہے، اس کیلئے اسے پیسوں کی ضرورت ہے عرو نے اسے کہا میں تمہیں دو لاکھ روپے دیتا ہوں اس شرط پر کہ تم میرے پیسوں سے جتنے بھی اونٹ خریدو گے فی اونٹ کے حساب سے دو ہزار روپے مجھے دو گے، اب اونٹ چاہے ہلاک ہوں یا کچھ بھی ہو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں تو کیا اس طریقہ سے مطلوبہ رقم لینا عمو کیلئے سود ہو گا یا نہیں؟ مستفتی: محمد عظیم عبدل خیل

﴿مجاہد﴾ مذکورہ صورت میں صرف اونٹوں کا نام لینے سے یہ معاملہ مضاربہ قرار نہیں پاتا، مضاربہ کی شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، لہذا عرو نے زید کو جو رقم دی ہے حقیقت میں یہ قرض ہی ہے اور قرض پر کسی قسم کا نفع لینا سود ہے جس سے بچنا ضروری ہے، البتہ نفع و نقصان کی بنیاد پر شریک ہوں تو جائز صورت بن سکتی ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ: (سورۃ ال عمران، آیت ۱۲۰)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً... الْآيَةَ﴾

ولما فی تكملة فتح الملہم: (۱/۵۲۸، طبع دارالعلوم کراچی)

وان تبتم فلکم رؤوس اموالکم لاتظلمون ولا تظلمون... الْآيَةَ. (سورۃ البقرہ، آیت ۲۷۹)

فانه صریح فی الدائن لاحق له الافی رأس المال وکل ما زاد علیہ فہو ربہا حرام.

ذکر البخاری فی کتاب الاستقراض، باب اذا قرضہ الی اجل مسمی، قول ابن عمر

تعلیقا (قال ابن عمر: فی القرض الی اجل لا بأس، وان اعطی الفضل من دراهمہ مالم

یشترط) ودل ذلك علی ان اشتراط الافضل من الدراهم رباعث ابن عمر، فظهر ان

الصحابۃ کانوا یعتبرون کل زیادۃ علی القرض ربا ۛ ۛ یحرمونها۔۔۔ وأخرج البیهقی فی سننہ: ۳۵۰:۵ عن فضالۃ ابن عبیدمرفوف (کل قرض جرتعا فہو وجہ من وجوہ الربوا)
ولمالی الشامی: (۵/۱۶۶ طبع سعید)

(قوله کل قرض جرتعا حرام) ای اذا کان مشروطا کاعلم مساقطہ عن البحر، وعن الخلاصۃ فی الخیر، وان لم یکن النفع مشروطا فی القرض لم یطعن علی قول الکرخی لا بأس بہ ویاتی تمامہ.

ولمالی فتح القدیر: (۴/۲ طبع رشیدیہ)

ومنہ احل للہ البیع وحرم الربا، ای حزم أن یزاد فی القرض والسلف علی القدر المدفوع.

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: شاہد محمود عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۱۳۷

۶ صفر الخیر ۱۴۲۹ھ

﴿دار الحرب میں سود لینے کا حکم اور ترکہ میں اگر سود کا مال ہو﴾

﴿سوال﴾ میرے والد صاحب برطانیہ میں ملازم تھے اور اپنی آمدنی وہاں ایک بینک میں رکھواتے تھے، انکا انتقال ہو گیا اور وہ ماں ہمیں میراث میں ملا ہے، اس سے متعلق یہ پوچھنا ہے کہ ہمارے لئے وہ کل مال جائز ہے یا صرف اصل مال؟ جبکہ نہ ہم نے یہ معاملہ کیا ہے اور نہ ہم کو اصل مال کی مقدار معلوم ہے اور یہ معاملہ دار الحرب کا ہے اور دار الحرب میں کفار سے سودی معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: ڈاکٹر حازم صاحب دینیس فیروز

﴿جواب﴾ دار الحرب میں مسلمان متامن (جو امن طلب کر کے وہاں جاتا ہے) کا کفار سے سود لینا امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے جبکہ جمہور فقہاء امام مالک امام شافعی امام احمد رحمہم اللہ اور احناف میں سے قاضی ابویوسفؒ کے نزدیک کفار سے بھی سود لینا جائز نہیں ہے۔
امام ابو حنیفہؒ کی دلیل:

لمالی الہدایۃ: (۲/۹۰ طبع رحمانیہ)

لقولہ علیہ السلام لا یربوا بین المسلم والعرب فی دار الحرب قال فی الہدایۃ: لان مالہم مباح فی دارہم لہذا طریق اخذہ المسلم لخذلا مباحا ان ظلم یکن فیہ غیر بخلاف المستامن لان مالہ صار مباحا محظورا بعد الا مان.

متامن کی سب سے بڑی دلیل قرآن وحدیث کی وہ تاکیدات ہیں جو مطلق سود کو حرام قرار دیتی ہیں، جسطرح شراب نوشی، زنا وغیرہ بلا تفریق دار الاسلام ودار الحرب دونوں میں حرام ہیں

اس طرح سود بھی بلا کسی تفریق کے حرام ہونا چاہیے۔

لہذا آج کل بناء بر احتیاط محققین علماء کرام نے دار الحرب میں بھی سود لینے کو منع کر دیا ہے اگرچہ دلائل کے اعتبار سے امام ابو حنیفہؒ کا مذہب رائج ہے لیکن اگر امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا جائے (سود لینے کی اجازت دی جائے) تو قوی احتمال ہے کہ حدود شرعیہ کی حرمت و شاعت کا جو تصور مسلمانوں میں ہے یا ہونا چاہیے بتدریج وہ ختم ہو جائے گا اور سود کا دواڑہ کھل جائیگا اور یہ اتنا بڑا مفسدہ ہے کہ تنہا اسکی حرمت کیلئے کافی ہے۔

رہا آپکا مسئلہ تو اسکی نوعیت کچھ اور ہے کیونکہ آپ نے خود یہ سودی معاملہ نہیں کیا ہے بلکہ آپکو یہ رقم میراث میں ملی ہے، لہذا اسود جیسا حرام کہنا مشکل ہے تاہم اگر زیادہ ورع اور تقویٰ پر عمل کرنا چاہے تو سود کے بقدر بلا نیت ثواب صدقہ کر لیں۔

لسالی الدر مع الرد: (۵/۱۸-۱۹، طبع سعید)

وفی حظر الاشياء المحرمة تتمتع العلم بها الا في حق الوارث، وقيد في التمهيد بان لا يعلم
أرباب الاموال، وفي الشاسية: قوله الا في حق للوارث الخ كاي فانه اذا علم ان كسب مورثه
حرام يحل له، لكن اذا علم السالك بعينه فلا شك في حرمة ووجوب رده عليه... وفي
منية المطلق: مات رجل ويعلم الوارث ان اباه يكسب من حيث لا يعلم ولكن لا يعلم الطالب
بعونه ليرد عليه حل له الارث والافضل ان يتورع ويتصدق بنية لخصماء ابیه ۱۸.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ وغفرہ اللہ

فتویٰ نمبر: ۹۷۳

۱۲ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ

﴿باب الوکالۃ﴾

﴿وکالت بالمعصیۃ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے ایک صاحب نے کچھ پیسے دیئے ہیں کہ فلاں مزار پر رکھ دوں۔ اب سوال یہ ہے کہ میں ان پیسوں کو مزار پر رکھ دوں یا خود ہی کسی فقیر کو دوں یا ان پیسوں کو ان کے مالک کے حوالے کر دوں؟

﴿جواب﴾ مزاروں پر پیسے رکھنا بدعت ہے آپ اس فحش کی طرف سے اگر پیسے مزار پر رکھیں گے تو تعاون علی المعصیہ شمار ہوگا، اور اگر اپنی صوابدید پر کسی فقیر کو دے دیئے تو اصل مالک کو

بتانا ضروری ہوگا، پھر اگر اس کو منظور ہوا تو ثواب ملے گا، اور اگر وہ راضی نہیں تھا تو پیسے واپس مالک کو لوٹانا آپ کے ذمہ ہوگا اور صدقہ کا ثواب صرف آپ کو ملے گا۔

لما فی الشامی: (۲/۲۲۹، طبع: ایچ ماہم، سعید)

واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها الیٰ ضرائح الاولیاء، الکرام تقربا الیہم فهو بالاجماع باطل وحرام ما لم یقتصدوا صرفها للفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلك.

ولما فی الفقه الاسلامی وادلتہ: (۵/۴۰۷) کتاب الوکالۃ

ولا یجوز التوکیل فی المعصیۃ او لمعمر کالظہار، فلا یوکل من ینظر عنہ روجتہ، لانہ منکر ومعصیۃ

ولما فی المحيط البہانی: (۱۵/۴۲) طبع ادارۃ القرآن

ولو قال تصدق بہا علی مساکین اہل خراسان فتصدق بہا علی النبط فهو ضامن، لانہ سميٰ له جنس مخالف.

ولما فی الہدایہ: (۳/۲۰۶) طبع رحمانیہ

ولا یجوز الاستیجار علی الفناء والنوح وكذا سائر الملامی لانہ استیجار علی المعصیۃ والمعصیۃ لا تستحق بالعقد.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد جاوید غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر:

۶ صفر الخیر ۱۳۳۵ھ

﴿مباح امور میں وکالت جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو مثلاً تیس ہزار روپے خرچے کیلئے دیئے اور اس سے کہا کہ فلاں پہاڑ پر جاؤ اور باز شکار کر کے لے آؤ، باز دونوں کا مشترک ہوگا کیا از روئے شرع شکاری کو باز میں شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ شرکت چونکہ وکالت کو متضمن ہوتی ہے اور وکالت مباح امور میں صحیح نہیں ہے شکار بھی مباح امور میں سے ہے جو بھی باز شکار کرے اسی کا ہو جاتا ہے لہذا یہ شرکت فاسد ہے اور شکار کے سلسلہ میں خرچہ کیلئے پیسے دینا تعاون بالعاوضہ کے درجے میں تھا لہذا تیس ہزار روپے لینے والے نے اگر شکار کے ذریعہ کچھ حاصل کیا ہے تو وہ اسکا اپنا حق ہے رقم دینے والے کا کوئی

حق نہیں بنتا، البتہ جس غرض سے اس نے رقم دی تھی شریعت چونکہ اس کو منع کرتی ہے اس لئے اپنی رقم کا حق رکھتا ہے پوری رقم اس کو واپس لوٹا دینا ضروری ہے۔

لما فی التلویح مع الدر (۵۰۲/۱۶) طبع امدادیہ

(لا تصح شركة فی احتطاب واحتشاش واصطياد واستقاء وسائر مباحات اکاجتنا، ثمار من جبال وطلب معدن من كنز وطبخ آجر من طين مباح للضمنها الوكالة، والتوكيل فی اخذ المباح لا يصح) وما حصله احدثا باعانة صاحبه فله ولصاحبه اجر مثله بالغاً ما بلغ عند محمد وعندهابی يوسف لا يجاوز به نصف ثمن ذلك

ولما فی الشامی (۵۰۲/۱۶) طبع امدادیہ

(باعانة صاحبه) سواء كانت الاعانة بعمل كما اذا اعانه فی الجمع والتلغ او الربط او الحمل او غيره او بآلة كما لو دفع له بغلا او راوية يستقى عليها او شبكة يصيدها.

ولما فی البحر (۵۰۲/۵) طبع ایچ ایم سعید

ولا تصح شركة فی احتطاب واصطياد واستقاء لان الشركة متضمنة معنی الوكالة والتوكيل فی اخذ المباح باطل لان امر الموكل به غير صحيح والتوكيل يملكه بدون امره فلا يصح نائبا عنه (وعلى المصلحة المتصلة) (قوله) والكسب للعامل وعليه اجر مثل مال الآخر لوجوب السبب منه وهو الاخذ والاحراز.

ولما فی الهدایہ (۲۱۳/۲) طبع رحمانیہ

ولا يجوز للشرك في الاحتطاب والاصطياد وما اصطاده كل واحد منهما او احتطبه فهو له دون صاحبه وعلى هذا الاشتراك في اخذ كل شئ مباح لان الشركة متضمنة معنی الوكالة والتوكيل في اخذ المال المباح باطل لان امر الموكل به غير صحيح والتوكيل يملكه بدون امره فلا يصح نائبا عنه وانما يثبت الملك له با لاخذ واحراز المباح فان اخذاه معا فهو بينهما نصفان لاستوائهما في سبب الاستحقاق وان اخذه احدهما ولم يعمل الآخر شيئا فهو للعامل وان عمل احدهما واعانه الآخر في عمله بان قلعه اخذاهما وجمعه الآخر وقلعه وجمعه وحمله الآخر فللمعين اجر المثل.

ولما فی الهدایہ (۱۵۷/۴) طبع علمیه بیروت

ما تجوز فيه الوكالة تجوز فيه الشركة وما لا تجوز فيه الوكالة لا تجوز فيه الشركة وعلى هذا تخرج الشركة بالاعمال في المباحات من الصيد والحطب والحشيش في البراري (وعلى هذه المصلحة) فان عمل احدهما واعانه الآخر في عمله بالجمع والربط فنلك كله للعامل ولا شئ للمعين لوجود السبب من العامل دون المعين وللمعين اجر مثله.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن صاحب عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: دوست محمد دیروی

نوی نمبر: ۳۸۸۲

۲۳ زیتقد ۱۴۳۳ھ

﴿ويزاد لوانے پر کمیشن لینا جائز ہے﴾

﴿مرو﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص ابوظہبی میں ملازمت کرتا ہے تو وہاں کی ایک کمپنی کو پانچ مزدوروں کی ضرورت پیش آئی۔ کمپنی والوں نے اس شخص سے کہا کہ آپ پانچ آدمیوں کا بندوبست کر دو ویزے ہم فراہم کرتے ہیں۔ اس شخص نے پاکستان کہ ایک آدمی سے کہا کہ آپ پانچ آدمی بھیج دو میرے پاس پانچ ویزے ہیں اور ہر ایک ویزہ اپنی رقم لے لوں گا اس پاکستانی آدمی نے یہاں کے لوگوں سے کہا کہ میرے پاس پانچ ویزے ہیں اور فی ویزہ اتنے کا ہے جس کو ضرورت ہو لے لو۔

اب عرض مسئلہ یہ ہے کہ ابوظہبی میں کمپنی کی جانب سے فراہم کردہ ویزوں پر یہ دونوں آدمی الگ الگ کمیشن وصول کرتے ہیں تو کیا ان دونوں کیلئے یہ کمیشن وصول کرنا جائز ہے؟

﴿مرو﴾ ویزہ اپنی رقم لے لوں گا اور مناسب آدمیوں کا انتظام کرنے میں ظاہر بات ہے کہ دونوں کو کچھ محنت یا تنگ و دو کرنی پڑتی ہے اسلئے کمیشن لینا دونوں کیلئے جائز ہے بشرطیکہ پہلے سے طے شدہ ہو غلط بیانی اور دھوکہ دہی نہ ہو۔

لما فی الشامی: (۶/۶۳) مطلب فی أجره الدلال طبع سعید

[نتہ] قال فی القاتر خانیه: وفي الدلال والممسار يجب أجر المثل "وما تواضعا عليه أن فی كل عشرة دنانیر كذا فذاك حرام عليهم وفي العاوی: سنن محمد بن سلمه عن أجره المسار فقال: أرجو أنه لا بأس به وإن كان فی الأصل فاسدا لكثرة التعامل وكثیر من هذا غير جائز فجوزوه لحاجة الناس اليه كدخول الحمام و عنه قال رأيت ابن شجاع يقطع نساجا يفسخ له ثيابا فی كل ستة

ولما فی الدر مختار: (۱۵/۱) طبع سعید

ركذا كل من لعله أثر وما لا أثر له كعمال له الأجر لما فرغ وإن لم يسلم بحر

ولما فی الدر مع الرد: (۵۶/۴) طبع سعید

وان سعى بينهما وباع المالك بنفسه يعتبر للعرف وتامه فی شرح الوهبانية (قوله يعتبر للعرف) فتجب الدلالة على البائع أو المشتري أو عليهما بحسب العرف جامع للمصولين ولما فی المحيط البرهاني: (۱۱/۳۵۱) طبع ادلة القرآن

و"فی فتاویٰ أبی اللیث رحمه الله" اذا قال لدلال: اعرض ضیعتی وبعها علی أنک اذا بعتها فلك من الأجر كذا فلم يقدّر الدلال على اتسام الأمر فباعها دلال أخر قال الفقيه أبو القاسم رحمه الله: ان كان الأول قد عرضها وذهب له فی ذلك روزگار يعتقد به فأجر

المثل له واجب بقدر عناه وعمله وكذا في الفتاوى العالمگیری (۲۵۱/۳ الباب السادس عشر)
الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق

فتویٰ نمبر: ۳۹۱۹

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

﴿وکیل کے پاس موکل کا مال امانت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کو کسی نے کچھ رقم دے کر کام پر بھیجا۔ کہ فلاں جگہ جاؤ اور یہ کام کرو۔ زید نے اس کام میں پوری رقم خرچ نہیں کی، بلکہ کچھ پیسے ان کے پاس بچ گئے۔ اور زید نے اسے اپنے استعمال میں لائے یعنی اپنے جیب میں ڈال دئے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ زید کے لئے یہ رقم استعمال میں لانا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ زید کو اس شخص نے کسی خاص کام کو انجام دینے کیلئے یہ رقم دی تھی تو زید اس شخص کا شرعاً وکیل شمار ہوتا ہے۔ اور رقم اس کے پاس امانت ہے، لہذا کام کے سلسلے میں جو رقم خرچ ہوئی وہ تو اس شخص کی اجازت سے خرچ ہوئی، اس کے علاوہ جتنی رقم باقی ہے، پوری واپس کرنا ضروری ہے۔ اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔ اگر خرچ کی ہے تو اتنی رقم اپنی طرف سے ادا کرنا اس کے ذمہ ہے۔

لما فی شرح المجلة: (۲/۲۰۴/طبع رشیدیہ)

اعلم ان الوكالة من العقود الجائزة الغير اللازمة — والوكيل امين فيما في يده كالمودع فيضمن بما يضمن به المودع ويبرأ به.

ولما في الفقه الاسلامي وادلته: (۵/۲۱۱۹/طبع رشیدیہ)

اتفق الفقهاء على ان المقبوض في يد الوكيل يعتبر امانة بمنزلة الوديعة ونحوها. لان يده نيابة عن الموكّل بمنزلة يد الوديع فيضمن بما يضمن في الودائع ويبرأ بما يبرأ فيها.

ولما في تفسير المظهری: (۲/۱۴۸/رشیدیہ)

تحت قوله تعالى "ان الله يامرکم ان تؤدوا الامانات الى اهلها" ان الآية بصوم لفظها بنید وجوب اداء كل امانة الى اهلها. عن انس قال قلما خطبتنا رسول الله ﷺ الا قال لا ايمان لمن لا امانة له ولا دين لمن لا عهد له. وفي صحيحين عن ابی هريرة وعبدالله بن عمرو مرفوعا انه ﷺ ذكر من علامات النفاق اذا اولتمن خان.

(لاندما): ليس اداء الامانة منحصر في مال الوديعة ونحو ذلك بل كان كل حق لاحد

على احد امانة يجب اداؤه لاهله كذا يدل عليه سبب نزول هذه الآية

واللہ اعلم بالصواب: ختم خان فخر لہ ووالدہ

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

۳ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ

وکیل موکل کی خلاف ورزی پر مال کا ضامن ہوگا

﴿مورث﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے اپنے ایک بااعتماد دوست جناب بلال سوریا صاحب سے کاروبار کے متعلق مشورہ کیا انہوں نے بیچ کے کاروبار کا مشورہ دیا، میں نے کہا کہ میرا اس میں بالکل تجربہ نہیں ہے اس پر انہوں نے مال خریدنے اور بیچنے کی ذمہ داری خود لے لی، ہم نے کاروبار شروع کیا، جب انہوں نے بیچ بھیج دیا تو وہ پرائم کوالٹی (Prime Quality) کے بجائے کباڑ کا مال تھا اور اس میں ایک کنٹینر بھی تبدیل ہو گیا تھا، کباڑ کا مال ہونے کی وجہ سے اس پر کسٹم کے اخراجات بھی زیادہ آئے اس پر میں نے کہا کہ بلال صاحب یہ مال تو پرائم کوالٹی نہیں ہے کباڑ کا مال ہے، اور اس پر باقاعدہ (Stock Lot) کباڑ مال کی مہر بھی لگی ہوئی تھی، وہ بھی حیران ہو گئے اور کہا آپ فکر نہ کریں مال اپنے گودام میں رکھیں میں خود اس کو نکالنے کا بندوبست کرتا ہوں اور آپ بھی گاہگ تلاش کریں، چونکہ مال واپس بھیجنا تو ممکن نہیں ہوتا اس لئے میں نے مال پورٹ سے نکلوایا جس پر بڑا خرچہ آیا اور اصل رقم میں نے پہلے ادا کر دی تھی، چنانچہ وہ مال 83 روپے فی کلو پڑا، بلال سوریا صاحب نے مال 50 روپے فی کلو فروخت کرنا شروع کیا اب بھی کچھ مال باقی ہے۔

غرض مسئلہ یہ ہے کہ یہ نقصان جو ہوا ہے اس کا ذمہ دار کون ہے؟ یہ میرے ذمہ ہے یا بلال سوریا صاحب کے ذمہ ہے؟
مستفتی: چوہدری منور حسین

﴿مجاوب﴾ بلال سوریا صاحب کے ساتھ آپ کا معاملہ تو کیل کا ہوا ہے یعنی آپ نے بلال سوریا کو پرائم کوالٹی مال خریدنے کا وکیل بنایا تھا، وکیل پر اسی صفت و نوعیت کا مال لینا لازم ہوتا ہے جس طرح موکل کو مطلوب ہوتا ہے، ورنہ مال کی پوری ذمہ داری وکیل کی خود کی ہو جاتی ہے۔ آپ کو پرائم کوالٹی کا مال مطلوب تھا اور بلال سوریا نے آپ کو مال روانہ کرتے ہوئے باور کرایا تھا کہ مال پرائم کوالٹی کا ہے، لیکن حقیقت اس کے برعکس ظاہر ہوئی، پھر آپ نے بروقت اس کی شکایت بھی کی، تو اس صورت میں یہ پورا مال شرعاً بلال سوریا صاحب کا شمار ہوتا ہے۔ لہذا آپ نے اس مال کے سلسلہ میں جو رقم بلال سوریا صاحب کو دی تھی اسی طرح پورٹ سے نکالنے پر جو خرچہ آیا تمام بلال سوریا صاحب کے ذمہ ہے، اور بلال صاحب نے 50 روپے

میں فی کلوج فروخت کیا یا آپ نے اس کی اجازت سے اس کا مال فروخت کیا یہ رقم بلال صاحب کی ہے، بلال صاحب کے مال کی رقم اگر آپ نے وصول کی ہے تو یہ آپ اپنی رقم کے بدلے وصول سمجھیں اور اپنی زائد باقی رقم کا آپ بلال سوریا صاحب سے مطالبہ کریں۔ شرعا ان پر لازم ہے کہ آپ کی باقی ماندہ رقم وہ واپس کر دیں، اگر دنیا میں انہوں نے حساب بے باک نہیں کیا تو آخرت میں ایسے تمام معاملات کا حساب بلاشبہ ہونے والا ہے۔

لما فی الہندیہ: (۵۴۲/۳، طبع: رشیدیہ کوئٹہ)

التوکیل بالشراء اذا كان مقيدا برأى فيه القيد اجماعا عامولا كان القيد راجعا الى المشتري او الى الثمن حتى انه اذا خالف يلزمه الشراء
ولما فی الشامی: (۵۲۲/۵، طبع: سعید کراچی)

ومنهم من يجوز بيعه كيفما كان وكذا شرائه على المعروف وهو المضارب وشريكا العنان او السفاضة والوكيل بالبيع المطلق يجوز بيع هؤلاء عند ابي حنيفة رحمة الله عليه بما عزوهان وعندهما لا يجوز الا بالمعروف واما شرائهم فلا يجوز الا على المعروف اجماعا فان اشترى بخلاف المعروف والعادة او بغير التقودت فشرائهم على انفسهم ومنهم ما تقدر افيه من مال غيرهم اجماعا.

ولما فی الہدایہ: (۱۹۴/۳، طبع: رحمانیہ لاہور)

قال والوكيل بالشراء يجوز عتده بمثل القيمة وزيادة يتغابن الناس في مثلها ولا يجوز بما لا يتغابن الناس في مثله لان التهمة فيه متحققة فلعله اشتراه لنفسه فاذا لم يوافقه الحقه بغيره
ولما فی تبیین الحقائق: (۲۵۱/۵، طبع: سعید کراچی)

(ولهذا لو وجد المؤكل به عيبا يردده عليه) اي وله ان يرجع بنقصان العيب اذا هلك عند المؤكل.

ولما فی شرح المجله للاتامی: (۴۱۵/۳، طبع: رشیدیہ کوئٹہ)

وكذا جاز ان يكون المؤكل وكیلا عن الوكيل ورب المال عن المضارب.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد ابراہیم غفرلہ والوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۳۷۳۲

۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

﴿مؤکل سے اجازت لئے بغیر وکیل دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا﴾

﴿مؤکل﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کسی کا مقروض

تھا اس نے ایک اور آدمی کو وکیل بنایا کہ وہ پیسے اس تک پہنچائے۔ وکیل کسی عذر کی بناء پر خود نہ

جاسکا اس نے پیسے اپنے بھائی کے سپرد کئے کہ فلاں شخص جو کہ دائن ہے میرے موکل کا یہ پیسے اس تک پہنچا دینا اس نے پیسے لے لئے، لیکن ہوا یہ کہ راستے میں کسی نے اسکی جیب کاٹ دی اور پیسے لے گیا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ مال کا ضمان کس پر آئیگا؟ برائے کرم شریعت مطہرہ کا جو بھی حکم ہو مطلع فرما کر عند اللہ مأجور ہوں

﴿مور﴾ صورت مسئلہ میں مقروض شخص نے دوسرے شخص کو پیسے قرض خواہ تک پہنچانے کیلئے وکیل مقرر کیا، لہذا یہ پیسے اس وکیل کے پاس امانت تھے، پھر اسی وکیل نے موکل کی اجازت کے بغیر اپنے بھائی کو وکیل بنا کر دیدیئے تو یہ امانت میں تعدی یعنی زیادتی کے مترادف ہے لہذا ضمان بھی اسی وکیل اول پر لازم ہوگا۔

ولما فی البحر: (۲۴۴/۴ طبع: سعید)

وان حفظها بغیرهم ضمن ای ان حفظها بغیر من فی عیالہ ضمن فا فادان المودع لا مودع فان لودع فہلکت عندالثانی ان لم یفارق الاول لا ضمان علی واحد منهما وان فارقہ ضمن الاول عندابی حنیفہ ولا یضمن الثانی — کما لو قال له لحفظها فی ہذہ الدار فعفظها فی دہر اخری فانه یضمن الا اذا کانت الدار الاولى

ولما فی فتاویٰ الہندیہ: (۳۴۸/۴ طبع: رشیدیہ)

واذ تعدی المودع فی الودیعة بان کانت دابتہ رکبھا... لا ودعھا عندغیرہ..... وھذا اذ کان الركوب والاستخدام والملبس لم یتحصبا اما اذا تحصبا ضمن کذا فی الجوہرۃ

ولما فی الشامی: (۱۶۴/۵ طبع: سعید)

(قولہ ضمن) ای بدفعھا لہ وکذا لو ترکہ فی بیتہ الذی فیہ ودائع الناس وذهب فضاءت ضمن بحر عن الخلاصۃ.

لما فی الدر: (۱۶۴/۵ طبع: سعید)

(و) جاز (لمن فی عیالہ الدفع لمن فی عیالہ لو نہا عن الدفع الی بعض من فی عیالہ فرفع ان وجد بدامتہ) (ضمن والاوان حفظھا بغیرہم ضمن)

لما فی المفتح: (۵۱۸/۸ طبع: رشیدیہ)

(ومن اودع رجلا ویدیعة فاودعھا اخر فہلکت فله ان یضمن الاول ولیس لہ ان یضمن الثانی وھذا عندابی حنیفۃ

لما فی البدائع [۳۵۴/۸ طبع: قدیمی]

منھا ترک لحفظ لانه بالتصدد التزام حفظ الودیعة علی وجہ لو ترک حفظھا حتی ہلکت یضمن بدلھا.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: مفتی اللہ

فتویٰ نمبر: ۳۸۹۰

۱۴۳۳ھ

﴿فروخت کنندہ کا وکیل کو کچھ رقم چھوڑنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید ایک محلہ میں بچوں کو پڑھاتا ہے، شریف حسین نے اس کو کہا کہ قاری صاحب آپ میرے لئے ایک سائیکل خرید لیں آپ زیادہ جانتے ہیں، قاری صاحب نے جس شخص سے سائیکل خرید لی تو اس شخص نے قاری صاحب کے لئے تعلق کی وجہ سے پانچ سو روپے چھوڑ دیئے یعنی اڑھائی ہزار میں سائیکل دے دی جبکہ مارکیٹ میں وہی سائیکل تین ہزار روپے سے کم میں نہیں ملتی، براہ کرم قاری صاحب کو شرعاً حق حاصل ہے کہ وہ شریف حسین سے تین ہزار روپے وصول کریں؟ اس لئے کہ یہ رعایت خاص تعلق کی بنیاد پر قاری صاحب کے ساتھ ہوئی ہے۔ مستفتی فیض محمد ابو بکر مسجد

﴿جواب﴾ سائیکل کی قیمت میں کمی اگرچہ خاص تعلق کی بنیاد پر ہوئی ہے لیکن یہ بیع میں رعایت ہے قاری صاحب وکیل تھے خریداری شریف کے لئے کی ہے، اس لئے جتنے کی سائیکل لی ہے اتنی رقم یعنی اڑھائی ہزار روپے ہی وصول کرنے کا اس کو حق حاصل ہے، تین ہزار روپے کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے۔

لما فی شرح المجلة (۲/۸۸۳، طبع: رشیدیہ)

و ذکر فی الدر و حواشیہ ان البائع لو وهب کل الثمن للوكيل رجع الوكيل بکله علی المؤکل ولو وهب بعضه رجع بالباقي فلو کان للثمن الف لو وهب له النصف لم يرب له النصف الآخر لا يرجع الوكيل علی الأمر الا بخمس مائة الاخری لان الاولى حظ والثانی مبة بوهذه المسئلة مبنیة علی ما تقدم فی المبیوع ان مبة بعض الثمن حظ لاهبة کله لان الحظ یلتحق باصل البیع وفي حظ البعض یتقی المبیع بالباقي فیرجع به علی مؤکله ولو جعل مبة الكل حظا صار یبعا بلان فیسببه البیع فلذلك جعل مبة مبتدئة للوكيل فیرجع علی المؤکل بالثمن المعقود علیه فلو وهب لاهاء بدفعتین لو اکثر کان ما قبل الاخير حظا وكانت الهبة الاخيرة مبتدئة فیرجع علی المؤکل بقدرها اهـ.

ولما فی البحر الرائق (۱۵۵/۷، طبع سعید)

ولو امر رجلا ان يشتري له جارية بألف فاشترها ثم ان البائع وهب الالف من للوكيل للوكيل ان يرجع علی الأمر ولو وهب منه خمس مائة لم یکن له ان يرجع علی الأمر الا بخمس مائة ولو وهب منه خمس مائة لم یکن له ان يرجع علی الأمر الا بخمس مائة ولو وهب منه خمس مائة ثم وهب منه ایضا الخمسمائة الباقية لم يرجع ولو وهب منه ثم منه ایضا الخمس مائة الباقية لم يرجع الوكيل علی الأمر الا بالخمس مائة الاخری لان

الاول حط والثانی بقیۃ

ولما فی الدر المنثور: (۵۱۶/۵) طبع سمیع کراچی

ولم یوجبه کل الشئ رجوع بکله ولم یعضه رجوع بالباقی لانہ حط بعمروہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ والہذا علم بالصواب: کتبہ: شاہد خان سواتی غفر اللہ لہ

۱۸ جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر: ۳۱۱۳

وکیل کاکمیشن وصول کرنا

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام درپیش مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عبداللہ سے نوں پر کسی کتاب کی قیمت دریافت کی، جس پر عبداللہ نے مکتبہ والے سے رابطہ کر کے ان کو ۲۵۰۰ روپے بتا دیئے، پھر چونکہ مکتبہ والے سے عبداللہ کے تعلقات تھے، لہذا اس نے وہ کتاب ۲۵۰۰ کے بجائے ۲۳۰۰ میں خرید لی اور ۱۰۰ روپے بطور کمیشن اپنی جیب میں ڈال دیئے۔ کیا یہ کمیشن عبداللہ کیلئے جائز ہے؟ برائے مہربانی شریعت اسلامیہ کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں

﴿مولا﴾ ”بیع و شراء“ کی مذکورہ بالا صورت میں چونکہ عبداللہ زید کا وکیل بن رہا ہے اور وکیل کا اپنے لئے نفع رکھنا درست نہیں، کیونکہ اصول شریعہ کی روشنی میں اگر وکیل معاملہ کم قیمت میں طے کرے تو بقیہ رقم موکل کو لوٹانا ضروری ہے، لہذا اس معاملہ میں عبداللہ کا اپنے لئے کمیشن رکھنا جائز نہیں ہے۔ البتہ عبداللہ کا یہی کام اگر ہو یعنی لوگوں کو کمیشن پر کتابیں دلوانا اور زید کو اس کا علم بھی ہو تو ایسی صورت میں عبداللہ کی حیثیت محض وکیل کی نہیں، بلکہ ایک بروکر اور ایجنٹ کی ہوگی اور مذکورہ معاملہ اجارہ شمار ہوگا، لہذا اب کمیشن جائز ہوگا۔

لما فی الہندیہ: (۲/ ۵۸۸) طبع رشید یہ کوئٹہ

وان حط للبائع عن الوکیل بعض الشئ فانہ یحطه عن المذکور. ولو حط للبائع جمیع الشئ لایظہر ذلک فی حق المذکور حتی کان للوکیل ان یرجع علی المذکور بجمیع الشئ.

لما فی فتح القدیر: (۴/ ۲۶۵) طبع رشید یہ کوئٹہ

وقد صح ان النبی ﷺ وکل حکیم بن حزام... واعطاء النبی ﷺ دیناراً یشتري اضعیۃ از شاة فاشتري شاتین فباع احداً مابینار و آتاه بشاة و دینار فدعاه بالبرکة...

لما فی اللہ الاسلامی والفتہ: (۵/ ۵۸) طبع رشید یہ کوئٹہ

تصح الوکالة بأجر و بغیر أجر لان النبی ﷺ کان یبعث عمالہ لقتبض الصدقات و یجعل لہم عمولة... فان كانت الوکالة بغیر أجر ففی معروف من الوکیل، لماذا كانت الوکالة

باجرای جعل لعلمها حکم الاجارۃ . فہستحق الوکیل الجعل بتسلیم ما وکل فہی الی
المؤکل ان کان مباحا یکن تسلیمہ .

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ والوالدیہ

۱۳۳۳ھ/۱۱/۱۷

فتویٰ نمبر: ۳۸۷۵

﴿مبیع کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو وکیل کے لیے حکم﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے متعلق کہ ایک شخص نے مجھے کھجور خرید کر لانے کا کہا، جب میں خرید کر لایا تو وہ موجود نہیں ہے اور اندیشہ ہے کہ کھجور خراب اور ضائع ہو جائیگی تو اب میرے لیے شرعاً کیا حکم ہے، کھجوریں کھالوں یا خراب ہوتی رہیں؟

﴿مجاہد﴾ صورت مذکورہ میں آپ کی حیثیت وکیل کی ہے اور شرعاً وکیل کے قبضہ میں جو چیز ہوتی ہے اس کا حکم امانت اور ودیعت کا ہے اور ودیعت کے متعلق فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر ودیعت ایسی چیز ہو کہ اس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور مودع (یعنی امانت رکھنے والا) غائب ہے یا اس سے رابطہ بہت مشکل ہے تو ایسی صورت میں مودع (یعنی جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے) کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ قاضی اور حاکم کو اس صورتحال سے آگاہ کرے تاکہ وہ اس چیز کو بیچ دے اور اگر قاضی تک رسائی مشکل ہو تو علماء کرام یا محلہ کے چند دیندار لوگ اس چیز کی قیمت طے کریں تاکہ اس چیز کو بیچ کر پیسے اس کے لیے محفوظ رکھیں، آپ چونکہ کھجور خود خرید کر لائے ہو تو قیمت متعین کرنے کے لیے قاضی یا جرگہ کی مدد لینے کی ضرورت نہیں ہے لہذا کسی دوسرے کو فروخت کر دیں اور اگر خود استعمال کر کے اس شخص کو بعد میں پیسے دے دیں تو اس کی بھی گنجائش معلوم ہو رہی ہے، لیکن اس طرح چھوڑ کر اگر خراب ہونے دیں تو یہ مناسب نہیں ہے اگرچہ ضائع ہونے کی صورت میں آپ کے ذمہ تاوان واجب نہیں ہے۔

لما فی الدر المختار: (۶۷۵/۵) مطبع: سعید

خیف علی الودیعة الفساد رفع الامر للحاکم لیبیعہ، ولو لم یرفع حتی یفسد فلا ضمان
ولما فی المہندیہ: (۴/۳۷۹) مطبع: لادیمی کتب خانہ

وفی فتاویٰ ابی السلیت اذا كانت الودیعة شیئاً یخاف علیہ الفساد، وصاحب الودیعة
غائب فان رفع الامر الی القاضی حتی یبیعہ جاز وهو الاولی وان لم یرفع حتی یفسد
لا ضمان علیہ لانه حفظ الودیعة علی ما امر بہ کذا فی المحيط، وان لم یکن فی البلد

قاض باعها وحفظ ثمنها لصاحبها كذا في السراج الوهاج .

ولما في شرح المجله: (۲/۲۵۵ طبع: سعيد)

اذا كان صاحب الرديئة غائبا غيبة منقطعة بحيث لم يعلم موته ولا حياته يحفظها المستردع الى ان يعلم موت صاحبها أو حياته . وانما اذا كانت الرديئة مما يلسد بالمكث يبيعها المستردع باذن الحاكم ويحفظ ثمنها امانة عنده . ولكن اذا لم يبيعها ففسدت بالمكث لا يضمن .

والله اعلم بالصواب: ضياء الحق انكي

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۳۲۵۵

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

﴿سبزی منڈی میں کمیشن پروکالت کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید سبزی منڈی میں مزدوری کرتا ہے اور وہاں پر بہت سے سبزی فروشوں کے ساتھ اس کی جان پہچان بھی ہے، جب اس کے علاقہ کا کوئی دکاندار سبزی خریدنے سبزی منڈی آتا ہے، تو اس کو کسی متعین سبزی فروش کے پاس بھیج دیتا ہے کہ فلاں سبزی فروش سے فلاں سبزی (توری) جو کہ وہ ۱۰ روپے فی کلو دیتا ہے، ۳۰ کلو میرے لئے خرید لو اور ساتھ ۳۰ روپے بھی دیدیتا ہے۔ جب زید سبزی فروش کے پاس سبزی خریدنے چلا جاتا ہے تو سبزی فروش اس کیلئے رعایت کر لیتا ہے اور فی کلو دو روپیہ کم کر کے آٹھ روپے کا کلو لگا لیتا ہے جس کی وجہ سے ۳۰۰ میں سے ۶۰ روپے بچ جاتے ہیں اور یہ تقریباً روزانہ کا معمول ہے تو کیا زید کے لئے یہ بقایا رقم خود لینا جائز ہے یا جس نے بھیجا تھا اس کو واپس کرنا ضروری ہے؟ جبکہ اگر وہ خود خریدتا تو فی کلو ۱۰ روپے کا ملتا، اور اگر زید سے پورے ۳۰ روپے لیکر بعد میں اس میں سے کچھ رقم بطور چائے وغیرہ دے تو پھر کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ زید کا معاملہ علاقہ کے دکاندار کے ساتھ وکالت کا ہے، وکیل جتنی رقم کی وہ چیز خریدتا ہے مَوَکَل سے اتنی ہی رقم وصول کر سکتا ہے۔ سبزی فروش کی رعایت کا زید جو کہ وکیل ہے حقدار نہیں بنتا، البتہ سبزی فروش یہ رعایت کمیشن کے طور پر زید کے ساتھ اگر کرتا ہے تو یہ دو روپے فی کلو سبزی فروش کی طرف سے کمیشن میں شمار ہو سکتا ہے گویا سبزی فروش نے پورے دس روپے کا فی کلو دیدیا ہے اور اپنی طرف سے فی کلو دو روپے کمیشن دیدیا۔

لیکن یہ تب ہو سکتا ہے کہ یا تو پہلے سبزی فروش کیساتھ زید نے طے کیا ہو یا سبزی منڈی میں

یہ ترتیب رائج ہو تو اس رعایت کو کمیشن قرار دیا جاسکے گا۔

لما فی التنبیہ الابصار (۵ / ۱۵۴، طبع: سعید)
(والزیادة) والحط (ہلحقان باصل العقد) بالاستناد.

ولما فی الشامی ۱۲/۶، طبع: سعید

قال فی التاتار خانیہ: یوفی الدلال والسمسار یجب أجر المثل، وماتوا ضروا علیہ ان فی کل عشرة دنانیر کذا فذلک حرام علیہم، ولی العاری: سنن محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به وان كان فی الاصل فاسد الکثرة التعامل وکثیر من هذا غیر جائز فجوروه لحاجة الناس الیه کدخول الحمام.

ولما فی الدر المختار (۵/۶، طبع: سعید)

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتین لأن جهاتهما تقضى الى المنازعة.

ولما فی رسائل ابن عابدین (۱۱۴/۲، طبع: مکتبة عثمانیہ)

(واعلم) ان اعتبار العادة والعرف رجع الیه فی مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلک اصلا فقالوا فی الأصول فی باب ما تترك به الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة — وفی شرح الاشباه للبیہری قال فی المشرع الثابت بالعرف ثابت بدلیل شرعی وفی المبسوط الثابت بالعرف کالثابت بالنص انتهى.

واللہ اعلم بالصواب: صدیق النور

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۳۵۵

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

﴿وکالت سے معزول ہونے کا علم ہونا ضروری ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حمید اللہ نامی ایک شخص نے مجھے 15000 روپے دے کر کہا کہ بازار سے فرنیج خرید کر لے آنا میں بازار چلا گیا تو حمید اللہ کا ارادہ کسی وجہ سے تبدیل ہو گیا اس نے میرے دوست سے کہا کہ اپنے دوست کو اطلاع دے کر کہ فرنیج نہ لے چونکہ میرے دوست نے مجھے بتایا نہیں، تو میں نے بحسب حکم فرنیج خرید کر لے آیا لیکن اب حمید اللہ لیتا نہیں وہ کہتا ہے کہ میں نے آپ کے دوست کو کہا تھا کہ آپ کو اطلاع کرے کہ فرنیج مت خریدیں اس میں میری کوئی غلطی نہیں۔

جناب مفتی صاحب! آپ فرمائیں کہ از روئے شریعت وہ فرنیج کس کا بنتا ہے؟

﴿مولا﴾ فرنیج خریدنے سے پہلے آپ کو یہ اطلاع واقعی اگر نہیں پہنچی تھی کہ حمید اللہ نے

اب فرج خریدنے سے آپ کو منع کیا ہے، تو ایسی صورت میں یہ فرج حمید اللہ کا ہے، انکار کرنے کی گنجائش نہیں ہے، البتہ حمید اللہ اطلاع پہنچنے کا اگر دعویٰ کرتا ہے اور گواہوں کے ذریعہ سے ثابت کر دے تو فرج آپ کا ہوگا حمید اللہ کی پوری رقم واپس کرنا ضروری ہے

لما فی الشامی: (۵/۵۴۷، مطبع: سعید)

للموکل العزل متى شاء، لو الوكالة دورية مالم يتعلق به حق الغير كوكيل
الخصومة يطلب الخصم بشرط علم الموكل لو لم يطلق وعقاق
ولما فی الهدایة: (۲/۲۰۶، مطبع: رحمانیة)

للموکل ان يعزل الموكل عن الوكالة لان الوكالة حقه فله ان يبطله الا اذا تعلق به حق
الغير..... فان لم يبلغه العزل فهو على وكالته وتصرفه جائز حتى يعلم

الجواب صحیح: عبدالرحمن حقانہ عن
واللہ اعلم بالصواب: ارشد مسد کوہاٹی

فتویٰ نمبر: ۳۳۲۶

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿شروع میں کوئی معاملہ صحیح کرے اور بعد میں غیر مشروع دکھانے کی کوشش کرے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے متعلق کہ میں نے ایک شخص کو وکیل بنایا (جو کہ ایک کمپنی میں بحیثیت منیجر خریدار بھی تھا) کہ وہ ہمارے لئے مال خریدے اور ہمیں دکھائے، اس کے بعد دوسرا عقد ہم اسکے ساتھ کرتے تھے یعنی بطور مراہجہ اس کو فروخت کرتے تھے وہ خود چونکہ دوسری کمپنی میں منیجر تھا تو اپنی کمپنی کے لئے ہم سے مال خرید لیتا اور یہ معاملہ اسی بنیاد پر تھا جیسے مراہجہ کے طور پر اسلامی بینک معاملات کرتے ہیں بعد میں اس وکیل نے خود ظاہر کر دیا کہ میں کوئی ایسا معاملہ نہیں کرتا تھا یعنی میں آپ کے لئے مال نہیں خریدتا تھا بلکہ آپ کو ذاتی مال دکھا کر کہتا تھا کہ آپ کے لئے خریداہے، آپ کی رقم میں اپنے ذاتی کاروبار میں استعمال کرتا تھا جبکہ ہم اپنا مال سمجھ کر واپس اس کو مراہجہ پر فروخت کرتے تھے۔

پوچھنا یہ ہے کہ اس نے جو ہمیں نفع دیا اور کچھ نفع اصل رقم کے ساتھ بقایا ہے یعنی اس کے ذمہ باقی ہے، اس نفع کا کیا حکم ہے کہیں یہ سود تو نہیں؟ مستقی: فیصل جنید ڈینس فیروز کراچی

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں مذکورہ شخص کا آپ کے ساتھ ایک عرصہ تک معاملہ کرنے

کے بعد یہ کہنا معتبر نہیں کہ وہ آپ کے لئے مال نہیں خریدتا تھا بلکہ کمپنی کا مال یا ذاتی مال دکھا کر کہتا

تھا کہ آپ کے لئے خرید ہے کیونکہ مذکورہ شخص کا ایک عرصہ تک معاملہ کرتے رہتا، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ صحیح معاملہ کر رہا تھا، اب کافی عرصہ کے بعد معاملہ کی صحت کا انکار کرنا اپنی ہی تکذیب کرنا ہے جو کہ شرعاً معتبر نہیں، نیز مذکورہ شخص اس وجہ سے بھی معتمد ہے کہ گویا وہ اس کا روبرو بار سے آپ کو دیا ہوا نفع واپس لینا چاہتا ہے، لہذا آپ کے لئے حاصل شدہ منافع اپنے استعمال میں لانا درست ہے، البتہ یہ شخص چونکہ اب قابل اعتبار نہیں رہا، اس لئے آئندہ کے لئے اس کے ساتھ معاملہ کرنے سے گریز کیا جائے۔

لحافی المحيط البرہانی: (ج ۱۶ ص ۲۰۰ مطبع ادارة القرن کراچی)

وذكر في آخر بيع الزبائن رجل اشترى من رجل عبدائم ان البائع ادعى انه كان فضوليافي هذا البيع واراد استرداد العبد من يده المشتري ذالك او ادعى المشتري ان البائع كان فضوليافي هذا البيع واراد العبد واسترداد الثمن لا يصح دعواه لان اقدامه على هذا الاعتقاد امر منه بصحة هذا المعتقد فاذ ذالك بالملك له او بالامر من المالك فالذي يدعى كونه فضوليافي البيع منكر فاذ به بما اقربه وانه تناقض ظاهر وان اراد ان يقيم بيته على ما ادعى من كونه فضوليافي البيع لا تسمع بيته وكذلك لو لم يكن له بيت وان ادان يحلف صاحبه على ما ادعى من كونه فضوليافي البيع ليس له ذالك لان سماع البهتر التحليف يترتب على صحة الدعوى وهذه الدعوى لم تصح هاهنا لكان التناقض.

ولحافی الهندیہ: (۴/۷۱، مطبع رشیدیہ)

رجل اشترى من رجل عبدائم ان البائع ادعى لا تصح دعواه... كذا في المحيط.

ولحافی حاشیۃ اللطفاوی علی مراقی الفلاح: (ص ۲۸۸ مطبع قدیمی)

وفي الشرح اذا منهم زمانائم قال انه كان كافرا ومعى نجاسة مانعتا وبلا طهارة اى متعديا ليس عليهم اعادة لان خبره غير مقبول فى الديانات لفسقه باعترافه. كذا في الهندية: (۱/۸۷، مطبع رشیدیہ)

واللہ اعلم: عبد الوہاب نعمانی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۸۳۵۶

۱۵ جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ

﴿مؤکل اور وکیل کے درمیان مقدار مقبوض میں اگر اختلاف ہو جائے۔۔۔؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص (مؤکل) نے دوسرے (وکیل) کو پچاس (۵۰۰۰۰) ہزار روپے دے دیئے اور اس نے کنتی کئے بغیر لے لیے، اسکے بعد جب دیکھا تو چالیس (۴۰۰۰۰) ہیں، اب مؤکل اور وکیل کے

درمیان اختلاف ہوا موکل پچاس ہزار کا دعویٰ دار ہے جبکہ وکیل چالیس ہزار لینے کا قائل ہے،
اب فیصلہ کی نوعیت شرعاً کیا ہوگی؟ مستفتی: مولانا نور محمد عبدل خیل ذریہ اسماعیل خان

﴿مجموع﴾ صورت مسئلہ میں موکل اور وکیل کا پیسے دینے اور لینے میں اتفاق ہے، البتہ
مقدار مقبوض (قبضہ شدہ رقم کی مقدار) میں اختلاف ہے ایسی صورت میں مدعی یعنی موکل اپنے
دعویٰ کو گواہوں کے ذریعہ ثابت نہ کر سکے تو وکیل قسم کھانے سے بری الذمہ ہو جائیگا۔

لسافی الہدایۃ: (۲/۲۵۵ طبع رحمانیہ)

واذا كان مع المضارب الفان فقال دفعت الى الفأور بعث الفأور قال رب المال لابل دفعت
لليك الفين فالقول قول المضارب..... لان الاختلاف في الحقيقة في مقدار المقبوض
وفي مثله لقول قول القابض ضمين كان او اميناً لانه اعرف بمقدار المقبوض.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد اسلم جزالی عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر ۱۲۱۷

۱۶ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

﴿وکیل کا موکل کیساتھ نئے عقد پر مراہجہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میں ایک اسلامی بینک والوں کے پاس مراہجہ کے
طور پر سامان لینے گیا تو انہوں نے مراہجہ کا طریقہ کار سمجھایا کہ آپ جا کر مارکیٹ سے اپنی
ضرورت کا سامان بینک کی طرف سے وکیل کی حیثیت سے خرید لیں اور قبضہ کر لیں بینک کیساتھ
کاغذی کارروائی مکمل کرنے کے بعد اپنے لئے خریداری کی نیت سے قبضہ کر دے جبکہ خرید اہوا
سامان میرے ہی قبضے میں ہوگا، بینک والوں نے نہ دیکھا ہوگا اور نہ بینک کے گودام میں لایا گیا
ہوگا تو کیا یہ معاملہ جائز ہے؟ نیز یہ بیع قبل القبض کے حکم میں نہیں آتا؟

﴿مجموع﴾ بلاشبہ ہر ایسی چیز جو قبضہ میں نہ آئی ہو بیچنا جائز نہیں، قبضہ میں آنے کے بعد ہی
بیچنا جائز ہوتا ہے، البتہ مذکورہ صورت میں بینک نے جب آپ کو اپنی طرف سے خریداری کا وکیل
بنایا اور آپ نے بینک کے وکیل ہونے کی حیثیت سے وہ چیز قبضہ میں لے لی تو آپ کا یہ قبضہ
بینک ہی کا قبضہ شمار ہوا، اب اگر آپ بینک والاں کیساتھ بیع مراہجہ کرنا چاہتے ہیں تو نیا عقد کر کے
اسی سامان پر اپنے لئے ہی قبضہ کریں تو یہ معاملہ درست ہو جائیگا۔

ولمالی القنبر مع الدر: (۵/۵۱۶، طبع سعید)

(ملک المبيع من يده قبل حبسه ملك من مال موكله ولم يسقط الثمن) لان يده كيده.

ولمالي فتح القدير: (۸/۴۲، طبع رشديه)

(فان ملك المبيع في يده) اي في يد الوكيل (قبل حبسه) اي قبل حبس الوكيل المبيع (ملك من مال الموكل ولم يسقط الثمن) اي لم يسقط عن الموكل هذا لفظ القنبري بمعنى ان هلاك المبيع في يد الوكيل قبل حبسه اياه لا يسقط الرجوع على الموكل (لان يده) اي يد الوكيل (كيد الموكل فاذا لم يحبسه) الوكيل (يصير الموكل قابضاً بیده)

ولمالي القنبر مع الدر: (۵/۲۲۰، طبع سعید)

(وصح لو) كان الكفر رضا (وامر مقرر به) لانه اعارة لا استبدال (كما) صح (لو امر) المسلم اليه (رب السلم بقبضه منه له ثم لتسبه ففعل) كاكثاله مرتين لزوال المانع.

ولمالي فيض الباري: (۳/۴۱۹، طبع رشديه)

قالوا لانه لو باع فرساً في الصحراء فان كان المشتري يستطيع ان يقبضه بدون اعانة غيره تحقق القبض فكانهم نظروا فيه الى السكة فقط ورأواها كالقبض. وبالجمله ان القبض في البيع والهبة والرمي يتحقق عندنا بالتخلية والسكة على القبض ولا يحتاج الى القبض الحسي والنقل.

ولمالي فقه السنة: (۳/۱۲۲، طبع دار الكتب بشار)

والقبض فيما يمكن نقله كالطعام والثياب والحيوان ونحو ذلك يكون على النحو الاتي اولاً باستيفاء القدر كبل او وزن ان كان مقدراً ثانياً بنقله من مكانه ان كان جزءاً ثالثاً يرجع الى العرف فيما عدا ذلك.

والله اعلم بالصواب: سلمان احمد

الجواب محج: عبدالرحمن عفا الله عنه

فتوى نمبر: ۲۲۰۳

۲۷ جمادی الاول ۱۴۳۰ھ

﴿نوٹ﴾ اس فتویٰ کی تائید جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن سے بھی کرائی گئی ہے۔

﴿وکیل اپنی چیز موکل کو نہیں بیچ سکتا﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے کہ میں نے ایک دوسرے آدمی

کیا تھ شرکت پر موبائل خریدنے اور بیچنے کی دکان کھولی ہے کبھی مجھے ساتھی پیسے دیتے ہیں کہ ہمارے لئے فلاں کمپنی کا فلاں موبائل خریدو تو میں وہی موبائل اپنی دکان سے لیکر دے دیتا ہوں تو کیا میرا یہ طریقہ شریعت کی نظر میں صحیح ہے؟

مستفتی: عمران

﴿جواب﴾ آگے ساتھیوں میں آپکا کاروبار اگر معروف ہے یعنی وہ یہ جانتے ہیں کہ آپ

موبائل کا باقاعدہ کاروبار کرتے ہیں تو ان کا یہ کہنا کہ فلاں کہنی کا موبائل ہمارے لئے خرید لو یہ دکان کے درجہ میں نہیں ہے بلکہ آپ پر اعتماد کرتے ہوئے آپ سے ایک خاص کہنی کا موبائل خریدنا چاہتے ہیں تو ایسی صورت میں آپ اپنی دکان سے لیکر ان کو بیچ سکتے ہیں اور پسند نہ آئے تو بلاوجہ رد بھی کر سکتے ہیں۔

البتہ ساتھیوں کا مقصد باقاعدہ آپ کو وکیل بنانا ہو یعنی محض آپ سے تعاون لینا چاہتے ہوں انکے ذہن میں یہ ہے کہ یہ محض ہمارے لئے ہی خرید کر اسی قیمت سے دیں گے تو ایسی صورت میں آپ وکیل ہیں اور وکیل کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنی ہی چیز اپنے مؤکل کو بیچے ایسی صورت میں آپ اپنے ساتھیوں کیلئے موبائل اپنے ہی دکان سے جس میں آپ کا حصہ ہے لیکر نہیں دے سکتے دوسری جگہ سے خرید کر دینا ضروری ہوگا اور انہیں لینا ضروری ہوگا پسند ہو یا نہ ہو۔

ولمافی الفتاویٰ مع الدرر (۵/۵۲۱، فصل لا یعتد وکیل البیع الخ طبع سعید)

(مع من ترد شہادته له) للثبوت وجوازہ بمثل القیمة (الامن عبده ومکاتبه الا اذا اطلق له الموکل) کعب من شئت (فیجوز بیعه لهم بمثل القیمة) اتفاقا (کما یجوز عقده معهم باکثر من القیمة) اتفاقا (بیعه لا شرانہ باکثر منها اتفاقا) وفي السراج لمصرح بهم صار اجماعا (الامن نفسه وطلله وعبده غیر المدیون) وکذا فی الهدایة: (۲/۱۶۹، طبع رحمانیہ) وفي الشامیة: (قوله الامن نفسه) وفي السراج لمصرح بالبیع من هولاء فانه یجوز اجماعا (ان یتبیعه من نفسه لورلده الصغیر او عبده ولادین علیہ) فلا یجوز قطعا وان صرح به الموکل منع الموکیل بالبیع لا یملک شرانہ لنفسه لان للواحد لا یكون مشترکا وبانما اہ منح.

ولمافی فتح القدر: (۸/۸۸، طبع رشیدیہ)

(والموکیل بالبیع والشراء لا یجوز له ان یعتد مع ابیه وجده ومن لا تقبل شہادته له) عند ابی حنبلہ (والمراد بعدم جواز البیع والشراء مع هولاء عند ابی حنیفہ عدم جواز ذلك عنده فی مطلق الرکالة اما اذا قید بالوکالة بمعوم المشیئة بان قال بع من شئت فیجوز بیعه وشراءه مع هولاء بلا خلاف بخلاف للبیع من نفسه او من ابن صغیر له حیث لا یجوز وان قال ذلك کذا صرح به فی السبوط ونقل عنه فی النہایة ومعراج الدرر فیہ وقال لا یجوز بیعه منهم بمثل القیمة قال بعضهم تخصیص البیع بالذكر من قبیل الاکتفاء بذکره من الشراء والافقیہ خلاف ایضا) وأیضا فیہا: (۲/۱۶۹، طبع رحمانیہ)

واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

الجواب صحیح: محمد الرحمن عفا اللہ عنہ

نوی نمبر: ۲۲۰۵

۲۸ جمادی الاول ۱۴۳۰ھ

﴿باب السلم﴾

﴿بیع سلم کے لئے شرائط﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ (۱) کہ زید نے خالد سے چالیس بوری چٹا نی بوری (۱۰۰ اکلودالی) بارہ سو روپے کے حساب سے خریدا اور آپس میں یہ طے کیا کہ فصل کے موقع پر جب چٹا آئے گا تو وصول کر لے گا ابھی فصل آنے میں تین ماہ باقی ہیں، نی بوری بارہ سو روپے کے حساب سے چالیس بوریوں کی قیمت زید نے خالد کو ادا کر دی، کیا اس طرح بیع سلم جائز ہے؟ (۲) اگر جائز ہے تو کیا زید یہی چٹا حامد کو نی بوری پندرہ سو روپے کے حساب سے فروخت کر سکتا ہے؟ بینوا تو جروا؟

مستفی: بخت اللہ

﴿جواب﴾ (۱) عقد سلم کے جواز کیلئے منجملہ شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مسلم فیہ عقد کے وقت سے لیکر ادائیگی کے وقت تک بازار میں موجود رہے حتیٰ کہ اگر مسلم فیہ عقد کے وقت موجود اور ادائیگی کے وقت منقطع ہو یا اس کا برعکس ہو یا اس کے درمیان میں منقطع ہو تو بیع سلم جائز نہیں ہے، لہذا مذکورہ صورت اگر چٹا (مسلم فیہ) تین ماہ تک بازار میں دستیاب ہو تو یہ بیع (زید اور خالد کی) جائز ہے ورنہ ناجائز۔

لما فی الہدایۃ: (۹۸/۳) مطبع رحمانیہ

قال ولا یجوز السلم حتی یکون المسلم فیہ موجودا من حین العقد الی حین المحل حتی لو کان منقطعاً عند العقد موجوداً عند المحل او علی العکس او منقطعاً فیما بین ذلک لا یجوز۔

ولما فی البحر الرائق: (۵۸/۶) مطبع سعید

قولہ: (والمنقطع) آی لا یجوز السلم فی الشیئی المنقطع للوقت شرطہ وہو ان یکون موجوداً من حین العقد الی حین المحل (بکسر الحاء، مصدر میمن من الحلول) حتی لو کان منقطعاً عند العقد موجوداً عند المحل او بالعکس او منقطعاً فیما بین ذلک لم یجز لانہ غیر مقدور التسليم لتوهم موت المسلم الیہ فی محل الاجل وهو منقطع فیتضرر رب السلم۔ وحد الانقطاع ان لا یوجد فی الاسواق التي تباع فیہا وان کان فی البیوت ولو انقطع عن ایدی الناس بعد المحل قبل ان یوفی المسلم فیہ فرب السلم بالخیار ان شاء فسخ العقد واخذ رأس ماله وان شاء انتظر وجود الخ۔ وكذا فی البدائع:

(۴۲۱/۲) سعید (ومثله فی الدر: ۴۵۸/۷) مطبع سعید

عقد سلم میں قبضہ سے پہلے اس المال یا مسلم فیہ میں کوئی تصرف جائز نہیں، لہذا زید کا آگے

حادثہ کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، ہاں قبضہ کر کے آگے فروخت کر سکتا ہے۔

لما فی التنبیہ مع الدر: (۲۱۸/۵، طبع سعید)

(ولا يجوز التصرف للمسلم اليه في رأس المال ولا لرب السلم في المسلم فيه قبل قبضه بنحو بيع وشركة)

ولما فی البحر الرائق: (۲۴۴/۶، طبع سعید)

(ولا يصح التصرف في رأس المال والمسلم فيه قبل القبض بشركة أو تولية) لان المسلم فيه مبيع والتصرف في المبيع المستقل قبل القبض لا يجوز ورأس المال مستحق القبض في المجلس والتصرف فيه مفوت له فلم يجز في التولية تملكه بعرض، وفي الشركة تملكه بعرض فلم يجز الخ (ومثله في الهداية: ۱۰۲/۳، طبع رحمانیہ) وكذا في بدائع الصنائع: (۲۵۱/۲، طبع سعید)

والله اعلم: صلاح الدين ذيروي

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۳۹۱

۹ جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ

﴿بیع سلم میں مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے تصرف جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے دو سو من گندم خریدی اور پیسے بھی ادا کر دیئے لیکن گندم کی فصل پکنے میں ابھی دو ماہ باقی ہے تو کیا قبضہ کرنے سے پہلے میں یہ گندم نفع کے ساتھ فروخت کر سکتا ہوں یا نہیں؟ مستفتی: برکت علی پشاور

﴿جواب﴾ بیع سلم میں جب تک مبیعہ پر قبضہ نہ ہوا، تو اس وقت تک اس میں کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں ہے لہذا مذکورہ صورت میں جب آپ نے گندم پر قبضہ نہیں کیا ہے تو اس کو آگے فروخت کرنا آپ کے لیے جائز نہیں ہے۔

لما فی تنویر الابصار مع الدر: (۲۱۸/۵، باب السلم، طبع سعید)

ولا يجوز التصرف للمسلم اليه في رأس المال ولا لرب السلم في المسلم فيه قبل قبضه بنحو بيع وشركة ومراعاة وتولية.

ولما فی البحر الرائق: (۱۶۴/۶، طبع سعید)

ولا يصح التصرف في رأس المال والمسلم فيه قبل القبض بشركة أو تولية لان المسلم فيه مبيع والتصرف في المبيع المستقل قبل القبض لا يجوز.

ولما فی الهداية: (۱۰۲/۳، باب السلم، طبع رحمانیہ)

ولا يجوز التصرف في رأس مال السلم والمسلم فيه قبل القبض اما الاول فلما فيه

من تلویث القبض المستحق بالعقد واما الثاني فلان المسلم فيه مبيع والتصرف لمي
المبيع قبل القبض لا يجوز۔

والله اعلم بالصواب: محمد تنویر پشاور

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

لتوی نمبر: ۳۸۰۱

۱۹ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ

﴿مسلم فیہ کی جگہ کسی اور چیز کے دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ بندہ نے اپنے ایک رشتہ دار کیساتھ بیع سلم کا معاملہ
کیا تھا جس میں فی من گندم کے عوض اس سے آٹھ سو "800" روپے لیے تھے لیکن سیلاب کی
وجہ سے میری ساری فصل تباہ ہو گئی جس کی وجہ سے نہ تو میرے پاس اپنی گندم ہے اور نہ ہی مہنگائی
کی وجہ سے کسی دوسرے شخص سے خرید سکتا ہوں، اب وہ وقت مقرر کے آنے پر مطالبہ کر رہا ہے کہ
یا تو گندم کی بجائے آٹا دیا آج کل کے ریٹ کی حساب سے فی من گندم کے بدلے بارہ سو
"1200" روپے دو، پوچھنا یہ ہے کہ شریعت کے روشنی میں اس کا یہ مطالبہ جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ آپ کے رشتہ دار کا حق تو بنتا ہے، اس لئے مطالبہ کرنا بے جا نہیں ہے لیکن
سیلاب ایک آسانی آفت ہے جسکی وجہ سے آپ کے حالات اگر ایسے نہیں ہیں کہ اپنے اس وعدہ کو
پورا کر سکے تو رشتہ داری کے علاوہ ایمان و اخلاق کا بھی تقاضا ہے کہ وہ آپ کو مزید کچھ مہلت
دیدے، تاکہ حالات کچھ اچھے ہو اور با آسانی آپ ان کا یہ حق لوٹا سکے، احادیث میں اسکی بڑی
فضیلت وارد ہوئی ہے، البتہ یہ یاد رہے کہ رقم لوٹانے کی صورت میں صرف اصلی رقم ہی دے سکتے
ہیں گندم کی آج کل کے ریٹ کے حساب سے لوٹانے کا مطالبہ یا اس کے بدلے آٹا دینے کا
مطالبہ ہرگز جائز نہیں۔

لما فی سنن ابی داؤد: (۱۳۵/۲) باب السلف لا یجوز، طبع (کر حمانیہ

عن ابی سعید الخدری قال: قال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اسلف فی شئی
فلا یصرفہ الی غیرہ۔

ولما فی التہذیب: (۱۸۶/۳)، طبع (رشیدیہ)

ولا یجوز أن یأخذ عوض رأس المال شیاً من غیر جنسہ ولا یجوز الاستبدال بالمسلم فیہ۔

ولما فی التقریر مع الدر: (۲۱۲/۵)، طبع (سعید)

(ومتطیع)..... ولو اتقطع فی اقلیم دون آخر لم یجز فی المستطیع ولو اتقطع بعد الاستحقاق

خیر رب المسلم بین انتظار وجوده والفسخ والحذر أس ماله.

ولما فی التنبؤ مع الدر: (۲۱۸-۲۱۹/۵، طبع سعید)

(ولا يجوز التصرف للمسلم اليه... لقوله عليه للصلو والسلام "لا تأخذوا منكم الا ما لكم ولا تأخذوا منكم الا ما لكم")
مالك "أى المسلم حال قيام العقد وأساس مالك حال انتساخه فامتنع الاستبدال.

ولما فی البحر: (۱۵۸/۱، طبع سعید)

(لقوله والمنقطع كولو فتقطع عن يدي الناس بمنقطع قبل ان يوفى المسلم فيه فرب المسلم بالخيار ان شاء فسخ العقد وان شاء فلتظروا وجوده كلفى الهدى فتقطع فتح القدير: (۵/۵، طبع رشيدية)

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۲۹۳۰

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿بیع سلم میں مسلم فیہ کے عوض کوئی دوسری چیز لینا جائز نہیں ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے جناب ڈاکٹر گل حمید صاحب سے گندم کی بیس بور یوں میں عقد سلم کیا تھا، جب گندم کے سپرد کرنے کا وقت آیا تو میرے پاس گندم تو تھی نہیں میں نے ان کو کہا کہ گندم کی جگہ چنوں کی پندرہ بوریاں لے لو۔ انہوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا۔ کیا اس طرح کا معاملہ کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ چنوں کی پندرہ بور یوں کی قیمت گندم کی بیس بور یوں کے برابر ہے۔ جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ مستفتی: مقبول احمد بلوچ مٹھ کھوہ

﴿مولا﴾ بیع سلم میں مسلم الیہ (بالع) مسلم فیہ (مبیع) کو ادا کرنے سے اگر عاجز آجائے تو اس صورت میں رب السلم (مشتري) کو اختیار ہے چاہے تو وہ مسلم فیہ (مبیع) کی وصول یابی تک صبر کر لے یا اپنے پیسے واپس لے لے۔ شرعا مشتری کو دوسری چیز اسکے بدلے میں لینے کی اجازت نہیں ہے، لہذا گندم کی جگہ چٹا لینا دینا اگرچہ قیمت کی برابری کا بھی خیال رکھا گیا ہو جائز نہیں ہے۔ البتہ بیع سلم قسم کر کے پیسہ واپس لینے کے بعد چاہیں تو اسی رقم سے چٹا خرید لیں۔

لما فی سنن ابی داود: (۱۴۵/۲، طبع رحمانیہ)

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله ﷺ: من أسلف لمي شئ فلا يصرفه الى غيره

ولما فی الہندیہ: (۱۸۶/۳، طبع رشیدیہ)

ولا يجوز ان يأخذ عوض رأس المال شيا من غير جنسه فان أعطاه من جنس اجود منه أو اردا في الصلقة فرضي المسلم اليه بالأرد جار.

ولما فی الدر المختار (۱/۲۹۱، طبع سعید)

(ولا يجوز لرب المسلم شراء شيء من المسلم اليه برأس المال بعد الاقطة) في عقد المسلم الصحيح فلو كان لما سنا جاز الاستبدال كسائر النكاح (قبل قبضه) بحكم الاقطة لقوله عليه الصلاة والسلام: لا تأخذوا منكم او رأس مالكم اي الا ملك حال قيام العقد او رأس مالكم حال انتفاؤه فامتنع الاستبدال.

الجواب صحیح عبد الرحمن عفا الله عنہ
والله اعلم بالصواب: محمد امیر ملک فخر اللہ لدہ

نوی نمبر: ۳۰۷۸

۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿مختلف کرنسی کا عقد سلم جائز ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی ڈالر خریدنے کیلئے صراف کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ فی الوقت تو ڈالر موجود نہیں کچھ دنوں میں دیدوں گا آپ قیمت ابھی ادا کر دو، کیا اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے؟ مستفتی: مہر الدین ازما جستان ﴿مولا﴾ کرنسی نوٹ چونکہ غنئی خور پر مشتمل نہیں ہے بلکہ عرف اور رواج کی طور پر غنم کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، اور یہ خود دور میں مختلف ممالک کی کرنسی مختلف الاشیاء میں داخل ہیں، اس لئے ان کی خرید و فروخت میں بحیثیت نقد متقارب عقد سلم کے جواز کی منجائش ہے، بشرطیکہ عقد سلم کی شرائط پائی جاتی ہوں۔

ولما فی بدائع المتناہج (۲۰۹/۵) باب المسلم... طبع سعید

ولما سلم فی الفلوس عتقا فجائز عن فی حنیفة ولی یوسف و عت معت لا یجوز بئہ علی ان الفلوس شان عتہ فلا یجوز سلم فیہا کما لا یجوز سلم فی الدیلم و الدنیر و عتعا تنبیا البت بلازمة بل تحتل فیقول لا ینایست بالاصطلاح فتقول بالاصطلاح.

ولما فی البحر الرائق (۱۵۶/۶) باب المسلم... طبع سعید

قوله ویصح فی المعنی لتتارب کتبیبض ولجوز و فلوس لأنه عتقی یسکن ضبطه فیصح سلم فیہ وقیل لا یصح عن معت لأنه من منام یروج و ظاهر الروایة عن لکن لجوز.

ولما فی الرد (۲۱۰/۶) باب المسلم... طبع سعید

(قوله و فلوس) الأولى و فلوس لأنه مفرد لا اسم جنس قبل و فیہ خلاف معت لسنہ یصح انفس بالفلوس الا ان ظاهر الروایة عنه کقولہا.

ولما فی مختصر الثوری: (ص ۱۸) باب الروایة طبع قنبی

وانما عنم الوصفان للجنس والمعنی المضموم لئیه حل لتفاضل و التواء و لنا وحنا

حرم انفاضل و انتفاء، و اذا وجد احدهما و عدم الآخر حل القاضل و حرم النساء.

ولما لم يعمد في قضايا فقهاء معاصرة: (ص ۱۶۹-۱۷۰ طبع معروفية)

ومن يجوز هذا البيع نسبية، كما هو معمول به اليوم عند كثير من التجار و عامة الناس ؟ أنهم يعمدون عملة بلدهم، بشرط أن يودي الأخذ بثلثهم في شكل عملة بلد آخر بعد مدة، مثل أن يعرض زید عمروا ألف ريال سعودي في المملكة العربية السعودية، بشرط أن يودي عمرو بثلثها أربعة آلاف روبية باكستانية في باكستان، فأما عند الحنفية، فيجوز هذا البيع، لأن الأثمان لا يشترط فيها كونها ملوكة للعائد عن البيع عند هم، فيصح فيها التأجيل عند اختلاف الجنس—

ثم يمكن تخريجه على قاعدة السلم ايضاً، لأن السلم في القلوس جائز عند أكثر الفقهاء— وحينئذ يجب أن تراعى في هذا العقد شرائط السلم.

الجواب صحیح: عبدالرحمن حفظہ اللہ تعالیٰ واللہ اعلم بالصواب: جلال الدین خرسند تاجکی

نوی نمبر: ۳۸۳۳

۷ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ

﴿اخبار و رسائل جاری کرانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل بعض اخبار و رسائل کے مالکان قارئین (خریدار) سے سالانہ رقم پہنے وصول کرتے ہیں مثلاً ۳۰۰ تین سو روپے، جبکہ اخبار و رسائل ان کو بعد میں ملتے ہیں، کیا شرعاً اس طرح عقد کرنا درست ہے؟

﴿جواب﴾ اخبار و رسائل کے مالکان جو رقم سالانہ پہلے سے وصول کرتے ہیں اس معاملہ کو بیع مسلم کہا جاتا ہے جو کہ شرعاً جائز ہے اس لئے کہ بیع مسلم کی تمام شرائط اس میں پائی جاتی ہیں۔

البتہ اکثر و بیشتر رسائل و اخبارات میں نمش قسم کی تصاویر ہوتی ہیں جو کہ ایک مستقل گناہ ہے اس لئے ایسے رسائل جاری کرنا بے حیائی کو فروغ دینے میں مدد کرنے کے مترادف ہے اس لئے منع ہے۔

لما فی الدر المختار مع الرد: (۵/۲۰۹ تا ۲۱۴ طبع سعید)

(مواہب آجل) وهو السلم فيه (بما جمل) وهو رأس المال (وركنه ركن البيع) حتى ينعقد بلفظ بيع في الاصح... وشرطه اى شروط صحته التي تذكر في العقد سبعة بيان جنس... ونوع... وصلة... وقدر... وأجل واقله، في السلم (شهر) وبيان قدر رأس المال... والسابع بيان مكان الابناء

ولما في فتاوى قاضي خان: (۲/۲ طبع قدسي)

ومن شرائط السلم أن يكون مرجعاً من وقت العقد الى وقت محل الاجل بلا انقطاع

فی البین، والانتطاع أن لا یوجد فی السوق الذی یداع فیہ فی ذلک المصر
ولما فی اللقہ الاسلامی: (۲/۵، طبع رشیدیہ)

مقتضی المسلم: أنه یشیت الملک فیہ لرب المسلم، مؤجلاً بمقابلۃ ثبوت الملک فی رأس
الحال المعین، لو الموصوف فی اللقۃ للمسلم الیہ وقد أجز حکمہ بطریق الرخصة دفعا
لحاجة الناس ولكن بالشرائط المخصوصة الی ذکرت والقی می غیر مشروطة وعقد البیع.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا غفر عنہ

توی نمبر ۲۲۰۳

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

﴿بیع سلم کی ایک صورت﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جوس بتانے والی
کمپنیوں کا اپنی مصنوعات فروخت کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کمپنی اپنے کسی ڈیلر کو عام ریٹ
پر مثلاً ۵۰ فیصد رعایت فی کریٹ دیتی ہے، لیکن اگر ڈیلر کمپنی کو یہ رقم یزن سے کچھ مدت پہلے
ادا کر دے تو کمپنی اُسے ۶۰ فیصد رعایت فی کریٹ دیدیتی ہے، اس طرح سے ڈیلر کو دس
۱۰ روپے فی کریٹ بچت ہو جاتی ہے، جبکہ اس کیساتھ وقت کا تعین بھی کرتے ہیں مثلاً چھ مہینے، کیا
شرعا اس طرح عقد کرنا درست ہے؟
مستفتی: ظریف خان ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ مذکورہ معاملہ فقہی اصطلاح میں بیع سلم کہلاتا ہے، کمپنی کے ڈیلروں کو جن سے
یہ معاملہ ہوتا ہے جوس کی نوعیت، مقدار، مال وصولیابی کی تاریخ اور جگہ وغیرہ پہلے سے اگر متعین
اور معلوم ہیں تو یہ معاملہ شرعاً جائز ہے ورنہ نہیں۔

لما فی الہدایہ: (۲/۱۰۰، طبع رحمانیہ)

ولا یصح السلم عندابی حنیفة الا بسبع شرائط جنس معلوم کقولنا حنطة او شعیر
ونوع معلوم کقولنا ستیة او بخسیة وصفة معلوم کقولنا جید اوردی بمقدار معلوم
کقولنا کذا کیلا بسکیال معروف او کذا ورنہ او اجل معلوم ومعرفة مقدار رأس المال
اذا کان یتعلق العقد علی مقداره کالکیل والمرزون والمعدود وتسمة المكان الذی
یوفیہ فیہ اذا کان له حمل ومؤنة.

لما فی الدر المختار: (۲/۵، طبع: سید)

وشرطہ بیان جنس و بیان نوع وصفة وقدر وأجل واقبلہ فی السلم
شہر و بیان قدر رأس المال و بیان مکان الا بناء

لما فی الفتاویٰ قاضی خان: (۲/۳، طبع: قدیمی)

ومن شرائط السلم أن يكون موجوداً من وقت العقد الى وقت محل الاجل فلا انقطاع
فی البین بوالا تقطاع أن لا يوجد فی الموق الذي بباع فيه فی ذلك المصير
الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا غفر عنہ
۳۰ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ فتویٰ نمبر: ۳۲۰۲

﴿کتاب الدعوی﴾

﴿نتیجہ کا چچا سے زمین کا مطالبہ کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ یاسین نے حمید اللہ سے ۱۲ سال پہلے زمین خریدی جو کہ حمید اللہ نے عزیز اللہ سے خریدی تھی اب جب یاسین نے اس زمین پر عمارت کھڑی کی اور زمین کی قیمت بھی بڑھ گئی تو عزیز اللہ جو بائع اول تھا کے نتیجے حفیظ اللہ نے اب یاسین پر براہ راست دعویٰ کیا کہ یہ زمین میری ہے جب میرے چچا نے بیٹی تھی اس وقت میں چھوٹا تھا لیکن اب دعویٰ کر رہا ہوں، لہذا زمین مجھے دید و اب پوچھنا یہ ہے کہ حفیظ اللہ کا براہ راست یاسین سے زمین کا مطالبہ درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو یاسین کس قیمت کو لیکر زمین حوالہ کرے قیمت خرید پر یا جواب زمین کی قیمت ہے اور جو عمارت بنائی ہے اس کا کیا ہوگا وضاحت کریں؟ مستفتی: غازی خان

تنقیح: زمین کا اصل مالک کیا حفیظ اللہ ہے؟ اگر حفیظ اللہ اصل مالک ہے تو اس کے چچا نے کیوں زمین بیچی کیا ایسا تو نہیں ہے کہ حفیظ اللہ یتیم تھا اور اس کا ولی صرف چچا تھا لہذا اس نے حفیظ اللہ کی ضرورت کے لئے بیچی ہوا اگر ایسا تھا تو کیا عزیز اللہ نے حکومت سے یا محلہ کے لوگوں سے پناہ کی صورت میں اجازت لی تھی؟

جواب تنقیح: زمین کا اصل مالک عزیز اللہ ہے اس نے یہ زمین خریدی ہے حفیظ اللہ زمین کا مالک نہیں ہے بلکہ یہ ہے کسی مطلق ملک کا دعویٰ کرتا ہے اور کبھی میراث کے ذریعے ملے کا مدعی ہے۔

﴿جواب﴾ اس زمین کا اصل مالک اگر عزیز اللہ تھا اس نے خود خریدی تھی پھر اپنی حیات میں خود اس نے حمید اللہ پر فروخت کی تھی اور حمید اللہ نے یاسین کو بیچ دی تو حفیظ اللہ اگرچہ عزیز اللہ کا

بھیجا ہے اس کا زمین سے کوئی تعلق نہیں، حفیظ اللہ کا صرف اس بلیا پر دھوکا کرنا کہ عزیز اللہ (اصل مالک) چونکہ میرا چچا تھا لہذا زمین میری ہے بالکل غلط ہے، میراث کے طور پر زمین کا دعویٰ کرنا صحیح ہوتا۔ اگر عزیز اللہ زمین اپنی حیات میں نہ بیچتے، جب بیچ دیا تو زمین عزیز اللہ کی ملکیت سے نکل گئی اب در ثناء کا کوئی حق متعلق نہیں ہوا لہذا یہ بات سمجھ سے دور ہے کہ حفیظ اللہ صرف اس بنیاد پر زمین کا دعویٰ کرے کہ عزیز اللہ چونکہ اس کا چچا تھا اور حفیظ اللہ سودا کے وقت چھوٹا تھا اب بڑا ہو گیا ہے تو عزیز اللہ نے اپنی زندگی میں اپنی ملکیت میں اگر تصرف کیا ہے اس کو کالعدم شمار کیا جائے، ہاں کوئی اور بات ہو اور سوال میں واضح نہ کی ہو تو الگ بات ہے اس لئے کہ مفتی غیب نہیں جانتا۔

لما فی قوله تعالیٰ (النساء پ ۵/۲۹) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَاكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق انجی

فتویٰ نمبر: ۳۷۷۲

۹ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿باپ اگر زمین کی تقسیم پر راضی ہو تو بیٹوں کا اعتراض مسموع نہیں ہوگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید، خالد، عمرو، عمران اور شریف آپس میں بھائی ہیں انہوں نے ۱۹۷۵ء میں باہمی رضامندی سے زمین تقسیم کی تھی۔ پھر اپنے اپنے حصوں پر قبضہ کر کے تصرفات بھی کر رہے ہیں یہاں تک کہ خالد اور شریف نے اپنی اپنی زمین کے کچھ حصے بھی بیچ دیے اس کے علاوہ پانچوں بھائیوں نے اپنی زمینوں میں ٹیوب ویل بھی لگائے ہیں اور ان میں سے تین بھائیوں خالد، عمران، شریف نے اپنی زمینوں میں گھر بھی بنائے ہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صورتحال اس طرح ہو گئی کہ خالد، عمران اور شریف کے حصے میں جو زمین آگئی تھی وہ مین روڈ اور گاؤں کے قریب تھی تو ان کے حصوں کی قیمت بڑھ گئی اب ۲۰۱۱ء میں زید اور عمرو کے بیٹوں نے مطالبہ کیا کہ تمام زمینوں کی نئی تقسیم ہوگی اور پرانی تقسیم جو ہو گئی ہے وہ ہمیں منظور نہیں ہے البتہ زید اور عمرو جب حیات تھے تو وہ اس تقسیم پر راضی تھے عمرو کا انتقال ۱۹۹۰ء میں ہو گیا ہے جبکہ زید کا انتقال ۲۰۰۱ء میں ہو گیا اب پوچھنا یہ ہے کہ زید اور عمرو کے بیٹوں کا نئی تقسیم کا مطالبہ کرنا اور ان کے اس مطالبہ پر پرانی تقسیم کا باطل کرنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں زید اور عمرو کے بیٹوں کا نئی تقسیم کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں ہے

اور ان کے اس دعویٰ کو نہیں سنا جائیگا اور نہ اس مطالبہ پر پرانی تقسیم باطل ہوگی اس لیے کہ ۳۵ سال تک ان کا اس زمین پر قبضہ کرنا اور اس سے استفادہ کرنا ان کی رضا مندی کی دلیل ہے مزید یہ کہ خالد اور شریف کا اپنی زمینوں کا کچھ حصہ بیچتے وقت ان کا دعویٰ نہ کرنا پرانی تقسیم پر رضا مندی کی دلیل ہے لہذا اب جو زید اور عمرو کے بیٹے نئی تقسیم کا مطالبہ کر رہے ہیں ان کے اس مطالبہ کو نہیں سنا جائیگا۔

ولما فی رد المحتار: (۵/۲۲۲، طبع: سعید)

إذا ترك الدعوى ثلاثاً وثلاثين سنة ولم يكن مانع من الدعوى ثم ادعى لا تسمع دعواه لان ترك الدعوى مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهراً وفي جامع الفتاوى عن فتاوى العتباتي قال المتأخرون من اهل الفتوى لا تسمع الدعوى بعد سنة وثلاثين سنة الا ان يكون المدعى غائباً او صبيّاً او مجنوناً وليس لهما ولي او المدعى عليه اميراً جائزاً ونقل ط عن الخلاصة لا تسمع بعد ثلاثين سنة ثم لا يخلو ان هذا ليس مبنياً على المنع السلطاني بل هو منع من الفقهاء فلا تسمع الدعوى بعده وان امر السلطان بسماعها

ولما فی رد المحتار: (۵/۲۲۲، طبع: سعید)

الثامن سماع الدعوى قبل مضي المدة المحدودة مقيد بما اذا لم يمنع منه مانع آخر يدل على عدم الحق ظاهراً الماسياتي في مسائل شتى آخر الكتاب من انه لا باع عقارا او غيره وامراته او احد اقاربه حاضر يعلم به ثم ادعى ابنه مثلاً ملكه لا تسمع دعواه وجعل سكوته كالانصاح قطعاً للتزوير والعيل.

ولما فی فتاویٰ قاضی خان: (۲/۱۲۳، طبع: قدیمی)

ومنہا ان يكون الحار عتبهينهما بعد ما اشهد كل واحد منهما على القبض واستيلاء الحق بمصلحة القمام ثم يقول احدهما حتى الذي في يدك وحقق الذي في يدي أو يقول قد قسمنا ذلك ولكن أخذت أنا بعض حتى دون بعض لا يسمع دعواه ولا الخصومة منه بعدما أشهد على القبض والاستيلاء.

ولما فی الہندیہ (۵/۲۲۶، طبع: رشیدیہ)

ادعى أحد المقتسمين الغلط في القسمة من حيث القيمة بأن ادعى غيباً في القسمة فان كان سيرا يدخل تحت تعويم المقومين لا تسمع دعواه ولا يثبت بران كان فاحشاً بحيث لا يدخل تحت تعويم المقومين فان كانت القسمة بالتقضاء لا بالقراض تسمع بيبته بالاتفاق بران كانت بقراض الخصمين لا بقضاء للقاضي لم يذكر في الكتاب روحى عن الفتية أبى جعفر أنه كان يقول ان قيل تسمع لله وجه بران قيل: لا تسمع لله وجه كذا في الفتاوى الصغرى وهو الصحيح وعليه الفتوى وذكر الاسهبجاني في شرحه هذا كله انه لم يخلص

بالاستیفاء، أما اذا أقر بالاستیفاء فإنه لا یصح دعواه للغلط والغبن الا اذا ادعى الغصب.

واللہ اعلم بالصواب: بרכת اللہ

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۲۸۱

۲۳ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ

﴿مدعی اور مدعی علیہ میں سے کسی ایک کی غیر موجودگی میں قاضی کے فیصلہ کا حکم؟﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) اسلامی نقطہ نظر سے قاضی مدعی اور مدعی علیہ میں سے کسی ایک کے خلاف اس کا موقف نے بغیر اس کی غیر موجودگی میں فیصلہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ (۲) فریقین کو اطلاع دینا کیا عدالت کی ذمہ داری ہے؟ اگر فریقین میں سے کسی کو اطلاع نہ ملے جس کی وجہ سے فیصلہ اس کے خلاف ہو جائے تو ایسی صورت میں کیا یہ فیصلہ ہمیشہ کیلئے نافذ العمل ہو جائیگا یا بعد میں حاضر ہونے کی صورت میں اس کو اپنا موقف واضح کرنے کا موقع دیا جائیگا؟ مستفتی: ایک نمازی ابو بکر صدیق مسجد

﴿جواب﴾ (۱) شریعت مطہرہ میں قاضی مدعی اور مدعی علیہ میں سے کسی ایک کے خلاف اس کا موقف نے بغیر اسی طرح اس کی غیر موجودگی میں فیصلہ نہیں دے سکتے البتہ صرف چند صورتوں میں کسی خاص مصلحت کے تحت قاضی اس طرح کا فیصلہ دیدیں تو وہ اس کے مجاز ہیں اور یہ ایسی صورت میں جب قاضی کو یقین ہو کہ اگر فریق کی حاضری تک فیصلہ کو مؤخر کر لیا، تو ایک جانب یقینی طور پر بڑا نقصان ہوگا، لیکن پھر بھی کچھ شرائط ہیں، جن کا لحاظ کرنا قاضی کیلئے ضروری ہے، مثلاً کوئی شادی شدہ عورت گواہوں سے ثابت کر دے، کہ اس کے شوہر نے نکاح میں رہنے یا نہ رہنے میں اس کو اختیار دیدیا تھا، اور نفقہ کا انتظام کئے بغیر وہ لاپتہ ہیں تو ایسی صورت میں قاضی تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے فریق ثانی کو اطلاع پہنچانے کی کوشش کریں گے، پھر بھی وہ حاضر نہ ہو تو اس کی جانب سے باقاعدہ ایک وکیل مقرر کریں گے، جو کہ فریق ثانی کے حقوق کی حفاظت کریگا، اب قاضی ضرورت اگر محسوس کرے تو اس کے خلاف فیصلہ دے سکتا ہے۔

(۲) فریقین کو اطلاع دینا چونکہ عدالت کی ذمہ داری ہے اس لئے اگر قاضی فریقین میں سے کسی کو اطلاع نہ دیں یا اطلاع دیں لیکن اس کو اطلاع نہ ملے اور فیصلہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے خلاف ہو جائے، تو حاضر ہونے کی صورت میں وہ دوبارہ استدعاء کر سکتا ہے۔

لما لی روح المعانی (پارہ ۲۳ سورہ ص آیت ۲۲)

(قال لقد ظلمک نعاہ)۔ لانہ معلوم من الشرائع انہ لا یحکم الحاكم الا بعد اجابة المدعی علیہ وجاء فی رواية انہ علیہ السلام لما سمع کلام الشاکي قال للآخر ما تقول فانظر فقال له لترجمن الی الحق أو لا کسرن الذی فیہ عیناک

ترجمہ: (علامہ آلوسی بغدادیؒ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں) کہ یہ بات تمام شرائع سے معلوم ہے کہ حاکم مدعی علیہ کے جواب دینے کے بعد ہی فیصلہ کریگا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ راڈ نے جب شکایت کرنے والے کے کلام کو سنا تو دوسرے سے کہا تم کیا کہتے ہو تو اس نے اقرار کیا (پھر) راڈ نے اس کو کہا کہ تم ضرور ہجر و حق کی طرف لوٹو گے یا میں تیرا سر پھوڑ دوں گا۔

ولما لی بذل المجہود (۴/۲۰۷ مکتبۃ الشیخ)

عن علی قال بعثنی رسول اللہ ﷺ الی الہمن قاضیا فقلت یا رسول اللہ ﷺ ترسلنی وانا حدیث السن ولا علم لی بالقضاء فقال ان اللہ سیہدی قلبک ویثبت لسانک فاذا جلس بین یدیک الخصمان فلا تقضین حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاول فانه احرى ان یتبین لک القضاء۔۔۔۔۔

قال الشیخ الامام المحدث الکبیر مولانا خلیل احمد السہارنپوری تحت الحدیث المذكور قال الخطابی فیہ دلیل علی ان الحاكم لا یقضی علی غائب وذلك اذا منعه ان یقضی لاحل الخصمین وما حاضرا حتی یسمع کلام الآخر فدل ذلك علی انه فی الغائب الذی لم یحضره ولم یسمع قوله لولی بالمنع۔۔۔۔۔ وکان ابو عبیدہ یری للقضاء علی الغائب ان یتیقن الحاكم ان فرلہ واستغفاءہ انما هو فرار من الحق ومعاندة للخصم۔

ترجمہ: حضرت علیؑ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے (قاضی بنا کر) بھیج رہے ہو حالانکہ میں کم عمر ہوں اور قضاء سے متعلق مجھے علم نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ آپ کے دل کی رہنمائی فرمائیں گے اور آپ کی زبان کو حق پر ثابت رکھیں گے، (البتہ چند باتوں کا خیال رکھئے چنانچہ) جب مدعی اور مدعی علیہ (فیصلہ کیلئے) آپ کے سامنے بیٹھ جائیں تو پہلے کی طرح دوسرے کا موقف سن کر فیصلہ کرنا، کیونکہ حق تک رسائی کیلئے یہ صورت اختیار کرنا زیادہ مفید و لائق ہے۔

علامہ خلیل احمد سہارنپوریؒ مذکورہ حدیث کے ذیل میں علامہ خطابؒ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ حاکم غائب کے خلاف (اس کی غیر موجودگی میں) فیصلہ نہیں سنائے گا، اور یہ اس لئے کہ جب آپ ﷺ نے حضرت علیؑ کو دونوں

تصمیم (یعنی مدعی اور مدعی علیہ) کے موجود ہوتے ہوئے کسی ایک کیلئے فیصلہ کرنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ دوسرے کے کلام کو وہ سنے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ غائب جو برے سے مجلس قضاء (عدالت) میں حاضر ہی نہ ہو اور نہ ہی (قاضی) نے اس کے موقف کو سنا ہو تو اس صورت میں (فیصلہ دینا) بطریق اولیٰ ممنوع ہونا چاہیے..... اور ابو عبیدہ ایک صورت میں قضاء علی الغائب (یعنی کسی خصم کی غیر موجودگی میں فیصلہ دینے) کو جائز سمجھتے ہیں وہ یہ کہ جب قاضی کو یہ یقین ہو کہ غائب کار و پوش ہونا اور بھاگ جانا تعنت اور حق سے فرار ہونے پڑی ہے۔ یہاں تک تو قرآن کریم اور احادیث رسول اللہ ﷺ سے دلائل پیش کئے ذیل میں فقہاء کرام کے معتبر فتاویٰ سے حوالے ملاحظہ ہوں۔

ولما فی التنبیہ مع الدر (۵/۴۰۹ سمیعہ)

(ولا یقضی علی غائب ولا لہ) لا یصح بل ولا ینتذ علی الملتقی بہ بحر (الا بحضور نائبہ) الی من یقوم مقام الغائب (حقیقۃ کو کیلہ.....)
قال الشامی تحت قولہ (ولا یقضی علی غائب) ای بالبیہت سولہ کان غائبا وقت الشہادۃ و بعد ما و بعد التزکیۃ و سواء کان غائبا عن المجلس او عن البلد..... قوله (لا یصح) لکما فی الفتح من ان حضرة الخصم لیتحقق انکارہ شرط لصحة الحكم بحر (قولہ بل ولا ینتذ) فہذہ العبارة غیر محررة لان نفي الصحة یتلزم عدم التنازع ایضا فالحكم صحيح وانما الخلاف فی نفاذہ بدون تنفیذ قاض آخر کما افادہ ح ولذا فصر فی البحر کلام الکفر لعدم الصحة ثم قال: والاولی ان یلصر لعدم التنازع لقولہم اذا انتذ قاض آخر یراء فانه ینتذ.....

ولما فی التنبیہ مع الدر والرد (۵/۴۱۴، ۴۱۵ سمیعہ)

(ولو قضی علی غائب بلا نائب ینتذ) لہی اظهر الروایتین عن اصحابنا ذکرہ ملا خسرو فی باب خيار العيب (وقیل لا ینتذ) ورجعہ غیر واحد ولی المنیۃ والہزایۃ وجمع الفتاوی ورجعہ فی الفتح توقفہ علی امضاء قاض آخر ولی البحر و المعتدان القضاء علی المستغر لا يجوز الا للضرورة وہی فی خمس مسائل: اشترى بالخيار فتوارى اختفى السکلول لہ، حلف لیوفینہ الیوم فتغيب الدائن، جعل امرها بیدہا ان لم تصل نفلتها فتغيب، الخامسة اذا توارى الخصم فالمتأخرون أن القاضی ینصب وکیلًا فی الكل وهو قول الثاني خاتمة.

قلت و نقل شراح الوہابیۃ عن شرح ادب القاضی انه قولہ الكل و ان القاضی یختم بیہ مدہ براہا ثم ینصب الوکیل

وقال الشامی تحت قولہ (ولو قضی علی غائب الخ) ای قضی من ہری جولہ

کشافی لا جماع الحنفیة علی أنه لا یقضى علی غائب کما ذکره الصدر الشہید فی شرح ادب القضاء کذا حلقه فی البحر والعاصم انه لا خلاف عندنا فی عدم جواز القضاء علی الغائب وانما الخلاف فی انه لو قضی به من یری جوازه ولا یقضى علی غائب بیان لحکم المذهب

وقال فی جامع المصولین: قد اضطربت أرائهم وبیانهم فی مسائل الحکم للغائب وعلیه ولم یصف ولم یقتل عنهم اصل قوی ظاهر یبنی علیه الفروع بلا اضطراب ولا اشکال لما لظاهر عندی ان بتأمل فی الوقائع ویمتاط ویلاحظ الحرج والضرورات فیفتی بحسابها جوازا أو فسادا مثلاً لو طلق امرأه عند العطل لغاب عن البلد ولا یرف مکانه، أو یرف ولكن یعجز عن احضاره أو عن أن تسافر الیه می أو وکیلها البعده أو لسانه آخر وكذا المدیون لو غاب وله نقد فی البلد أو نحو ذلك ملکی مثل هذا لو برهن علی الغائب وغلب علی ظن القاضی أنه حق لاتزویر ولا حيلة فیه، فینفی أن یحکم علیه وله، بكذا لفتی أن یفتی بجوازه دفعا للحرج والضرورات وصيانة للمعقوق عن الضیاع مع أنه مجتهد فیه قلت: یرزیده ما یأتی قریباً فی المصخر وكذا ما فی الفتح من باب المفقود لا یجوز القضاء علی الغائب الا اذا رأى القاضی مصلحة فی الحکم له وعلیه فحکم فانه ینتقل لانه مجتهد فیه قلت وظاهره ولو کان القاضی حقیقاً ولو فی زماننا ولا یناقی ما مر لان تجویز هذا للمصلحة والضرورة

ولما فی الرد المحتار (۲۱۵/۵) سمید

(قوله الخامسة الخ) لا کر فی شرح ادب القاضی لو قال رجل للقاضی لی علی فلان حق وقد تولی عنی فی منزله فالقاضی یکتب الی الوالی فی احضاره فان لم یظفر به وسأل الطالب الختم علی بابہ فان اتی بشاهدین انه فی منزله وقالا رأیناه منذ ثلاث ايام لو اقل ختم علیه لا ان زاد علی ثلاث والصحیح انه مفوض الی رأى المحاکم لما اذا ختم وطلب المدعی ان ینصب له وکیلاً بعث القاضی الی داره رسولاً مع شاهدین ینادی بحضورهما ثلاث ايام فی کل یوم ثلاث مرات یا فلان بن فلان ان القاضی یقول حضر مع خصمک فلان مجلس القاضی والا نصبت لک وکیلاً وقبلت بینه فان لم یخرج نصب له وکیلاً وسیع شهود المدعی وحکم علیه بحضور وکیلہ ملخصاً

ولما فی رد المحتار (۲۸۱، ۲۸۴/۲) مکتبه ما جده کر نله

لذا امتنع المدعی علیه من الحضور من ارسل وکیل الی المحکمة ولم یکن جلده واحضاره بدعی الی المحاکمة بطلب المدعی بان یرسل الیه ثلاث مرات وراقته الدعوی المخصوصة بالمحکمة فی ايام مختلفتان لم یحضر ایضاً بله القاضی بانه سینصب وکیلاً وسیع دعوی مدعی وبنیه فان لم یحضر المدعی علیه بعد ذلك الی المحاکمة لم یرسل وکیلاً نصب له القاضی وکیلاً یحافظ علی حقوقه وسیع الدعوی والبیعتی مواجهة الرکیل المذكور نقلاً فان تحقق انها مقارنتاً لمصلحة حکم بالدعوی بهذا الخبر

حکومت کی طرف سے متعین ہوتے ہیں اور عوام کے مسائل حل کرتے ہیں لیکن اس فیصلہ پر عمل نہ ہو سکا، ایک تو اس وجہ سے کہ ساجد نے علاقے کے سرکاری لوگوں سے دوستی بنائی تھی اور ان کو پیسے دیے تھے یعنی پولیس والوں کو اور انہوں نے کاغذات میں مدعی علیہ کے نام زمین لکھی تھی جس کی وجہ سے وہ قبضہ نہ کر سکے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ مدعی سادہ آدمی تھا ان کو سرکاری معاملات سے کوئی تعلق نہیں تھا جس کی وجہ سے اپنی زمین پر قبضہ کرنا اسکے لئے مشکل رہا اور لوہوں نے جو فیصلہ کیا تھا اس فیصلے کے کاغذات ساجد کے ہاتھ آئے ہیں، اس کے پاس ہیں، ساجد خود بھی علاقے کا بڑا آدمی تھا، اس کے پاس طاقت تھی جب اس کو پتہ چلا کہ فیصلہ زید کے حق میں ہوا تو اس نے کاغذات پر قبضہ کیا جو ابھی تک اس کے پاس ہیں۔ مستفتی: محمد نصیر کورگی

﴿موجز﴾ (۱) زید چونکہ شروع سے دعویٰ کرتا رہا اور خصوصاً جب لوہوں نے بھی اس کے حق میں فیصلہ کیا تھا، لہذا اب اسکی اولاد کو دعویٰ کرنے کا حق حاصل ہے اگرچہ زمانہ لمبا گزرا ہے، یعنی قاضی کے پاس اس کی شکایت کر سکتی ہے، قاضی تحقیق کر کے زندہ اولاد کے حق میں فیصلہ دیدے تو ان کے لئے لینا جائز ہوگا ورنہ نہیں اگر زید دعویٰ نہ کرتا تو اسکی اولاد کا دعویٰ معتبر نہ ہوتا۔

لسانی دررالحکام (۲/۳۱۰-۳۱۱، المادہ ۱۶۶۶ طبع ماجدیہ)

اذا ادعی احد علی آخر خصوصاً فی حضور القاضی فی کل بضعت سنوات مرۃ ولم تحصل دعواه و مر علی هذا الوجه خمس عشرة سنۃ فلا یكون مانعاً من استماع الدعوی۔

(۲) اور زمین چونکہ ساجد کے قبضے میں ہے، لہذا ادعویٰ ساجد کی اولاد پر کریں گے، مگر پر دعویٰ

نہیں کریں گے۔

لسانی الہدایہ (۲/۲۰۹ طبع رحمانیہ)

و ذکر انہ فی بدالدعی علیہ لا بدمنہ لانہ انما یتعصب خصماً اذا کان فی یدہ۔

(۳) دعویٰ کے لئے دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے

علاقے میں شہرت دعویٰ کے لئے کافی نہیں ہے، البتہ اگر اصلی گواہوں میں سے ایک مر گیا ہے تو پھر قاضی مدعی علیہ سے قسم بھی لے سکتا ہے۔

لسانی الہدایہ (۲/۱۱۱ طبع رحمانیہ)

و ماسوی ذلک من العتوق بقبل فیہا شہادۃ رجلین اور رجل وامرأتین سواء کان الحق مالاً أو غیر مال۔ فیہا (ص ۲۱۰) وان عجز عن ذلک و طلب یمین خصمہ استحلہ۔

(۴) اگر قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کر لے تو مدعی کو مدعی علیہ سے زمین کی قیمت لینا جائز نہیں، البتہ اگر کسی خاص مقدار پر صلح ہو جائے تو صلح کی صورت میں مدعی پیسے بھی لے سکتا ہے وہ پیسے آپس میں جتنی مقدار میں بھی متعین کریں۔

لما فی التنبیہ مع الدر والرد: (۵/۱۱۳، طبع سعید)

(و حکمہ قبول الاجارۃ) اذا کان البائع والمشتري والمبيع قاننا: (قرلہ من المالک)
اھادانہ لاتجوز اجارۃ وارثہ.

واللہ اعلم بالصواب: ذیشان احمد ملازلی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۹۵۷

۴ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿اپنے حق کے وصولیابی کیلئے حق سے زیادہ کا دعویٰ کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ موجودہ دور میں اپنا حق وصول کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے اور مذہبی رجحان رکھنے والوں کیلئے زیادہ مشکلات کا سامنا ہوتا ہے کیونکہ بذریعہ عدالت اپنا حق اس وقت تک وصول نہیں ہوتا جب تک کہ جھوٹ نہ بولا جائے یا جھوٹی گواہی نہ لی جائے۔

مثلاً کسی آدمی نے دوسرے سے اپنا حق جو کہ پچاس ہزار ہے وصول کرنا ہو اور وہ دعویٰ کر دے تو عدالت نصف رقم کی ادائیگی کا فیصلہ سنا دیتی ہے جو کہ حقدار کیلئے قابل قبول نہیں ہوتا لیکن اگر وہ اپنے حق سے کچھ زیادہ مثلاً ایک لاکھ کا دعویٰ کرے تو اسکو اپنا حق پورا وصول ہونے کی توقع ہوتی ہے تو کیا اس صورت میں اپنے حق سے زیادہ کا دعویٰ کرنا جائز ہے؟ جبکہ آدمی کی نیت یہ ہے کہ اپنے حق سے زیادہ رقم ملنے کی صورت میں زائد رقم مالک کو واپس کر دیکے، واضح رہے کہ عدالتوں میں سچ بولنے پر حلف لیا جاتا ہے کہ میں نے جو دعویٰ کیا ہے سچ ہے جھوٹ نہیں۔

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ شریعت میں صریح جھوٹ بولنا حرام اور موجب ہلاکت ہے جبکہ سچ بولنا باعث نجات ہے، اس لئے صاف جھوٹ بولنا تو ہرگز جائز نہیں ہے، البتہ اپنے حق کے وصولیابی کیلئے تعریض اور توریہ کی اجازت ہے یعنی ایسی بات کہ بظاہر جھوٹ ہو لیکن حقیقت میں وہ جھوٹ نہ ہو اسکی گنجائش ہے، سوال میں ذکر کردہ صورت میں تعریض و توریہ کی صورت اختیار کرنا بڑا مشکل ہے، اس لئے کہ واضح روپے اور خاص تعداد کا دعویٰ ہے، البتہ روپوں کا ذکر کئے

(۴) اگر قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کر لے تو مدعی کو مدعی علیہ سے زمین کی قیمت لینا جائز نہیں، البتہ اگر کسی خاص مقدار پر صلح ہو جائے تو صلح کی صورت میں مدعی پیسے بھی لے سکتا ہے وہ پیسے آپس میں جتنی مقدار میں بھی متعین کریں۔

لمالی القنوی مع الدر والرد: (۱۱۳/۵، طبع سعید)

(و حکمہ قبول الاجارۃ اذا کان البائع والمشتري والمبيع قاندا: (قوله من المالك)
المادانہ لاتجور اجارۃ وارثہ.

واللہ اعلم بالصواب: ذیشان احمد ملازکی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

توئی نمبر: ۲۹۵۷

۴ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿اپنے حق کے وصولیابی کیلئے حق سے زیادہ کا دعویٰ کرنا﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ موجودہ دور میں اپنا حق وصول کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے اور مذہبی رجحان رکھنے والوں کیلئے زیادہ مشکلات کا سامنا ہوتا ہے کیونکہ بذریعہ عدالت اپنا حق اس وقت تک وصول نہیں ہوتا جب تک کہ جھوٹ نہ بولا جائے یا جھوٹی گواہی نہ لی جائے۔

مثلاً کسی آدمی نے دوسرے سے اپنا حق جو کہ پچاس ہزار ہے وصول کرنا ہو اور وہ دعویٰ کر دے تو عدالت نصف رقم کی ادائیگی کا فیصلہ سنا دیتی ہے جو کہ حقدار کیلئے قابل قبول نہیں ہوتا لیکن اگر وہ اپنے حق سے کچھ زیادہ مثلاً ایک لاکھ کا دعویٰ کرے تو اسکو اپنا حق پورا وصول ہونے کی توقع ہوتی ہے تو کیا اس صورت میں اپنے حق سے زیادہ کا دعویٰ کرنا جائز ہے؟ جبکہ آدمی کی نیت یہ ہے کہ اپنے حق سے زیادہ رقم ملنے کی صورت میں زائد رقم مالک کو واپس کر دیگا، واضح رہے کہ عدالتوں میں سچ بولنے پر حلف لیا جاتا ہے کہ میں نے جو دعویٰ کیا ہے سچ ہے جھوٹ نہیں۔

﴿مولا﴾ واضح رہے کہ شریعت میں صریح جھوٹ بولنا حرام اور موجب ہلاکت ہے جبکہ سچ بولنا باعث نجات ہے، اس لئے صاف جھوٹ بولنا تو ہرگز جائز نہیں ہے، البتہ اپنے حق کے وصولیابی کیلئے تعریض اور توریہ کی اجازت ہے یعنی ایسی بات کہ بظاہر جھوٹ ہو لیکن حقیقت میں وہ جھوٹ نہ ہو اسکی گنجائش ہے، سوال میں ذکر کردہ صورت میں تعریض و توریہ کی صورت اختیار کرنا بڑا مشکل ہے، اس لئے کہ واضح روپے اور خاص تعداد کا دعویٰ ہے، البتہ روپوں کا ذکر کئے

بغیر عدد اور پیسوں کا دعویٰ کرے اور اظہار یہ معلوم ہو کہ اتنے روپوں کا دعویٰ ہے تو اسکی گنجائش ہے، اس لئے کہ پیسوں کی تعداد تو لاکھ سے بھی زیادہ ہوتی ہے جو کہ سچ ہے تبوٹ نہیں ہے۔

لما فی الدر مع الرد (۱/۲۲۶، طبع سعید)

الکذب مباح لا یماء حلقه ودفع الظلم عن نفسه والمراد التعريض لان عين الکذب حرام۔۔۔ ولى الشامة (اوله قال) اى صاحب المجتبى قال عليه الصلاة والسلام "لن کذب حرام الا لثلاثة الرجل مع امراته او ولده والرجل يصلح بين الذین والحرب لئال الطحمارى وهیره: هو محمول على المعارض، لان عين الکذب حرام قلت: وهو الحق قال تعالى - لئن لئن الخراصون - وقال عليه الصلوٰۃ والسلام: "الکذب مع الفجور ومما لى النار" ولم یلعن عين الکذب للذبحاء ولتحصيل الحرام ا۔

والله اعلم بالصواب: عبید اللہ عابدی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

لتوی نمبر: ۲۳۹۲

۸ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

﴿کتوں کی نشاندہی کرنے سے کسی کو چور قرار نہیں دیا جاسکتا﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں جب کسی کی چوری ہو جائے تو چور کو پکڑنے کا طریقہ یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ تربیت یافتہ بچے منگوائے جاتے ہیں جو چوری والے گھر سے قدموں کے نشانات وغیرہ سونگھ کر اس جگہ کی نشاندہی کرتے ہیں جہاں چور موجود ہو، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اس طرح سے کہتے جس جگہ یا گھر کی نشاندہی کریں تو اس گھر کے کینوں پر چوری کا الزام لگایا جاسکتا ہے جبکہ اس گھر والے انکار کرتے ہوں اور قسم کھانے کو بھی تیار ہوں؟

مستفتی: ممتاز خان

﴿مولا﴾ واضح رہے کہ شریعت نے دوسرے آدمی پر کسی چیز کو ثابت کرنے کیلئے دو صورتیں بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ مدعی علیہ خود اقرار کرے دوسری یہ کہ مدعی قاضی کے سامنے گواہوں کے ذریعے دعویٰ ثابت کرے تو مدعی علیہ پر وہ چیز لازم ہو جاتی ہے۔

مذکورہ صورت میں چونکہ مدعی کے پاس نہ گواہی ہے اور نہ مدعی علیہ کی طرف سے اقرار ہے بلکہ انکار کر رہا ہے اور قسم دینے کیلئے بھی تیار ہے، لہذا اس شخص پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا، کتوں کی نشاندہی کو زیادہ سے زیادہ قرینہ کی حیثیت دے سکتے ہیں، گواہی کی حیثیت نہیں دے سکتے بلکہ کتوں سے چور کی نشاندہی کرنا جیسا کہ رائج ہے سخت گناہ ہے، اس لئے کہ اس سے بدگمانی پھلتی

ہے اور بسا اوقات ایک پاکدامن آدمی پر غلط الزام لگ سکتا ہے اور کتوں سے چور کا پتہ لگانے کا یہ عمل تمام لوگوں کے سامنے ہوتا ہے جبکہ کسی مسلمان پر غلط الزام لگانے کی قرآن و حدیث میں بڑی شاعت بیان ہوئی ہے۔

لما فی التنبؤ مع الدر: (۴/۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱، طبع سعید)

(رسال القاضي المدعی علیہ) عن الدعوی فیقول انه ادعی علیک کذا فماذا تقول (بعد صحتها والا تصدر صحيحة) (لا يسأل لعدم وجوب جوابه) (ان اقر) (لبها لان دعوى الفعل كما تصح على ذي اليد تصح على غيره) (او انكر فبهر من المدعى قضى عليه) بلا طلب المدعى (والا) (بهر من) (حلفه) (الحاكم) (بعد طلبه) (اذ لا بد من طلبه اليمين في جميع الدعاوى الا عند الثاني في أربع على مافى البزاية).

ولما فی الهدایة: (۳/۲۱۱، طبع رحمانیہ)

واذا نكل المدعى عليه عن اليمين قضى عليه بالنكول والزمه ما ادعى عليه.

ولما فی المظہری: (۵/۳۳۹، طبع رشیدیہ)

(ولا تنف ما ليس لك به علم) ای مالم يتعلق به علمك بالعس أو الخبر الصادق أو البرهان..... قال مجاهد رحمه الله: معناه لا ترم احدا بما ليس لك به علم.

ولما فی روح المعانی: (۵/۹۴، طبع رشیدیہ)

(ولا تنف ما ليس لك به علم) ای لا تتبع ما لا علم لك به من قول أو فعل أو حاصله يرجع إلى نهى عن الحكم بما لا يكون معلوماً أو ينترج في ذلك..... وحديث معاذ بن انس: من قفا من مأبالميس فيه يندشينه به حبسه الله تعالى على جسر جهنم حتى يخرج مقال.

والجواب صحیح: عبد الرحمن عفا الله عنه

والله اعلم بالصواب: سلمان احمد

فتویٰ نمبر: ۲۰۶۸

۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

﴿کسی دوسرے پر کسی چیز کو لازم کرنے کیلئے گواہوں کی گواہی یا مدعی علیہ کا اقرار ضروری ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک شخص کی چوری ہوگئی، اس نے دوسرے شخص پر

دعویٰ کیا لیکن دوسرا شخص نہیں مان رہا ہے اور مدعی کے پاس گواہ بھی نہیں ہے، البتہ ایک مولا نا

صاحب کوزے پر کچھ عمل پڑھتے ہیں اور پرچیوں پر مشتبہ افراد کے نام لکھتے ہیں جس پرچی پر کوزہ

مکھوم جاتا ہے تو اسی نام کے آدمی کو چور شمار کیا جاتا ہے کیا صرف اسی وجہ سے اس شخص کو چور قرار

دیا جاسکتا ہے اور چوری کیا ہو مال اس پر لازم کیا جاسکتا ہے؟ مستفی: حضرت علی

﴿مولا﴾ واضح رہے کہ شریعت نے دوسرے شخص پر کسی چیز کو ثابت کرنے کیلئے دو

صورتیں بیان فرمائی ہے ایک یہ کہ مدعی علیہ خود اقرار کرے دوسری یہ کہ مدعی قاضی کے سامنے گواہوں کے ذریعے دعویٰ ثابت کرے تو مدعی علیہ پر وہ چیز لازمی ہو جاتی ہے۔

مذکورہ صورت میں چونکہ مدعی کے پاس نہ گواہی ہے اور نہ مدعی علیہ کی طرف سے اقرار ہے، لہذا اس دوسرے آدمی پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا، البتہ قاضی اس سے قسم دلوائے گا اگر قسم کھالے تو بری ہو جائیگا ورنہ قید کیا جائے یہاں تک کہ اقرار کر لے یا قسم کھالے مولانا صاحب کے اس طرح کے عمل کو ایسی حیثیت دینا جسکی وجہ سے اس شخص کو یقینی طور پر چور تصور کیا جاتا ہے ہرگز جائز نہیں ہے بلکہ اس طرح کا عمل کرنا بھی جائز نہیں ہے اس سے بدگمانی کو تقویت ملتی ہے، بلاشبہ ہمارے بزرگوں نے ایسے اعمال بتا دیئے ہیں لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس کو یقین کا درجہ نہیں دینا، لہذا انتہائی میں لوگوں میں ظاہر کئے بغیر اپنے لئے کوئی ایسا عمل کرے اور صرف قرینہ کا درجہ اس کے نتیجہ کو دے تو اسکی گنجائش ہے۔

لما فی التقریر مع القدر: (۲۲۹/۴-۲۳۰-۲۳۱، طبع سعید)

(وبسأل القاضي المدعى عليه) عن الدعوى فيقول انه ادعى عليه كذا فاما اذا تقول (بعدمصحتها) والا تصد صعيحة (لا) بسأل لعدم وجوب جوابه (فان اقر فبها لان دعوى للعمل كما تصح على ذي اللب تصح على غيره) (لو انكر فبهر من المدعى قضى عليه) بلا طلب (والا) بغير من (حلفه) (الحاكم) (بعدمطلبه) (الا بدمن طلبه اليمين في جميع الدعاوى الا عند الثاني في اربع على مافي البرازية).

ولما في الهدية: (۲۱۱/۳، طبع رحمانیہ)

واذا نكل المدعى عليه عن اليمين قضى عليه بالنكول والزمه ما ادعى عليه.

ولما في البحر: (۲۰۲/۴، طبع سعید)

(فماذا صنعت للدعوى سال المدعى عليه عنها) (لینکشف وجه الحكم وملهمه انها اذا لم تصح لا يسأله القاضي عنها لعدم وجوب الجواب والقوى على قول أبي يوسف فيما يتعلق بالقضاء كما في القنية والبرازية) (لذا أفتيت بأن يحبس الى أن يجيب).

والجواب صحیح: محمد الرحمن عفا الله عنه

والله اعلم بالصواب: سلمان احمد

تقریر نمبر: ۱۹۷۷

۳ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿دوسرے کی ملکیت میں کسی کو دعویٰ کرنے کا حق نہیں ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ (۱) عبدالتین نے اپنی ذاتی رقم سے کراچی

میں پلاٹ خریدا ہے تو کیا محمد علی عبدالتین کا بھائی جو گاؤں میں رہتا ہے والد صاحب کی ذمہ داری کے بعد عبدالتین کی ذاتی رقم سے خریدے گئے پلاٹ میں جسے کاحق رکھتا ہے یا نہیں؟

(۲) عبدالتین نے چچا کا حصہ اپنی ذاتی رقم سے خریدا ہے اس میں محمد علی کاحق ہے یا نہیں؟
 (۳) ٹھیکے کی زمین سے چچا کے جسے کو عبدالتین اور بیٹے بھائی والا محمد شفیع مرحوم نے ذاتی رقم سے خریدا ہے اس میں بھائی محمد علی کاحق بنتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: عبدالتین صاحب
 ﴿مجموعہ﴾ (۱) عبدالتین کی ذاتی کمائی سے خریدے گئے پلاٹ یا مکان میں محمد علی کا شرعا کوئی حق نہیں ہے۔ (۲) عبدالتین نے چچا کا جو حصہ اپنی ذاتی رقم سے خریدا ہے اس میں بھی محمد علی کو شرعا مطالبے کا کوئی حق نہیں ہے۔ (۳) عبدالتین اور والد محمد شفیع مرحوم دونوں نے مل کر ٹھیکے کی زمین سے جو چچا کا حصہ خریدا ہے اس میں بھی محمد علی کا شرعا کوئی حق نہیں ہے۔

لما فی السرقاء شرح المشکوۃ (۱/۱۳۵، مطبع رشیدیہ)

(لا یحل مال امرئ اى مسلم او نسى) (الابیطیب نقس منہ) ای ہمار اور رضا۔

الجواب صحیح عبدالرحمن بن عفا اللہ عنہ والفقہ اعظم بالصواب: محمد سجاد

فتویٰ نمبر: ۱۸۱۹

۱۳۳۰/۲

﴿مضارفت مقدمہ جموٹے مدعی کے ذمہ ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی پر غلط دعویٰ کیا اور عدالت میں اس پر مقدمہ دائر کر دیا، اب مدعی علیہ نے اس سے جان چھڑانے کے لئے وکیل کا خرچہ کیا اور عدالت کے چکر لگائے، عدالت نے بھی مدعی کا دعویٰ غلط قرار دے دیا اور مدعی علیہ کو بری کر دیا، آپ حضرات سے یہ پوچھنا ہے کہ کیا مدعی علیہ اب مدعی سے وکیل اور دیگر امور کا خرچہ لے سکتا ہے؟ مستفتی: عبدالحکیم کوہاٹ

﴿مجموعہ﴾ مذکورہ بالا صورت میں مدعی علیہ مدعی سے وکیل کا خرچہ اور دیگر امور جن کا براہ راست مقدمہ سے تعلق ہے کا خرچہ وصول کر سکتا ہے لیکن جو کام مدعی علیہ نے اپنی سہولت کے لئے انجام دیے ہوں اور اس سلسلہ میں مال خرچ کیا ہو تو اس طرح کے خرچے مدعی سے وصول نہیں کیے جاسکتے۔

اور یہ ایسا ہے جس طرح کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا مال دبانے یا اس کو نقصان پہنچانے

کے لئے خاتم بادشاہ، چوہدری یاسر دار کے پاس اس کی تاحق شکایت لگائے اور وہ خاتم اس کے مال وغیرہ پر قبضہ کر لے تو شرعی شکایت کرنے والا اس کے نقصان کا ذمہ دار قرار پائے گا اور اس سے نقصان وصول کیا جائے گا۔

لما فی تنقیح العامدیة (۲/۱۲۰، طبع موقع الاسلام بیروت)

الفتی المتأخرون ان للمشکی ان یرجع بما غرم علی الشاکي وسئل عن شخص تسبب فی غرامت شخص عند بعض الظلمة واغرام علیہ حتی غرم مالا للظلمة هل یلزم المتسبب أم لا؟ (الجواب) اذا تعاون شخص ورفعه الی الظالم وعادة الظالم ان من رفع الیه وتمررون علیہ عنده ان یأخذ منه مالا مصادره. یضمن الشاکي فی هذه الصرورة ما اخذه الظالم. هنا امر الفتی به. الفتی به المتأخرون من علمائنا.

ولما فی مجمع الضمانات: (ص ۲۸۰، طبع دار الکتب العلمیة)

لوروق فی قلبه انه یجئ الی امره ته اوامته فرفع الی السلطان لغرمه وظنیر کذبہ لم یضمن الساعی عند الشیخین وضمن عند معمدوبه یفتی لغلطة السعایة فی زماننا.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: منزل شاہ ولی مروت

فتویٰ نمبر: ۱۷۷۹

۱۸ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

﴿ کتاب الحوالہ ﴾

﴿ حوالہ کرنے کی ایک صورت ﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں حدایت اللہ غیاث

الدین کا دس "۱۰۰۰۰" ہزار روپے کا مقروض ہوں، ایک دن غیاث الدین نے مجھ سے اپنا قرض لینے

کا مطالبہ کیا، تو میں نے غیاث الدین سے کہا حسین نے مجھ سے زبردستی دس "۱۰۰۰۰" ہزار روپے

لئے ہیں وہ آپ کو دے دیگا، غیاث الدین نے جب حسین سے رابطہ کیا تو حسین نے کہا کہ ٹھیک ہے

میں آپ کو دے دوں گا، چند دن کے بعد جب غیاث الدین حسین کے پاس گیا تو حسین نے کہا کہ

بھائی وہ رقم مجھ سے ضائع ہو گئی، اب میں آپ کو نہیں دے سکتا ہوں، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا غیاث

الدین اب مجھ سے مطالبہ کرنے کا حق رکھتا ہے، یا غیاث الدین حسین ہی سے مطالبہ کرے؟

﴿مولا﴾ غیاث الدین یعنی آپ کے قرض خواہ نے جب آپ کی اس پیش کش کو قبول

کر لیا کہ وہ اپنا قرضہ حسین سے وصول کر لے گا اور حسین نے بھی غیاث الدین کو قرضہ ادا کرنے کا

بعدہ کر لیا تو حسین شرعاً غیاث الدین کا مقروض ہو گیا، اس پر لازم ہے کہ غیاث الدین کو مذکورہ رقم دیدے، حسین کے پاس اگرچہ وہ رقم اب ضائع ہو گئی ہے اس سے وہ بری الذمہ قرار نہیں پاتے، وہ بدستور اصلہ آپ کا مقروض ہے اور اب حوالہ قبول کرنے کی وجہ سے غیاث الدین کا مقروض قرار پائے گئے ہیں،

البتہ حسین اگر اداء نہیں کر رہا ہے اور شرمی حکم معلوم ہونے کے باوجود اداء کرنے سے انکاری ہے تو غیاث الدین کو آپ سے مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے۔

لما فی الہدایۃ: (۲/۱۳۶، طبع: رحمانیہ)

قال وتصح الحوالة برضا المعيل بوالمحتال بوالمحتال عليه
ولما فی الہدایۃ: (ج ۲/ص ۱۳۷، طبع: رحمانیہ)

ولا يرجع المحتال على المعيل الا ان يتوى حقه وقال الشافعي "لا يرجع وان توى لان البراءة قد حصلت مطلقة فلا يعود الا بسبب جديد بولنا انها مقيدة بسلامة حقه له اذ هو المقصود او تنسخ الحوالة لفواته لانه قابل للفسخ فصار كوصف السلامة في السبيع .

قال والتوى عند ابي حنيفة احد الامرين اما ان يجعد الحوالة ويحلف ولا يبتة له عليه أو يموت مفلسا لأن العجز عن الوصول يتحقق بكل واحد منها وهو التوى في الحقيقة،
ولما فی مجمع الانهر: (۲/۲۰۶، طبع: منار)

ولا يرجع عليه الا اذا توى حقه وهو يموت المحتال عليه مفلسا او انكاره الحوالة وحلله ولا يبتة عليها وعندهما بتقليس القاضي اياه
ولما فی الدر المختار: (۵/۳۲۴ تا ۳۲۵، طبع: سعید)

ولا يرجع المحتال على المعيل الا بالتوى (بالقصر ويمد هلاك المال لأن براءته مقيدة بسلامة حقه وقيد في البحر بأن لا يكون المعيل هو المحتال عليه ثانيا (وهو) باحد أمرين (ان يجعد) المحال عليه (الحوالة) ويحلف ولا يبتة له (اي) لمحتال ومحيل (أو يموت) (المحال عليه) (مفلسا) بغير عين ودين وكفيل
ولما فی الهندية: (۲/۲۸۱، طبع: قدیمی)

ولم يرجع المحتال على المعيل الا أن يتوى عند ابي حنيفة احد الامرين اما أن يجعد المحتال عليه الحوالة ويحلف ولا يبتة للمحيل ولا للمحتال له، أو يموت مفلسا.

والله اعلم بالصواب: عزيز الله آغا غفر له

الجواب صح: عبد الرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۳۳۰۴

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

﴿حوالہ میں دین کا معلوم ہونا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب زید میرا دوست ہے کچھ دن پہلے ایسا ہوا کہ ہم دونوں ایک جگہ موجود تھے تو اچانک عمر آ کر زید سے اپنے دین کا مطالبہ کرنے لگا چونکہ زید کے پاس پیسے نہیں تھے اور وہ بار بار مطالبہ کر رہا تھا تو میں نے ہوا کہ اس کو تھوڑوٹس دے دوں گا اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ دین کتنا ہے اور میں نے پوچھا بھی نہیں کچھ دیر بعد مجھے معلوم ہوا کہ دین ایک لاکھ روپیہ ہے جو میرے لیے ادا کرنا کافی مشکل ہے اور میں اس پر راضی نہیں ہوں تو کیا میرے ذمہ دین ادا کرنا لازم ہے؟

﴿جواب﴾ آپ نے زید کا قرضہ اپنے ذمہ لیا شرعی اصطلاح میں اسکو ”حوالہ“ کہتے ہیں حوالہ صحیح ہونے کیلئے ضروری ہے کہ قرضہ معلوم ہو، آپ کو چونکہ معلوم نہیں تھا اب معلوم ہوا اس لیے ذمہ داری قبول کرنے سے آپ چاہیں تو انکار کر سکتے ہیں۔

لسا فی الشامی: (۲۲۲/۵) مطبع: معبد

(وتصح فی ذین) معلوم (ولا فی العین) (قوله المعلوم) فلو احتال بمال مجهول علی نفسه بان قال احتلت بما یذوب لك علی فلان لا تصح العوالة مع جهالة المال ولا تصح العوالة أيضا بهذا اللفظ.

ولسا فی بحر الرائق: (۲۲۸/۶) مطبع: معبد

ولم یقید المصنف بان یكون الذین معال به معلوما ولا بد منه لصحتها لسا فی البزازیہ احتال بمال مجهول علی نفسه بان قال احتلت بما یذوب لك علی فلان لا تصح العوالة مع جهالة المال

الجواب صحیح: عبدالرحمن مغلہ اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: ارشد معید کوٹلی

فتویٰ نمبر: ۳۳۲۱

۱۵ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

﴿امانت ضائع ہونے کی صورت میں حوالہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید میرا مقروض ہے میں نے اس سے اپنا قرض وصول کرنے کا مطالبہ کیا تو زید نے کہا کہ میری کچھ رقم شریف کے پاس بطور امانت پڑی ہے وہ آپ کو دے گا شریف سے رابطہ کیا تو اس نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ جب دو دن بعد شریف کے پاس میں گیا تاکہ قرض وصول کروں تو وہ کہنے لگا کہ وہ امانت مجھ سے بغیر

کسی تعدی کے ضائع ہو گئی اب پوچھنا یہ ہے کہ میں اپنا قرض وصول کرنے کا مطالبہ شریف سے
مستفتی: محمد مدیر آفریدی بازہ
کروں یا زید سے؟

﴿جواب﴾ آپ کے مقروض یعنی زید نے آپ کی اجازت سے وہ قرض شریف سے وصول
کرنے کو کہا اور شریف نے قبول کر لیا۔ فقہی اصطلاح میں اسکو ”حوالہ“ کہتے ہیں جس کا حکم یہ ہے
کہ اب آپ کو صرف شریف سے اپنا قرض وصول کرنے کا حق حاصل ہے لیکن شریف نے زید کی
امانت کی بنیاد پر یہ ذمہ داری قبول کی تھی اور اب وہ امانت ضائع ہو گئی ہے اس لئے شریف کی کوئی
ذمہ داری باقی نہ رہی شریف سے خود زید اب مطالبہ نہیں کر سکتا اس لئے آپ بھی اس سے مطالبہ
نہیں کر سکتے۔ البتہ آپ اب اپنے اصل مقروض یعنی زید سے وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

لما فی تنویر الابصار (۵/۳۲۷، طبع: سعید)

(أحاله بماله عند زید) حال کوئہ (ودیعة) بان أودع رجلا الفائم أحوال بها غریمہ
(صحت فان ملکت) الودیعة (بری) المودع وعاد الذین علی المعیل لان الحوالۃ
متیة بها بخلاف متیة بالمفصوب فانه لا یدر

ولما فی الہندیہ: (۳/۳۹۹، طبع: رشیدیہ)

واذا كانت الحوالۃ متیة بالودیعة فقال المودع ضاعت الودیعة بطلت الحوالۃ ولو
كانت متیة بالغصب لا تبطل الحوالۃ کذا فی الخلاصۃ.

واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید کوہاٹی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۳۳۳

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿حوالہ کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ زید خالد کا مدیون ہے زید نے قرض کی
ذمہ داری بکر پر ڈال دی کہ میرا قرض بکر ادا کرے گا، کافی عرصہ گزرنے تک جب بکر نے قرض
ادا نہیں کیا اور مال مٹول کرتا رہا تو خالد نے دوبارہ زید سے مطالبہ شروع کر دیا تو کیا خالد کے لئے
زید سے مطالبہ کرنا درست ہے جبکہ ایک مرتبہ تینوں اس پر راضی ہو گئے کہ اب زید کی طرف سے
بکر قرض ادا کرے گا؟ مینو اتو جروا۔
مستفتی: محمد جمیل

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں جب دین کی ادائیگی کی ذمہ داری زید نے خالد کی رضا مندی
سے بکر کے ذمہ لگا دی اور بکر نے یہ ذمہ داری قبول بھی کر لی کہ ہاں میں زید کی طرف سے خالد کو دین

ادا کروں گا تو اب خالد زید مدیون سے دین کے مطالبہ کا حق نہیں رکھتا بلکہ بکرمثال علیہ سے دین کا مطالبہ کرے گا اور زید مدیون بری الذمہ تصور ہوگا، قاضی (جج) کی مدد سے حق وصولی کی کوشش کرے، وہاں سے بھی وصولی نہ ہو سکے تو خالد کو زید سے دوبارہ مطالبہ کا حق حاصل ہوگا۔

لما فی الہدایۃ: (۳/۱۳۷، طبع رحمانیہ)

قال وانقمت الحوائج من المعیل من الدین بالقبول ولا يرجع المحتال علی المعیل الا ان یلوی حقہ ولما فی الدر المختار: (۵/۳۲۴، طبع سعید)

وبرئ المعیل من الدین والسطالبہ جمیعاً (بالقبول) من المحتال للمحوالہ (ولا يرجع المحتال علی المعیل الا بالتوی)

ولما فی البحر الرائق: (۱/۲۵۰، طبع سعید)

(قوله وبرئ المعیل بالقبول من الدین) قوله ولم يرجع المحتال المعیل الا بالتوی لان برأئہ مقیدہ بسلامۃ حقہ اذ هو المقصود اولیٰ للفسخ الحوائج للغوائہ وانہا تحتمل الفسخ لفسار کوصف السلامۃ علی المبیع وهذا اذا لم یشرط الخيار للمحال اما اذا جعل للمحال الخيار او احوالہ علی ان له ان يرجع علی ایہما شاء صح کذا فی البزازیۃ: مرادہ اذا كانت الحوائج باقیۃ اما اذا فسخت الحوائج فان للمحتال الرجوع بدینہ علی المعیل ولذا قال فی البدائع ان حکمہا ینتہی بفسخہا والتوی.

واللہ اعلم: ملاح الدین ڈیروی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۶۸

۲ جمادی الثانی ۱۳۲۷ھ

﴿باب الاحتکار﴾

﴿ذخیرہ اندوزی کا بیان﴾

﴿چینی کی ذخیرہ اندوزی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میں چینی اسٹور کرنا چاہتا ہوں اس غرض سے کہ بعد میں قیمت بڑھ جانے سے زیادہ نفع حاصل کروں گا کیا از روئے شریعت میرے لئے یہ جائز ہے؟ جبکہ لوگوں کو اس میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ مستفتی: عبدالقدوس شاہ حسن خیل ڈی آئی خان

﴿جواب﴾ ذخیرہ اندوزی حرام ہے شریعت میں سختی سے منع ہے لیکن عام چیزوں کو زیادہ نفع حاصل کرنے کی غرض سے روکے رکھنا ذخیرہ اندوزی نہیں کہلاتا یہ تو تجارت کا حصہ ہے، البتہ خاص غذا کی اشیاء مثلاً گندم، چاول کہ ان اشیاء کو عام لوگ غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں، ایسی

چیزوں کی ذخیرہ اندوزی حرام ہے اور وہ بھی اتنی مقدار میں اگر کوئی جمع کرتا ہے جس سے عام مارکیٹ متاثر ہو تب حرام ہے اگر مارکیٹ میں عام ملے تو ان اشیاء کو روکنا بھی جائز ہے، تاہم خوراک کی اشیاء کو مہنگا ہونے کی غرض سے روکنا مناسب نہیں ہے، ناپسندیدہ ہے اور چینی بھی خوراک کی اشیاء میں سے ہے۔

ولمافی مشکوٰۃ المصابیح: (ص ۲۵۰، طبع سعید)

من احتکر فہو خاطئی. وعلی هامش مشکوٰۃ: قوله: (من احتکر) الاحتکار المحرم مرفی الاقوات خاصة بان يشتري الطعام فیوقت الغلاء... واما غیر الاقوات فلا یحرم الاحتکار فیہ بکل حال.

ولمافی تكملة لمقح الملهم: (۱/۲۵۶-۲۵۸، طبع دارالعلوم کراچی)

قوله: "من احتکر".... ثم ذهب اکثر الفقهاء الى ان حرمة الاحتکار مختصة بالاقوات فلا یحرم الاحتکار فی غیرها.... وقال ابن قدامة "الاحتکار المحرم ما اجتمع فیہ ثلاثة شروط: أحدها أن يشتري.... والثانی: أن یكون المشتري قوتاً، فأما الادام والعلاء والمعسل والزیت وأعلاف البهائم فلیس فیها احتکار محرم.... الثالث: أن یضیق علی الناس بشرائه.... الخ الذی یدول لهذا العبد الضعیف عنا الله عنه أن حرمة احتکار الطعام ثابتة بالعید من غیر شک، فكان أمراتشريعاً معمولاً به الى الابد، لان حاجة الناس الى الطعام أكثر منها الى غیره، وأما احتکار الأشياء الأخری فیفوض الى الحاكم.

ولمافی الشامی: (۱/۳۹۸، طبع ایچ ایم سعید)

(قوله: توکره احتکار قوت البشر).... والتقید بقوت البشر قول أبی حنیفة ومحدود علیہ الفتوی کذا فی الکافی.

ولمافی خلاصة الفتاوی: (۲/۳۵۳-۳۵۴، طبع رشیدیہ)

ثم الاحتکار المکروه لا یتحقق عند أبی حنیفة الا من قوت الناس کالحنطة والارز واللخن والذرة اذا کان فی مواضع یتغذون الخبز من الارز.... هكذا قال محدّد وعلیہ الفتوی.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه
والله اعلم بالصواب: محمد احمد عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۱۵۹۹

۲۳ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ

﴿ذخیرہ اندوزی سے متعلق سوال و جواب﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جن کا حکومتی سطح سے ممنوعی بحران پیدا کیا جاتا ہے مثلاً موجودہ وقت میں چینی، ایسی صورت میں اگر عام دکاندار چینی کو ذخیرہ کر کے رکھ لے تاکہ قیمت زیادہ ہونے پر فروخت کرے کیا دکاندار کا یہ عمل ذخیرہ

اندوزی میں شامل ہے یا نہیں؟ حالانکہ اس سے عوام کو ضرر پہنچتا ہے۔ مستفتی: عمر فاروقؓ خذوا لہ یار

﴿مور﴾ خوردنی اشیاء کو روکے رکھنا تاکہ مہنگے داموں فروخت کی جائیں "احکار" کہلاتا ہے، دین اسلام میں احکار سختی سے منع ہے، احادیث میں احکار کرنے والے پر لعنت ہوئی ہے اور آپ ﷺ نے ایسے شخص کو جہرام اور افلاس کی بددعا دی ہے لیکن اس قدر سختی سے یہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ اتنے مال کا احکار کوئی کرے جس سے عام مارکیٹ متاثر ہو خصوصاً ایسے حالات میں ان اشیاء کو روکے رکھنا جب یہ چیزیں عام دستیاب نہ ہوں اور لوگوں کو دشواری ہو اگر عام دستیاب ہوں تو ایسی ممانعت نہیں ہے لیکن بہتر اور احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ خوردنی اشیاء کو عام حالات میں بھی اس غرض سے روکنا نہیں چاہیے، کمائی کے لئے اور بھی بہت سارے ذرائع ہیں۔

لسالی مشکوٰۃ المصابیح: (ص ۲۵۰ مطبع سعید)

عن معمر قال قال رسول اللہ ﷺ من احتکر فهو خاطی مولیہ اہضاً: عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول اللہ ﷺ يقول من احتکر علی المسلمین طعامهم ضربہ اللہ بالجزام والافلاس

ولسالی التذویر مع الفکر: (۱۸/۶ مطبع سعید)

(لو) کرہ (احتکار قوت البشر) کتبہ و عنب و لوز (والبہانم) کتبہ وقتہ (فی بلدیضر باہلہ) الحدیث "الجالب مرروق والمحتکر ملعون"

ولسالی الہدایۃ: (۴۳/۲ مطبع رحمانیہ)

وبکرہ الاحتکار فی اقوات آدمیین والبیہانم اذا کان ذلک لی بلدیضر الاحتکار باہلہ وكذلك للتلقی فاما اذا کان لا یضر فلا بأس بہ والاصل فیہ قوله علیہ السلام الجالب مرروق والمحتکر ملعون ولانہ تعلق بہ حق العامۃ ولی الامتناع عن البیع ابطال حقہم وتضییق الامر علیہم فیکرہ اذا کان یضر بہم ذلک

والجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عبدان خدا بخش

نوی نمبر: ۲۵۱۷

۱۳۳۱ھ

﴿سگریٹ کی ذخیرہ اندوزی کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سگریٹ کی ذخیرہ اندوزی کرنا کیسا ہے؟ ہمارے علاقے میں کچھ عرصہ کے بعد سگریٹ کی قیمتیں بڑھ جائیں گی اس بات کے پیش نظر اساک کرنا کیسا ہے؟ مستفتی: مولوی ندیم صاحب، بمکر

﴿مور﴾ سگریٹ کا اساک کرنا جائز ہے یہ کوئی ذخیرہ اندوزی نہیں ہے۔ ذخیرہ

اندوزی صرف خوراک کی اشیاء اور روزمرہ کی اشیاء ضرورت میں جائز نہیں ہے۔ مگر یہ ایسی کوئی ضرورت کی چیز نہیں ہے۔

لما فی العالم کثیرہ (۲۱۲/۴) طبع رشیدیہ

والاحتکار فی کل ما یضر بالعامۃ فی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ الاحتکار بما یتقوت بہ الناس والبیہانم کذا فی الحاوی۔
ولما فی رد المحتار (۲۱۸/۶) طبع سمیع

و عن ابی یوسف کل ما یضر بالعامۃ حیثہ، فہو احتکار وعن محمد الاحتکار فی الثیاب ابن کمال (قوله کتین وعنب ولوز) ای ما یقوم بہ بدنہم من الرزق ولو دخلنا لا عسلأ و مستأدر منقہ۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد حامد یاسین، بکھر

فتویٰ نمبر:

۶ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ

﴿کتاب الشہادۃ والقضاء﴾

﴿گواہی کی شرائط﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے بکر پر کسی جرم کا الزام لگایا پھر جب اسے عدالت میں حج کے سامنے پیش کیا گیا یعنی بحیثیت گواہ کے تو اس نے کہا کہ لوگ ایسا کہتے ہیں ”میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں اس کو جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے“ عرض ہے کہ کیا زید جبکہ باشرع آدمی ہے اور بکر کے بارے میں یہ الزام لگا رہا ہے کیا اس طرح گواہی کافی سمجھی جائے گی؟

مستفتی: غلام رسول

﴿جواب﴾ زید کی بکر کے خلاف مذکورہ گواہی شرعاً قبول نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ گواہی میں (چند مخصوص صورتوں کے علاوہ) مشاہدۃ المشہود بہ شرط ہے جو مسئلہ صورت میں نہیں پائی گئی۔

لما فی التنبیہ مع الدرر (۲۶۱/۵-۲۶۲ مطبع سعید)

(ہی) لغة خبر قاطع و شرعا: (اخبار صدق لاثبات حق) ففتح..... (شرطها العقل الكامل) وقت التحمل، والبصر، ومعاينة المشهود به الا فيما يثبت بالتسامع.

واللہ اعلم: محمد شریف حسین

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۹۷

۹ جمادی الثانی ۱۳۲۷ھ

﴿وڈیو وغیرہ کے ذریعے اثبات جرم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کی قتل یا زنا کرتے ہوئے وڈیو یا تصویر بنائی جائے اور عدالت میں قاضی کے سامنے پیش کی جائے، کیا یہ اثبات جرم کیلئے کافی ہے یا یعنی گواہ اور نصاب شہادت ہونا ضروری ہے؟

مستفتی: سفیان احمد

﴿جواب﴾ شریعت نے حدود و قصاص کے اثبات کیلئے کڑی شرائط اور مقررہ گواہان کا ہونا ضروری قرار دیا ہے، اس لئے محض وڈیو اور دیگر جدید آلات کے ذریعے سے کسی پر قتل یا زنا وغیرہ ثابت نہیں کیا جاسکتا، خصوصاً جبکہ ان آلات میں جعل سازی اور رد و بدل نہ صرف ممکن ہے بلکہ اب تو ان آلات میں واقعات کو تبدیل کر کے کچھ کا کچھ بنادینا اور ایک کا الزام دوسرے پر لگانا مشاہد اور واقع بھی ہو چکا ہے۔

اور بڑی مہارت سے واقف کو ایسا پیش کیا جاتا ہے کہ کسی کو شک بھی نہیں گزرتا کہ اس میں دھوکہ سے کام لیا گیا ہے، ظاہر ہے ایسی صورت حال میں شرعاً تو کجا عقلاً بھی اس کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا، الحمد للہ دین اسلام نے ہمیں ہر شعبے میں سادہ اور واضح ہدایات دینے ہیں، ناقابل بھروسہ غیر یقینی سائنسی ایجادات کا تکیا نہیں رکھا۔

ولمافی قوله تعالیٰ: ﴿سورة النور، آیت ۱۲﴾

﴿ولو لآءا، وا علیه باربعة شهدآء، فاذلزم با توابا بالشهدآء، فارلنک عند الله هم الکذوبن﴾

ولمافی التکویر مع الدر: (۲/۷۷، طبع سعید)

(وینتبت بشهادة اربعة رجال (فی مجلس واحد) فلوجآء، وامترقین حدوا.

وفی الشامية: (قوله فلوجآء وامترقین حدوا) ای حد الغذف.

ولمافی البدائع: (۱/۲۶۶-۲۶۷، طبع سعید)

اماركن الشهادة لقول الشاهد اشهد بكذا وكذا..... واما شرائط ادلة الشهادة فمنها العقل و

البلوغ ومنها بصر الشاهد ومنها النطق ومنها العدالة.

ولمافی البحر: (۷/۵۵، طبع سعید)

جرى على الستة الامة سلفها وخلصها في ادلة للشهادة اشهد مقتصرين دون غيره من

الالفاظ الدالة على تحقيق الشئ نحو اعلم اتيقن وهو موافق للكتاب والستة فكان

كالاجماع على تعين هذه اللفظة دون غيره ولا يخلو عن معنى التعبد ان لم يقتل غيره و

لشهادة (هي اخبار عن مشاهدة وعيان لا عن تخمين وحسبان)

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه واللہ اعلم بالصواب: مغیرہ شہاب غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۳۰۵۱

ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿تنہا عورت کی گواہی معتبر نہیں﴾

﴿سوال﴾ والد محترم کے انتقال کے تقریباً ۲۰ یا ۲۵ دن بعد والدہ محترمہ نے فرمایا کہ والد

محترم نے انتقال سے ۴۰ دن پہلے یہ وصیت کی تھی کہ میرے کل مال میں سے ایک تہائی کی حد تک

سے نماز، روزہ کا فدیہ دینے کے بعد بتایا مال میرے بڑے پوتے اقرار احمد کو دے دیا جائے لیکن

ورثاء کو اس پر اعتراض ہے کہ انتقال سے پہلے والدہ محترمہ نے یہ بات اپنے بیٹوں کو کیوں نہیں

بتائی، دوسرا اعتراض یہ ہے کہ وفات والے دن گھر میں ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں اہل خانہ

شریک تھے لیکن اس وقت بھی والدہ صاحبہ نے یہ بات نہیں بتائی تو کیا ایسی صورت حال میں اس

وہیت کے بارے میں ایک خاتون (والدہ محترمہ) کے قول کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں چونکہ وہیت کی گواہی دینے والی صرف ایک عورت ہے اور شریعت کی رو سے ایک عورت کی گواہی معتبر نہیں، لہذا والدہ محترمہ کی گواہی سے اس بات کو وہیت کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، اس لئے اس پر عمل کرنا کوئی ضروری نہیں، البتہ درثناء عاقل و بالغ ہوں اور بخوشی اس بات کو وہیت کا درجہ دیتے ہوں تو شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے، بلکہ باعث اجر و ثواب ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ (سورۃ البقرہ: ۱۸۲)

﴿وَأَسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رَجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾

ولما فی التکوہیم مع الدر: (۵/۳۶۵ طبع سعید)

(و) نصابہا (لغیرہا من العتوق سواء کان) الحق (مالاً أو غیرہ، کتکاح و طلاق و وکالۃ و وصیۃ و استہلال صبی) ولو (للارث رجلان أو رجل وامرأتان)

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ خیر الوارثین: عبدالباری

فتویٰ نمبر: ۲۷۹۹

۱۸ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

﴿ماں کی گواہی بیٹوں کے حق میں قابل قبول نہیں﴾

﴿سوال﴾ صرف ماں کی گواہی بیٹوں کے لئے قبول ہوگی یا نہیں؟ مستفتی: عمر عمر کراچی

﴿جواب﴾ شرعاً اصول و فروع کی گواہی ایک دوسرے کے لئے قابل قبول نہیں ہے، لہذا

ماں کی گواہی بھی بیٹوں کے حق میں حجت نہیں ہے۔

لما فی البعر: (۷/۸۰ طبع سعید)

(قوله وللولد لأبویہ وجذیہ وعکسہ) ای لم تقبل شہادۃ الفرع لاصلہ والاصل للفرع للحدیث ولان المنافع بین الاولاد والاباء متصلة.

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: فارمود کوہاٹی غفر عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۳۷۳

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ

﴿راتے میں پان، سگریٹ کھانے پینے سے مردود الشہادۃ نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ بعض لوگ راہ چلتے سگریٹ پان وغیرہ کھاتے پیتے

ہتے ہیں، شریعت کی رو سے اس طرح کھانے پینے سے آدی مردود الشہادۃ تو نہیں ہوتا؟

﴿جواب﴾ ایسی چیزیں جن کو راہ چلتے کھانے اور پینے کو عرف میں اگر معیوب نہ سمجھا جاتا ہو تو اس طرح کے کھانے پینے سے آدی مردود الشہادۃ نہیں ہوتا۔

پان اور سگریٹ بھی ان چیزوں میں سے ہیں جن کا عام استعمال راہ چلتے کیا جاتا ہے اور عرف میں اس کو معیوب نہیں سمجھا جاتا، لہذا ان کے اس طرح استعمال سے آدی مردود الشہادۃ نہیں ہوگا۔

لسالی الشامی: (۸/۲۰۲، کتاب الشہادات، مطبع امدادیہ)

قال فی النہایۃ: أما اذا شرب الماء أو اكل الفرائد على الطريق لا یقبح فی عدالتہ لان الناس لا تستقبح ذلک.

واللہ اعلم: محمد عزیز فیض بادی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۰۷

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

﴿کیا غیر عالم یا اثر شخص کو شرعاً ثالث مقرر کرنا جائز ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ بعض لوگ آپس کے تنازعات کو ختم کرنے کے لئے ایسے شخص کو ثالث مقرر کرتے ہیں جو ایک عالم دین کی طرح دینی امور سے واقف نہیں ہوتا اگرچہ صوم و صلوٰۃ کا پابند ہوتا ہے لیکن با اثر شخصیت ہونے کی بناء پر اس کو ثالث مقرر کیا جاتا ہے، کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

﴿جواب﴾ مذکورہ شخص کو ثالث مقرر کرنا شرعاً جائز ہے لیکن ثالث کو چاہیے کہ وہ اپنی رائے پر فیصلہ کرنے کے بجائے شرعی قوانین کو مد نظر رکھتے ہوئے علماء کرام سے مشورہ لیکر فیصلہ کرے۔

لسالی الہدایۃ: (۳/۱۵۱، مطبع رحمانیہ)

وأنا حکم رجلاً من رجلا فیکم بینہما ورضیا بیکمہ جاز لأن لہما ولا یتعلیٰ انتہا فصح تعکبہما ویتفحکم علیہما... والفسق اذا حکم یجب أن یجوز عندنا کما مر فی السنن... ولی حلتہ تہدیتہ قولہ کما مر فی قول ادب القاضی من ان الفسق لا ینفی أن یتقد القضاہ ولو قلنا جاز.

واللہ اعلم: صلاح الدین چڑالی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۱۱

۱۳ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿کتاب الاجارات﴾

﴿ملازمت کرنے اور کرایہ پر لینے، دینے کا بیان﴾

﴿امامت پر اجرت لینا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد کے امام کے ساتھ مقتدیوں کو کتنا تعاون کرنا ضروری ہے۔ اور ایسا امام جسکی تمام ضروریات مقتدیوں سے پوری ہوں اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟
مستفتی: دولتی محمد کوئٹہ

﴿جواب﴾ نماز پڑھانا بڑی عبادت ہے اس پر اجرت لینا مقتدین فقہاء کرام کے نزدیک جائز نہیں تھا۔ لیکن متاخرین فقہاء کرام نے اس شعبے کے ضائع ہونے کے اندیشے کی وجہ سے اجرت لینے دینے کو جائز قرار دیا ہے۔

دراصل فقہاء مقتدین کے زمانہ میں ائمہ مساجد کے لئے اسلامی حکومتوں کی طرف سے باقاعدہ ان کی ضرورت کے تناسب سے وظائف مقرر ہوتے تھے۔ لیکن بعد میں اسلامی حکومتیں نہیں رہیں یا دین کے معاملے میں سستی ولا پرواہی بڑھ گئی تو اس شعبہ کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے تھے۔ حالانکہ یہ دین اسلام کا بڑا شعبہ ہے، اور روزانہ پانچ مرتبہ خاص مقررہ وقت پر اسکی خدمات انجام دینے کے لئے عالم دین کو حاضر رہنے کی ضرورت ہے، ادھر ہر انسان کیساتھ ذاتی اور بیوی بچوں کی ضروریات بھی وابستہ ہیں، ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اگر حکومتی سطح پر کوئی انتظام نہیں ہے تو اہل محلہ کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ اس کا بندوبست کریں۔ اس لئے اہل محلہ پر واجب ہے کہ امام کی ضروریات پورا کرنے کے لئے مناسب مشاہرہ مقرر کر لیں تاکہ یکسوئی اور باعزت طریقے سے امام صاحب اس اہم ذمہ داری کو پورا کر سکے اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔

ضروریات ہر شخص کی اور ہر علاقے میں مختلف ہو سکتی ہیں۔ اس کا فیصلہ محلے کے معتبر دیانتدار اور تجربہ کار لوگ کر سکتے ہیں کوئی مفتی اسکی تعیین نہیں کر سکتا۔ لہذا امام کی ذاتی اور بیوی بچوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مقتدیوں سے ماہانہ اجرت لینا اس کا حق ہے اس سے امامت پر کوئی برا اثر نہیں پڑھتا بلا کراہت اس کی امامت جائز ہے۔

لما فی الرد المختار: (۵۵/۱، طبع سعید کراچی)

لأجل الطاعات مثل (الأذان والحج والامامة وتعليم القرآن والفقه) وينتفی اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والامامة والأذان.

(قوله وينتفی اليوم الخ) قال فی الهدایة: ببعض مشایخنا رحمهم الله تعالى استحسنوا الاستنجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التوائی فی الامور الدينية، ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن وعليه الفتوى، وقد اقتصر على استثناء تعليم القرآن ایضاً فی متن الکفر ومتن مذهب الرحمن وكثیر من الكتب، وزاد فی مختصر الرقابة ومتن الاصلاح تعليم الفقه، وزاد فی متن المجمع الامامة، ومثله فی الملتقى ودرر البحار.

ولما فی البحر الرائق: (۲۰/۸، طبع سعید کراچی)

وفی الروضة وفی زماننا یجوز للامام والمؤذن والمعلم أخذ الاجرة ومثله فی الذخيرة.

ولما فی الرد: (۲/۲۱۹، طبع: سعید کراچی)

ويعطى بقدر الحاجة والفقه والفضل فان قصر كان الله عليه حسيباً (قوله ويعطى بقدر الحاجة الخ) الذى فی الزيلعى هكذا، ويجب على الامام أن يتقى الله تعالى ويصرف الى كل مستحق قدر الحاجة من غير زيادة فان قصر فی ذلك كان الله تعالى عليه حسيباً، وفى البحر عن القنية: كان ابوبكر رضى الله تعالى عنه يستوى فی العطاء من البيت المال، وكان عمر رضى الله تعالى عنه يعطيه على قدر الحاجة والفقه والفضل، والاخذ بهذه فی زماننا أحسن فتعبر الامور الثلاثة.

ولما فی تبیین الحقائق: (۱۱۸/۱، طبع: سعید کراچی)

كان شيخنا ابو محمد عبد الله الخزاز يقول فی زماننا یجوز للامام والمؤذن والمعلم أخذ الاجرة.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا الله عنه والله اعلم بالصواب: تنوير الرحمن غفر له ولوالديه

نوی نمبر: ۳۵۳۲

۱۸ صفر الحیر ۱۴۳۳ھ

﴿امام مسجد کی بیماری کے دنوں کی تنخواہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ کیا امام مسجد بیماری کے دنوں کی تنخواہ لے سکتا ہے؟ اور تاغہ کرنے پر کیسی والے امام کی تنخواہ کاٹنے کا حق رکھتے ہیں یا نہیں؟

﴿جواب﴾ تنخواہ دار شخص کی چھٹیوں کا دار و مدار عرف پر ہے اور عام مساجد کا عرف یہی ہے کہ امام کو بیماری کے دنوں کی تنخواہ دیتے ہیں، لہذا امام مسجد کے لئے بیماری کے دنوں کی تنخواہ لینا بالکل جائز ہے اور کیسی والے مسجد کے فنڈ میں سے امام کو تنخواہ دے سکتے ہیں، البتہ امام کے تقرر کے وقت یا عرف عام میں یہ بات طے ہو جائے کہ امام کو بیماری کے دنوں کی تنخواہ یا تاغہ

کرنے پر تنخواہ نہیں دی جائے گی تو ایسی صورت میں امام مسجد بیماری کے دنوں کی تنخواہ یا نانہ کرنے والے دن کی تنخواہ کا حق نہیں رکھتا۔

لما فی الشامی (۲/۲) مطلب فی استحقاق القاضی والمدرس الوظیفۃ فی يوم البطالة سمیعہ (قوله) وینبی لحاقه ببطالة القاضی (الخ) قال فی الاشیاء وقد لغلغلوا فی أخذ القاضی مارتب له فی بیت المال فی يوم بطالته لقال فی المعیطانہ بأخذ لانه یستریح للیوم الثانی وقیل لا اه ولی للمنیة للقاضی یمستحق الکفایة من بیت المال فی يوم البطالة فی الأصح ولی هو مبانیة أنه اظهر فینبی أن یمکن کذلک فی المدرس لان يوم البطالة للاستراحة ولی الحقیقة تتکون للمطالعة والتحریر عند ذوی الهمة ولیکن تعارف الفقهاء فی زماننا بطالة طریقہ أدت للی أن صار الغالب البطالة وأیام التدریس قليلة اه ورده البیری بما فی القنیتان کان الواقف قدر للدرس لكل يوم مبلغا فلم یدرس يوم الجمعة أو الثلاثاء لایحل له أن یاخذو بصرف اجر هذین الیومین فی مصارف المدرس من المرمۃ وغیرها بخلاف ما انالیم یمدر لكل يوم مبلغا فانه یحل له الاخذوا ان لم یدرس فیہما للعرف بخلاف غیرهما من اہام الاسبوع حیث لایحل له أخذ الا اجر عن يوم لم یدرس فیہ مطلقا سواء قدر له اجر كل يوم أو لا اه ط قلت هذا ظاہر فیما اذا قدر لكل يوم درس فیہ مبلغا أما لوقال یعطى المدرس كل يوم کذا فینبی أن یعطى لیوم البطالة المتعارفة بقریة ما ذکره فی مقابله من البناء علی العرف لم حیث كانت البطالة المتعارفة بقریة ما ذکره فی مقابله من رمضان والمبیین یحل الاخذ کذا لو بطل فی يوم غیر معتاد لتحریر مدرس الانفس الواقف علی تنبید الدلع بالیوم الذی یدرس فیہ کما قلنا۔

واللہ اعلم: صلاح الدین ذریون

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۷۵

۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

﴿ طاعات پر اجرت لینے کا مسئلہ ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کسی مسجد میں امام بن رہا ہو یا کسی مدرسہ میں مدرس بن رہا ہو تو کیا مسجد و مدرسہ کی انتظامیہ کے ساتھ تنخواہ کی تعیین ضروری ہے یا بغیر تعیین کے بھی زید یہ سمجھ کر کام شروع کر سکتا ہے کہ انتظامیہ جو تنخواہ دے گی انشاء اللہ اسی پر باہمی رضامندی ہو جائے گی؟

مستفتی: سلمان احمد ٹانکوی

﴿جواب﴾ امامت اور دینی مدارس میں تدریسی خدمات انجام دینا طاعات میں سے ہیں اور طاعات پر اجرت لینے کو متقدمین فقہاء کرام ناجائز قرار دیتے تھے اور یہی اصل حکم ہے لیکن متاخرین فقہاء کرام نے ان کاموں کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر جواز کا فتویٰ دیا ہے اس لئے

کہ اجرت لینے کو اگر منع کیا جائے اور حکومت کی طرف سے بھی اس طرح کی خدمات انجام دینے والوں کی ضروریات کا بندوبست نہ ہو جس طرح آج کل ہو رہا ہے تو امامت، تدریس اور خطابت جیسے اہم شعبے ناکارہ ہو جائیں گے۔ ہر کوئی بیوی بچوں اور ذاتی ضروریات کیلئے دنیاوی مشاغل میں لگا رہیگا، اس لئے جمہور علماء امامت، خطابت اور دینی علوم پر اجرت لینے کی گنجائش بتاتے ہیں۔ لہذا از روئے فتویٰ امامت وغیرہ پر اجرت لینا جائز ہے اور اگر کوئی اجرت کے بغیر یہ خدمات انجام دیتا رہے تو بلاشبہ زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے اور تقویٰ کے لائق ہے، اس لئے بعض مدارس میں مدرس کیلئے کوئی اجرت ملے نہیں کی جاتی۔ انتظامی امور کے ذمہ دار حضرات خدمات انجام دینے والوں کی ضروریات کو دیکھ کر اپنی صوابدید پر کسی کو کم کسی کو زیادہ دیتے ہیں اور جس کے بارے میں اطمینان ہو کہ اسکی ضروریات دیگر وسائل سے پوری ہو رہی ہیں تو اسکو بالکل نہیں دیتے اور کسی کو بھی گراں نہیں گزرتا اسلئے کہ شروع سے دونوں جانب صرف دینی خدمت انجام دینا ہی مقصود ہوتا ہے اور ثواب ہی کی غرض سے وہ خدمات انجام دیتے ہیں۔ بعض ائمہ مساجد بھی اس ترتیب سے خدمات دیتے ہیں۔

اور بعض مدرسین اور ائمہ مساجد گویہ توقع رکھتے ہیں کہ انتظامیہ کی طرف سے بقدر ضرورت ملتا رہیگا لیکن باقاعدہ کچھ ملے نہیں کراتے بلکہ واضح بھی کر دیتے ہیں کہ میں خدمات انجام دوں گا میری طرف سے معاوضہ کا مطالبہ نہیں ہوگا البتہ آپ لوگ دینگے تو رد بھی نہیں کروں گا تو یہ بھی کوئی معاملہ اجرت نہیں ہے۔ خدمات انجام دینے والے کے حق میں محض عبادت ہے اور دینے والوں کی طرف سے مالی مدد محض احسان و ثواب ہے بشرطیکہ انتظامیہ کی طرف سے کبھی مدد نہ ملے تو اس کو ناگوار نہ گزرتا ہو، ناگوار اگر گزرتا ہو یا اس کا قوی اندیشہ بھی اگر ہو تو باقاعدہ اجرت ملے کر نا ضروری ہے، ایسی صورت میں بجائے ثواب کے گناہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔

اور ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خدمات انجام دینے والا باقاعدہ اپنا حق سمجھتا ہو اور انتظامیہ والوں کو بھی اس کے جذبات و خیالات کا علم ہے کہ یہ شخص مفت میں کام کرنے والا نہیں ہے اسکے باوجود معاملہ خاموشی میں رکھتے ہیں باقاعدہ کچھ ملے نہیں کرتے اور علاقہ میں اس طرح کی خدمات انجام دینے پر اجرت لینا دینا رائج بھی ہو تو یہ اجارہ فاسدہ کی صورت ہے۔ فریقین پر شرعاً واجب ہے کہ باقاعدہ اجرت و خدمت ملے کریں ورنہ دونوں گنہگار ہونگے۔ اور ایسی

للمعلمین عطیات فی بیت المال فی ذلک الزمان وكان لهم زیادة رغبة فی أمر الدین
واقامة الحسبة و فی زماننا انتطعت عطیاتهم وانتصت رغائب الناس فی أمر الآخرة.
فلما اشتغلوا بالتعلیم مع الحاجة الی مصالح المعاش لاختل معاشهم للناصبۃ
الاجارة ووجوب الاجرة للمعلم.

ولما فی القنویر مع الدر والرد (۲/۲۵ طبع سعید)

باب الاجارة الفاسدة: (الفاسد) من العقود (ما كان مشروعاً باصله دون وصفه الباطل مالم یس
مشروعاً اصلاً) لا باصله ولا بوصفه (وحکم الأول) هو الفاسد (وجوب أجر المثل بالاستعمال).
وفی الشامی: (قوله دون وصفه) وهو ما عرض علیه من الجهالة أو اشتراط شرط
لا یقتضیه العقد حتی لو خلا عنه كان صعیباً.

الجواب صحیح: عبدالرمن غفرلہ

واللہ اعلم بالصواب: صدیق انور

فتویٰ نمبر: ۳۳۳۸

۲۳ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

﴿غیر حاضری کے دنوں کی تنخواہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مدارس کے اساتذہ
اور مساجد کے ائمہ حضرات جن دنوں میں غیر حاضر ہوتے ہیں کیا ان دنوں کی اجرت کے بھی
ستحق ہوتے ہیں یا نہیں؟ نیز کتنے دنوں کی غیر حاضری کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟

﴿جواب﴾ اس مسئلہ میں مدارس اور مساجد وغیرہ کے عرف پر عمل ہوگا کہ عرف میں جتنی
غیر حاضریاں معاف سمجھی جاتی ہیں ان کی اجرت کا تو مستحق ہوگا زیادہ کا نہیں۔

لما فی الشامی: (۲/۲۱۹ طبع ایچ ایم سعید)

وفی القنۃ من باب الامامة امام یترک الامامة لزیارة اقربانه فی الرساتیق أسبوعاً ونحوه
أو لمصیبة أو لاستراحة لا بأس به ومثله علوفی العادة والشرع اه وهذا مبني علی القول
بان خروجه أقل من خمسة عشر یوماً لا عذر شرعی، لا یستط معلومه، وقد کرفی الأشباه
فی قاعدة العادة معکمة عبارة القنۃ هذه وحملها علی أنه یسامح اسبوعاً فی کل
شهر، واعترضه بعض محشیه بان قوله فی کل شهر یمکن فی عبارة القنۃ ما یدل علیه
قلت والظاهر ما فی اخر شرح منیة المصلی للعلبی أن الظاهر أن المراد فی کل سنة.

واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۳۷۷

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ

﴿درزی اگر لبائی و چوڑائی میں کی پیشی کر دے تو کیا حکم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ میں نے درزی کو کپڑا دیا اور اپنا

ناپ بھی بتلایا کہ مثلاً قیس کی لمبائی، چوڑائی اتنی ہونی چاہیے لیکن درزی نے متعینہ لمبائی و چوڑائی سے بہت کم قیس کر دی تو کیا اس صورت میں درزی سے ضمان لے سکتا ہوں؟

﴿مولا﴾ مذکورہ صورت میں اگر ایک انگلی کی مقدار تک قیس و شلوار کی لمبائی یا چوڑائی میں کمی آگئی ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہے اور نہ اس کا ضمان لازم آئے گا، البتہ ایک انگلی سے زیادہ کی اور نقص آگیا تو اس صورت میں درزی سے ضمان لینا جائز ہے۔

(لما فی الدر المختار مع الرد المحتار: ۲/۶ طبع سعید)

قال للخباط: قطع طوله وعرضه وكمه كذا فجاء ناقصاً مان قدر اصبع ونحوه علو بران
كثر ضمنه — قال الشامي: بقوله عفو اي وله الاجر لقلّة التفاوت، ولعمير الاحتراز
(قوله ضمنه) لانه ما يخل بالمقصود فيبعد اتلافاً.

(لما فی الہندیہ ۶۵/۲ قدیمی کتب خانہ)

لما دفع الي خياط ثوباً وقال يقطع حتى يصبغ القدر وكمه خمسة اشبار وعرضه كذا فجاء بها
ناقصاً قال ابن كان قدر اصبع ونحوه فليس بشيء، ولو كان اكثر منه بضمنه كما في الخلاصة.
(لما فی الخلاصة المتأخرى ۱۲۴/۲ طبع رشیدیہ)

ولو قدر للخباط طول الثوب وعرضه فجاء بها ناقصاً ان كان قدر اصبع ونحوها فليس
بشيء، وان كان اكثر بضمنه.

واللہ اعلم بالصواب: فیاء الحق انکی

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفی اللہ عنہ

فتویٰ نمبر:

۳۰ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

﴿ملازم کے لیے وقت سے پہلے گھر آنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ میں P.I.A میں ایجنٹ ہوں

اور مجھے سات ہزار ماہانہ وظیفہ کے عنوان سے رقم ملتی ہے۔ کسی ایجنٹس کا ادارے میں کام یہ ہوتا ہے کہ کام کرنے کے ساتھ ساتھ کام کو دیکھے چنانچہ اسی غرض سے ہم ادارہ کے مختلف شعبوں میں بھرتے ہیں بسا اوقات کام نہیں ہوتا تو ہم گھر چلے جاتے ہیں اور قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ادارے نے ہمیں کسی خاص نظام الاوقات کا پابند نہیں بنایا ہے کیونکہ ادارے نے اپنے مستقل ملازمین کو ایک منظم شیڈول کا پابند کیا ہے یعنی بوقت دخول و خروج مشین کے اندر ہاتھ کا اندراج ہوتا ہے اب مستفی اپنے دل کی تسلی کے لیے پوچھنا چاہتا ہے کہ ہمارے لیے جلدی گھر جانا جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ ہمیں ایک کاغذ دیا گیا ہے کہ ہم وقت کے تعین کے ساتھ حاضریوں کا

اندراج کریں اور جب مہینے کے آخر میں جمع کرائیں گے تو وظیفہ ملے گا اور ادارہ کبھی کبھی ایک غیر حاضری کی صورت میں ۲۰۰ پیسے کاٹ لیتا ہے لیکن وقت میں کمی کی صورت میں کوئی کٹوتی نہیں ہوتی اور میں مذکورہ کاغذ میں صحیح وقت کے تعین کے ساتھ حاضریوں کا اندراج کرتا ہوں۔

﴿جو (ب)﴾ شرعاً ملازم کے لیے ان پابندیوں کا پورا کرنا ضروری ہے جو ادارہ عقد ملازمت کے ضمن میں ملازم پر لازم کرے۔ آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ادارے نے آپ کو وقت کا پابند نہیں کیا البتہ کام آپ کے سپرد ہوا ہے لہذا آپ کی تنخواہ بھی کام کے ساتھ مشروط ہوگی اور وقت سے پہلے جانا اگر آپ کے ذمہ دار آفیسر کے علم میں ہو اور پھر بھی وہ منع نہ کریں تو یہ دلالت اجازت سمجھی جائیگی لہذا کام نہ ہونے کی صورت میں آپ وقت سے پہلے جلدی گھر جاسکتے ہیں لیکن اگر کام تھا مگر نہیں کیا یا کیا تو ہے مگر ناقص کیا تو ادارے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تنخواہ میں سے کچھ وضع کر دیں لیکن اگر ادارہ بخوشی پوری تنخواہ دے دے تو آپ کے لیے لینا جائز ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ ہارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾
ولما فی مشکوٰۃ المصابیح ۱/۲۵۵ طبع سعید

عن ابی حرۃ عن عمہ قال قال رسول اللہ ﷺ لَا تَظْلِمُوا أَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ إِلَّا
بَطِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ .

ولما فی تنویر الابصار والدر المختار ۱/۲۴ طبع سعید

(الاجراء علی ضربین بمشترک وخاص 'فالاول من یعمل لا لواحد' کالخیاط ونحوہ) (أو
یعمل له عملاً غیر موقت) (كان استاجره للخیاطۃ فی بیتہ غیر مقبده بمدۃ كان أجبراً
مشتراً وان لم یعمل لغيره) (أو موقفاً بلا تخصیص) (كان استاجره لیرعی غنمہ شهراً
بدرهم كان مشتركاً الا ان یقول ولا ترعی غنم غیری وسیتضح وبعد اسطر (ولا
یستحق المشترك الأجر حتی یعمل کالتقاصر ونحوہ)

ولما فی الرد للمختار ۱/۲۴ طبع سعید

(قوله حتی یعمل) لان الاجارة عقد معارضة فتقتضى المساواة بينهما 'فما لم یسلم
المعقود علیه للمستاجر لا یسلم له الموضع والمعتود علیه هو العمل أو أثره علی ما
بینا فلا بد من العمل زیلعی والمراد لا یتحق الأجر مع قطع النظر عن امور خارجیه
كما اذا عجل له الأجر أو شرط تعجیله كما فی السعدیه .

ولما فی للھندیہ ۲/۵۱۹ طبع رشیدیہ

لغفلت عبارة المشایخ فی الحد الفاصل بینہما بعضهم قالوا: الأجیر المشترك من
یستحق الأجر بالعمل لا بتسليم نفسه للعمل. والأجیر الخاص من یتحق الأجر

بتسلیم نفسه وبمضى المدة ولا يشترط العمل في حقه لاستحقاق الأجر وبعد اسطر
والأوجه ان يقال الأجير المشترك من يكون عقده واردا على عمل معلوم ببيان عمله .
ولما في البحر الرائق ۲۶/۸ طبع معيد

وبیان ذلك ان معنى الأجير المشترك من لا يجب عليه ان يختص بواحد عمل لغيره
أو لم يعمل ولا يشترط ان يكون عاملا لغير واحد بل اذا عمل لواحد فهو مشترك اذا كان
بحيث لا يستغنى ولا يبعد عليه ان يعمل لغير واحد قال النشار ولأولى ان يقال الأجير
المشترك من يكون عقده واردا على عمل معلوم ببيان محله ليسلم من التقص (ولا
يستحق الأجرة حتى يعمل كالقصار والصباغ والخياط والنساج) لان الأجرة عقد
معارضة ليقضى المساواة بينهما كما تقدم .

والله اعلم بالصواب: ضياء الحق انجی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۳۱۴۲

۷ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ

﴿غیر مسلم کے لئے اجرت پر کام کرنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں کار پینٹر کا کام
کرتا ہوں میرے پاس ایک ہندو آیا کہ میرے گھر کے لئے ایک الماری کتابوں کی بنادو جس میں
وہ اپنی مذہبی کتابیں رکھے گا، تو کیا میرے لئے جائز ہے کہ میں اس کے لئے الماری بنادوں؟ اور
اس سے حاصل ہونے والی مزدوری کا استعمال میرے لئے جائز ہوگا؟ مستفتی: نصرت اللہ

﴿جواب﴾ آپ کار پینٹر ہیں یہی آپ کا روزگار ہے ہندو آدمی کے لئے آپ الماری بنا
سکتے ہیں وہ اس میں مذہبی کتابیں رکھے یا دوسرے کسی کام میں لائے یہ اسکی مرضی ہے، آپ اپنے
کام کی اجرت لے سکتے ہیں البتہ ہندو اور دیگر غیر مسلموں کی ایسی ملازمت یا خدمت وغیرہ انجام
دینا جس میں مسلمان کی ذلت و رسوائی ہو مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

لما فی فتاویٰ قاضی خان: (۲۲۵، ۲۲۶، کتاب الاجارات، طبع قدیمی)

مسلم آجر نفسه من نصرانی، ان استاجرہ لعمل غیر الخدمة جاز، وان جر نفسه
للخدمة، قال الشیخ الامام ابو بکر محمد بن الفضل: لا یجوز. وذكر القدوری رحمه الله
تعالی: انه یجوز، وتكره له خدمة الکافر.

وبقول الشیخ بعد ستور: ولو آجر المسلم نفسه من المجوس ليقود لهم النار لا باس
عندهم، لان التصرف فی النار والانتفاع بها مباح بخلاف الانتفاع بالخمر وحمل
الخمر عندهم..... وكذا لو بنی بالاجر بهمة او كنيسة لليهود والنصارى، طاب له الاجر.

لما فی بدائع الصنائع: (۱۸۹/۴)، کتاب الاجارۃ، مطلب لما یرجع الی المعقود علیہ، طبع سمیعہ) ولو استأجر نسی مسلماً لخدمته ذکر فی الاصل انه یجوز و اکره للمسلم خدمة النسی اما الفکرۃ فلان الاستخدام استدلال فکان اجارۃ المسلم نفسه منه اذلالاً لنفسه وليس للمسلم ان یذل نفسه خصوصاً بخدمة الکافر و اما الجواز فلانه عقد معارضة ليجوز کالبيع لما فی خلاصة الفتاوی: (۱۴۹/۴)، کتاب الاجارات، طبع رشیدیہ)

للمسلم اذا أجز نفسه من الکافر لخدمته جاز و یکره قال الفضل: لا یجوز فی الخدمة وما لیه اضلال، بخلاف المزارعة و السقی، مسلم أجز نفسه من مجوسی ليقود له النار لا بأس به. وبقی بعد ستور: اليهود اذا استأجروا مسلماً لیبني لهم بیعة او کبیسۃ للنصارى فان الاجر یطیب له. الجواب صحیح: عبد الرحمن حفظہ اللہ تعالیٰ

واللہ اعلم بالصواب: جلال الدین خرسند

فتویٰ نمبر: ۳۷۳۱

۶۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

﴿کفار کے ہاں ملازمت کی ایک خاص صورت کا بیان﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ مجھے بگرام ایئر بیس (جو کہ امریکی فوج کے قبضہ میں ہے) میں ملازمت ملی ہے اور میرا کام یہ ہے کہ میں امریکی فوج کے زیر استعمال فریج وغیرہ خراب ہونے کی صورت میں مرمت اور ٹھیک کروں، کیا شرعاً میرے لیے یہ ملازمت اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: محمد عرفان کراچی

﴿جواب﴾ امریکی فوج چونکہ افغانستان میں مسلمانوں کے خلاف لڑ رہی ہے اور ایسی فوج کے ہاتھ وہ چیزیں بیچنا حرام اور ناجائز ہے کہ جن کے ذریعے ان کو مسلمان مجاہدین کے خلاف قوت اور مدد ملے البتہ فقہاء کرام نے تاجروں کے لیے ان چیزوں کی اگرچہ اجازت دی ہے کہ جن سے کفار کو مسلمانوں کے خلاف قوت اور مدد نہیں ملتی لیکن ساتھ ہی صراحت بھی فرمائی ہے کہ تاجروں کے لیے ایسی چیزوں کی تجارت سے گریز کرنا بہتر و افضل ہے کیونکہ کفار مسلمانوں کو ہلکا اور ذلیل سمجھتے ہیں اور مسلمان انکی ظاہری شوکت سے متاثر ہو گئے لہذا اپنے دین و ایمان اور عزت نفس کی خاطر اس ملازمت سے دور رہنا بہتر ہے۔

لما فی الرد للمحتار: (۱۴۲/۴) طبع: سمیعہ)

(قوله ولم نبع) اراد به التملیک بوجه کالہیۃ قہستانی، بل الظاهر ان الاجارۃ والا عارۃ كذلك لان العلة منع ما فیہ تقویۃ علی قتالنا (بحرم) ای یکره کراهۃ تعزیم (قوله کعبید) ار کسلاح ما استعمل للحرب ولو صغیراً کالابرة و کذا ما فی حکمہ من التحریر والذہاب فان تملیکہ مکروه لانه یصنع منه الراية (قوله ولا نعمله الیہم) ای لبيع

ونحروہ فلا بأس للتاجر ان يدخل دارهم بأمان ومعه سلاح لا يريد بيعه منهم اذا علم انهم لا يتعرضون له والا فليمنع عنه

ولما في البدائع الصنائع (۴/۱۰۲ طبع بمسجد)

وأما بيان ما يكره حمله الى دار الحرب وما لا يكره فتقول ليس للتاجر ان يحمل الى دار الحرب ما يستعين به اهل الحرب على الحرب من الاسلحة والخيول والرفيق من اهل الذمة وكل ما يستعان به لى الحرب لان فيه امدادهم واعانتهم على حرب المسلمين قال الله تبارك وتعالى ولا تعاونوا على الاثم والعنوان فلا يمكن من العمل ولا بأس بحمل اللثياب والمتاع والطعام ونحو ذلك اليهم لانعدام معنى الامداد والاعانة وعلى ذلك جرت العادة من تجار الاعصار انهم يدخلون دار الحرب للتجارة من غير ظهور الرد والانكار اليهم الا ان الترك الفضل لانهم يستغلون بالمسلمين ويدعونهم الى ما هم عليه فكان المكف والامساك عن الدخول من باب صيانة النفس عن الهوان والدين عن الزوال فكان اولى

والجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

والله اعلم بالصواب: نبياء الحق انكى

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

تواریخ نمبر: ۳۶۳

۲۷ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ

﴿گائے چرانے کی اجرت اسکے دودھ اور نسل میں سے مقرر کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمرو کو اپنی گائے دی اور کہا کہ یہ گائے پانچ سال آپ اپنے پاس رکھیں، اس کا چارہ وغیرہ آپ کے ذمے ہے، اور اس کا دودھ وغیرہ بھی آپ استعمال کریں، البتہ اس عرصے میں گائے کی نسل میں جو اضافہ ہوگا وہ ہم دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا، ایسا معاملہ کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ شریعت ہر ایسے معاملے کو منع کرتی ہے جس میں معاملہ کرنے والوں کا آپس میں ناراضگی یا اختلاف کا اندیشہ رہتا ہو، مذکورہ معاملہ چونکہ اسی نوعیت کا ہے اس لئے ناجائز ہے اس کو فوراً ختم کرنا ضروری ہے، اس کی جائز صورت ایک یہ بھی ہو سکتی ہے، کہ زید گائے کا آدھا حصہ عمرو کو چند روپوں کے عوض فروخت کر دے، گائے مشترک ہو جائے گی، پھر چارہ کا خرچہ بھی مشترک ہوگا، اور حاصل ہونے والا دودھ بھی، اور بچے بھی مشترک ہونگے، آگے زید دودھ کا اپنا حصہ بطور احسان چھوڑتا رہے اور عمرو چارہ کا خرچہ وغیرہ چھوڑتا رہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(لما فی متن الدرر لطنی ۲/۲۴۴ طبع: دار المعرفۃ)

عن ابی سعید الخدری قال نہی عن عصب اللعل وعن قلین الطحان

ولما فی التفریع مع الدر (۱/۵۶ طبع سمیع)

ولودفع غزلا لآخر لینسجه له بنصله ای بنصف الغزل (او استأجر بغلا لیحمل طعامه
ببعضه او ثورا لیطحن به ببعض دلیقه) فسدت فی الكل لانه استأجره بجزء من
عمله والا صل فی ذلك نهیه عن قلیز الطحان والحملة أن یفرز لأجره اولا او
یسى قلیزا بلا تعین ثم یعطیه قلیزا منه فیسوز.

ولما فی المحيط البرهانی (۱۲/۱۶ طبع: ادارة القرآن)

اذا دفع الی آخر بقرۃ بالعلف لیكون العاد ث بینهما نصفان ، فالعادت كله لصاحب
البقرۃ وعليه اجر مثل عمل المد فروع الیه وثن العلف وهذا ان المد فروع الیه غیر
متبرع فیما صنع ، لانه انما فعل ذلك رجاء ان یسلم له نصف العاد ث ولا یسلم له
نصف العاد ث فهنا لفساد العقد لكون البذل مجبولا .

والحملة فی جنس هذه المسائل ان یتبع صاحب البقرۃ نصف البقرۃ ، وصاحب الذبابة
والبقرۃ نصف الذبابة والبقرة من المنطوق الیه ویدرء عن ثمن ما اشترى ، فیکون بینهما .

ولما فی فتاوی قاضی خان ۲/۲۴۲ طبع: قدیمی

رجل اخذ من رجل بقرۃ علی ان ما حصل من لبنها من المصل والسن والرائب یتكون
بینهما لا یجوز والحملة فی تجویز هذا التصرف ، ان یتبع نصف هذه البقرۃ من
المد فروع الیه بثن معلوم ، ویسلم البقرۃ الیه ثم يأمره بان یقتذ من لبنها المصل
والسن وغیر ذلك ، فیکون ذلك بینهما .

والله اعلم بالصواب: صدیق انور

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

نویمبر: ۱۳۷۶

۲۳ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

﴿ گائے پالنے کی اجرت اس کی قیمت میں سے متعین کرنا ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں رواج
ہے کہ گائے کے بچے کو اس شرط پر کسی دوسرے شخص کو دے دیا جاتا ہے کہ جب یہ بچہ بڑا ہوگا تو
اس کو بچ کر اس کی قیمت مالک اور پالنے والے دونوں میں آدھی آدھی تقسیم ہوگی یا جب یہ بچہ بڑا
ہو کر بچے گا تو اصل جانور مالک کو واپس کر دیا جائے گا اور اس کا جنا ہوا بچہ پالنے والے کا ہو
جائے گا، شرعاً اس عقد کا کیا حکم ہے؟ اگر صحیح نہیں تو شرعاً اسکی صحیح متبادل صورت کیا ہوگی؟

﴿جواب﴾ یاد رہے کہ مذکورہ عقد اجارۃ فاسدہ کی ایک صورت ہے، یوں کہ انیس اجرت
اور مدت کے مجبول ہونے کیساتھ ساتھ فقیر الطحان کی صورت بھی پائی جاتی ہے جو کہ منوع ہے،
لہذا اس طرح کے عقد سے بچنا چاہیے، البتہ اس کی متبادل صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جانور پالنے

والے کیساتھ مخصوص مدت تک جانور پالنے کی اجرت مقرر کی جائے اور جب مدت مقررہ پوری ہو جائے اور جانور نے بچہ جٹا ہو تو پالنے والے کو وہی بچہ بطور اجرت دیا جاسکتا ہے اگر بچہ نہ جٹا ہو تو بھی پالنے والے کو متعین اجرت دی جائیگی، جانور کا مالک جانور فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت سے بھی مقررہ اجرت دے سکتا ہے۔

لسافی البحر: (۱۶/۸) باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع: سعید

(یفسد الاجارۃ الشرط) قال فی المحيط کل جہالۃ تنسّد البیع تنسّد الاجارۃ لان الجہالۃ للتمکنت فی البدل او المبدل تقضی الی المنازعة.

ولسافی الہدایۃ: (۳/۲۰۸) ترجمانیہ: (۱) استاجر حمزا بہ حمل علیہ طعاماً بقیۃ منہ فالاجارۃ فاسدۃ.

ولسافی التفریح مع الدر: (۱/۵۱-۵۴) باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع: سعید

(أو استاجر بفلاً لیحمل طعامہ ببعضہ او ثوراً لیطحن برہ ببعض دقیقہ) فسدت فی الکمل ووجب اجر المثل لا یجاوزہ المسمی زلیعی.

ولسافی العناۃ علی هامش الفتح: (۱/۱۰۹) مطبع: رشیدیہ

وهذا اصل کبیر یعرف بہ فساد کثیر من الاجارات فان قیل اذا کان عرف دیارنا علی نلک فہل یترک القیاس؟ قلنا: لا.

ولسافی الدر المختار: (۱/۵۴) مطبع: سعید

والعیلۃ ان یلزم الاجرا ولا ویسی قلیۃ ابلاتعیین ثم یعطیہ قلیۃ امنہ فیجوز.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: ذیشان احمد طرازی

۸ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر: ۲۸۴۳

﴿شراب کی فیکٹری میں کام کرنا منع ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شراب مسلمانوں کے لئے حرام ہے، اگر کوئی مسلمان غیر مسلموں کے پاس شراب خانہ یا شراب فیکٹری میں کام کرتا ہے مزدوری لیکر تو کیا یہ شخص شریعت کی روشنی میں کام کر سکتا ہے؟

﴿جواب﴾ شراب تیار کرنا، یا تیار کرانے میں معاونت کرنا دونوں منع ہیں، اگرچہ یہ کام غیر مسلموں کے پاس کوئی مسلمان کرے، اس لئے کہ احادیث میں شراب بنانے کی باقاعدہ وضاحت کیساتھ ممانعت آئی ہے۔

لسافی قولہ تعالیٰ: (سورۃ المائدہ ۲) ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾

ولما فی سنن ابن ماجہ: (ص: ۲۲۲ طبع: فاروقی)

باب لعنة الخمر على عشرة اوجه: عن ابن عمر يقول قال قال رسول الله ﷺ لعنة الخمر على عشرة اوجه بعينها وعاصرها ومعتصرها وبائعها ومبتاعها وحاملها والمحمولة اليه واكل ثمنها وشاربها وساقياها.

ولما فی الشامی: (۱/۳۹۱ طبع: سعید)

اقول: وهو خلاف اطلاق المتن وتعليل الشرح بما مر وقال ط: وفيه انه لا يظهر الا على قول من قال ان الكفارة غير مخاطبين بفروع الشريعة والاصح خطابهم به عليه فيكون اعانة على المعصية، فلا فرق بين المسلم والكافر وفي العصير منها فقد بر.

ولما فی فتاوى الولوالجية: (۲/۳۸۶ طبع: فاروقی)

رجلا اجر نفسه من مجوسى يوقد له نارا لا بأس به ولو اجر نفسه ليحمل الخمر يكره ذلك، لان التصرف فى النار مباح وفى الخمر لا.

وايضاً: (۲/۳۲۱ طبع: فاروقی)

فقير اجر نفسه من كافر ليصير العنبد ليتخذ منه الخمر يكره له ذلك، لان النبى ﷺ قال: "لعن الله عاصرها" الحديث

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۳۱۶۶

۲۲ مئی الخیر ۱۴۳۳ھ

﴿بقدر مسافت ٹیکسی کے کرایہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے ماڑی پور سے کورنگی تک ایک ٹیکسی اپنے سامان کی منتقلی کیلئے کرائے پر لی اور باہمی رضامندی سے کرایہ پانچ سو (۵۰۰) روپے مقرر کیا، اب راستہ کے درمیان میں ٹیکسی خراب ہو گئی، تو اس صورت میں ٹیکسی والا کرایہ کا مستحق ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو کتنے کرایہ کا مستحق ہے حالانکہ مسافر شخص اگر دوبارہ ٹیکسی کرایہ پر لے گا تب بھی اسکو پانچ سو (۵۰۰) روپے میں ٹیکسی ملے گی تو کیا شریعت میں ایسے شخص کیلئے بھی کوئی رعایت ہے کہ نہیں؟

﴿جواب﴾ ٹیکسی اگر واقعی خراب ہوئی ہے تو یہ حقیقی عذر ہے جسکی وجہ سے یہ اجارہ منسوخ ہو جائے گا اور ٹیکسی والے نے جتنی مسافت طے کی ہے اسی کی بقدر وہ کرایہ کا مستحق ہوگا، لہذا اگر آدمی راستہ تک مسافت طے کی ہے تو آدمی کرایہ کا مستحق ہوگا۔

اور رہا یہ کہ آدمی راستہ کی مسافت کیلئے بھی ٹیکسی پانچ سو (۵۰۰) روپے میں ملے گی یہ سمجھ

سے دور ہے بلکہ ممکن ہے کوئی دوسرا (۲۰۰) روپے میں بھی تیار ہو، بہر حال دوسری عیسیٰ والے
کیساتھ اب دوبارہ باہمی رضامندی سے معاملہ طے کریگا، کم ہو خواہ زیادہ، اس معاملہ کا تعلق پہلے
والے کیساتھ نہیں ہے۔

لسانی الہدایہ: (۳/۱۸ طبع رحمانیہ)

ومن استأجر دابة ليسافر عليها ثم بداله من السفر فهو عذر لأنه لو مضى على موجب
العقد يلزمه ضرر زائد لأنه ربما يذهب للحج فذهب وقتاً أو لطلب غريمه فحضر أو
للتجارة فافتقر وان بدال المكارى فليس ذلك بعذر لأنه يمكنه أن يتعدو بيعت الدواب
على بدالهم أو أجيره وقال العلامة عبد العلى الكهنوتى تحت قوله بداله معناه ان
بداله صلاح خلاف ما قصد من السفر أى ظهر له فيه رأى منعه من ذلك السفر.

ولسانی المبسوط (ج ۱۵ ص ۱۷۸ طبع دار المعرفۃ بیروت)

وان نقتت الدابتلى للطريق فعليه من الكره بقدر ما ساروا. وكذا لى المشامى (۱/۷۷ طبع سعید)

ولسانی الخانیه علی هامش الہندیہ: (۲/۴۵۲ طبع رشیدیہ)

رجل استأجر رجلاً يذهب بحمولته الى موضع كذا فلما سار بعض الطريق بداله أن لا
يذهب ويترك الاجارة وطلب من الأجير نصف الأجر قالوا ان كان للنصف للباقى من
الطريق مثل الأزل فى السهولة والصعوبة كان له ذلك ولا يسترد بقدره. وكذا لى
المشامى: (۱/۷۹ طبع سعید) وكذا لى المقنورى: (ص ۱۱۲ طبع قدسى)

واللہ اعلم بالصواب: علی خان

الجواب صحیح: محمد ارحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۷۵۳

۱۵ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ

﴿اجارہ پر طویل الیعا دز میں لینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ لیز (اجارہ) پر ۹۰ سال تک زمین خریدنا اور پھر ہر
سال ایک مخصوص رقم مثلاً چار سو روپے ہر ماہ ادا کرنا ضروری ہوگا اور سالانہ اضافہ بھی ہوتا رہے گا
جبکہ یہ بات دوران عقد واضح ہو چکی ہو تو یہ معاملہ شرعاً کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔ مستحق: ذاکر عبدالرحمن
﴿جواب﴾ تو ۹۰ سال کے لئے زمین لیز (اجارہ) پر لینا دینا جائز ہے، اور سالانہ
ایک مخصوص رقم لینا بھی جائز ہے بشرطیکہ معاملہ کرتے وقت یہ تمام باتیں واضح طور پر معلوم
ہوں، البتہ یہ کہ سالانہ اضافہ بھی ہوتا رہے گا، اس شق کی وجہ سے پورا معاملہ فاسد ہوا، اس لئے
کہ اضافہ اجرت کا حصہ ہوگا اور اجرت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے۔

لہذا شروع میں اگر اس کا تعین نہیں ہوا ہے تو یہ معاملہ واجب الفسخ ہے یعنی معاملہ ختم کرنا ضروری ہے۔

لما فی الفتاویٰ الشامی: (۶/۱، طبع سعید)

قال فی المنح: بعد نقل ما فی الخلاصۃ ومفادہ أن الاجرة اذا كانت معلومة فی الاجارة الطويلة تنعقد فی التعاطی، لأنه جعل العلة فی عدم انعقادها كون الاجرة فیها غیر معلومة واللہ تعالیٰ اعلم، وكذا فی الفتاویٰ الشامی: (۲/۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳، طبع سعید) وكذا فی اللقہ الاسلامی مع أدلتہ: (۲/۳۲۵۳، طبع رشیدیہ) وكذا فی الهدایہ: (۳/۲۱۱، طبع رحمانیہ) وكذا فی الہندیہ: (۲/۴۱۱، طبع رشیدیہ) وكذا فی البحر: (۸/۱، طبع سعید) ولما فی البحر: (۴/۳۱۲، طبع سعید)

فتاں اذا كان ما وقع عليه عقد الاجارة مجهولاً فی نفسه أو فی أجره أو فی مدة الاجارة أو فی العمل المستأجر عليه فالاجارة فاسدة وكل جهل تدخل فی البیع فتفسد من جهة الجهالة فكذلك هی فی الاجارة وفيه: (۸/۱۶-۱۷) یفسد الاجارة للشرط، قال فی المحیط: كل جهل یتفسد للبیع تقسناً لاجارة المتكئة فی البذل أو المبدل منه تقضى الى المنازعة وكل شرط لا یقتضیه العقد وفيه منقعة لأحد المتعاقدين یفرض فی المنازعة فیلسد الاجارة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۲۸۰۶

۳ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ

﴿متعین کردہ شخص کے علاوہ ٹیکسی چلانے کا حکم﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک ٹیکسی ڈرائیور ہوں، مالک ٹیکسی نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ صرف آپ ہی چلاؤ گے، آپ پر میرا اعتماد ہے، لیکن کبھی کبھار گھر میں بیماری وغیرہ کی وجہ سے میرا بیٹا چلا لیتا ہے تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ میرا اس ٹیکسی کے علاوہ کوئی اور سہارا نہیں ہے۔ مستفتی: عزیز اللہ بلال چورنگی کراچی

﴿جواب﴾ ٹیکسی کے مالک نے آپ کو واضح کر کے اگر خود چلانے کا پابند کیا ہے تو اس عہد کی پاسداری ضروری ہے، بیٹے کو چلانے کے لئے دینا جائز نہیں۔

لما فی التنویر مع الرد: (۱/۳۵، کتاب الاجارات، طبع سعید)

(وان قید بر اکب أو لابس لمخالف ضمن اذا عطيت ولا أجر عليه وان سلم)

وفی الشامیہ: (قوله ضمن) لأنه صار متعدياً، لأن الركوب واللبس ما يتفاوت فيه الناس، فرب خفيف جاهل أضمر على الدابة من تكبل عالم (قوله وان سلم) لأنه يكون

غاصبار منافع للفصیب غیر مضمونۃ الالیما استثنیٰ.

ولمافی البحر: (۲۰۸/۴)، کتاب الاجارات، طبع سعید

(قرولہ وان قیدبر اکب اولابس لخالف ضمن کہعنی اذا عطبت لأن الناس يتفاوتون فی العلم بالركوب واللبس ولا أجر عليه، لأنه مع الضمان مستنع وكذا لا أجر عليه ان سلم لأنه لما سلم تبين أنه لم يخالف.

ولمافی البدائع: (۱۸۳/۲)، کتاب الاجارات، طبع سعید

ولابدلیها من بیان ما يستأجر له فی الحمل والركوب، لأنهما منفعتان مختلفتان وبعد بیان ذلك لابد من بیان ما يحمل علیها ومن یركبها، لأن الحمل یتفاوت بقاوت المحمول والناس يتفاوتون فی الركوب، فترك البیان یفضی الی المتارعة.

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۲۹۰۳

۲۱ مئی الخیر ۱۴۳۲ھ

﴿متعین کردہ پکوان کا مزدوروں سے کھانا پکوانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا پکوان سینٹر ہے،

لوگ مجھ سے آرڈر پر کھانا پکواتے ہیں بعض اوقات لوگ اس بات پر مصر ہوتے ہیں کہ آپ خود پکائیں، آپ کے ہاتھوں کا کھانا لذیذ ہوتا ہے لیکن کبھی آرڈر زیادہ ہونے کی وجہ سے میں مزدوروں سے بنواتا ہوں، پوچھتا ہوں کہ آرڈر لیکر مزدوروں سے پکوانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے ملنے والی رقم میرے لئے جائز ہوگی یا نہیں؟ مستفتی: ہدایت اللہ بنارس کراچی

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ جو حضرات آپ کو آرڈر دیکر وضاحت کے ساتھ یہ کہیں کہ آپ

ہی پکاؤ گے مزدور سے نہیں پکاتا تو اس صورت میں آپ کے لئے جائز نہیں کہ آپ مزدور سے پکوائیں، البتہ جو حضرات بغیر کسی تخصیص کے آرڈر دیں تو اس صورت میں جائز ہے کہ آپ کے بجائے آپ کے مزدور پکائیں اور اس سے ملنے والی اجرت بہرہ و صورت جائز اور حلال ہے۔

لمافی للمہندیہ: (۲۱۱/۳)، کتاب الاجارات، طبع رشیدیہ

واذا شرط علی الصناع أن يعمل بنفسه فلیس له أن يستعمل غیره فی محل بعینه فلیستحق بعینه كالمستفیع فی محل بعینه وان أطلق له العمل فله أن يستأجره من یعمله لأن المستفیع عمل فی ذمته ویسکن اہلہ، بنفسه وبالاستعانة بغيره بمنزلة اہلہ، اللہین.

ولمافی البحر: (۲۰۳/۴)، کتاب الاجارات، طبع سعید

(قرولہ ولا يستعمل غیره ان شرط عمله بنفسه) لأن السعور دعلیه العمل فی محل بعینه

کالمستفعلی محل بمعینہ..... والیراد من اشتراط العمل بنفسه أن یقول له اعمل بنفسک
أو ببیدک ولا تعمل ببید غیرک کما فی الخلاصۃ، أما اذا قال أن تعمل فهو من قبیل
ما اذا أطلق کذا فی المستصلى وغایۃ البیان (قوله وان أطلق کان له أن يستاجر غیره)
لأن المستحق عمل فی ذمته ویسکن استيفاءه بنفسه وبالاستعانة بمنزلة ایلاء الذین
ولما فی البحر: (۱۹/۸) مطبع سعید

ومهر البنى..... وان استاجر هالیزنی بهائم أعطاهامهرها أو ما شرطها لایأس بأخذہ، لأنه
فی لجارة فاسدة یطیب له وان کان السبب حراماً.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۲۹۰۳

۱۹ مفر الخیر ۱۴۳۲ھ

﴿ایڈوانس رقم پیشگی کرایہ کی تاویل سے لینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہم نے نئی دوکانیں بنائی ہیں جسکے پلستر وغیرہ ابھی
تک نہیں ہوئے پڑوسی جلدی میں ایک دوکان چاہتا ہے جبکہ ہمارے پاس ضرورت سے زائد رقم
اتنی نہیں جس سے ہم دوکان کے پلستر وغیرہ کر سکیں، ہم نے پڑوسی سے بات کی کہ آپ ہمیں ابھی
اتنی رقم دیدیں جس سے ہم پلستر وغیرہ کریں، ایڈوانس میں لینے والی رقم ہم کرایہ میں شمار کر لینگے،
کیا ہمارے لئے شرعاً ایسا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مینو اتو جروا۔ مستفتی: بھائی ریاض محمد سواتی
﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں ”ایڈوانس رقم“ پیشگی کرایہ کی تاویل سے لینا جائز ہے،
کیونکہ پیشگی کرایہ کی شرط شریعت کے رو سے جائز ہے۔

لما فی التنبیہ مع الدر: (۱۰/۶)، کتاب الاجارات، مطبع سعید

(و) اعلم أن (الأجر لا یلزم بالعقد فلا یجب تسلیمہ) (بل بتعجیلہ أو شرطہ فی
الاجارۃ المنجزۃ.

وفی الشامیة: (قوله لا یلزم بالعقد) ای لا یملک بہ کیا عبر فی الكنز، لأن العقد وقع علی
المنفعة وهی تعدث شیئاً فشیئاً و شان البدل أن یکون مقابلاً للمبدل و حیث لا یسکن
استيفاء، ما حالاً لا یلزم بدلهما حالاً الا اذا شرطه ولو حکماً بان عجله، لأنه صار ملتزماً له
بنفسه حیث ننظر أبطل المساراة التي اقتضاها العقد فصح.

وکذا فی البحر: (۲/۸)، کتاب الاجارات، مطبع سعید

ولما فی البدائع: (۱۹۵/۲)، کتاب الاجارات، مطبع سعید

ولو اجر بشرط تعجیل الأجرۃ أو شرط علی المستاجر أن یعطیه بالأجرۃ رهنًا أو کفیلًا
جاراً اذا کان الرهن معلوماً و الکفیل حاضرًا أن هذا شرط یلزم العقد وان کان

لا یتقضیہ کما ذکرنا فی البیوع، فیجوز کما فی بیع العین.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی، فہر لہ دلولہ

فتویٰ نمبر: ۲۹۰۱

۱۸ مئی الخیر ۱۳۳۲ھ

﴿کسی کے لئے قرضہ وصول کرانے پر اجرت لینا جائز ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا کسی دوسرے پر قرضہ ہے اور وہ شخص اپنا قرضہ اس سے وصول نہیں کر سکتا، ابھی ایک تیسرا آدمی کہتا ہے کہ میں تیرا قرضہ وصول کرتا ہوں لیکن مجھے کمیشن دو چاہیے، تو کیا یہ مطالبہ اس کا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ کسی بھی جائز محنت کا معاوضہ لینا اجرت کے زمرے میں آتا ہے، یہ تیسرا شخص قرض خواہ کا حق وصول کرنے کیلئے ظاہر بات ہے اپنا وقت، اثر و رسوخ، آنے جانے کیلئے کرایہ وغیرہ خرچ کریگا، اس لئے اس پر اجرت لینا جائز ہے، البتہ پہلے سے طے ہو کہ اتنی رقم لوں گا، کمیشن فی صد کے اعتبار سے اگر طے ہو تو اس سے بھی اجرت متعین ہو جاتی ہے، اس لئے مذکورہ صورت جائز ہے۔ (امداد القادری، ۳۹۱/۳، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

لما فی الدر المختار: (۵/۱ طبع سعید)

کون الاجرة والمنفعة معلومتین لان جہا لثما تلغی الی المنازعة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ دلولہ

فتویٰ نمبر: ۲۸۳۳

۱۲ جب ۱۳۳۳ھ

﴿رشتہ کرانے پر اجرت لینا کیسا ہے؟﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل رشتہ طے کرانے کے لئے لوگوں نے دفاتر کھولے ہوتے ہیں اور لاکھ لاکھ والوں کی آپس میں سلام دعا کرا کر اس پر اجرت لیتے ہیں، ایسی اجرت لینا شرعاً کیسا ہے؟ مستفی: محمد بشارت خاں

﴿جواب﴾ حشر خرید و فروخت میں دلال بڑا کردار ادا کر سکتا ہے اور معاملات میں اس کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے، موجودہ دور میں رشتہ تلاش کرنے میں بھی اس کی ضرورت پیش آنے سے انکار نہیں کیا جاسکتا چونکہ ضرورت ہی کی خاطر دلال کی اجرت خرید و فروخت میں خلاف قیاس جائز قرار دی گئی ہے، اس لئے رشتہ کے معاملہ میں بھی دلال کی اجرت کا دعویٰ حکم ہے یعنی جائز ہے۔

سامی قاضی خان (۱/۲۰ طبع لدھی)

اختلف المشايخ في الدلالة على النكاح هل يكون لها اجر؟ قال الامام ابو حنيفة رحمه الله
فقط لا اجر لها لانه لا منفعة للزوج من كلامها بعد عقد النكاح ولا راجح في العقد
والعقود ما قام بها وقال غيره من المشايخ لها اجر مطلق لان معظم الامم في النكاح يعلمون
بالدلالة فان النكاح لا يكون الا بتمتع تكتم من الدلالة فكان لها اجر المثل بمذلة
الدلال في البيع فانه يستحق الاجر وان كان البيع يكون من صاحب المثل ولا خلاف في
الاولوية الجدة (۲/۲۰۲) قبيل انفصل الثاني فيما يخص المساجد طبع دار الفقه بشاره
وكتافي البزازية (۱/۲۲۲) خروج متفرقات اجاره على المعاصي طبع لدھی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

والله اعلم: محمد بن محمد

نویس: ۱۹۸۳

۹ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿تیم بچوں کی مدد کے لئے ان کے کاروبار کو سنبھالنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ: ہاں ایک دوست
تضائے الہی سے شبید ہو گئے ہیں پسماندگان میں انکا ایک بالغ لڑکا ہے، ایک نابالغ دو
بیٹیاں اور ایک انکی اہلیہ زیوہ ہے۔ بچے زیر تعلیم ہیں اور خاندان میں کاروبار سنبھالنے کے لئے کوئی
تیار نہیں ہے۔ پسماندگان کی خواہش ہے کہ مرحوم کے کاروبار کو میں سنبھال لوں اور وہ لوگ
فرماتے ہیں کہ آپ جیسے مناسب سمجھیں یہ معاملہ خود طے کر لیں لیکن معاملہ دنیا و آخرت کے اعتبار
سے نازک اور احتیاط طلب ہے اس لئے از خود کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا۔ براہ کرم قرآن و سنت کی
روشنی میں اس کا حل بتادیں؟ مستفتی: محمد شاہد حنیف

﴿جواب﴾ تیم بچوں کے کاروبار کو سنبھالنا بالمشابہ بذا نازک اور احتیاط طلب امر ہے، لیکن
کوئی متقی قابل بحروسہ آدمی اچھی نیت اور خیر خواہی کا جذبہ رکھتے ہوئے اگر سنبھال لے تاکہ تیم
بچوں کی مدد ہو یعنی کسی سے دودنی تعلیم حاصل کریں اور اس کاروبار سے انکی ضروریات پوری
ہوں تو بہت بڑے اجر و ثواب کا بھی باعث ہے۔ کوئی بھی معاملہ متعادلین کے باہمی رضامندی
سے طے ہوتا ہے از خود ایک جانب سے کوئی طے نہیں کر سکتا، آپ مندرجہ ذیل تجاویز میں سے جو
مناسب سمجھیں مرحوم کے بالغ لڑکے کے سامنے پیش کریں چونکہ دیگر تیم بھائی اور بہنوں کا بھی
وہی اب شرعاً ولی (ذمہ دار) ہے، اس لئے اسی کا فیصلہ معتبر ہوگا، لیکن اتنا بڑا بوجھ دوا کیلئے اور از

خود نہ لے بلکہ اپنی والدہ اور خاندان کے دیگر بزرگوں کیساتھ بھی مشورہ کرے، تجربہ کار لوگوں سے رہنمائی حاصل کرے اس کے بعد آپکی تجویز کردہ صورت کو کاروبار اور اپنے یتیم بھائی بہن وغیرہ کے حق میں اگر مفید سمجھے تو خاندان کے چند بزرگوں کی موجودگی میں معاملہ کو تحریری صورت دیکر باضابطہ معاہدہ کریں۔

یتیم بچوں کے کاروبار کو سنبھالنے کے لئے ایک تجویز تو یہ ہے کہ آپ بطور ملازمت یہ کام سنبھال لیں، کام کی نوعیت، اپنی ضروریات اور یتیم بچوں کی ضروریات کے علاوہ کاروبار کا فائدہ بھی ملحوظ رکھتے ہوئے ایک خاص مقدار کا مشاہرہ انکو بتادیں اور اپنی ڈیوٹی کے اوقات بھی ان پر واضح کریں۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ بطور شراکت آپ یہ کاروبار سنبھال لیں۔ شراکت کی صورت اس طرح ہو سکتی ہے کہ آپ باقاعدہ اس کاروبار میں حصہ دار بنیں مثلاً کاروبار اگر ہارڈ ویئر کی دوکان ہی ہے اور ہارڈ ویئر سامان ہے، تو موجود سامان کا تجربہ کار لوگ صحیح اندازہ لگائیں کہ کتنی مالیت کا کل سامان ہے، بالفرض نو لاکھ کا سامان ہے، آپ نے تین لاکھ کا حصہ خرید لیا تو چھ حصوں کے مالک مرحوم کے بچے وغیرہ ہیں، اور تین حصوں کے آپ مالک ہو جائیں گے، پھر باہمی رضامندی سے منافع کی شرح بھی مقرر کریں، چونکہ آپ اپنے حصوں کے تو مالک ہیں اور انکے چھ حصوں کی محنت پوری آپ کی ہوگی، تو منافع کی شرح پچاس فی صد بھی طے کر سکتے ہیں یا مرحوم کے بچوں کیلئے ساٹھ فی صد اور اپنے لئے چالیس فی صد بھی طے کر سکتے ہیں یعنی محنت کی وجہ سے اپنے سرمایہ کی نسبت سے زیادہ منافع کا آپ مطالبہ کر سکتے ہیں، پھر اگر وہ منظور کر لیں تو یہ جائز صورت ہوگی۔

اور ایک بات یہ بھی یاد رہے کہ خدا نخواستہ کبھی نقصان ہو تو پہلے منافع سے وہ نقصان پورا کیا جائیگا، اور ہر ایک فریق اپنے نفع کی شرح کی نسبت نفع واپس کریگا تاکہ اس نقصان کا ازالہ ہو سکے۔ لیکن اس سے بھی خدا نخواستہ نقصان اگر زیادہ ہو یعنی تمام منافع واپس کرنے کے بعد بھی اصل سرمایہ میں کمی رہی تو مزید نقصان ہر ایک کو سرمایہ کی نسبت سے ہوگا۔ اور دوکان کی بلڈنگ، فرنیچر وغیرہ مرحوم کی بچوں کی اگر ملکیت ہے کرایہ کی نہیں ہے تو اس کیلئے بھی مناسب کرایہ مقرر

کریں اور اپنے حصوں کا کرایہ الگ سے آپ ادا کرتے رہیں اور کرایہ کا نفع و نقصان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

ولما فی التنبیہ مع الدر (۲۹/۱) طبع سعید

(والثانی) امر الاجیر (الخاص) یسمى اجیر وحده (وهو من یعمل لواحد عملا موزنا بتخصیص و یتحق الاجر بتسلیم نفسه فی المدة وان لم یعمل کس استؤجر شهر المخدمة).

ولما فی التنبیہ مع الرد (۳۱۲/۴) طبع سعید

(قوله: ومع التفاضل فی المال دون الربح) أى بان یکون لاحدهما الف ولآخر النان مثلا واشترطا التساوی فی الربح، وقوله: بعکسه ای بان یتساوی المالان یتفاضلا فی الربح لکن هذا مقید بان یشترطا الاکثر للعامل منهما أو لا کثرهما عملا اما لو شرطاه للقاعد أو لاقلهما عملا فلا یجوز.

ولما فی الھندیۃ (۳۲۰/۲) طبع رشیدیہ

لو کان المال منهما فی شركة المنان والعمل علی احدهما ان شرطنا الربح علی قدر رؤس اموالهما جار ویكون ربحه له ووضیعتہ علیہ وان شرطنا الربح للعامل اکثر من رأس ماله جار علی الشرط ویكون مال الدافع عند العامل مضاربة.

ولما فی الشامیۃ (۴۵۰/۱) طبع امدادیہ

ثم یقول: لما کان من ربح فهو بینهما علی قدر رؤوس اموالهما بوما کان من وضیعة او نبعة کذلک، ولا خلاف ان اشتراط الرضیعة بخلاف قدر رأس المال باطل بواشتراط الربح متقارنا عاذا صحیح.

ولما فی البحر الرائق (۱۷۲/۵) طبع سعید

وقوله ولا تصح ملاوضة عنا بغير التقین والتبر والفلوس.

ولما فی الشامی (۲۳۲/۱) طبع امدادیہ

قلت: ذکرنا مثل هذا فی وصی الیتیم، وانه لو تصرف فی ماله احد من اهل السکة من بیع او شراء جار فی زماننا للضرورة بولی الخانیة: انه استحسن بوجه یلی.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: نعمرت اللہ غفر لہ ولوالدیہ

توی نمبر: ۳۶۷۶

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

﴿گفتگوں کے اعتبار سے اجرت طے کرنا جائز ہے﴾

﴿مولا﴾ مفتی صاحب السلام علیکم (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ) اللہ آپ کو جزاء خیر عطا فرمائیں، کہ آپ نے شفقت فرمائی، اور میرے مسئلے کے سلسلے میں حل ارشاد فرمائی، ایک توجہ طلب گزارش

ہے، کہ ماشاء اللہ دونوں حل اپنی نوعیت کے اعتبار سے لا جواب ہیں، لیکن میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے کچھ مشکل کا سامنا ہوگا، فرض کیا اگر ملازمت کی صورت ہے تو وقت کی پابندی بہت اہم چیز ہوگی، جس میں مجھ سے کوتاہی ہو سکتی ہے، کیونکہ اللہ کی توفیق سے دعوت کی محنت میں ہی کچھ ٹوٹی پھوٹی شرکت رہتی ہے، اس لئے آنے اور جانے کے اوقات کی پابندی نہ ہو سکے گی۔ دوسرا شراکت کے ساتھ تو بہت سے مسائل وابستہ رہتے ہیں۔

ایک تجویز یہ ہے کہ اگر میں وقت یعنی گھنٹوں کے اعتبار سے طے کر لوں تو جتنے ماہانہ گھنٹے ہوں گے اسکو اپنی کم سے کم ضرورت کے مطابق ان کے سامنے پیش کر دوں، پھر جتنا وقت دے سکا اسکا مطالبہ کروں۔ جواب عنایت فرمائیں۔

مستفتی: بھائی شاہد

﴿مجموعہ﴾ مرحوم کے کاروبار کو چلانے کیلئے آپ نے جو تجویز پیش کی ہے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، مرحوم کے بچے اور بچیوں کے سرپرست ذمہ دار حضرات کو یہ تجویز اگر منظور ہے کہ آپ کی اجرت گھنٹوں کے حساب سے آپس میں طے کر لیتے ہیں تو شرعاً یہ جائز ہے، البتہ آپ سمیت قیم بچوں کے سرپرست حضرات کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ کاروبار کی نوعیت کو ضرور ملحوظ رکھے اور کام کو وقت دینے کی ایسی ترتیب وضع کریں جس سے کام کا نقصان نہ ہو۔

لما فی القنول مع الدر ۱۹۶۱ طبع سعید.

والثانی وهو الأجير الخاص ویسمى أجير وحده وهو من يعمل لواحد عملاً موقتاً بالتخصیص ویستحق الاجر بتسليم نفسه فی المدة وان لم يعمل کمن استخرج شهراً للخدمة او شهراً المرعى الفتم المسمى باجير مسمى.

ولما فی الشامی ۲۱۹۴، طبع سعید.

اما لو شرط شرطاً تبع كعضو درس ایما معلومة فی كل جمعة فلا يستحق المعلوم الا من باشر خصوصاً اذا قال من غاب عن الدرس قطع معلومه فلیجب اتباعه وتماحه فی البصر.

ولما فی الشامی ۲۱۹۴، طبع سعید.

اسام بترك الامامة لزياره اقربانه فی الرسائل اسبوعاً او نحوه او لمصيبة او لاستراحة لا باس به ومطله علو فی العادة والشرع.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر فخر لدولہ الہدیہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

فتویٰ نمبر: ۳۶۷۹

﴿ثرین نہ رکنے کی وجہ سے جو سفر ہوا اسکا کرایہ لازم نہیں﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ زید نے کسی شخص کو پیسے دیے کہ میرے لئے حیدرآباد تک کانٹ خرید لاؤ اس شخص نے نوری آباد (حیدرآباد سے پہلے ایک جگہ ہے) کانٹ خرید، زید نے ٹکٹ دیکھے بغیر سفر کیا لیکن حیدرآباد ٹرین نہ رکنے کی وجہ سے زید کو مجبوراً اگلے اسٹیشن (نواب شاہ) اترنا پڑا، اب زید نے جتنا سفر بغیر ٹکٹ کے کیا اسکی طافی کیسے کرے؟

﴿جو (ب)﴾ زید کو چاہیے کہ نوری آباد سے حیدرآباد تک کانٹ خرید کر ضائع کر دے تو جو سفر بغیر ٹکٹ کے ہوا اسکی طافی ہو جائے گی لیکن جو سفر حیدرآباد سے آگے (نواب شاہ) تک ٹرین نہ رکنے کی بناء پر ہوا اسکا کرایہ زید پر شرعاً لازم نہیں، البتہ ٹرین کا روٹ یہی ہو کہ نواب شاہ سے پہلے وہ نہیں رکتی تو یہ کرایہ بھی زید پر لازم ہے، اس لئے کہ ٹرین کے انتخاب میں زید کی اپنی غلطی تھی۔ واللہ اعلم۔

ولسالی التتویر مع الدر: (۱۲/۱)، کتاب الاجارہ، طبع سعید

(للمسافر طلب الاجر للدار والارض) کل یوم (وللنابہ کل مرحلہ)

ولسالی الہدایہ: (۳/۲۹۷)، الاجر متی یستحق، طبع رحمانیہ

ومن استاجر بعیر الی مکہ فلیجمل ان یطالبہ باجرۃ کل مرحلۃ لان سیر کل مرحلۃ مقصود

ولسالی البزازیہ: (۱/۲۲۹)، اجارۃ الدواب، طبع قدیمی

حمل رجلا کرہ الی البلاد فلعلى الحامل کرہ، حتی یرجع الی موضع حملہ وکذا فی کل مالہ حمل وموئتہ.

ولسالی المعیط البہرانی: (۱۲/۱۲)، طبع ادارۃ القرآن المجلس العلمی

رجل حمل رجلا کرہ الی بعض البلدان فلعلى الحامل کرہ، حتی یردہ الی الذی حملہ منہ وکذا فی کل مالہ حمل وموئتہ.

واللہ اعلم بالصواب: تاجد محمود کوئٹہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

نوی نمبر: ۲۹۱۷

۲۶ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ

﴿اجارہ فاسدہ کی ایک صورت﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں یہ

رواج ہے کہ ایک مالدار آدمی جانور خریدتا ہے پھر کسی غریب آدمی کو دیتا ہے کہ اسکی پرورش کرو اور

جب اسکو فروخت کریں گے تو پورے ثمن سے متعین رقم میں لوں گا (اسکو ہمارے عرف میں سر کہتے ہیں) اور باقی رقم آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ مالدار آدمی جانور کا چھوٹا بچہ خریدتا ہے اور کسی شخص کو پرورش پردے دیتا ہے اور آپس میں طے کر دیتے ہیں کہ جب فروخت کریں گے تو قیمت آپس میں تقسیم کر لیں گے، پوچھنا یہ ہے کہ از روئے شرع اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اسکی صحیح اور جائز صورت کیا ہو سکتی ہے؟

﴿مجموع﴾ واضح رہے کہ صحت اجارہ کیلئے ضروری ہے کہ اجرت اور مدت دونوں معلوم ہوں جبکہ مذکورہ صورت میں اجرت اور مدت دونوں مجہول ہے اور اس میں قفیز الطحان کی صورت بھی پائی جاتی ہے، اس لیے معاملہ فاسد ہے، البتہ معاملہ کو صحیح قرار دینے کیلئے یہ حیلہ بتلایا گیا ہے کہ جانور کا نصف پرورش کرنے والے کے ہاتھ فروخت کر دے اور پھر آدمی قیمت سے اسکو بی کر دے اس طرح یہ دونوں اس جانور میں شریک ہو جائیں گے اور اسکے منافع میں دونوں شریک ہوں گے۔

ولمافی الهندية: (۵۰۲/۲) طبع قدیمی

دفع بقرۃ الی رجل علی أن یعلفها وما یكون من اللبن والسمن بینہما أنصافاً الا جارة فاسدة وعلی صاحب البقرة للرجل أجر قیامہ وقیمۃ علفہ ان علفہا من علف وکذا فی التنبیر مع الدر: (۴۱/۱-۴۷) طبع سعید

ولمافی خلاصة الفتاوی: (۱۱۴/۳) طبع رشیدیہ

فی فتاوی النسفی: رجل دفع بقرۃ الی رجل بالعلف مناصفۃ وہی الی یسی بالفارسیۃ "کارینم سود" بان دفع علی أن ما یحصل من اللبن والسمن بینہما نصفان فہذا فاسد والحادث کلہ لصاحب البقرة والا جارة فاسدة.

ولمافی التنبیر مع الدر: (۵۱/۸-۵۷) طبع سعید

(أو استأجر بفلا لیحصل طعامہ ببعضہ أو ثور الیطحن برہ ببعض دقیقۃ) فسدت فی الكل لانہا استأجرہ بجزء من عملہ، والاصل فی ذلک نہیہ عن قلیز الطحان۔۔۔ والعیلۃ: أن یفرزہ الأجر أو لا ویسی قلیزاً بلا تمییز ثم یعطیہ قلیزاً منہ فہو جور.

ولمافی الهندية: (۵۰۲/۲) طبع قدیمی

والعیلۃ: فی جوازہ أن یشیع نصف البقرة منہ یمن ویبرنہ عنہ ثم یأمر باتخاذ اللبن والحصل فیکون بینہما.

ولمافی فتح القدیر: (۱۰۹/۱) طبع رشیدیہ

وکذلک استأجر حصاراً لیحصل طعامالہ بقلیز منہ لانہ فی معنی قلیز الطحان فی جعل

الاجارہ بعض ما ینخرج من عملہ و هذا أصل کبیر یعرف بہ فساد کثیر من الاجارات فان
قبل: اذا کان عرف دیارنا علی ذلک فهل یترک بہ القیاس؟ قلنا لا۔

واللہ اعلم بالصواب: محمد عمران

الجواب صحیح: عبدالرحمن مفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۸۶۳

۱۳ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ

﴿اجارہ فاسدہ میں تعدی کی صورت میں تاوان لازم ہوگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنی گائے
پالنے کیلئے دوسرے شخص کو اس شرط پر دی کہ اس کی بڑھوتری میں سے تیسرا حصہ آپ کا ہوگا اور
باقی دو حصے میرے ہوں گے، جبکہ اس دوسرے شخص نے مالک کی اجازت کے بغیر وہ گائے کسی
تیسرے کی دیکھ بھال میں دیدی، جس سے اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ شرعا
مالک اس شخص یعنی تعدی کرنے والے سے تاوان وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی
مستفتی: مولانا عبدالصمد صاحب، وڈھ بلوچستان
وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ جانور کو پالنے کیلئے اس شرط پر کسی کو دینا کہ وہ چارہ کھلاتا رہے اور اس کی
بڑھوتری میں اس کا حصہ ہوگا یہ اجارہ فاسدہ کی صورت ہے جائز نہیں ہے، مالک کو چاہئے تھا کہ
جانور کا ایک حصہ پالنے والے کو فروخت کرتا یا حبہ کر کے اس کا مالک بناتا تو وہ اپنے جانور کو کھلاتا
پلاتا کوئی اجارہ کی صورت نہ ہوتی۔ بہر حال اس شخص نے ایک تیسرے کو مالک کی اجازت کے
بغیر دیکھ بھال کیلئے دیا اور اس کے ہاں جانور کی ٹانگ ٹوٹ گئی تو اس علاقہ میں تیسرے شخص کو
دیکھ بھال کے طور پر دینا اگر رائج ہو تو پالنے والے شخص کے ذمہ کوئی تاوان نہیں ہے اور اگر رائج
نہیں ہے تو یہ زیادتی ہے پالنے والے شخص کے ذمہ تاوان اداء کرنا لازم ہے۔

لما فی الہندیہ: (۵۰۲/۲) مطبع قدیمی

دفع بقرة الى رجل على ان يعلفها وما يكون من اللبن والسنن بينهما انصافا فلا جارة
فاسدة وعلى صاحب البقرة للرجل أجر قيامه وقبلة علفه ان علفها من علف هر ملكه
لا ما سرحها في المرعى ويرد كل اللبن ان كان قانما وان تلف فالمثل الى صاحبها لان
اللبن مثل في الحيلة في جوارحه أن يبيع نصف البقرة منه ويبرئه عنه ثم يأمر
بأخذ اللبن والمصل فيكون بينهما فلو ان المدفوع اليه دفع البقرة أو الحاجة الى
رجل آخر بالنصف فهل في يده فالمدفوع اليه الاول ضامن فلو ان المدفوع اليه
بعث البقرة الى السراح فلا ضمان لمكان العرف.

لسالی البزارية على هامش الهندية (۲۳/۵، طبع رشديه)

اعطاء بقرة "بهم سود" لدم صورته فاعطاهما الاخذ الى غيره "بهم سود" فطبط عدد الثاني ضمن الاول لانه مودع لامستعير لان المنافع في العارية يختص بها المستعير.

لسالی محيط القبر هانی (۱۲/۱۶، طبع اداره القرآن)

اذ ادفع الي آخر بقرة بالعلف، ليكون العادث بينهما نصفان فالعادث كله لصاحب البقرة، وعليه اجر مثل المدفوع اليه — فلو ان المدفوع اليه دفع البقرة أو الدجاجة الي رجل آخر بالنصف، فهلك في يده فالمدفوع اليه الاول ضامن لأن العين امانة في يده، وليس للأمين أن يدفع الامانة الي غيره من غير ضرورة، فلو ان المدفوع اليه بعث البقرة الي السراج فللضمان لكان العرف.

لسالی شرح المجله (۳۷۱/۳، طبع رشديه)

امام لا يتقبلها باء، كان لا ينتفع به بعد التسعة انتفاعا من جنس الانتفاع الذي كان قبل التسعة، كبيت صغير او حمام، فتصح هبته وتتم بقبضه شائعا بان يتقبض الكل، لان قبض كل شئى بحصبه، وهذا لا يكون قبضه الاكثالك فاكتمى بذلك وتمت به الهبة.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرشید مقلد اللہ عز و جل

واللہ اعلم بالصواب: عزیز ائمہ خاندانی غفر لہ

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ

۱۷ علماء کاکھروں میں جا کر پڑھانے کا حکم

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں بعض لوگ علماء کرام کو قرآن مجید اور دیگر دینی تعلیم کیلئے گھروں میں بلاتے ہیں اور ان کے بچوں کو پڑھاتے ہیں اور اس تدریس کی تنخواہ دیتے ہیں اور کبھی کبھار کھانا بھی کھلاتے ہیں، اب صورت حال یہ ہے کہ اگر علماء حق نہ جائیں تو دوسرے بد عقیدہ لوگ پہنچ جاتے ہیں۔

اب مطلوب یہ ہے کہ ان گھروں میں قرآن مجید پڑھانے کیلئے جانا کیسا ہے؟ اور اس پر اجرت لینا اور اسی طرح وہ جو کھانا کھلاتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: محمد سلمان ڈینس کراچی

﴿جواب﴾ قرآن مجید اور دیگر دینی علوم کی تدریس پر اجرت لینا جائز ہے اسی طرح اگر وہ معلم کو کچھ کھلائے تو اس میں بھی حرج نہیں ہے، چنانچہ جن گھروں میں علماء کی عزت کی جاتی ہو اور نامحرم و فیرہ سے پردے کا خوب انتظام ہو تو وہاں جانے کی گنجائش ہے لیکن جہاں کہیں نامحرم سے اختلاط ہو یا علماء کو دیگر ملامتیں کی طرح ایک لوگ سمجھتے ہوں تو وہاں پر قطعاً نہیں جانا چاہیے۔

لما فی الصحيح لمسلم: (۱/۱۱، طبع قدیمی)

عن محمد بن سیرین قال ان هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم.
ولما فی کنز العمال: (۲/۲۵۹، کتاب الاذکار طبع رحمانیہ)

وقال النبی ﷺ: اكرموا حلة القرآن فمن اكرمهم فقد اكرمني وفي رواية اخرى حامل القرآن حامل راية الاسلام من اكرمه فقد اكرم الله ومن اهانته فعليه لعنة الله.
ولما فی التنوير مع الدر: (۶/۵۵، طبع سعيد)

(ولا تصح الاجارة لعسب التيس)..... لاجل الطاعات مثل (الأذان والحج والامامة وتعليم القرآن والفقہ) ويقتل اليوم بصحتها التعليم القرآن والفقہ والامامة والاذان.
ولما فی المرقاة: (۱/۶۶، طبع رشیدیہ)

قال مالك قال لي هارون الرشيد يا ابا عبد الله ينبغي ان تختلف البناحتى يسمع صبياننا منك الموطن يعني الامين والمامون فقلت اعز الله امير المؤمنين ان هذا العلم منكم خرج فان انتم اعززتموه عزوان انتم انزلتموه ذل وفي روايته يا امير المؤمنين لا تضع عزني رفعة الله والعلم يزني ولا ياتي.

ولما فی الفتاوى الهندية: (۴/۲۴۸، طبع رشیدیہ)

ومشاخ بلغ جورو والاستيجار على تعليم القرآن انضرب لذلك مدقوا فخر ابو جوب المسمى وعند عدم الاستيجار اصلا او عند الاستنجار بدون المدق فخر ابو جوب اجر المثل كذا في المحيط وقد استحسنوا جبر الدال صبي على المبره المرمومة وكذا جواز الاستنجار على تعليم الفقہ ولو استاجر المعلم على حفظ الصبيان لو تعليم الخط أو الهجاء جاز.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

والله اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی

توی نمبر: ۲۹۹۵

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿کار پارکنگ کا ٹھیکہ لیتا﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں گزشتہ کئی سالوں سے پشاور ہائی کورٹ کی گاڑی پارکنگ کا ٹھیکہ لیتا ہوں، اس کا طریقہ کار کچھ یوں ہوتا ہے کہ حکومت ہر سال ہم سے چھ سات لاکھ روپے وصول کرتی ہے اور ایک مخصوص جگہ متعین کرتی ہے کہ ہائی کورٹ میں جو لوگ آئیں گے وہ یہاں اپنی گاڑیاں پارک کریں گے اور ہم لوگ ان گاڑیوں کی حفاظت کریں گے اور واپس جاتے ہوئے کار والے سے ۲۰ روپے اور موٹر سائیکل والے سے ۱۰ روپے وصول کریں گے بعض لوگ مجھے کہتے ہیں کہ یہ چونکہ ایک ظالمانہ ٹیکس

ہے اس لئے یہ کام ناجائز ہے، اب مطالبہ یہ ہے کہ کیا یہ لٹیرا لٹائی ناجائز ہے اور کیا اس سے کمائی ہالے والی رقم حرام ہے؟

﴿مہر﴾ ایک سال کی مدت پہلے خاص رقم کے عوض آپ یہ رقم لیتے ہیں اور حکومت کی ہدایات کے مطابق کاروائی سے ایس اور ورسائیل والے سے اس روپے حفاظت کی اجرت سمیت حکم کارایہ لیتے ہیں تو شرعاً اس میں کوئی غرابی نہیں ہے، اس کو ٹال مٹال نہیں سمجھنا چاہیے۔

ولمافی الفتاویٰ المہندیہ (۲/۵۱۲ طبع قدیمی)

واذا اذاع الرجل مشرعاً علی شاطئ الفرات ارسالی منہ السلام وان ویاہلہم الاجر فان رضى على ما كره ان اجره امنهم الاسلام ام رجا وان اجره امانه لان الاجرة ولعت على استهلاك المعين مضموناً وان اجره اماناً لوم فانه لا مستفاد ويضرون القرب فہا وروفتون الدواب فہا جاز، وكذا فی الدر المختار (۲/۳۰ طبع سعید)

ولمافی التلویح مع الدر (۵/۶۷ طبع سعید) واما المستاجر فہو اجر وہ دفع وبعار ولا یرحم

ولمافی تلویح الابصار (۶/۳۹۹-۴۰۰ طبع سعید)

(ولا یسعر حاکم الاذاعہ فی الارباب عن الامتہ دیناً فہا حاشا لیسرہ۔۔۔ د اہل الراۃ)

الجواب س: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ والہ اعلم بالصواب بحکم فاروق پارسدوی

اوی نمبر ۱۸۱۸

۱۲ مئی ۱۳۳۲ھ

﴿اجیر حرام سے کوئی چیز بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو ضمان نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری ٹیلرنگ کی دکان

ہے، ایک دفعہ اس طرح کا واقعہ پیش آیا کہ ایک رات میری دکان سے چوری ہوئی اور چور پوری دکان کا صفایا کر گیا جبکہ مارکیٹ کے لئے چوکیدار بھی مقرر ہے وہ رات کو ڈیوٹی دیا کرتا ہے، اب لوگ آکے مجھ سے اپنے کپڑوں کا مطالبہ کر رہے ہیں حالانکہ میری اپنی ساری کمائی بھی لٹ چکی ہے تو کیا میرے ضمان لوگوں کو کچھ دینا لازم ہے کہ نہیں؟ مستفتی: عاتق الرحمن صوابی

﴿مہر﴾ مؤلہ صورت میں اگر آپ نے ان کپڑوں کی حفاظت میں کوئی کوتاہی نہیں

برتی یعنی جاتے ہوئے دکان بند کر کے چلے گئے تھے اور چوکیدار بھی مقرر تھا تو ایسی صورت میں آپ پر ان کپڑوں کا کوئی ضمان واجب نہیں۔

لمافی مجمع الخصائات (ص ۷۰، الباب الخامس مسائل الاجارہ طبع دار الکتب العلمیہ)

نساج ترکہ دوہامی بیت المیزان لیلان کان البیت حصینا نسک الباب فی

مثله لا یضمن۔۔۔ لیس علی النساج أن یبیت فی بیت الطراز لکن لو أغلق الباب فی اللیل وذهب لا یضمن۔۔۔ نساج ترک الثوب فی الدکان وذهب الی بیته وأغلق الباب وذلک فی وقت غلبه المراق لمسرق الثوب لو کان یترک مثله فی مثله فی هذا الزمان لا یضمن والا یضمن۔ من الفصولین وفی صلیحة (۵۰) فالأجیر المشرک۔۔۔ والمتاع أمانة فی یدہ ان ملک بغير عمله لم یضمن ولا أجیره عندأبی حنیفة رحمه الله۔
ولما فی الهندیة: (۲/۵۷۴) مطبع قدیمی

نساج ترک الکرباس فی بیت الطراز لمسرق الکرباس ان کان بیت الطراز حصینا یسک فی مثل هذا المتاع لا یضمن۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: مبارک اللہ غفرلہ

نوی نمبر: ۲۹۶۸

۵ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿دھوبی سے کپڑے گم ہونے پر ضمان کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کسی دھوبی سے کپڑے دھلواتا رہتا ہے، اسی اثناء میں ایک مرتبہ دھوبی سے اس کی قمیص گم ہو گئی جس پر اس نے دو مہینے تک دھوبی کو وہ قمیص ڈھونڈ کر لانے کا کہا اور دھوبی اس کو ٹالتا رہا، بالآخر اس نے ڈرا دھکا کر اس مکمل سوٹ کے بدلہ میں دھوبی سے ایک کپڑا وصول کر لیا، اس آدمی کا کہنا ہے کہ یہ کپڑا میرے سوٹ کے آدمی قیمت کے برابر ہے، نیز مارکیٹ میں بھی دھوبیوں کا یہی اصول ہے کہ نیا کپڑا گم ہونے کی صورت میں سلائی کاٹ کر نصف قیمت ادا کی جائیگی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ شریعت کی روشنی میں اس کا یہ عمل کس حد تک درست ہے؟ برائے مہربانی وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ دھوبی سے کپڑا گم ہونا اسکی غفلت اور لاپرواہی کی علامت ہے، ایسی صورت میں اس سے تاوان لینا جائز ہے، لہذا جو کپڑا آپ نے بطور تاوان وصول کر لیا ہے اس کی قیمت آپ کی قمیص کی قیمت سے کم ہے تو یہ کپڑا آپ کیلئے جائز ہے۔

لما فی الشامی: ۱/۶۵ (طبع ایچ، ایم سعید)

لو لا یستحق المشرک الاجر حتی یعمل کالقصار ونحوہ ولا یضمن ما ملک فی یدہ وان شرط علیہ الضمان (وفی البدائع: لا یضمن عنده ما ملک بغير صنعه قبل العمل او بعدہ) لانه أمانة فی یدہ وهو القیاس۔ وقالوا یضمن الامن خرق غالب او لصروس مکاہرین وهو الاستحسان۔ وقال بعضهم: قول ابی حنیفة قول عطاء وطاؤس وھامن کبار التابعین، وقولھما قول عمر وعلی وہ بنتی احتشاما لعمر وعلی وصیانتہ لاموال

الناس، واللہ اعلم۔ فی القیین، وبقولہما یفتی لتغیر أحوال الناس، وبہ یحصل صیات أموالہم۔ (قوله وأفتی المتأخرون بالصلح) أى عملاً بالقولین ومعناہ عمل فی کل نصف بقول حیث حظ النصف وأرجب النصف بزایہ: قال شرح الملتقى: قال الزاهدی: علی هذا ادرکت مشایخنا بخوارزم أقرہ القہستانی۔

لما فی لجوہرۃ الفہرۃ: ۱/۲۴۱ (میر محمد کتب خانہ)

(الاجیر المشترك کل من لا یتحقق الاجرة حتی یعمل كالقصار والصباغ) قوله والمتاع امانة فی یدہ ان ہلک لم یضمن شئاً عند ابی حنیفۃ وزفرؒ وقال ابو یوسفؒ ومحمدؒ (هو مضمون) واختار المتأخرون عند الفتوی فی الاجیر المشترك الصلح علی النصف۔
لما فی اللقۃ الاسلامیۃ: ۵/۳۸۵۰ (رشیدیہ کوئٹہ)

وان لم یکن الاجیر متعدياً فی الفساد بأن افسد الثوب بعمله من غیر قصدہ فان الاجیر الخاص یضمن بالاتفاق، وان کان مشترکاً کالتقاریر اذا ذوق الثوب فتهرق، أو ألقاه فی المواد الكيميائية فاحترق، أو كالملاح اذا غرقت السفینة من عملہ أو الراعی المشترك اذا ساق الدواب، فضررب بعضها بعضاً فی حال سرقہ حتی ھلک بعضها، ففی کل هذه الحالات یكون المالك مضموناً عند ابی حنیفۃ وصاحبہ، لان العمل الساذن فیہ هو العمل المصلح لا المفسد، لان العاقل لا یرضی بنفسه دماله ولا یلتزم الاجرة بمقابلۃ المفسد لیتقید الأمر بما یصلح دلالة۔

الجواب صحیح مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۳۹۳۹

۲۳ صفر الخیر ۱۴۳۵ھ

﴿دھوبی کی غفلت سے کپڑا جل جائے تو تاوان وصول کرنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دھوبی سے کپڑے جل جائیں تو کیا اس پر ضمان ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ کپڑے جلنے کی دو صورتیں ہیں (۱) دوران استری کبھی کپڑوں کو نقصان پہنچتا ہے (۲) کبھی کپڑوں کے گودام میں آگ لگنے سے سارے کپڑے جل جاتے ہیں۔ برائے مہربانی دونوں صورتوں کے حکم کی مکمل وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ دھوبی کی دوکان میں آگ لگنے سے اسی طرح دوسری کسی آفت سے کپڑوں کو نقصان پہنچے، جس میں دھوبی کی غفلت، لاپرواہی وغیرہ کا دخل نہ ہو تو ایسی صورت میں دھوبی نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ البتہ استری کرتے ہوئے کپڑے جل جائیں یا دھوتے ہوئے کیمیکل کی وجہ سے کپڑے خراب ہو جائیں تو ایسی صورت میں دھوبی کی غفلت و لاپرواہی کا چونکہ دخل ہے اس لئے وہ ذمہ دار ہوگا اور اس سے تاوان وصول کرنا جائز ہوگا۔

لما في الهداية: ٢١٠/١ (طبع رحمانيه)

الاجراء على ضربين اجير مشترك واجير خاص فالمشترك من لا يستحق الاجرة حتى يعمل كالصباغ والتصار. والمتاع امانة في يده فان هلك لم يضمن شيئا عند ابي حنيفة وهو قول زفر. ويضمنه عندهما الا من شلى غالب كالحرير الغالب والمكابر. فاذا هلك بسبب يمكن الاحتراز عنه كالغصب والسرقة كان التقصير من جهته فيضمنه كالوديعة اذا كانت باجر بخلاف ما لا يمكن الاحتراز عنه كالموت حرق الله والحرير الغالب وغيره.

لما في البدائع: ٥٦١/١ (طبع دار الكتب العلمية بيروت)

ومنها: الاتلاف والافساد اذا كان الاجير متعديا فيه بان تمعد ذلك أو عتق. في الدق سواء كان مشتركا أو خاصا وان لم يكن متعديا في الافساد بان الفساد للثوب خطأ بعمله من غير قصده. فان كان الاجير خاصا لم يضمن بالاجماع. وان كان مشتركا كالتصار اذا دق الثوب فتحرق أو القاه في النور فاحترق أو السلاح غرقت السليبة من عمله ونحو ذلك فانه يضمن في قول اصحابنا الثلاثة.

لما في مجمع الضمانات: ٨١ (دار الكتب العلمية بيروت)

انما أدخل التصار سراجا في حانوت فاحترق الثوب بغير فعله يضمن لان هذا ما يمكن الاحتراز عنه في الجملة بخلاف لا يضمن في الحرق الغالب الذي لا يمكن التحرز منه ولا يمكن من اطلاقه وهذا هو قولهما أما على قول أبي حنيفة لا يضمن لأنها هلك بغير صنعه.

لما في الشامي: ٦٥١/١ (طبع ابيهم سعيد)

(ولا يستحق المشترك الاجر حتى يعمل كالتصار ونحوه) ولا يضمن ما هلك في يده وان شرط عليه الضمان (وفي البدائع: لا يضمن عنده ما هلك بغير صنعه قبل العمل أو بعده لأنه امانة في يده وهو القياس. وقال يضمن الا من حرق غالب أو لصروص مكابرين وهو الاستحسان. وقال بعضهم: قول ابي حنيفة قول عطاء وطاؤس وهما من كبار التابعين. وقولهما قول عمر وعلي وبه يفتي احتشاما لعمر وعلي وصيانة لاموال الناس بوالله اعلم. وفي التبیین: بقولهما يفتي لتغير أحوال الناس، وبه يحصل صيانة أموالهم... (قوله وأفتى المتأخرون بالصلح) أي عملا بالقولين ومعناه عمل في كل نصف بقول حيث حظ النصف وأوجب النصف بزازيه: قال شرح الملقى: قال الزاهدي: على هذا ادركت مشايخنا بغوارزم أقره القهستاني.

لما في الجوهرة النيرة: ٢١١/١ (مهر محمد كلب خانه)

(الاجير المشترك كل من لا يستحق الاجرة حتى يعمل كالتصار والصباغ كقوله والمتاع امانة في يده ان هلك لم يضمن شيئا عند ابي حنيفة وزفر وقال ابو يوسف ومحمد "مر مضمون") واختار المتأخرون عند الفتوى في الاجير المشترك الصلح على النصف.

لما فی الفقه الاسلامی وادخله: ۳۸۵۰/۵ (رشیدیہ کوئلہ)

وان لم یکن الاجیر متعديا لى الفساد بان الفساد الثوب بعمله من غير قصده فان الاجير الخاص يضمن بالاتفاق، وان كان مشتركا كالقصار اذا ذاق الثوب فلتخرق، أو ألقاه في المواد الكيميائية فاحترق، أو كالملاح اذا غرقت السفينة من عمله... أو الراعى المشترك اذا ساق الدواب، فضرب بعضها بعضا في حال سوقه حتى هلك بعضها، فعلى كل هذه الحالات يكون المالك مضمونا عندنا بى حنيفة وصاحبيه، لان العمل المأذون فيه هو العمل المصلح لا الفساد، لان العاقل لا يرضى بالفساد له ولا يلتزم الأجرة بمقابلة للفساد فليقتد الأمر بما يصلح دلالة.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۳۹۹۸

۱۳ رجب الاول ۱۴۳۵ھ

﴿اجیر خاص سے کوئی چیز اتفاقاً ضائع ہو جائے تو ضمان نہیں﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ گھر کی خادمہ سے صفائی کے دوران کوئی قیمتی چیز ضائع ہو جائے تو اس پر اسکی پوری یا آدمی قیمت دینا لازم ہے یا نہیں شرعاً کیا حکم ہے؟

﴿مولا﴾ گھر کی خادمہ کو شریعت کی اصطلاح میں اجیر خاص کہا جاتا ہے اور اسکے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر بغیر قصد و ارادہ کے کوئی چیز اس سے اتفاقاً ضائع ہو جائے تو اس پر تاوان نہیں آتا، لہذا اس صورت میں گھر کی خادمہ پر اس ضائع ہونے والی چیز کی کوئی قیمت دینا لازم نہیں۔

لما فی مجمع الضمانات: (ص ۵۲، الباب الخامس مسائل الإجارة، مطبع بيروت)

ولا ضمان على الاجير الخاص ولا فيما تلف من عمله اتفاقا انظم يتعمد الفساد ذكره في الاصلاح قلاع عن الخانية قال في الفصولين قلاع عن التجريد الاجير الخاص لا يضمن الا بالتعدي ولما في التتوير مع الدر: (۶/۷۰-۷۱، مطبع ايج ايم سعید)

لو لا يضمن ما هلك في يده أو بعمله (كالتخريق الثوب من دقه الا اذا تعمد الفساد فيضمن كالمودع ثم فرع على هذا الاصل بقوله (ولا ضمان على ظفر في صبي ضاع في يده أو سرق ما عليه) من العلوى لكونها اجير وحدث كذا الا ضمان على حارس السوق وحافظ الخان.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ غفرلہ

فتویٰ نمبر: ۳۰۱۵

۱۵ رجب الاول ۱۴۳۲ھ

﴿گاڑی کرایہ پر دینے کا حکم﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ گاڑی جو کرایہ پر دی جاتی ہے کیا یہ عقد اجارہ ہے؟

جبکہ اس میں پٹرول خرچ ہوتا ہے جو عین ہے حالانکہ اجارہ میں تو منافع خرچ ہوتے ہیں؟

﴿مولا﴾ گاڑی سے مقصود سواری ہوتی ہے جو ایک منفعت ہے پٹرول مقصود نہیں ہوتا، پٹرول تو اس منفعت حاصل کرنے کا آلہ اور ذریعہ ہوتا ہے، لہذا گاڑی کرایہ پر لینا عقد علی المنافع ہی ہوا۔

لمالی فتح القدیر: (۲/۲۸۴، طبع رشیدیہ)

(أما الاجارة لمألئها) لو صنعت ملک بها الأعیان وحکمها لیس الاملک المنافع نعم
اذا كانت الأعیان آلة لاقامة العمل المستحق كالصبغ واللبن فی استنجار الظفر
لیس لک بعد اقامة العمل تبعاً أما ابتداء فلا.

ولمالی العناية مع فتح القدیر: (۲/۲۸۵، طبع رشیدیہ)

بأن استنجا جبر بقرۃ لبشر لبئها لا یصح... وذلك لأن المستحق بعقد الاجارة علی
الأجر المنافع لا الأعیان الا اذا كانت الأعیان آلة لاقامة العمل المستحق بالاجارة
كالصبغ فی استنجار الصباغ واللبن فی استنجار الظفر لکونه آلة للمغضات والظنورة.

واللہ اعلم بالصواب: عبدالرحمن کوہاٹی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۰۵۸

۱۳ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ

﴿گاڑی کو کرایہ پر دینا صحیح ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں لوگ اکثر ایسا کرتے ہیں کہ گاڑی خرید کر کسی کو کرایہ پر دے دیتے ہیں اور یہ طے کرتے ہیں کہ تم روزانہ مجھے سو یا ڈیڑھ سو روپے دیا کرو، کیا شرعاً ایسا کرنا صحیح ہے، نیز بعض اوقات گاڑی کے مالک کو جب ضرورت پڑتی ہے تو وہ خود گاڑی کو استعمال کرتے ہیں تو کیا اس صورت میں بھی اجیر پر روزانہ کے اعتبار سے اجرت دینا لازمی ہوگا جب مالک پورا دن گاڑی کو چلائے اور اگر دو، تین گھنٹوں کیلئے لے لیں تو کیا حکم ہے؟

﴿مولا﴾ مذکورہ صورت میں گاڑی اجرت پر دیکر یومیہ خاص اجرت طے کر کے وصول کرنا صحیح ہے اور جس روز مالک کو ضرورت ہو تو پورا دن اپنے پاس گاڑی رکھنے کی صورت میں پورے دن کا کرایہ ساقط ہوگا، اس سے کم وقت کے لئے گاڑی اپنے استعمال میں لائے تو اس حساب سے کرایہ کم وصول کریگا بشرطیکہ ڈرائیور بخوشی اس کو قبول کرے۔

لمالی التتویر مع الدر: (۲/۲، طبع سعید) و شرعاً (تملیک نفع) مقصود من العین (بعض)

ولمافی البحر الرائق: (۲۹۴/۴، طبع سعید)

وشرطها ان تكون الاجرة والمنفعة معلومتين لان جهات التهما تنفض الى المتارعة وحكمها وقوع الملك في البطلين ساعة فصاعداً.

ولمافی الدر المختار: (۱۳/۶، طبع سعید)

والمراد من تمكنه من الاستيفاء تسليم المحل الى المستأجر بحيث لا مانع من الانتفاع.

ولمافی الھندیۃ: (۲۹۵/۲، طبع قدیمی)

فان عرض فی بعض المدة ما يمنع الانتفاع كما اذا لو غصبت الدار من المستأجر او غرقت الارض المستأجرة او انقطع عنها الشرب او مرض العبد او بقی سقطت الاجرة بقدر ذلك كذا فی المحيط السرخسی.

ولمافی قاضیخان علی هامش الھندیۃ: (۱۱/۵، طبع رشیدیہ)

والاجرة تجب بالتمكن من استيفاء المنفعة حتى ان من استأجر دار امددة معلومة وعطّلها مع التمكن من الانتفاع يجب الاجروان لم يتمكن بان منعه للمالك او الاجنبی لا يجب.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: تار محمد کوہاٹی

فتویٰ نمبر: ۲۱۳۶

ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ

﴿گاڑی کو متعین اجرت پر دینا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ زید گاڑی کا مالک ہے، اس نے ایک ڈرائیور کو گاڑی

کرایہ پر دی ہے جس سے وہ روزانہ متعین کرایہ لیتا ہے، یہ معاملہ شرعی نقطہ نظر سے درست ہے؟

﴿جواب﴾ زید نے جو گاڑی کرایہ پر دی ہے، اس کا کرایہ اور مدت اجارہ اگر معلوم ہے،

نیز اس معاملے میں دیگر مفاسد بھی نہیں ہیں تو اس معاملے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

لمافی تنویر الابصار: (۲/۶، طبع سعید) می تملیک نفع بعرض

ولمافی التَّنویر مع الدر: (۳۲/۶، طبع سعید) (و) تصح (اجارة النوبة للركوب والحمل)

ولمافی المجلة الاحکام العدلیۃ: (۶۴۴/۲، المادة ۵۳۹، طبع رشیدیہ)

كما یصح استكراء دابة علی ان یركبها فیلان كذلك یصح استكراء دابة علی ان یركبها المستأجر من شاء، علی التعمیم.

ولمافی الھدایۃ: (۳۰۱/۳، طبع رحمانیہ)

ویجوز استیجار الدواب للركوب والحمل (لأنه منفعة معلومة معهودة، ولہذا یباح).

(۲۹۱/۳، طبع رحمانیہ) ولا یصح حتی تكون المنافع معلومة متواترة معروفة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: حمید اللہ عابد غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۱۹۱۶

۷ صفر ۱۳۳۰ھ

﴿رقوم کی نقلی پر بینک کا پیسے کا شواہد جرت ہے سو نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک بینک کے ذریعہ سے پیسے بھیجتے ہیں اور بینک والے کچھ پیسے بھی کاتے ہیں آیا اس صورت میں سود لازم آتا ہے یا نہیں؟
مفتی: جمال الدین صاحب

﴿جواب﴾ ایک ملک سے دوسرے ملک پیسے بھیجنا کاروباری مجبوری ہے اس کے بغیر اب بڑا کوئی کاروبار ممکن نہیں رہا اسلئے بینک کے ذریعہ رقم بھیجنا اندرون ملک ہو یا بیرون جائز ہے اور بینک والے اس پر کچھ پیسے کاتے ہیں یہ اجرت ہے سو نہیں کھانا۔

ولی امداد الفتاویٰ (۱۴۶۳، کتاب الربوا)

قال العلامة اشرف علی تھانوی (رح): منی آرڈر مرکب ہے دو معاملوں سے، ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرا اجارہ جو فارم کے لکھنے اور روانہ کرنے پر بنام فیس کے دیجاتی ہے اور دونوں معاملے جائز ہیں، پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے، اور چونکہ اس میں اتلائے عام ہے اس لیے یہ تاویل کر کے جواز کا فتویٰ مناسب ہے۔

لما فی الفقه الاسلامی وادللہ: (۳۶۷/۵، طبع رشیدیہ)

ویتم التعبير عن هذا القرض بتسلم المقرض وصلا (ولیقة) یثبت حقه فی بدل القرض، ویكون المقرض و هو الصرف أو البنک ضامنا لبذل القرض، ولكنه بأخذ أجرة أو عمولة علی تسليم المبلغ فی بلد آخر مقابل مصاريف الشبک أو أجرة البريد أو البرقية أو التلکس فقط، لتکلیف وکیل الصراف بالوفاء أو السداد.

وهذان العقدان: الصرف و التحويل القائم علی القرض هما الطریقان لتصحیح هذا للتعامل بغیما یدبولى واللہ اعلم.

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: جلال الدین خرسند آبادی

الجواب صحیح: عبدالرحمن حفظہ اللہ تعالیٰ

فتویٰ نمبر: ۳۶۷۱

۵ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿گھریلو اخراجات کیلئے بذریعہ کمپنی رقم بھیجنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ ہم لوگ کراچی میں کاروبار کرتے ہیں، اس دوران اگر ہمیں گھریلو اخراجات کیلئے کچھ رقم بھیجنی ہوتی ہے تو یہاں ایک کمپنی ہے جو لوگوں کی رقم ان کے گھروں تک پہنچاتی ہے، اس پر وہ اجرت لیتی ہے، کیا یہ کاروبار جائز ہے سو تو نہیں؟

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں دو چیزیں ہیں، ایک ہے رقم اصلی جسکو گھریلو اخراجات

کیلئے روانہ کیا جاتا ہے تو یہ مذکورہ کمپنی والوں کے پاس قرض ہوتی ہے اور دوسری اس اصل رقم کے روانہ کرنے کی اجرت یا فیس یہ دونوں معاملے جائز ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے امداد القادری: (۳/۱۳۶، طبع دارالعلوم کراچی) پر مبنی ارڈر کے جواز کا فتویٰ دیا ہے جو اس سے ملتی جلتی صورت ہے، فقہائے کرام نے ایک صورت کو مکروہ قرار دیا ہے، جو ہمارے زیر بحث صورت سے مختلف ہے، وہ یہ کہ ایک آدمی راستے کے خطرات سے اپنے مال کو بچانے کیلئے کسی کو اس شرط پر قرض دیتا ہے کہ یہ رقم مجھے فلان ملک میں ادا کرو گے، اس صورت میں راستے کے خطرات سے حفاظت ایک منفعت ہے جس کا لینا قرض دینے والے کیلئے جائز نہیں، البتہ ہماری زیر بحث صورت اس سے بالکل مختلف ہے۔

لما فی الفتاویٰ مع الدرر (۵/۳۵۰ طبع سعید لاہور کرمات السلفیۃ)..... رہی القراض لسقوط خطر الطريق
الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: بحمد اللہ ویردی غفرلہ ولوالدہ

فتویٰ نمبر: ۱۸۱۳

۱۳۲۹ھ

﴿کرایہ پر لی ہوئی زمین دوسرے کو کرایہ پر دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میں نے ایک آدمی سے زمین کرایہ پر لی ہے، اب میں چاہتا ہوں کہ بجائے خود دوسرے کو کرایہ پر دوں تو کیا کرایہ پر لی ہوئی زمین دوسرے کو کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی میرا سلم صاحب لکھنؤ

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں آپ نے جس اجرت پر زمین لی ہے، اس سے کم یا اس کے برابر اجرت پر دینا مطلقاً جائز ہے، البتہ آپ نے دی ہوئی اجرت سے زیادہ کرایہ وصول کر لیا تو زیادتی آپ کیلئے اس صورت میں صحیح ہوگی جب آپ نے زمین میں کچھ اصلاحات کی ہوں یا خلاف الجہت کرایہ پر دی ہو۔ (مثلاً آپ نے کرایہ میں روپے دیے ہیں اور دوسرے سے کرایہ گندم ملے کی ہے) ورنہ زیادتی کو صدقہ کرنا چاہیے۔

لما فی الہندیۃ: (۲/۴۹۱ طبع قدیمی)

وانما استاجر لئلا یقبضہا ثم اجرہا فانہ یجوز ان یراها بطل ما استاجرہا و انزل وان
اجرہا بالکرم ما استاجرہا لہی جائزۃ ایضا الا انہ ان کانت الاجرۃ للثانیۃ من جنس الاجرۃ
الاولی فان الزیادۃ لا تطیب لہ ویصدق بہا ان کانت من خلاف جنسہا طابت لہ الزیادۃ۔

ولمالی الشامی: (۱۱/۶، طبع سعید)

(قوله للمستأجر ان يؤجر المأجر الخ) ای ما استأجره بمثل الاجرة الاولى او بانقص، فلو
باكثر تصدق بالفضل الا فی مسألتین کما مر.

ولمالی الدر المختار: (۲۹/۶، طبع سعید)

ولو أجرة باكثر تصدق بالفضل الا فی مسألتین اذا أجرة ما بخلاف الجنس أو اطلع فيها شيئاً.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا الله عنه

والله اعلم بالصواب: حبیب الرحمن ندیم سواتی

فتویٰ نمبر: ۲۳۶۸

۱۷ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

﴿رہن رکھی ہوئی زمین کرایہ پر دینا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ میں نے ایک آدمی کو پچاس ہزار روپے قرض
دیا ہے، اس نے قرض کی ادائیگی تک مجھے اپنی زمین بطور رہن رکھوائی ہے تو کیا میں اس زمین کو
کرایہ پر دے سکتا ہوں یا نہیں؟ مستفتی: میرا علم کی مراد

﴿جواب﴾ رہن دراصل قرضہ وصول کرنے کیلئے ایک ضمانت ہے، لہذا قرضہ وصول یا بل
تک فقط اپنے قبضہ میں رکھنے کا حق حاصل ہے مرنہ چیز سے منافع حاصل کرنا جائز نہیں ہے
بلکہ یہ سود کی ایک صورت ہے، لہذا یہ زمین کرایہ پر خواہ مالک کی اجازت سے ہو دینا جائز نہیں
ہے کسی نے اب تک ایسا کیا ہے تو حاصل کردہ کرایہ مالک زمین کو دینا ضروری ہے یا کم از کم
صدقہ کرنا ضروری ہے۔

لمالی الشامی: (۵۱۱/۶، طبع سعید)

واما الاجارة فالمستأجر ان كان هو الراهن فهي باطلة وكانت بمنزلة ما اذا اعار منه او
لودعه، وان كان هو المرتهن وجدد القبض للأجرة أو اجنبيا مباشرة أحدهما العقد باذن
الأخر بطل الرهن والأجرة للرهن وولاية القبض للمعاقد ولا يعود رهننا الا بالاستئناف.

ولمالی الدر مع الرد: (۵۲۳/۶، طبع سعید)

ولمّا أباح للمرتهن ثقله هل للمرتهن ان يؤجره؟ قال لا يقبل فلو أجرة ومضت المدّة
فلا أجرة له ام للرهن؟ قال له ان أجرة بلا اذن، وان باذن فللمالك وبطل الرهن — وفي
الشامية: (قوله قال له الخ) كلى التاتارخانية: أجرة المرتهن الرهن من اجنبى بلا اذن
فالفعله ويتصدق بها عند أبى حنيفة ومحمد، وله ان يعيده فى الرهن.

والله اعلم بالصواب: حبیب الرحمن

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۲۳۷۰

۱۵ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

﴿ایام علالت کے مشاہرہ لینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ ایک قاری صاحب ایک ادارے میں مدرس ہیں، ان کی طبیعت خراب ہوئی جسکی وجہ سے وہ ادارے میں نہیں جاسکتے، سوال یہ ہے کہ اس قاری صاحب کو مشاہرہ دیا جائیگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ تقرری کے وقت ایسے دنوں کی تنخواہ لینے نہ لینے کی وضاحت اگر نہیں ہوئی ہے اور ادارہ کے ضوابط میں بھی اسکی وضاحت نہیں ہے تو علاقے میں دیگر مدارس کے طریقہ کار کے مطابق عمل کریں، ایسے دنوں کی تنخواہ لینے کا جہاں عرف ہوگا تو جائز ہوگا ورنہ نہیں، البتہ تقویٰ اور اخلاص کا تقاضا تو یہ ہے کہ قاری صاحب تنخواہ نہ لیں اور مہتمم صاحب کو چاہیے کہ قاری صاحب کی ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے کسی دوسری مدد سے اسکا تعاون کر لیں۔

لحمالی الفتاویٰ الغیریۃ: (۱/۴۰۷، مطبع حقانیہ)

وان مقتضی کلام صاحب القنیۃ هو امام یتروک الامامۃ لزیارۃ اقربانہ فی الرساتیق اسبوعاً ورنحوہ أو لمصیبة أو لاستراحة لا بأس بہ ومثلہ علوفی العادۃ والشرع انہ یستحق اذا کان کذا لک للعرف.

ولحمالی الشامی: (۲/۴۷۲، مطبع سعید)

قلت هذا ظہر فیمذا اذ قدر لکل یوم درس فیہ مبلغاً ما لوقال یعطى المدرس کل یوم کذا فینبغی ان یعطى لیوم البطالة المتعارفة بقرینۃ ما ذکرہ فی مقابلہ من لبناء علی المعروف، فحیث كانت البطالة معروفة فی یوم الثلاثاء والجمعة وفی رمضان وللعیدین یحل الأخذ کذا لو بطل فی یوم غیر معتاد لتحریر درس الا اذا انصن الوقف علی تنبید المبلغ بالیوم الذی یدرس فیہ کما قلنا.

ولحمالی التاتارخانیۃ: (۵/۵۵۳، طبع قدیمی)

قال الفقہ ابو الہیثم ومن یاخذ الاجر من طلبۃ العلم فی یوم لا درس فیہ لرجوان یکون جائز اذا کان مشغولاً بالکتابۃ والتدریس.

واللہ اعلم: عبید اللہ عابد غفرلہ ولوالدیہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۰۸۶

۲۵ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

﴿گاڑی برآمد کرنے پر متعین انعام ملے کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ میری ایک گاڑی چوری ہو گئی تھی

وفی الشامية: (قوله ای بدلافی البیع) فخلل فیہ الاعیان فانہا تصلح بدلافی
المقايضة فتصلح اجرة.

ولمافی الہدایۃ: (۲۹۱/۳) مطبع رحمانیہ

وما جازان یکون لسمافی البیع جازان یکون اجرة فی الاجارۃ لان الاجرة ثمن السلعة
فیعتبر بثلث السبع.

ولمافی الفقه الاسلامی وادخلہ: (۳۸۲۲/۲-۳۸۲۳) مطبع رشیدیہ

ان تكون الاجرة مالا مقوما معلوما والاصل فی اشتراط العلم بالاجرة قول النبی ﷺ من
استأجر اجیر فلیعلمه اجرة والعلم بالاجرة لا یصح الا بالاشارة او التعمین لو بالبیان.

الجواب صحیح: محمد ارحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: اسلام بادشاہ

فتویٰ نمبر: ۲۳۳۱

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ

﴿تمام سرکاری ملازمین اجیر خاص کے حکم میں ہیں﴾

﴿مور﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں درجہ سابعہ کا طالب علم
ہوں اور اپنے گاؤں کے سکول میں حکومت کی طرف سے چوکیدار ہوں لیکن پڑھائی کو جاری رکھنے
کی وجہ سے ڈیوٹی سرانجام نہیں دے سکتا، لہذا میں نے اپنی جگہ پر دوسرے آدمی کو آدمی تنخواہ پر
رکھا ہے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ میرے لئے یہ طریقہ اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں
ہے تو میں نے جو پہلے دو سال تنخواہ لی ہے وہ حلال ہے یا حرام؟ بیوقوف تو جروا۔

﴿مور﴾ واضح رہے کہ ملازمت عقد اجارہ ہے، ملازم جن شرائط کیساتھ کسی محکمہ میں
ملازمت اختیار کرتا ہے، انکا پورا کرنا واجب ہے، تمام سرکاری ملازمین شرعاً اجیر خاص کی حیثیت
رکھتے ہیں، ان کو صرف کام کی تنخواہ نہیں ملتی بلکہ کام اور طے شدہ وقت میں حاضری دونوں کی
اجرت ملتی ہے، لہذا اجتہاد وقت محکمہ کی طرف سے مقرر ہو ڈیوٹی دینا ضروری ہوگا۔

ملازمین کا دوسرے کو اپنی جگہ ڈیوٹی بھیجتا درست نہیں ہے البتہ محکمہ سے باقاعدہ اجازت لیکر
کسی باصلاحیت شخص کو اپنی جگہ مقرر کر لیا ہو اور وہ شخص کم تنخواہ لیکر اسکی جگہ ڈیوٹی دینے پر راضی ہو تو
ملازم کیلئے ایسا کرنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ اس محکمہ میں ایسا قانون موجود ہو یا کم از کم محکمہ کو صحیح
صورت حال کا علم ہو۔

لمافی التنبہ مع الدرر: (۶۱/۱) مطبع سعید

(والقانی) هو الاجیر (الخاص)..... (وہو من یعمل لواحده عسلاً موقفاً بالتخصیص

و يستحق الاجر بتسليم نفسه في المدة وان لم يعمل كمن استلجز شهر للخدمة (۳۲/۱) مطبع رشديه)

(قوله والاجير الخاص الذي يستحق الاجر بتسليم نفسه في المدة وان لم يعمل كمن سلم نفسه ولم يعمل مع التمكن اما اذا امتنع من العمل ومضت المدة اولم يتمكن من العمل ومضت المدة لم يستحق الاجر لانه لم يوجد تسليم النفس)

ولما في البحر الرائق: (۲۹/۸) مطبع سعيد)

الاجير الخاص يستحق الاجر بتسليم نفسه في المدة عمل اولم يعمل وكذا في الرول الجية: (۳۱/۳) مطبع فاروقيه پشاور)

ولما في الفقه الاسلامي: (۶۴/۲) مطبع رشديه)

(الاجير الخاص الذي يستحق الاجر بتسليم نفسه في المدة وان لم يعمل كالخادم في المنزل والاجير في المحل)

والله اعلم بالصواب: سلمان احمد

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۱۸۷۰

۲۶ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

﴿اجارہ فاسدہ کی ایک صورت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں اپنے ہسپتال میں کینٹین کھولنے والے کیساتھ اس طرح شراکت کر لوں کہ جگہ اور فرنیچر میری طرف سے ہو اور اس کینٹین میں فروخت ہونے والی اشیاء مثلاً کیک چائے بسکٹ وغیرہ خرید کر دے لایا کرے اور ان اشیاء سے حاصل ہونے والا نفع ہم برابر تقسیم کریں تو کیا یہ جائز ہو گا یا ناجائز؟ بالفرض اگر ناجائز ہے تو اسکی جائز صورت بھی بتادیں؟

﴿جواب﴾ سوال میں ذکر کردہ معاملہ شراکت کا نہیں بلکہ اجارہ فاسدہ کی ایک صورت ہے اس لئے جائز نہیں ہے، اجارہ صحیح ہونے کیلئے اجرت کی تعیین ضروری ہے چائے وغیرہ سے حاصل ہونے والے منافع معلوم نہیں ہیں۔

اسکی جائز صورت ایک یہ بھی ہو سکتی ہے کہ باہمی رضامندی سے جگہ اور فرنیچر کا کرایہ متعین کر لیں، آپ کرایہ وصول کرتے رہیں اور باقاعدہ شراکت چاہتے ہیں تو جگہ اور فرنیچر کا کرایہ متعین کر لیں اور ہوٹل میں فروخت ہونے والی اشیاء میں آپ بھی اپنی طرف سے خاص مقدار کی رقم شامل کریں مثلاً آدمی رقم آپ شامل کریں اور منافع کی تقسیم کی شرح راس المال کے

اعتبار سے متعین کر لیں مثلاً پچاس فیصد آپکا اور پچاس فیصد کینٹین چلانے والے کیلئے اور کرایہ بھی حاصل ہونے والے منافع سے وصول کیا جائیگا اور باقی منافع کی تقسیم کم از کم پچاس فیصد کینٹین چلانے والے کا حق بنتا ہے، آپ چاہیں تو اس سے زیادہ شرح بھی محنت کرنے والے کیلئے مقرر کر سکتے ہیں مثلاً ساٹھ ۶۰ فیصد اسکے لئے اور چالیس ۴۰ فیصد آپ کے لئے مقرر ہو۔

لسالی الہدایۃ: (۲/۲۵۵ طبع رحمانیہ)

الاجارۃ عقیدہ علی المنافع بمعرض..... ولا یصح حتی تكون المنافع معلومة والاجرة معلومتان
الجهل فی المعقود علیہ وبطله تنقض الی المنازعة کجهل الثمن والمن فی المبیع
ولسالی الشامی: (۴/۳۱۲ طبع سعید)

قلت والظاهر ان هذا محمول علی ما اذا كان العمل مشروطاً علی احدهما ولی النهر علم
انهما اذا شرط العمل علیهما ان تساویا مالا وتفاوتا ربحاً جاز عند علمائنا التلخت خلافاً لفرق الربح
بینهما علی ما شرطوا ان عمل احدهما لقطر وان شرطاه علی احدهما فان شرط الربح
بینهما بقدر رأس ماله جاز یكون مال الذی لا عمل له بضاعة عند العامل له ربحه وعلیه
وضیعتہ وان شرط الربح للعامل اکثر من رأس ماله جاز بضاعة علی الشرط ویكون مال الدافع
عند العامل مضاربة یول شرط الربح للدافع اکثر من رأس ماله لا یصح الشرط ویكون مال
الدافع عند العامل بضاعة لكل واحد منهما ربح ماله والوضیعتین هما علی قدر رأس
مالهما ابتداء من حاصل مافی العتبات اه مافی النهر.

ولسالی الہدایۃ: (۲/۲۶۲ طبع رحمانیہ) الا ترى ان الربح لو شرط كله لرب المال كان بضاعة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

فتویٰ نمبر: ۲۲۷۳

۱۳ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

﴿یہ عقد مضاربت نہیں بلکہ اجارہ فاسدہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے بکر کو کپاس دیا کہ یہ کپاس
مثلاً (۵۰) کلو ہے خرچوں سمیت دس ہزار کا پڑا ہے آپ مناسب منافع کیساتھ آگے بچو، منافع
برابر برابر ہوگا اور اس کام کو نام مضاربت کا دے رہے ہیں شریعت کی رو سے اسکا کیا حکم ہے۔

﴿جواب﴾ مذکورہ معاملہ کو زید اور بکر اگرچہ مضاربت کا نام دے رہے ہیں لیکن یہ عقد
مضاربت نہیں ہے، کیونکہ مضاربت میں رب المال کی طرف سے نقد مال مثلاً سونا چاندی، روپے
ڈالر وغیرہ مضارب کو دینا ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ مضارب تجارت کے ذریعہ اس کو استعمال میں
لائے جس میں لطف و نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے یہاں خاص مقدار میں روٹی دیکر زید نے بکر کو

کلع کیساتھ بچنے کا پابند کیا ہے، اور فروخت ہونے کی صورت میں مختانہ کے طور پر آدمے منافع دینا اسکے ساتھ ملے ہوا ہے تو یہ اجارہ فاسدہ کی صورت ہے اس لئے شرعی حکم یہ ہے کہ معاملہ کو بلا تاخیر ختم کیا جائے اور اب تک جتنا کام ہوا ہے کام کرنے والا اجرت مثلی کا حقدار بنتا ہے۔

(لما فی الدالمختار ج: ۵/۱۲۵ سعید)

وشرعا (عقد شركة فی الربح، بمال من جانب، رب المال (وعمل من جانب) المضارب وایضاً فیہ (ج: ۵/۱۲۴) وشرطها لامر سبعة (کون رأس من الاثمان) کاسر فی الشركة وهو معلوم للعاقدين

(لما فی القنویر مع رد: ۶/۲۲ سعید)

فکل ما افسد البیع ماسر یفسد ما کجهالة ما جور واجرة اومدة او عمل وکشرط طعام عبد وعلف دابة ومرتة الدار الخ

(لما فی الہندیہ: ج: ۴/۴۹۲ الفصل الاول فیما یفسد العقد فیہ، طبع قدیمی)

الفساد قد یكون لجهالة قدر العمل بأن لا یبین محل العمل وقد یكون بشرط فاسد لخالف المقتضى فالفساد یجب فیہ اجر المثل ولا یزاد علی المسمى ان مسمى فی العقد ما لا معلوما وان لم یسم یجب بالغ ما بلغ الخ

(لما فی ہدایہ: ج: ۳/۲۹۶ رحمانیہ)

ولا یصح حتی تكون المنافع معلومة والاجرة معلومة لما روینا ولان الجهالة فی المعقود علیہ وفی بدله تقضى لسنارة كجهالة الثمن ولتمتن فی البیع الخ

وایضاً فیہا (ج: ۳/۳۰۱) یجوز استیجار الدواب للركوب والعمل لانه منفعه معلومة معهودت الخ

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: مفتی اللہ عفرہ دلو الدیہ

فتویٰ نمبر: ۳۹۴۱

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

﴿ذاکر کیساتھ کمیشن کے معاہدہ میں زائد شرط لگانے کا حکم﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لیبارٹری والا ایک

ڈاکٹر کیساتھ یہ معاہدہ کرنا چاہتا ہے کہ آپ ہمارے ہاں ٹیسٹ کیلئے مریض بھیجا کریں ہم نفع کا مثلاً دس فیصد آپ کو دیں گے، البتہ آپ لیبارٹری کی بجلی کا بل اگر تیس/۳۰ ہزار سے کم تک آئے تو آپ بھریں گے تو کیا یہ معاملہ شریعت کی رو سے صحیح ہے؟ مستفتی: ڈاکٹر عبدالرحمن آرتھوپڈک

﴿مولا﴾ ڈاکٹر صاحب مریضوں کیلئے ٹیسٹ لکھ کر آپکی لیبارٹری سے ٹیسٹ کرانے کی

سفارش اگر کرتا ہے اور آپ ہر ٹیسٹ پر مخصوص مقدار میں کمیشن ان کو دیتے ہیں تو اس حد تک یہ

معاملہ درست ہے بشرطیکہ کمیشن کی لالچ میں آکر وہ بلا ضرورت مریضوں کو ٹیسٹ کرانے کا نہ کہیں اور آپ بھی ڈاکٹر صاحب کی سفارش سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے عام مارکیٹ کی نسبت سے زیادہ فیس وصول نہ کریں لیکن اس معاملے میں ڈاکٹر صاحب کو بجلی کا بل ادا کرنے کا پابند کرنا شرط فاسد ہے جسکی وجہ سے پورا معاملہ خلاف شریعت ہے۔

لیبارٹری آپکی ہے اس کے اخراجات بھی آپ خود ہی برداشت کرتے رہیں چاہیں تو ڈاکٹر صاحب کو کمیشن کم دیا کریں بجلی کا بل ادا کرنے کی شرط لگانا خلاف عقد ہے اور مقدار بھی معلوم نہیں ہے، لہذا ایسا معاملہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

لحمالی الشامی: (۱/۶۳ مطبع سعید)

اتمتعت لقال فی التاتر خانیت: ولی الدلال والسمسار یجب اجر المثل، وماتوا واضعوا علیہ ان فی کل عشرة دنانیر کذا فذاک حرام علیہم، وفی الحاوی عسقل محمد بن سلمہ عن اجرة السمسار، فقال: أر جوائہ لا بأس به وان کان فی الاصل فاسد الکثرة التعمیل وکثیر من هذا غیر جائز، یجوزوه لحاجة الناس الیہ کدخول الحمام.

ولحمالی القنوی مع الدر: (۱/۴۶-۴۷ مطبع سعید)

(تفسد الاجارۃ بالشروط المغالفة لمقتضى العقد فکل ما افسد البیع) مامر (ہنسدا)
کجہالۃ ماجرور لواجرة أو مده أو عمل ہو کشرط طعام عہدو علف دابة الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

فتویٰ نمبر: ۲۲۶۷

۹ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

﴿کرائے پر گاڑیاں اور رکشے چلانے والے اجیر مشترک کے حکم میں ہیں﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میں نے رکشہ والے کیساتھ بات کی تھی کہ ماہانہ آپ کو پندرہ سو روپے دوں گا آپ میرے بھائیوں کو روزانہ ٹیوشن کیلئے لے جایا کرو گے، مہینے کے آخری دنوں میں شہر کے حالات خراب ہو گئے، تین دن تک کرفیو نافذ رہا، تین دن کے بعد حالات معمول پر آ گئے، رکشہ والا ان تین دنوں کے علاوہ اور چار دن بھی بھائیوں کو لینے نہیں آیا، اب جب حساب کتاب کا وقت آیا تو وہ ان چھٹی کیے ہوئے سات/۷ دن کے کرایہ کا بھی مطالبہ کر رہا ہے تو کیا میرے اوپر ان سات دنوں کا کرایہ دینا لازم ہے؟ مستفتی: داؤد شاہ ڈی آئی خان

﴿جواب﴾ تمام گاڑیوں اور رکشوں والے شریعت کی اصطلاح میں اجیر مشترک کہلاتے

ہیں اور وہ تب اجرت کے مستحق ہوتے ہیں جب وہ کام سرانجام دیں، مذکورہ صورت میں جتنے دن رکشہ والا غیر حاضر رہا ہے آپ کے بھائیوں کو لیکر نہیں گیا اتنے دنوں کے حساب سے آپ کو کرایہ کاٹ سکتے ہیں ان دنوں کا کرایہ انکو دینا آپ پر لازم نہیں ہے بشرطیکہ آپ نے پہلے اسکے ساتھ یہ طے نہ کیا ہو کہ اگر حالات کے خراب ہونے کی وجہ سے آپ نہ آ سکے تب بھی آپ کو کرایہ دوں گا۔

لما فی التقدیر مع الشر: (۶/۲۲ طبع سعید)

ولا یتحقق المشترك الا جرحتی بعمل کالتصار ونحوہ کقتال و حمال و دلال و ملاح،
وله خيار ان یرای فی کل عمل یختلف باختلاف المحل مجتبی.

ولما فی الکتاب مع فتح التقدیر: (۱/۱۱۲ طبع رشیدیہ)

(فالشترک من لا یتحقق حتی یعمل کالصباغ والتصار لان المعتد علیه اذا کان هو العمل او اثره کان له ان یعمل للعامة لان منافعه لم تصر مستعقلاً واحتمل من الوجه ہسی مشترکاً.

ولما فی اللغۃ العقی: (۲/۸۷ طبع دار الکلم الطیب)

الاجیر المشترك من لا یتحقق الاجرة حتی یعمل وهو الذی یعمل لاولی من غیر ترقیت کالطہب وشرکۃ المساوالات وشرکات التقل البریۃ والجویۃ والبحریۃ.

ولما ہضاً فیہا: (۲/۸۱ طبع دار الکلم الطیب)

تتحقق الاجرة عند استيفاء المعتد علیه لو باشتراط التعمیل ولو بالتعجیل من غیر شرط لان الاجرة لا تجب بنسب المعتد لقلہ علیہ السلام اعطى الاجر لجرہ قبل ان یجف عرفہ ولو وجبت بتعنتہ لما جاز تخیرہ: لا یضاد ولنص یتضمن الوجوب بمنقراغ لان العرق لیس وجوب العمل

الجواب صحیح: عبد الرحمن بن عبد اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

نور الدین نمبر: ۲۳۲

۱۳ جمادی الاول ۱۳۷۳ھ

﴿مسجد میں اجرت لیکر بچوں کو قرآن کی تعلیم دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد میں اجرت لیکر بچوں کو دینی تعلیم یعنی قرآن مجید وغیرہ پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: مرتضیٰ صاحب

﴿جواب﴾ بچوں کو مسجد میں پڑھانا جائز ہے خواہ استاد کو اسکی تنخواہ ملتی ہو، البتہ جن بچوں سے مسجد میں پیشاب وغیرہ کا اندیشہ ہو تو انکو مسجد میں لانا منع ہے۔

لما فی الشامی: (۱/۲۸ طبع سعید)

فلست یعمل فی القاتار خانۃ عن العیون جلس معلم او رزاق فی مسجد فان کان یعلم

أو یکتب بأجر یکره الا لضرورة وفي الخلاصة تعلیم الصبیان فی المسجد لا بأس به ۵۱.
ولسالی الهندیة: (۲۲۱/۵) طبع رشیدیہ

لو جلس المعلم فی المسجد والزاق یکتب فان کان المعلم یعلم للحسبة والزاق
یکتب لنفسه فلا بأس به لانه قریب قرآن کان بالاجرة یکره الا ان يقع لهما الضرورة.
وکنافی المبسوط: (ج ۲۴ ص ۲۵) طبع بیروت

ولسالی خلاصة الفتاوی: (۲۲۹/۱) طبع رشیدیہ

وکنالکاتب لذا کان یکتب باجرة یکره وبغیر أجر لا یکره وأما المعلم الذی یعلم الصبیان
بأجر اذ جلس یعلم للصبیان لضرورة الحر أو غیره لا یکره وفي نسخة القاضی الامام فی
اقرار العیون جعل مسئلة المعلم کمسئلة الکاتب والخیاط فان کان یعلم حسبة لا بأس
به ولن کان بأجر یکره الا ذاق ضرورة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه
والله اعلم بالصواب: رضوان الله تعالی

فتویٰ نمبر: ۲۰۱۶

اربع الاول: ۱۴۳۰ھ

﴿جانوروں کی جفتی کرانے پر اجرت لینا درست نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں بعض
لوگ گائے جفتی کرانے کیلئے بیل پالتے ہیں اور اس پر متعین اجرت لیتے ہیں تو کیا یہ اجرت لینا
شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی: محمد مابد

﴿جواب﴾ اجرت لینے کیلئے یہ ضروری ہے کہ جس چیز سے نفع اٹھایا جائے وہ اس شخص کی
ملکیت میں ہو، صورت مسئلہ میں گائے کا محل ٹھہرانا کسی کے بس کی بات نہیں اس لئے اس پر
اجرت لینا شرعاً جائز نہیں اور اس کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی اس سے منع فرمایا ہے، البتہ
اجرت ملے کے بغیر بعد میں جانور کیلئے چارہ وغیرہ کے طور پر کچھ دینا چاہئے تاکہ لوگوں کی
ضرورت پوری ہو اور حدیث مبارکہ میں مذکورہ ممانعت کے خلاف بھی نہ ہو۔

لسالی الشامی: (۵۰/۱) طبع امدادیہ

قوله: لا تصح الا جارة لعصب التیس) لانه عمل لا یقدر علیه وهو الاحبال.

ولسالی البحر الرائق: (۱۹/۸) طبع سعید

(لا أجرة عصب التیس) یعنی لا یجوز أخذ أجرة عصب التیس لقوله علیه الصلاة
والسلام ان من السعت عصب التیس ومهر البفی لانه عمل لا یقدر علیه وهو الاحبال
فلا یجوز اخذ أجرة علیه ولا اخذ المال بمقابلة الماء وهو نجس لا یمس له فلا یجوز

والمراد هنا استلجار التيس لينزول على الغنم ويحملها باجر.
ولما في الهداية: (۳/۳۰۵، طبع رحمانيه)

(ولا يجوز اخذ اجرة عسب التيس) وهو ان يواجر لحلال لينزول على اناث لقوله عليه
السلام ان من المسحت عسب التيس والمراد اخذ الاجرة عليه.
ولما في خلاصة الفتاوى: (۳/۱۱۳، طبع رشديه)

رجل استاجر لحلال لينزله على انثى لا يجوز بخلاف ما اذا استاجر ظنر الذئب ولد
حيث يجوز والفرق حاجة الناس والقياس فلهما سواء.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ تعالیٰ

فتویٰ نمبر: ۱۹۹۱

۳ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

﴿جانور کو نصف دودھ کے عوض پالنے کیلئے دینا درست نہیں﴾

﴿سوال﴾ ایک شخص نے بھینس خرید کر کسی دوسرے شخص کو اس شرط پر پالنے کیلئے دی کہ
آدھا دودھ تمہارا اور آدھا میرا ہوگا تو اس قسم کی شرط لگانا اور ایسا معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ شرعاً ایسا معاملہ جائز نہیں ہے، یہ اجارہ فاسدہ کی صورت ہے، صحیح طریقہ یہ ہے
کہ چارہ کی قیمت اور رکھوائی کی اجرت آپس میں طے کر لیں، دودھ بھینس کے مالک کا ہوگا، البتہ
چارے کی قیمت اور رکھوائی کی اجرت کے بدلے میں دودھ کی خاص مقدار مثلاً، کلو، من وغیرہ
مقرر کرنا چاہیں تو اس طرح کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور دودھ بھی خاص انہی جانوروں
کا مقرر نہ کریں بلکہ مطلق دودھ خواہ دوسرے جانوروں سے ہو، بعد میں بیٹک انہی جانوروں کا
دودھ بدلے میں دیا کریں لیکن معاملہ میں مطلق دودھ طے کر لیں یہ شرعاً صحیح طریقہ ہے اور اب
تک جو معاملہ ہوا ہے یہ اجارہ فاسدہ ہے دونوں اگر راضی ہیں تو آئندہ کیلئے یہ معاملہ درست
کر لیں اور اگر اختلاف کی صورت پیدا ہوئی ہے تو بھینس کے مالک کے ذمہ اس شخص کی رکھوائی
کی مزدوری واجب ہے اور چارہ کی قیمت بھی اور مزدور کے ذمہ دودھ واپس کرنا ہے یعنی جتنا اس
نے استعمال کیا ہے۔

ولما في الهداية: (۳/۳۴۵، طبع رشديه)

دفع بقرة الى رجل على ان يعلفها وما يكون من اللبن والسمن بينهما انصافا فالاجارة
لما استوفى على صاحب البقرة للرجل اجر قيامه وقيمة علفه ان علفها من علف مملوكة

وہر ذکر الہی ان کان لائنماوان الالف فمالہ ال الی صاحبہ الان لادن مانی وکذا الی
الزلازمہامش الہندۃ (۵/۲۷، مطبع رشیدیہ)

ولحالی خلاصۃ الفتاوی (۱۶/۳) مطبع رشیدیہ

رجل دفع بالقرۃ الی رجل بالمالک مناصفۃ الی الی یسفی بالفارسیہ کاویتم مردہان
دفع علی ان واصل من اللادن والسمن وینہما نصفان فہذا لفساد الحادث کلہ
لصاحب البقرۃ والامارۃ فاسدہ واراکل اللادن مع ہذا الامض قائم لماکان من اللادن
لنصاہر ذعلی مالک البقرۃ واماکان اکل ہر ذملہ من اللادن... ولہ علی الملک
قیمۃ علیہا واجر المثل فی الامامہ علیہا.

ولحالی فوض الباری (۲۸۲/۳) مطبع رشیدیہ

ان من المذہب الفاسدۃ مال الی واما احد جارت دہانتوان کانت فاسدۃ القضاء وذلک لان
الفساد قد یكون لحق الشرع بان التسل علی مالک فلا یجوز بحال ولدیكون
الفساد لفسادۃ التنازع ولا یكون فیہ شیء اخر یوجب الائم فذلک ان لم یقع فیہ
التنازع جازا عندی دہانتوان بقی فاسدۃ القضاء لارتفاع علۃ الفساد الی المنازعۃ.

الجواب بحج محمد الرحمن علی اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ تعالیٰ

لنوی نمبر ۱۹۱۲

۲۰ صفر الخیر ۱۳۳۰ھ

﴿جالور کو نصف پر دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل یہ عام رواج
ہے کہ مالدار آدمی غریب کے لئے جالور خرید لیتا ہے اور اس سے یہ کہتا ہے کہ تم اسکو پالو اور اسکے
جو بچے ہونگے وہ دونوں کے درمیان مشترک ہونگے، شرعاً اسکا کیا حکم ہے اور جواز کی کوئی
صورت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ مستفتی: سعید مرتضیٰ صاحب

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں چونکہ اجرت مجہول ہے اسلئے یہ معاملہ جائز نہیں ہے، البتہ
اس کے جواز کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مالدار آدمی جالور لے کر اسکی قیمت لگا کر آدمی
غریب کو فروخت کر دے پھر چاہے تو پیسے بھی نہ لے اب جالور دونوں کا مشترک ہوگا غریب بطور
احسان جالور رکھے اب اس جالور میں اور اسکے بچوں میں بھی دونوں شریک ہونگے۔

لحالی المہندیہ: (۲۲۵/۲) مطبع رشیدیہ

وعلیٰ هذا اذا دفع البقرۃ الی انسان بالملک لیکون للحادث بہنہما نصفین لفساد
لہما لصاحب البقرۃ ولذلک الرجل مثل الملک الذی علیہا واجر مثله لیسامام علیہا

وعلى هذا اذا دفع دجاجة الى رجل بالعلف ليكون البيض بينهما نصيبين والحبلة في ذلك أن يبيع نصف البقرة من ذلك الرجل ونصف الدجاجة بثلث معلوم حتى تصير البقرة وأجناسها مشتركة بينهما فيكون الحادث منهما على الشركة.

ولمافي الدر المختار: (۴/۳۲۱، طبع سعيد)

كما لو دفع دابة لرجل ليؤجرها والأجر بينهما، فالشركة فاسدة والربح للمالك وللآخر أجر مثله. وكذا في المبسوط: (۱۱/۲۱۹، طبع سعيد)

ولمافي الشامي: (۴/۳۲۱، طبع سعيد)

اتنبه لم يذكره ومالك كانت الدابة بين اثنين دفعها أحدهما للآخر على أن يؤجرها ويعمل عليها على أن تلتقى الأجر للعامل والثالث للآخر وهي كثيرة الوقوع ولا شك في فسادها لأن المتفعة كالعروض لا تصح فيها الشركة وكذا في منحة الخالق: (۵/۱۸۴، طبع سعيد)

والله اعلم بالصواب: رضوان الله تعالى

الجواب صح: عبدالرحمن عفا الله عنه

فتوى نمبر: ۲۰۹۵

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

﴿جانوروں کی جفتی کرانے پر اجرت لینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے متعلق بعض دیہاتوں میں کچھ لوگ بیل پالتے ہیں، دوسرے لوگ مادہ جفتی کے واسطے ان کے پاس لے جاتے ہیں تو وہ اس پر اجرت سو روپے لیتے ہیں اگر ان سے اس بارے میں کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس کی اجرت نہیں لیتے ہیں بلکہ بیل کے لئے چارہ وغیرہ کا خرچہ لیتے ہیں، کیا ان کا یہ قول درست ہے؟ اور اس طرح کے حیلے سے یہ معاملہ درست ہوگا؟

﴿جواب﴾ اجارے کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جس چیز سے نفع حاصل کیا جا رہا ہے وہ شخص کی ملکیت ہو اور حمل ٹھہرانا کسی کے بس اور قدرت میں نہیں ہوتا ہے اس لئے یہ اجارہ درست نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اجرت لینے کو منع فرمایا ہے: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم والسلام: ان من السحت عیب التیس ومہر البی.

لمافی التقریر مع الدر: (۵/۹۰، طبع امدادیہ) لا تصح الاجارہ لعیب التیس کو موزونہ علی الاناث.

ولی الشامی: لانه عمل لا یقدر علیہ وهو الاحبال.

ولمافی الہدایہ: (۳/۳۰۵، طبع رحمانیہ)

ولا یجوز أخذ أجره عیب التیس وهو ان یؤجر لعلل ینزول علی اناث لقوله علیہ السلام

ان من المصت عصب التيس والمراد منه أخذ الاجرة عليه.

تاہم بغیر اجرت مقرر کئے ہوئے معاملہ کیا جائے تو درست ہے اسی طرح اگر پیسے بطور اجرت کے نہ ہوں بلکہ بدل کے لئے چارہ مہیا کرنے کے لئے کچھ دیا جائے تو گنجائش ہے۔

واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۱۱

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ

﴿کرایہ دار کا دوسرے کو مکان کرایہ پر دینے کی شرعی حیثیت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہم تقریباً دس افراد ایک مکان میں رہتے ہیں، ان

دس افراد میں سے ایک نے اس مکان کو مالک سے (۲۵۰۰) پیسے سو روپے کرایہ پر لیا ہے جبکہ وہ ہم نوے تقریباً (۲۵۰۰) ساڑھے چار ہزار روپے جمع کرتا ہے اور باقی اخراجات بھی ہم سے ایتہ ہے اور اصل مالک کو بھی یہ معاملہ معلوم ہے کیا یہ زیادتی رقم اس کیلئے جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ آپ کے دوست نے یہ مکان خود کیلئے کرایہ پر اگر لیا ہے اور اس میں اپنی طرف سے سہولت کا بھی کچھ انتظام کر دیا ہے مثلاً رنگ و روغن وغیرہ تو اضافی رقم وصول کرنا اس کیلئے جائز ہے اور اگر سہولت کا کوئی بھی انتظام اپنی طرف سے نہیں کیا ہے تو اضافی رقم وصول کرنا مناسب نہیں ہے چاہیے کہ تمام سہولتوں کو اضافی کرایہ واپس کر دے یا صدقہ کر دے۔

لسالی الہندیہ: (۲/۲۵۰) مطبع رشیدیہ

وانما استأجر نزل لو قبضها ثم أجرة ما فانه يعجزون أجرة ما مثل ما استأجرها أو أقل ولن أجرة ما أكثر ما استأجرها فهي جائزة أيضاً لأنه ان كانت الاجرة للثانية من جنس الاجرة الاولى فان الزيادة لا يطيب له ويتصدق بها ولن كانت من خلاف جنسها طابت له الزيادة.

ولسالی الدر مع الرد: (۹/۳۸) مطبع امدادیہ

ولو أجرة باكثر تصدق بالفضل الا في مسألتين اذا أجرة ما بخلاف الجنس أو أصلح فيها شيئاً. وفي الشامية: قوله: (أو أصلح فيها شيئاً) بأن جصصها أو فعل فيها مستأجره وكذا كل عمل قائم، لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملاً لأمره على الصلاح كسالی المبسوط.

ولسالی بدائع الصنائع: (۲/۲۰۶) مطبع سعیدی

ولو أجرة ما استأجر باكثر من الاجرة الاولى فان كانت للثانية من خلاف جنس الاولى طابت له الزيادة ولو كانت من جنس الاولى لا تطيب له حتى يزدن في الضرر لزيادة من بناء أو حفر أو تطيين أو تبصيص فان لم يزدن فيه شيئاً فلا خير في الفضل ويتصدق به لكن تجوز الاجارة.

واللہ اعلم بالصواب: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۹۱۰

۱۹ صفر الخیر ۱۴۳۰ھ

﴿کرایہ کے مکان میں رہائش اختیار نہ کی ہو تب بھی کرایہ واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گھر کے قریب ایک آدمی نے گھر بنایا کچھ عرصہ وہ اس میں رہا پھر وہاں سے منتقل ہوا اور گھر ہمارے حوالے کیا کہ کوئی مناسب کرایہ دینے والا مل جائے تو دیدینا، کافی عرصہ وہ خالی پڑ رہا پھر ہمارے ایک جاننے والے نے کہا میں یہاں آ رہا ہوں اس سے بات ہو گئی ہم نے چاہیاں اسکے حوالے کر دیں اس نے سامان وغیرہ لا کر رکھ دیا لیکن رہائش اختیار نہیں کی اس طرح ایک مہینہ گزر گیا، جب ہم نے اس سے کرایہ کا کہا تو وہ کہنے لگا کہ میں نے گھر رہائش کیلئے کرایہ پر لیا تھا جب میں نے اس میں رہائش ہی اختیار نہیں کی تو کرایہ کس چیز کا دوں، میں سامان ابھی لے جاتا ہوں آئندہ کیلئے بھی میں نے یہاں رہائش اختیار نہیں کرنی۔

براہ کرم وضاحت فرمائیں کہ ہم اس آدمی سے ایک مہینہ کے کرایہ کے مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں یا نہیں؟ اسلئے کہ مالک مکان کو تو ہم نے یہ بتایا کہ آپ کے مکان کیلئے کرایہ دار مل گیا ہے۔

﴿جواب﴾ یہ صورت مسئلہ میں جب آپ نے کرایہ دار کو گھر کی چابیاں دیدی اور اسکے رہائش کیلئے فارغ کر دیا اس طور پر کہ اسکے لئے اس گھر میں رہائش اختیار کرنے سے کوئی مانع نہیں رہا اسکے بعد اس نے گھر میں رہائش اختیار کی ہو یا نہیں، دونوں صورتوں میں آپ مہینہ پورا ہونے پر اس سے مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں، اسکا یہ کہنا کہ ”گھر میں رہائش کیلئے کرایہ پر لے رہا تھا جب میں نے اس میں رہائش اختیار نہیں کی تو کرایہ کس چیز کا“ ناقابل توجہ بات ہے۔

مسائل البدائع (ج ۵/۵۲۷ طبع دارالکتب العلمیۃ)

ولو أجر المنزل فارغاً وسلم المفتاح الى المستأجر فلم يفتح الباب حتى مضت المدة
لزمه كل الاجر لوجود التسليم وهو المتمكن من الانتفاع برفع الموانع في جميع المدة
فحدثت المنافع في ملك المستأجر فملك على ملكه فلا يستط عنه الاجر كالبدائع
انما سلم المبيع الى المشتري بالتخلية فهل في بدالبدائع كالهلاك على المشتري
لانه ملك على ملكه، كذا هذا وان لم يسلم المفتاح اليه لكنه ان له يفتح الباب فمال
مروافق الباب فان كان يفتح على فتح الباب بالمعالجة لزمه الكراء لوجود التسليم،
وان لم يفتح لزمه لان التسليم لم يوجد.

ولم في شرح المجلة (ج ۲/۲۸۰، ۲۸۱ طبع رشیدیۃ) المادة ۵۸۲

﴿تسليم المأجور عبارة عن اجازة الأجر وخصته للمستأجر بان يتنع به بلامانع﴾

مجبوری کی وجہ سے کوئی انشورنس کرائے اور پھر اس پر سود نہ لے تو جائز ہے لیکن اس پر زیادتی لینا ہرگز جائز نہیں ہے، معاہدہ کے وقت اس کی صراحت اگر کرے خواہ زبانی ہو تو بہت اچھا ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب: محمد احمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

نئی نمبر: ۱۵۵۷

۱۳ جمادی الثانی ۱۳۲۹ھ

﴿درزی کے کام سے متعلق چند مسائل﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل کے بارے میں کہ (۱) ہماری درزی کی دکان بازار میں ہے اور ہم جوڑے کا ۱۸۰ روپے لیتے ہیں اور دوسری دوکانیں مارکیٹ میں ہیں، وہ دوکاندار جوڑے کا ۱۳۰ روپے لیتے ہیں اور ہماری دوکانوں کا کرایہ ۳۰۰ روپے ہے جبکہ ان کی دکانوں کا کرایہ ۱۵۰ روپے ہے، نیز جو میٹر بل ہم استعمال کرتے ہیں وہ میٹر بل وہ لوگ استعمال نہیں کرتے، یہ زائد اجرت لینا ہمارے لئے جائز ہوگا یا نہیں؟ (۲) جب کوئی گاگہ ہمارے پاس آتا ہے تو ہم اس کو بتاتے ہیں کہ آپ کا جوڑا دس (۱۰) دن کے بعد تیار ہوگا پھر بسا اوقات بجلی کی لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے جوڑا پندرہ (۱۵) دن کے بعد بنتا ہے تو کیا اس معاملے میں ہم وعدہ خلافی کر رہے ہیں یا وعدہ خلاف ہو گئے ہیں؟

﴿جواب﴾ (۱) آپ فی جوڑے کی سلائی اجرت ۱۸۰ روپے لیتے ہیں یا زیادہ جبکہ پہلے سے گاگہ سے یہ رقم طے ہوئی تھی یا کسی طرح اس کے علم میں ہے پھر تو کوئی مضائقہ نہیں ہے گاگہ کو علم نہ ہو لیکن سلائی کے بعد بخوشی قبول کر لے تب بھی کوئی بات نہیں ہے اور اگر سلائی کے بعد مطلوبہ اجرت دینے سے وہ انکار کر دے اور عام مارکیٹ میں اس طرح بازار کے دیگر کارمگروں کے پاس بھی ایسی سلائی (۱۳۰) روپے کی ہے تو اس سے زیادہ لینا جائز نہیں ہوگا، اسلئے پہلے سے بتا دیا کریں یا کم از کم لکھ کر دوکان میں آویزاں کریں تاکہ گاگہ کو مطلوبہ اجرت معلوم ہو۔

(۲) آپ کی کوشش کے باوجود دس (۱۰) دن میں لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے جوڑا تیار نہ ہو سکا تو یہ وعدہ خلافی کے زمرے میں نہیں آتا، البتہ خود کو اندازہ ہو، کہ دس دن میں تیار نہیں کر سکیں گے لیکن گاگہ بتانے کے لئے بتا دیا تو یہ صورت بلاشبہ وعدہ خلافی ہے اور گناہ ہے۔

لسالی سنن امی دلاود: (۲/۳۴۰) مطبع لدھی

اذار عبدالرجل آخاء ومن نبتہ ان ہنی، لہ فلم ہنی، ولم یحی، للہم اذللناہم علیہ لقال

المعشر: ای لم یف بعذر وقیل الخلف فی الوعد من غیر مانع حرام... وکان للوفاء بالوعد مأموراً به فی الشرائع السابقة.

ولمافی مرقاة المفاتیح: (۱/۲۱۱) طبع رشیدیہ کوئٹہ

اہل المنافع ثلاث "زاد مسلم وان صام أو صلی وادعم انه مسلم" اذا حدث کذب وادنا وعدا خلف واذ اؤتمن خان۔ قال الملا علی القاری: اخلف، أي جعل الوعد دخلاً فابان لم یف بوعده ان عزم علی الاخلاف حال الوعد لان طره له کما هو واضح.

واللہ اعلم بالصواب: محمد اسلم چترالی غفرلہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۲۲۵

۱۹ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

﴿فقیر الطحان کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ ہمارے گاؤں میں ابتلاء عام ہے کہ جب پن چکی والا گندم وغیرہ پیس لیتا ہے تو اسی میں سے اپنی اجرت (ایک کلو یا دو کلو) لے لیتا ہے کبھی کلو وغیرہ کی کوئی قید نہیں لگائی جاتی بلکہ ایک مخصوص برتن ایک بار یا دو بار بھر کر لے لیتا ہے، نیز غلہ پیسنے کی مشینیں بھی ہیں، اکثر مشین والے بھی پائی کی اجرت اس پس ہوئی چیز (گندم، مکئی وغیرہ) ہی میں سے لیتے ہیں، البتہ بعض مشین والے نقداً اجرت بھی لیتے ہیں، کیا مذکورہ معاملات شرع کی رو سے درست ہیں؟

﴿جواب﴾ گندم کی پائی کی اجرت آٹے سے لینا درست نہیں یہ "فقیر الطحان" کے قبل میں سے ہے یعنی جو چیز اجیر کے کسی عمل کے نتیجے میں وجود میں آئے اسی میں سے اجرت مقرر کرنا "فقیر الطحان" کہلاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، اس کے درست ہونے کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مشین والے یا پن چکی والے کی اجرت پیسنے سے پہلے الگ کر دی جائے یا بلا تعین کے اس کی اجرت مقرر کر دی جائے یعنی چاہے مستأجر دوسری گندم سے اس کو اجرت دے یا اسی میں سے دے، ان صورتوں میں یہ معاملہ درست رہے گا اور "فقیر الطحان" کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

لمافی التنبیہ مع الدر: (۱/۹۷) طبع امدادیہ

(ا) استأجر بفلا یحصل طعامه ببعضه أو ثور البطح من برہ ببعض دقیقہ (فسدت فی الكل لانه استأجره بجزء من عمله، والأصل فی ذلك نهیه صلی اللہ علیہ وسلم عن قلیہ الطحان فی بيع الوفاء والحيلة: أن یقرر الأجر أولاً ویسئ قلیہ ابتلا تعین ثم یعطيه قلیہ آمنه لیجوز کذا فی البحر الرائق: (۸/۲۳) طبع سعید

ولسالی الهندية: (۲/۲۲۲، طبع رشیدیہ)

مسورة قنیز الطحان أن يستاجر الرجل من آخر ثور البطح من به الحنطة على أن يكون
لصاحبها قنیز من دقيقتها ويستاجر انساناً ليطحن له الحنطة بنصف دقيقتها، ما أشبه
ذلك لذلك فاسد.

واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

نوی نمبر: ۱۸۶

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿مزدور کو اس کے عمل سے حاصل ہونے والی چیز اجرت میں دینا﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام درپیش مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے
موگ پھلی توڑنے کیلئے کسی کو اپنی کھیت دیدی کہ حاصل ہونے والی فصل میرے اور آپ کے
درمیان مشترک ہے یعنی آدھی فصل آپ کی ہوگی اور آدھی میری ہوگی۔ یہ معاملہ کرنا
کیسا ہے؟ برائے مہربانی وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: مولانا عنایت اللہ صاحب

﴿مولا﴾ اس معاملہ کے بارے میں اصل حکم تو عدم جواز کا ہے اس لئے کہ مزدور کو اس کی
محنت سے حاصل ہونے والی چیز بطور اجرت دینا طے ہوا، اس کے علاوہ موگ پھلی معلوم نہیں کہ
کتنا نکلے گا، لیکن جہاں اس طرح کا معاملہ عام رائج ہو اور لوگوں میں ناراضگی، جھگڑے وغیرہ کی
نوبت نہیں آتی ہو تو عرف کیوجہ سے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے، تاہم بہتر یہ ہے کہ اسی کھیت سے
حاصل ہونے والی موگ پھلی اجرت میں طے نہ کریں، بلکہ ایک خاص مقدار کی مطلق موگ پھلی
مثلاً ”من“، ”دس من“ طے کریں بعد میں خواہ اسی کھیت کی موگ پھلی سے اجرت دیدیں۔

لسالی تنویر مع الدر: ۵۶/۱ (طبع ایچ ماہم سعید)

ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه أبنصف الغزل أو استاجر بغلاله حمل طعامه
ببعضه أو ثور البطح بربه ببعض دقيته فسد في الكل لانه استاجره بجزء من عمله
والاصل في ذلك نهي النبي ﷺ عن قنيز الطحان وقدمناه في بيع الرقاء: والعملة ان
يفرز الاجر ولا اويسى قنيز ابلاتعمين ثم يعطيه قنيزاً منه فيجوز.

ولسالی الهندية: (۳۰۸/۳، طبع رحمانیہ، لاہور)

ومن دفع لى حانك غزلاً لينسجه بالنصف فله اجر مثله وكذا اذا استاجر حمار البطح
عليه طعاماً بقنيز منه فالاجارة فاسد لانه جعل الاجر ببعض ما يخرج من عمله
لبيصير في معنى قنيز الطحان وقد نهي النبي ﷺ عنه وهو ان يستاجر ثور البطح له
حنطة بقنيز من دقيته هو المعنى فيه ان المستاجر عاجز عن تسليمه الاجر وهو بعض

المنسرج او المجهول او حصوله بعمل الاجیر فلا یعد قادر ابقترة غیره
ولسانی فتح القدیر (۱۰۹/۱) مطبع رشیدیہ، کوئٹہ

ومن دفع الی حانک غزالہن منجہ بالنصف فالاجارۃ فاسدہ کذلک اذا استاجر حمارا
لیعمل طعامہ لہ بتلخیص منہ لانہ فی معنی قلین الطعان فی جعل الاجرۃ ببعض ما ینخرج
من عملہ وقد نہی النبی ﷺ عن قلین الطعان .

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری

فتویٰ نمبر: ۳۹۹۵

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

﴿ذیوٹی کے اوقات میں اضافی کام پر اضافی تنخواہ کا مطالبہ درست نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک پرائیویٹ
ادارے میں بحیثیت اکاؤنٹنٹ کام کرتا ہوں، میرے اور کمپنی کے درمیان معاہدہ ہوا تھا (جسکی
کاپی سوال کیا تھ منسلک ہے) جسکا خلاصہ یہ ہے کہ میں ادارے میں صبح ۹:۳۰ سے شام ۶:۳۰
تک کام کروں گا اور اس وقت میں میں کمپنی کا اکاؤنٹ بناؤں گا جسکے عوض کمپنی مجھے ابتدائی تین
ماہ ۱۲۵۰۰ اور اس کے بعد ۱۴۰۰۰ ماہانہ تنخواہ دے گی، کچھ عرصہ بعد ایک اور ادارے کا اکاؤنٹ
بنانے کی ذمہ داری بھی مجھے سونپ دی گئی جس سے میرا کام دوگنا ہو گیا۔

چنانچہ جب میں نے مالک سے اس اضافی کام کے عوض مزید تنخواہ کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا
کہ آپ اضافی تنخواہ کے حق دار نہیں کیونکہ آپ مقررہ وقت میں کام کرتے ہیں۔ برائے مہربانی
شریعت کی رو سے بتلائیں کہ کمپنی کے مالک کی بات درست ہے یا کہ میرا مطالبہ؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں آپ مزید تنخواہ کا مطالبہ کرنے کے شرعاً مستحق نہیں کیونکہ
منسلک عہد نامہ میں شق (۱) اور (۵) کے مطابق آپ اجیر خاص کی حیثیت رکھتے ہیں اور اجیر
خاص کا حکم یہ ہے کہ اسکو مالک کی طرف سے ایک مقررہ وقت تک کام کرنے کا حکم دیا جاتا ہے
اور اس وقت یا مدت میں مالک اس کو جتنا کام کرنے کو کہے تو حسب استطاعت اس کے لئے وہ
کام کرنا ضروری ہوتا ہے۔

ہاں اگر مالک آپ کو (out of time) مقررہ وقت کے بعد بھی کام کرنے کو کہے
تو اس اضافی وقت کے بقدر تنخواہ کا مطالبہ کرنے کے آپ شرعاً حق دار ہیں۔

لما فی التنبیہ مع الدر: (۱/۱۲-۱۵، طبع امدادیہ)

(والثانی) و هو الاجیر (الخاص) ویسنى اجیر واحد (و هو من یعمل لواحد عملاً
موقفاً بالتخصیص ویستحق الاجر بتسلیم نفسه فی المدۃ وان لم یعمل کمن استوجر
شهر للخدمة أو أشهر) (الرعى الغنم) المسمى بأجر مسمى.

ولما فی الشامی: (۱/۱۶، طبع امدادیہ)

فرع بار ادرب الغنم ان یرید فیها ما یمطیق الراعى له ذلك لخصوصاً، لانه فی حق الراعى
بسنزلة العبد، وله ان یکلف عبده من الراعى ما یمطیق تاتر خانیه.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: ابو خزیمہ رحمہ کفایت اللہ

توی نمبر: ۲۳۳۰

۶ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

﴿اپنی مزدوری دوسرے شخص کو بیچنا شرعاً کیسا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص
کے ماتحت دس آدمی مزدوری کرتے ہیں، ان میں سے ایک اپنی ملازمت (مزدوری) دوسرے
شخص کو بیچ دیتا ہے اور اس سے اس کے بدلے قیمت وصول کرتا ہے اور مالک کو بتاتا ہے کہ میں
نے اپنا کام چھوڑ دیا ہے، میری جگہ پر یہ میرا بھائی کام کریگا حالانکہ وہ اس کا بھائی نہیں ہوتا بلکہ
اس کو پہلے والے شخص نے اپنی ملازمت بیچ دی ہوئی ہوتی ہے اور اس سے پیسے وصول کر چکا ہوتا
ہے، کیا شریعت کی روشنی میں ایسا معاملہ جائز ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ معاملہ شریعت مطہرہ کی رو سے جائز ہے یعنی کسی معلوم عوض کے بدلے
اپنے حق کو کسی دوسرے کے لئے فارغ کر دینا درست ہے۔

لما فی شرح المجلة: (۲/۱۲۰، طبع رشیدیہ)

وان کان ذلك الحق قد ثبت لصاحب الحق اصالۃ لا علی وجه رفع الضرر كالوظیفۃ
فی وقف من امامۃ و خطابة و اذان و فراشة و براۃ فان صاحبها قد ثبت له وهذا الحق
بتقرر للقاضی علی وجه الاصالۃ لا لاجل رفع ضرر عن صاحبه فینبغی أن یصح
الاعتیاض عن تلك الوظیفۃ بمال یاخذہ الفارغ، و هو صاحب الوظیفۃ بمال من المفروغ
له لأنه صلح عن حق الحاقاله بالا اعتیاض عن القصاص بمال.

أقول و علی ما ذکرہ من جواز الاعتیاض عن الحقوق المسجدة بمال ینبغی أن
یسرر الاعتیاض عن حق التعلی و عن حق الشرب و عن حق السبیل بمال، لأن هذه
الحقوق لم تثبت لأصحابها لاجل دفع الضرر عنهم، بل تثبت لهم ابتداءً بحق شرعی.

ولسالی الدر المختار (۲/۵۱۸-۵۱۹ طبع سعید)

ولس الاشياء: لا يجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة كحق الشفعة وعلى هذا لا يجوز الاعتياض عن الوظائف بالأوقاف ولها في آخر بحث تعارض للعرف مع اللغة المذهب عدم اعتبار العرف الخاص لكن الفتی کثیر باعتبارہ وعلیہ فیہی بجواز النزول عن الوظائف بال.

واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۵۷۲

۲۵ رجب ۱۴۲۷ھ

﴿ریڈیو کی مرمت پر اجرت لینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ریڈیو خراب ہونے کی صورت میں اس کی مرمت کرنا اور اس پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ مستفی: مراد خان

﴿جواب﴾ اگرچہ ریڈیو میں ہر قسم کے پروگرام ہوتے ہیں جس میں جائز و ناجائز پروگرام شامل ہیں تاہم اس کو اصلاحی، معلوماتی اور تربیتی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے، اس لئے اس کی مرمت کرنا اور اس پر اجرت لینا جائز ہے لیکن اگر کسی کے بارے میں یہ یقین ہو کہ یہ اس کو صرف لہو لعب کے لئے استعمال کرے گا تو اس وقت اس کو بنانا اور اس پر اجرت لینا مناسب نہیں ہوگا، ایسی صورت میں معذرت کرنی چاہیے۔

لسالی التذکرہ مع الدر: (۱/۷۵، طبع امدادیہ)

(لا تصح الاجارۃ للعصب التیس) وھو نزوہ علی الاناث (لو لا) لاجل المعاصی مثل الغنا، والنحر والاسلامی ولو اخذ بلا شرط یباح: حکذا فی فتاویٰ حقانیہ: (۱/۲۵۶، طبع حقانیہ اکوڑ خٹک) وفتاویٰ محمودیہ: (۱/۳۲۳، طبع جمیعت پبلیکیشنز)

واللہ اعلم: صلاح الدین چڑالی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۹۵

۲۹ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿جہاں عام رائج ہو تو شریک کو اجیر بنانے کی گنجائش ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو آدمیوں نے ایک گاڑی خرید لی بحیثیت شراکت کے، کہ اس کے نفع و نقصان میں ہم دونوں برابر کے شریک ہونگے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک اسی گاڑی کا ڈرائیور بھی ہے تو کیا یہ

اور انہوں (جو کہ اس کا رنی میں شریک ہیں) اُدھے نتائج کے علاوہ اُنکے سے ماہانہ کوادھی کے کتابے یا انیس؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مسئلے کی تحقیق فرما کر رحمۃ اللہ ماجمعتوں۔

﴿مجموعہ﴾ مذکورہ بالا صورت میں شریک کو ایجنہ ہایا کیا ہے اور شریک کو بیعت کیا رو بار میں ایجنہ کی حیثیت دینے کو فقہاء کرام نے "تغییر الطمان" کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے متعین کیا ہے۔ لیکن جب اس یہ عام رائے: داہر عرف بن چکا: ہو تو وہاں یہ ممانعت باقی نہیں رہتی البتہ اگر ایجنہ اگرچہ شریک ہے اس کیلئے ڈرائیج تک کا معاون۔ الگ تھوڑی صورت میں مقرر کرنا جائز ہے اس لئے کہ آج کل یہ عام رائے ہے۔ البتہ کاروبار میں خدا فرماستہ اگر نقصان ہو تو سرمایہ کے حساب سے ہر ایک شریک کو نقصان پہنچا دینا: ہوگا۔

لسا لی در المختار (۵۱/۱)

ولو استاجره ليجمل له نصف هذا الطعام بضمه الآخر لا لجر له اصلا لصيرته شريكاً.

ولسا لی الشامی (۵۱/۵۱/۱)

قال ابن عابدين رحمه الله: قال في التبيين ومشاخ بلخ والصلی بيمينين حمل الطعام ببعض المحمول ونصح الذوب ببعض المسجوع لتعامل اهل بلانعم بذلك ومن لم يجموه قاسه على تغيب الطمان والتباس بترك بالتعارف ولحق قلنا انه ليس بطريق للتباس بل النص يقتضيه دلالة فالنص يخص بالتعارف الا ترى ان الاستصناع ترك للتباس فيه ويخص من القواعد الشرعية بالتعامل ومشاخنا رحمهم الله لم يجموه وهذا التخصيص لان تلك تعامل اهل بلدة واحدة لا يخص الاثر بخلاف الاستصناع فان التعامل به جرى في كل البلاد، وبمثلته يترك التباس ويخص الاثر.

ولسا لی رسائل ابن عابدين رحمه الله (۱۲۵/۲) مكتبه عثمانیه

وقال الشامي رحمه الله في رسالته "نشر العرف في بناء بعض الاحكام على العرف" (الباب الثاني) ليسا اذا خالف العرف ما هو ظاهر الرواية فتقبل اعلم ان المسائل التقنية اما ان تكون ثابتة بصريح النص وهي الفصل الاول واما ان تكون ثابتة بضرب اجتihad وراى وكثير منها ما يبيد المجتهد على ما كان في عرف زمانه بحيث لو كان في زمان العرف العادات لقال بخلاف ما قاله اولا ولهذا قالوا في شروط الاجتihad انه لا بد فيه من معرفة عادات الناس فكثير من الاحكام تختلف باختلاف الزمان لتغير عرف امله ولحدوث ضروره او لفساد اهل الزمان بحيث لو بقي الحكم على ما كان عليه اولا للزم منه الشقة والضرر بالناس.

وايضاً في رسائل ابن عابدين رحمه الله (۱۲۲/۱۲۱/۲)

(فان قلنا) اذا كان على الملتى اتباع العرف وان خالف المنصوص عليه في كتب

ظاہر الروایۃ فہل هنا فرق بین العرف العام والعرف الخاص کما فی القسم الاول وهو ماخالف فیہ العرف النص الشرعی (قلت) لا فرق بینہما هنا الا من جهة ان العرف العام ینتہی بہ الحکم العام والعرف الخاص ینتہی بہ الحکم الخاص .

وايضاً فی رسائل ابن عابدین: (۱۲۲/۲)

(فہذہ) المنقول ونحوہا دالۃ علی اعتبار عرف الخاص وان خالف المنصوص علیہ فی کتب المذہب ما لم یخالف النص الشرعی (الی قوله) اقول وبما قررناہ تبیین لک ان ماتقدم عن الاشباہ من ان المذہب عدم اعتبار العرف الخاص انما هو لہذا اذا عارض النص الشرعی فلا یترک بہ القیاس ولا یخص بہ الاثر ... واما العرف الخاص اذا عارض النص المذہبی المنقول عن صاحب المذہب فہو معتبر کما مضی علیہ اصحاب المتون والشروح والفتاوی.

ولما فی الفتاوی الخانیۃ: (۲۳۰/۲)

ولم یدفع عزلاً الی حانک لہیصلح لہ بالثلث او بالربع ذکر فی الكتاب انہ لا یجوز ومشاہد بلخ رحمہم اللہ جوزوا ذلك لسان التعامل وبہ اخذ الفقہ ابر الیث وشمس الانۃ العلوانی والقاضی الامام ابو علی النسفی رحمہم اللہ.

ولما فی الشامی: (۲۱۴/۲)

(والربع علی ما شرطنا) من کونہ بقدر راس المال اولاً سقید بالربع لان البوضیعة علی قدر المال وان شرطاً غیر ذلك.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد جاوید افغانی غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۳۰۲۸

۲۷ ربیع الاول ۱۴۳۹ھ

﴿اجیر خاص کا اپنی جگہ مستاجر کو مقرر کرنا﴾

﴿سوال﴾ زید سرکاری ملازم تھا اس نے حکومت کو بتائے بغیر عمر کو اپنی جگہ رکھ لیا ہے، اب زید کی جگہ عمر ملازمت کر رہا ہے اور تنخواہ بھی عمر ہی کو ملتی ہے، ایسا کرنا کیسا ہے؟ جبکہ عمر میں اس ملازمت کی صلاحیت بہت زید کے زیادہ ہے اگر ایسا کرنا گناہ ہے تو عمر نے جواب تک ایسی ملازمت کی ہے اور تنخواہ لی ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ مینو تو جروا۔

﴿جواب﴾ اجیر خاص اگر اپنی جگہ اپنے سے زیادہ باصلاحیت شخص سے کام کروائے تو یہ جائز ہے لیکن حکومت کو بتائے بغیر ایسا کرنا خلاف قانون ہونے کی وجہ سے اچھا نہیں ہے، تاہم اگر عمر میں سرور کی کئی ذمہ داری کی صلاحیت واقعی موجود ہے تو اس کے لئے تنخواہ جائز ہے ورنہ

نہیں اور اگر کوئی نقصان وغیرہ ہو گیا تو حکومت کی طرف سے پوچھ زید سے ہوگی۔

لسالی فتح القدیر (۴۸/۱، طبع رشیدیہ)

(وانا شرط علی الصانع أن يعمل بنفسه ليس له أن يستعمل غيره) لان المعقود عليه
العمل في محل بعينه فيستحق عينه كالمستحق في محل بعينه. واعترض على هذا
الاعتناء حيث قال: وفيه تأمل لأنه ان خالفه الى خير بان استعمل من هو اصنع منه في
ذلك انظر أو شئت فسمه قوی من ذلك كان ينبغي أن يجوز.

ولسالی التهنیه (۲/۲۱۱، طبع رحمانیہ)

وان اطلق له العمل فله ان يستاجر من عمله لان المستحق عمل في ذمته ويمكن اتياءه
بنفسه وبالاستعانة بغيره بمنزلة اتياء الدين.

ولسالی الشامی (۱/۱۷۴، طبع امدادیہ) فان أمره بعمل فعل غير ضمن ما تولد منه تاثر خاتبة.

واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

توی نمبر: ۶۸

۲۵ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

﴿گندم وغیرہ پسوانے کی اجرت﴾

﴿سوال﴾ ہمارے علاقے میں جب کوئی شخص گندم یا مکئی وغیرہ پسوانے کیلئے پن چکی پر لاتا
ہے تو پن چکی کا مالک اس پسوانے والے سے کچھ غلہ اجرت کے طور پر پہلے ہی لے لیتا ہے یعنی
اس غلہ کو پننے سے پہلے اس سے کچھ لے لیتا ہے کیا یہ جائز ہے؟ مینو تو جروا۔

﴿جواب﴾ جائز ہے۔

لسالی الدر المختار (۱/۷۹، طبع امدادیہ ملتان)

والحيلة أن يفرز الأجر أولاً أو يسمي قفيزاً لا تعيب ثم يعطيه قفيزاً منه فيجوز.

واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

توی نمبر: ۷۱

۲۶ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

﴿جعلی سند لے کر ملازمت کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ اگر کوئی سرکاری سروس کے حصول کیلئے کسی مدرسے کی جعلی سند حاصل کرے اور اسی
سند سے اس کو سروس بھی مل جائے، سروس ملنے کے بعد وہ اپنی ڈیوٹی بخوبی سرانجام دیتا ہو تو اس ڈیوٹی
پر جو تنخواہ اس کو ملتی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اگر ناجائز ہے تو اب تک جتنی تنخواہیں لی ہیں اسکا کیا کرے؟

﴿جواب﴾ سند کی حیثیت دراصل اس بات کی شہادت ہے کہ حامل سند میں فلاں کام کی

ملاحت والیت موجود ہے اور اس کو غلط طریقہ سے حاصل کرنا کوئی اچھا عمل نہیں ہے لیکن اگر کسی میں پردہ کی گئی ذمہ داری کی ملاحت والیت واقعی بخوبی موجود ہے تو تنخواہ لینا جائز ہے۔

لسالی الصحیح لسلیم (۲/۲۵۰ طبع قدیمی)

عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان للصدق یهدی الی البروان البریہدی الی الجنت وان الرجل لیمصدق حتی یمکتب عند اللہ صدیقاً وان الکذب یهدی الی اللجور وان الفجور یهدی الی النار وان الرجل لیکتب حتی یمکتب عند اللہ کذاباً۔

ولسالی البحر الرائق (۳/۸ طبع سعید)

واما کنہا فہو الايجاب والقبول والارتباط بینہما اما شرط جواز ہا فتلا ثلثا شیا: اجر معلوم وعین معلوم وبدل معلوم ومعاسنہا رفع الحاجة بقلیل المتعنة واما حکمها فموقوف الملک فی البدلین ساعة فمساء۔

واللہ اعلم: عبد الوہاب عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

نوی نمبر: ۶۲

۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۷ھ

﴿گھر میں ضرورت کیلئے عیسائی عورت کو ملازم رکھنا﴾

﴿سوال﴾ عیسائی ملازمہ کو گھر میں صفائی، کپڑے دھونے، استری وغیرہ کرنے کیلئے رکھنا کیسا ہے؟ نیز ہم اس سے برتن دھوا سکتے ہیں یا چائے بنا سکتے ہیں؟

﴿جواب﴾ غیر مسلموں کو خدمت کیلئے ملازم کے طور پر رکھنا اور ان سے گھر کا کام کاج لینا جائز ہے، ان سے کھانا پکوانا برتن دھوانا بھی جائز ہے بشرطیکہ پاکی و ناپاکی کا خیال رکھتے ہوں اور غریب گھرانے کی کوئی مسلمان خاتون اگر ملے تو وہ زیادہ بہتر ہے اس نیت سے کہ کسی مسلمان کو روزگار مہیا کر دینا ثواب ہے جب کہ اس سے آپ کی ضرورت بھی پوری ہوگی۔

لسالی قوله تعالیٰ: (سورۃ المائدہ: ۵)

﴿الیرم اهلکم الطیبات وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لہم﴾

ولسالی اعلاء السنن (ج ۱ ص ۲۴۲ طبع مہرروت)

واما استنجال المشرکین والکفار فقد صح انہ یمکن عامل یہود خبیر واستاجر عند الہجرۃ رجلا من بنی النیل ہادیا خریقا و هو علی دین کفار قریش۔ قال ابن بطال عامۃ الفقہاء یجیزون استنجالہم عند الضرورۃ وغیرہا لیسالی ذلک من المنۃ لہم۔

ولسالی للتذہب مع الذہر (۱/۲۲۲ طبع سعید)

(فسور آدمی مطلقاً) ولو جنبہا و کافر از امرأہ نعم بکرہ سورہا للرجل کعکسہ

للاستلذاذ واستعمال ربق الغیر.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرہ اللہ

۱۶ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ

فتویٰ نمبر: ۱۰۰۱

﴿غیر مسلم کیلئے کرایہ پر کام کرنا﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں ہندو بہت زیادہ ہیں جب کوئی ہندو مرتا ہے تو اپنے مذہب کے مطابق اسکو جلادیا جاتا ہے تو کیا کسی مسلمان کیلئے یہ جائز ہے کہ ان کیلئے کرایہ پر لکڑیاں لیکر آئے؟ مستفتی: نوشیروان

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں مسلمان کیلئے یہ عمل جائز تو ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس سے بچا جائے اور کسی دوسرے طریقے سے اپنے معاش کا انتظام کرے۔

لما فی الہندیۃ: (۲/۴۵۰، طبع رشیدیہ)

وسئل ابراہیم بن یوسف عن آجر تنقہ من النصارى لیضرب لہم الناقوس کل یوم بخمسة ویعطی کل یوم خمسة دراهم فی ذلک العمل ولہ عمل آخر درہمان قال لا یوآجر تنقہ منہم ویطلب الرزق من طریق آخر.

ولما فی خلاصۃ الفتاوی: (۲/۱۴۹، طبع رشیدیہ)

ولو آجر تنقہ لیحمل لہ الخمر بکرمہ لان التصرف فی الخمر حرام قال حکذا الطلق لکن مذاقولہما ما علی قول ابی حنیفۃ لا بکرمہ.

ولما فی الشامی: (۶/۳۹۱-۳۹۲، طبع سعید)

(قولہ وحمل خمر ذمی) قال الزیلعی: وهذا عندہ وقالوا هو مکروہ "لأنہ علیہ الصلوۃ والسلام لعن فی الخمر عشرة وعدمنہا حاملہا" ولہ ان الاجارۃ علی الحمل وھو لیس بمعصیۃ ولا سبب لہا وانما تحصل المعصیۃ بفعل فاعل مختار بولیس الشرب من ضرورات الحمل..... قال الزیلعی وعلى هذا الخلاف لو آجرہ دابتلیق علیہا الخمر او آجرہ تنقہ لہرعی لہ الخمر لیریطیب لہ الاجر عندہ وعندہما بکرمہ.

واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۹۲۰

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

﴿اجیر عام کی لا پرواہی کی وجہ سے تاوان لینا درست ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے موچی کو موزہ سلوانے کے لئے دیا اور وہ موزہ اس سے دکان کے سامان میں خلط ملط ہو کر گم ہو گیا، عرض یہ ہے

مستفتی: سہ صاحب

کہ میں موچی سے اس کی قیمت لے سکتا ہوں یا نہیں؟

﴿جواب﴾ موچی، درزی، دھوبی وغیرہ کو قہماء کرام کی اصطلاح میں اجیر عام کہا جاتا ہے،

اجیر عام کے پاس اگر کوئی چیز اس کی لاپرواہی سے ضائع ہوتی ہے تو اس کے ذمہ تاوان ادا کرنا لازم ہے، لہذا آپ موچی سے اپنے موزے کی قیمت وصول کر سکتے ہو۔

لمافی الہندیۃ: (۲/۵۰۰، مطبع رشیدیہ)

وحکم الاجیر المشترك ان ما ملک فی یدہ من غیر صنغہ فلا ضمان علیہ فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وھو قول زفر والحسن وانه قیاس سواء ملک بأمر یمن التحرز عنہ كالسرقة والغصب أو بأمر لا یمن التحرز كالحرق والغالب والغارة والغالبۃ والمکابرة وقال أبو یوسف ومحمد رحمہما اللہ ان ملک بأمر یمن التحرز عنہ فھو ضمان وان ملک بأمر لا یمن التحرز فلا ضمان کذا فی المحيط..... وبقولہما یفتی الیوم لتغیر أحوال الناس وبہ یحصل صیانة أموالہم کذا فی التبيين.

ولمافی الشامی: (۱/۶۵، مطبع سعید)

(قوله ولا یضمن الخ) اعلم أن الهلاك اما بفعل الأجر أو لا والاول اما بالتعدي أو لا. والثانی اما أن یمن الاحتراز عنہ أو لا. ففی الاول بتقسیمہ یضمن اتفاقا. وفی ثانی الثانی لا یضمن اتفاقا وفی اولہ لا یضمن عند الامام مطلقا ویضمن عندہما مطلقا..... وفی التبيين: وبقولہما یفتی لتغیر أحوال الناس، وبہ یحصل صیانة أموالہم ۵۱. لانه اذا علم أنه لا یضمن ربما يدعی أنه سرق أو ضاع من یدہ.

واللہ اعلم بالصواب: عبد اللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

نوی نمبر: ۹۳۹

۳ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ

﴿غیر مسلم کو کام کیلئے رکھنے اور اسے زکوٰۃ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا کسی غیر مسلم کو گھر میں کام کاج کیلئے رکھنا جائز ہے؟ نیز کیا غیر مسلم کو زکوٰۃ

دے سکتے ہیں؟ مستفتی: اویس دہلی کالونی

﴿جواب﴾ بہتر یہ ہے کہ گھر میں کام کاج کیلئے کسی مسلمان کو رکھا جائے، البتہ غیر مسلم کو

بوجہ ضرورت گھر میں کام کیلئے رکھنے کی گنجائش ہے۔

لمافی اعلاء السنن من فتح الباری: (۵/۲۶۴، مطبع بیروت) (ج ۱۶ ص ۲۴۲، مطبع بیروت)

واما استئجار المشرکین والکفار فقد صح انه ینبغي عامل یهود خیبر، واستاجر عند الہجرة رجلا من بنی الدیل مادیبا خریقا وھو علی دین کفار قریش.....

وقال بين يفتى عامة الفقهاء يجزىون استنجاؤهم عند الضرورة وغير ما طامى ذلك من
استنجاؤهم وإنما استنع ان يواجر المسلم نفسه من المشرک لما فيه من اذلال المسلم اهـ
غیر مسلم کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے البتہ خیرات وغیرہ دے سکتے ہیں۔

نسائی الہدایۃ (۱/۱۶۴ طبع ایچ ایم سعید)

وہ یجوز ان ینفق الزکوٰۃ لى نفسی لقوله عليه السلام لمعاذ خذها من اغنيائهم وردھا لى
قدر تنفق وینفق لیه ما سوى ذلك من الصدقة.
نسائی التذکرۃ مع الشرح (۲/۲۵۱ طبع ایچ ایم سعید)
نہ لا تنفق (الى نفسی) المحتبث معاذ (جاز) دفع (غیر ہا وغیر العشر) الخراج (الیہ) ای
نفسی وندی لاجب کثرتہ وکثرتہ وفطرۃ خلافا للثانی۔

واللہ اعلم بالصواب: محمد حسین

ابواب محمد عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۸۴۰

۲ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

﴿حجہ مباحہ﴾ بڑھتی ہو یا روغیر کیلئے غلہ میں سے سالانہ اجرت مقرر کرنا؟

﴿جواب﴾ حضرت مفتی صاحب ہمارے ہاں قاعدہ ہے کہ حجام، بڑھی، لوہار موہنی وغیرہ
آپسے غلہ کی ایک خاص مقدار خریدتے ہیں مثلاً دو تین من سالانہ اور اس کے عوض میں سال بھر
میں جتنی مہینہ کا مقرر ہو جاتا ہے لیتے ہیں خواہ وہ غلہ اس کے کام کی اجرت سے زیادہ ہو یا
کم ہو وہ خوش سے اس کو دیتا ہے۔
مستفی: محمد یوسف

﴿مجموعہ﴾ اس صورت میں عمل کی تفصیل چونکہ معلوم نہیں ہوتی جس سے نزاع پیدا ہونے
کا اندیشہ رہتا ہے لہذا اصل میں تو یہ اجارہ فاسدہ ہے جو کہ جائز نہیں ہے لیکن اگر کسی جگہ اس کا
عرف عام ہے اور اجارہ اور مستاجر معاملہ کو بوقت عقد اچھی طرح سے سمجھ لیتے ہیں اور یہ جہالت
(فحش الی اشاعت) بھی نہیں ہوتی تو وہاں اس معاملہ کو جائز کہا جائے گا۔

نسائی الہدایۃ (۲/۴۱۱ طبع رشیدیہ)

ومنہ ان یکون المعقود علیہ و هو المتعہ معلوما علی ما یمنع المنازعة فان کان مجهولا
جہالت منضبطہ الی المنازعة یمنع صحت العقد والافلا.
نسائی التذکرۃ مع الشرح (۱/۲۶-۲۷ طبع سعید بن مسعود) کجہالت ما جوراً و اجارۃ أو مدۃ أو عمل.
والمقفی شرح العقود (ص ۱۱/۱۶ طبع نصابیہ) والعرف فی الشرع لہ اعتبار لذلک علیہ حکم قنبدل.

واللہ اعلم بالصواب: عبدالستار

ابواب محمد عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۰۵۳

۳ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

﴿ڈیوٹی کے دوران دوسرے کام کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں ایک سکول ٹیچر ہوں، صبح کی شفٹ میں گورنمنٹ اسکول میں پڑھاتا ہوں، شام کی شفٹ میں پرائیویٹ اسکول میں پڑھاتا ہوں، صبح کی شفٹ کا ٹائم ۷:۳۰ سے ۱۲:۳۰ ہے لیکن چھٹی بجھی ۱۲:۱۰ کبھی ۱۲:۵ کبھی ۱۲:۳۰ تک ہو جاتی ہیں، مجھے دوسرے سکول جانے کیلئے ۱۲:۰۰ بجے جانا پڑتا ہے، اس لئے میں نے ہیڈ ماسٹر سے بات کی، نہ تو کوئی دباؤ ڈالا اور نہ کوئی لالچ دی، اس نے مجھے ۲۰،۱۵ منٹ پہلے جانے کی اجازت دیدی پھر ٹائم ٹیبل ایسا بنایا کہ میرے پیریڈ ۱۲ بجے تک پورے ہو جاتے ہیں یعنی پڑھانے کی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے لیکن ڈیوٹی کے اعتبار سے ۲۰،۱۵ منٹ جلدی چلا جاتا ہوں، قرآن اور حدیث میں اسکی کیا حیثیت ہے؟ ۲۰،۱۵ منٹ جلدی جانے سے کیا تنخواہ ناجائز ہو جاتی ہے یا ہیڈ ماسٹر کی اجازت سے جائز ہو جاتی ہے؟ شریعت کے مطابق بتائیں کہ ۲۰،۱۵ منٹ پہلے اجازت سے جانا جائز ہے یا نوکری چھوڑنا بہتر ہے؟ مستفتی: علی مراد سولگی کورنگی

﴿جواب﴾ حکومت کی ملازمت میں عرفا وقت اور کام دونوں کا معاہدہ ہوتا ہے اور حکومت جو تنخواہ آپکو دے رہی ہے وہ صرف وقت کی نہیں بلکہ طے شدہ وقت سکول میں گزارنے کا بھی معاوضہ ہے اور ہیڈ ماسٹر کو اتنا اختیار نہیں کہ وہ روزانہ کسی کو وقت سے پہلے جانے کی اجازت دیدے، لہذا آپ کیلئے روزانہ وقت مقررہ سے پہلے جانا جائز نہیں اور اگر آپ روزانہ وقت سے پہلے جائیں گے تو اسی قدر تنخواہ شرعاً متاثر ہوگی یعنی آپ کیلئے حلال و طیب نہ ہوگی، کوتاہی کے بقدر تنخواہ کی رقم محکمہ کو واپس کرنا ضروری ہوگا۔

لما فی الدرر المع الرد: (۶/۷۰، طبع ایچ ایم سعید)

ولیس للخاص ان یعمل لغيره، ولو عمل نقص من اجرته بقدر ما عمل فتاویٰ الفتاویٰ.
وفی الشامیہ جیل ولان یصلی المناظرة قال فی انتاتار خانہ: ولی فتاویٰ الفضلی
واذا استاجر رجلاً یوما یعمل کذا فعليه ان یعمل ذلك العمل الی تمام المدۃ ولا یشتغل
بشیء اخر سوى المكتوب فی فتاویٰ سمرقند: وقد قال بعض مشائخنا انه ان یؤدی
للسنة ایضاً التقلوانه لا یؤدی تلاً وعلیه الفتویٰ.

ولما فی الہدایہ: (۳/۲۱۲، طبع رحمانیہ)

والاجیر للخاص الذی یتعلق الاجر بتسلیم نفسه فی الشغل لم یعمل ولما فی اجیر وذلالتہ

لا يمكن ان يعمل لغيره لان منافعه في المدة صارت مستحقة والاجر مقابل بالمنافع
ولما في البحر الرائق: (۸/۲۹-۳۰ مطبع سعيد)

والخاص يستحق الاجر بتسليم نفسه في المدة وان لم يعمل كمن استخرج شهرا
للخدمة او لرسى الفهم) يعنى الاجر الخاص يستحق الاجر بتسليم نفسه في المدة عمل
او لم يعمل... وسمى الاجر خاصا ووحده لانه يختص بالواحد وليس له ان يعمل لغيره
ولان منافعه صارت مستحقة للغير والاجر مقابل بها فيستحقه مالم يمنع مانع من العمل
كالمرض والمطر ونحو ذلك مما يمنع التمكن... قال في المحيط ولو اجر نفسه من غيره
وعمل للاول والثاني استحق الاجر كاملا على كل واحد منهما ولا يتصدق بشئ وبائمه.

والله اعلم بالصواب: سعيد احمد

الجواب مجمع عبد الرحمن عفا الله عنه

توى نمبر: ۶۳۸

۷ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

﴿ رنگ ساز پر ضمان کی ایک صورت ﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص رنگ ساز کو کپڑا
رنگنے کیلئے دیتا ہے جسکی قیمت پچاس روپے فی میٹر ہے، رنگ کرنے کے بعد کپڑے کی قیمت
تقریباً اسی روپے فی میٹر ہو جاتی ہے لیکن مشین کی خرابی کی وجہ سے صحیح رنگ نہیں ہو پاتا بلکہ
کمزور رنگ کی وجہ سے یہ کپڑا اپنی اصلی قیمت یعنی پچاس روپے فی میٹر بھی فروخت نہیں ہو سکتا،
کپڑوں کا مالک کپڑا واپس لینے کیساتھ پندرہ روپے فی میٹر کے حساب سے نقصان کا مطالبہ کرتا
ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اس کا مطالبہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اور رنگ ساز کے ذمہ اس رقم کا ادا کرنا
مستحق ہے یا نہیں؟ مستفی: محمد لعل صاحب ذخیرہ کراچی

﴿مولا﴾ مذکورہ صورت میں رنگ ساز کی ناقص کارکردگی کی وجہ سے واقعی کپڑے کی مارکیٹ
دلیو اپنی اصلی قیمت یعنی پچاس روپے سے بھی کم ہو گئی ہو تو ایسی صورت میں کپڑے کا مالک
کپڑے کی اصل قیمت یعنی پچاس روپے فی میٹر کے حساب سے رنگ ساز سے وصول کرے اور کپڑا
رنگ ساز کو دیدے ایسی صورت میں رنگ ساز کو کپڑے کا مالک قرار دیا جائے گا۔

اور کپڑے کے مالک کو اگر یہ منظور نہ ہو یعنی کپڑا خود رکھنا چاہتا ہو تو رنگ ساز کو اس ناقص
رنگائی کی اجرت دیدے یعنی مارکیٹ میں ایسی رنگائی کی جو اجرت ہوتی ہے وہی دینا ضروری
ہے، کپڑے کی اصل قیمت کے تعین پر اتفاق نہ ہو یا اس ناقص رنگ کی اجرت کا تعین مشکل ہو تو

اس شعبہ سے تعلق رکھنے والے دو تجربہ کار، دیانند آردی جو متعین کریں شرعاً وہی معتبر ہے اور آسان حل یہی ہے کہ مذکورہ صفات کے دو آدمیوں پر اتفاق کر لیں پھر وہ جو بھی فیصلہ کریں فریقین کو قبول کر لیتا ہے۔

لحافی مجمع الضمانات: (ص ۸۵، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

دفع ثوبہ لیصیفہ من عندہ فصیفہ بہ الا أنه خالف فی صیفہ ما أمرہ بہ بأن اشبع او قصر فی الاشباع حتی تعیب لمالکہ بالخیار ان شاء ترک الثوب ورضنہ قیمتہ ثوبہ ابیض او اخذہ بأجر مثله لایجاوز ماسی من الفصلین۔

ولحافی الشامی: (۱/۸۱، طبع امدادیہ)

قوله: (لو لا یضمن الخ) اعلم أن التلاک اما بفعل الاجیر او لا، الاول اما بالتعذی او لا، والثانی اما أن یحکم الاحتراز عنه او لا، علی الاول بتقسیمه یضمن اتفاقاً و فی ثانی الثانی لایضمن اتفاقاً و فی اوله لایضمن عند الامام مطلقاً، و یضمن عندہما مطلقاً، و أفقی المتأخرون بالصلح علی نصف التیمۃ مطلقاً۔ فیذہ اربعۃ اقوال کلیتاً مصححة مفتی بہا۔

ولحافی البزازی: (۲/۲۱۲، طبع قدیمی)

والشترک یضمن ما جنت ینہ اجماعاً و ما تلف لا یصنعه ان یامر یحکم التحرر عنه یضمن عندہما الاعتدال امام و بعض أخذوا بقولہ لایضمنه منعب عمر علی و بعضہم أفقوا بالصلح عملاً بالقولین و معناه عمل فی کل نصف بقول حیث حظ النصف و أوجب النصف۔

ولحافی الہندی: (۲/۱۵، طبع رشیدیہ)

وان صیفہ ما أمرہ بہ الا أنه خالف فی الوصف بأن أمرہ ان یصیفہ یریع فقیہ عصفہ فصیفہ بتلفہ عصفہ و أقرب ذلک رب الثوب خیر رب الثوب ان شاء، ترک الثوب علیہ ورضنہ قیمتہ ابیض وان شاء اخذ الثوب و اعطاء ما زاد من المصیر مع الاجر المسمی۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عبدالکیم کشمیری

۸ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

فتویٰ نمبر ۱۱۸۳

﴿اسکول استاذ اپنی جگہ دوسرے آدمی کو نہیں رکھ سکتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اسکول استاذ اپنی جگہ دوسرے آدمی کو رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر رکھ سکتا ہو تو تحریری اجازت ضروری ہے یا زبانی اجازت کافی ہے؟ بیوا تو جروا

مستفتی: مولانا نصیب دلی صاحب

﴿جواب﴾ یہ سرکاری ملازم اجیر خاص ہے جس کا حکم یہ ہے کہ اس کو صرف کام کی تنخواہ نہیں

مگر بلکہ کام اور وقت میں حاضری دونوں کی تنخواہ ملتی ہے لہذا اس کا اپنی جگہ دوسرے آدمی کو مقرر کرنا اگر بغیر اجازت کے ہو تو غلط ہے۔

البتہ اگر وہ شخص باصلاحیت ہو اور مذکورہ کام بخوبی انجام دے سکتا ہو اور ذمہ دار افسران کی زبانی یا تحریری اجازت سے ہو تو جائز ہے۔

لما فی الکتاب مع فتح القدر: (۳۲/۱) طبع رشیدیہ، کوئٹہ

(قوله والا جبر الخاص الذي يستحق الاجر بتسليم نفسه في المدة وان لم يعمل اي سلم نفسه ولم يعمل مع التمكن اما اذا امتنع من العمل مضت المدة ولم يكن يتمكن من العمل مضت المدة لم يستحق الاجر لانه لم يوجد تسليم النفس۔

وايضاً في فتح القدر: (۴۸/۱) طبع رشیدیہ، کوئٹہ

(واذا شرط على الصانع ان يعمل بنفسه ليس له ان يستعمل غيره) لان المعتود عليه العمل في محل بعينه حيث قال وفيه تامل لانه ان حاله الى خبر بان استعمل من هو اضع منه ذلك الفن الخ۔ (والثاني) هو الاجير (الخاص)۔ (وهو من يعمل) واحد عملاً مؤقتاً بالتخصيص ويستحق الاجر بتسليم نفسه في المدة وان لم يعمل كن استؤجر شهر للخدمة آ۔

ولما في الهدایہ: (۲۹۹/۳) طبع رحمانیہ، لاہور

واذا شرط على الصانع ان يعمل بنفسه فليس له ان يستعمل غيره وان اطلق له العمل فله ان يستاجر من يعمل له لان المستحق عمل في ذمته ويمكن ايفائه بنفسه وبالاستعانة بغير منزلة ابناء الدين۔

واللہ اعلم بالصواب: مفتی اللہ غفرلہ ولوالدیہ

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۴۰۰۱

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

﴿ہیڈ ماسٹر اگر وقت مقررہ سے پہلے چھٹی دیدے تو دیگر اساتذہ بھی جاسکتے ہیں یا نہیں؟﴾

﴿جواب﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اسکول ہیڈ ماسٹر اگر بچوں

کو مقررہ وقت سے پہلے چھٹی دیدے تو دیگر اساتذہ کیلئے مقررہ وقت تک ٹھہرنا ضروری ہے یا وہ بھی وقت سے پہلے جاسکتے ہیں؟ برائے مہربانی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔

﴿جواب﴾ ہیڈ ماسٹر اپنے اختیارات کی حد تک یعنی حکومت کی طرف سے جو اس کو حاصل

ہیں اسکول بچوں کو چھٹی دے سکتا ہے اور ایسی صورت میں اساتذہ مقررہ وقت سے پہلے بھی جاسکتے

ہیں، ضمناً اساتذہ کو بھی گویا ہیڈ ماسٹر نے چھٹی دیدی، کوئی خاص وجہ ہو تو ہیڈ ماسٹر کو اسکی اجازت

ہوتی ہے۔ البتہ کسی خاص صوابدید کے بغیر بچوں کی چھٹی کرنے کا ہیڈ ماسٹر کو اجازت نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں اساتذہ وقت مقررہ تک اسکول میں رہیں تاکہ ماہانہ اجرت ان کیلئے حلال ہو یا مقررہ وقت سے پہلے جانے کے ٹائم کا کم از کم اندراج کریں تاکہ ماہانہ تنخواہ سے حسب ضابطہ محکمہ کو کوٹنی کا موقع فراہم ہو ورنہ خیانت شمار ہوگی اور اس وقت کے برابر کی تنخواہ حلال نہ ہوگی۔

لسالی الدر مع الرد (۱/۲۹، طبع سعید)

(والثانی) (وہو الاجیر (الخاص) (وہو من یعمل لواحدا عملا موقفا بالتخصیص ویستحق الاجرة بتسلیم نفسه فی المدة وان لم یعمل کمن استوجر شهرا للخدمة او) شهر (الرعی الفغم) المسمى باجر مسمى (قوله بالتخصیص) خرج نحو الراعی اذا عمل لواحدا عملا موقفا من غیر ان یشرط علیه عدم العمل لغيره (وعلی هذه الصلحة) قوله وان لم یعمل ای اذا تمکن من العمل، فلو سلم نفسه ولم یتمکن منه لعذر کضر ونحوه لا اجر له.

ولمافی تبیین للعقائ (۱/۱۴۳، ۱۴۴، طبع سعید)

قال: (والخاص یستحق الاجر بتسلیم نفسه فی المدة) وان لم یعمل کمن استوجر شهرا للخدمة (الرعی الفغم) ای الاجیر الخاص یستحق الاجرة بتسلیم نفسه للعمل عمل اولم یعمل سبی اجیرا خاصا واجیرا وحدا لانه یختص به الواحد هو المستاجر یولیس له ان یعمل لغيره لان منافعه فی المدة صارت مستحقة له والاجر مقابل بها فیستحقه مالم یمنعه من العمل مانع حسی كالمرض والمطر ونحو ذلك مما یمنع التمكن من العمل وكذا فی البحر (۸/۲۹، ۳۰، طبع سعید)

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: دوست محمد دیودی

فتویٰ نمبر ۳۹۹۲

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

﴿سرکاری ملازم تاخیر سے آنے کی صورت میں خاص آمد کا وقت لکھے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جو کہ اسکول میں استاذ ہے اگر وہ اپنے مقررہ وقت سے دس منٹ پہلے آئے یا دس منٹ تاخیر سے آئے تو وہ حاضری والی رجسٹر میں کونسا وقت درج کرے؟ جس وقت آیا ہے وہ درج کرے یا وہ جو مقررہ وقت ہے۔ برائے مہربانی جواب دیکر ممنون فرمائیں۔
مستفتی: مولانا نصیب دلی

﴿جواب﴾ مقررہ وقت مثلاً نو بجے سے پہلے آنے کی صورت میں بھی وہی نو بجے کا وقت اگر درج کر لیا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ نو بجے سے پہلے کا وقت دینے پر حکومت

والے نہ کوئی انعام دیں گے اور نہ اس بارے میں آپ سے پوچھیں گے۔ البتہ تاخیر سے آنے کی صورت میں خاص آمد کا بھی وقت لکھیں ورنہ جھوٹ اور خیانت کا گناہ ہوگا۔

لمالی الدر مع الرد (۱/۶۹، طبع سعید)

(والثانی) (وہو الاجیر) (الخاص) (وہو من یعمل لولحد عملا مؤقفا بالتخصیص) (وہو من یتسلیم نفسه فی المدۃ وان لم یعمل کس استوجر شهرا للخدمة) (او) (شهر) (الرعی الغنم) (المسمى باجر مسمى) (قوله وان لم یعمل) (ای) (انتمکن من العمل، فلو سلم نفسه ولم یتمکن منه لعذر کسطر ونحوه) (للاجر له) (کمالی المعراج عن التخییر).

ولمالی الهدایۃ (۳/۲۱۲، طبع رحمانیہ)

قال والاجیر الخاص الذی یتستحق الاجرة یتسلیم نفسه فی المدۃ وان لم یعمل کس استوجر شهرا للخدمة او لرعی الغنم واناسی اجیر وحده لانه لا یتمکن ان یعمل لغيره لان منافعہ فی المدۃ صارت مستحقۃ له والاجر مقابل بالمنافع ولہذا یبقى الاجر مستحقا وان تآص العمل۔

ولمالی شرح المجملۃ (۲/۲۸۷، طبع رشیدیہ)

(المادۃ) ۴۲۵. الاجیر الخاص یتستحق الاجرة اذا کان فی مدۃ الاجارۃ حاضرًا للعمل ولا یشرط عله بالفعل۔ لکن لیس له ان یمتنع عن العمل واذا امتنع لا یتستحق الاجرة۔

واللہ اعلم بالصواب: دوست محمد دیردی

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر ۳۰۰

۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

﴿سرکاری ملازم اپنی جگہ دوسرا آدمی مقرر کر سکتا ہے یا نہیں؟﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی ٹوب ویل پر سرکاری ملازم ہے۔ اور اسکی تنخواہ پچیس ہزار ہے۔ اس سرکاری ملازم نے اپنی جگہ دوسرے آدمی کو مقرر کیا ہے حکومت کو اطلاع دئے بغیر اور اسکو سات ہزار مہانہ تنخواہ دیتا ہے اور خود دوسرا کام کرتا ہے۔ اب عرض مسئلہ یہ ہے کہ اس سرکاری ملازم کا اپنی جگہ دوسرے آدمی کو مقرر کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

مفتی: سید جمال شاہ سوات

﴿مولا﴾ یہ سرکاری ملازم اجیر خاص ہے جسکا حکم یہ ہے کہ اسکو صرف کام کی تنخواہ نہیں ملتی بلکہ کام اور وقت میں حاضری دونوں کی تنخواہ ملتی ہے۔ لہذا اسکا اپنی جگہ دوسرے آدمی کو مقرر کرنا غلط ہے۔ البتہ اگر وہ آدمی باصلاحیت ہو اور مذکورہ کام بخوبی انجام دے سکتا ہوں اور حکومت بھی اس بات

کی اجازت دیتی ہو یا حکومت میں ایسا قانون موجود ہو اور وہ آدمی کم تنخواہ لینے پر راضی ہو تو جائز ہے۔

لما فی التنبیہ مع الدر: (۶۹/۶) طبع سمیعہ

(والثانی) هو الأجير (الخاص).... (وہو من يعمل لواءد عملاً متوقفاً بالتخصیص نفسه
و یستحق الأجرة بتسلیم نفسه فی المدة وان لم یعمل کم استوجر شهراً للمخدمة ۱۰

ولما فی فتح القدیر: (۷۸/۹) طبع رشیدیہ

(واذا شرط علی الصانع أن یعمل بنفسه لیس له أن یمتثل غیره) لأن المعقود علیہ
العمل فی محل بعینه حیث قال ولیہ تأمل لأنه ان خالفه الی خیر بأن استعمل من هو
اصنع منه فی ذلک الفن الخ

ولما فی الہدایہ: (۲۹۹/۳) طبع رحمانیہ

واذا شرط علی الصانع ان یعمل بنفسه فلیس له أن یمتثل غیره.... وان اطلق له
العمل فله أن یمتثل من یعمله لأن المستحق عمل فی ذمته ویمكن ایفائه بنفسه وبا
لاستعانة بغيره بمنزلة ایفاء الذین

واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق سواتی

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۹۳۷

۱ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

﴿سرکاری ملازمین کا ایام رخصت کی تنخواہ لینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) سرکاری اسکولوں
کے اساتذہ اور دیگر سرکاری ملازمین کی سالانہ تعطیلات حکومت کی طرف سے مقرر ہوتی ہیں،
اسکے علاوہ کسی مجبوری مثلاً بیماری یا موسم کی خرابی کی وجہ سے یہ لوگ اپنی ڈیوٹی پر نہ جائیں اور جسر
پر حاضری لگ جائے تو ان کے لئے پوری تنخواہ لینا حلال ہوگا یا نہیں؟

(۲) بعض اساتذہ دوسرے کو اپنی جگہ ڈیوٹی پر بھیجتے ہیں ان کا یہ عمل شریعت میں کیا ہے؟
اور اگر دوسرے کو اپنی جگہ بھیجیں اور اپنی تنخواہ کا کچھ حصہ اسے دے کر باقی تنخواہ خود لیں کیا شرعاً ان
کا خود بھی تنخواہ کا کچھ حصہ لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ جبکہ وہ خود ڈیوٹی پر نہیں جاتے۔

﴿جواب﴾ (۱) واضح رہے کہ ملازمت عقد اجارہ ہے، ملازم جن شرائط کے ساتھ کسی محکمہ

میں ملازمت اختیار کرتا ہے ان کا پورا کرنا واجب ہے، اساتذہ اور تمام سرکاری ملازمین شرعاً اجیر
خاص کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کو صرف کام کی تنخواہ نہیں ملتی بلکہ کام اور طے شدہ وقت میں
حاضری دونوں کی ملتی ہے، لہذا بقتا وقت محکمہ کی طرف سے ہو ڈیوٹی دینا ضروری ہوگا۔

مقررہ تعطیلات سے زائد ایام کی رخصت کر کے رجسٹر پر حاضری لگوانا جھوٹ اور دھوکہ ہے، نیز ان ایام کی تنخواہ بھی حلال نہ ہوگی۔

(۲) ملازمین کا دوسرے کو اپنی جگہ ڈیوٹی پر بھیجنا درست نہیں، البتہ محکمہ سے باقاعدہ اجازت لیکر کسی باصلاحیت شخص کو اپنی جگہ بھیج سکتا ہے اور اگر وہ شخص کم تنخواہ لے کر اسکی جگہ ڈیوٹی دینے پر راضی ہو تو ملازم کے لئے ایسا کرنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ اس محکمہ میں ایسا قانون موجود ہو یا کم از کم محکمہ کو صحیح صورت حال کا علم ہو۔

لحمائی شرح المجلة: (۲/۶۷۱، المادة: ۵۷۱، طبع رشیدیہ)

الاجير الذى استوجر على ان يعمل بنفسه ليس له ان يستعمل غيره: مثلاً لو اعطى احد جبة لخياط على ان يخطيها بدتسه بكذا ادراهم فليس للخياط ان يخطيها بغيره.

ولحمائی الفقه الاسلامی: (۵/۲۸۴۵، طبع رشیدیہ)

فالاجير الخاص او أجير الرشد: هو الذى يعمل لشخص واحد مدة معلومة. وحكمه: انه لا يجوز له العمل لغير مستاجر.

ولحمائی الهدایۃ: (۳/۴۱۲، طبع رحمانیہ)

والاجير الخاص الذى يستحق الاجرة بتسليم نفسه فى المدة وان لم يعمل كمن استوجر شهر للخدمة أو لرعى الغنم وانما سعى اجير وحده لانه لا يمكنه ان يعمل لغيره لان منافعه فى المدة صارت مستحقته والاجر مقابل بالمنافع ولهذا يبتى الاجر مستحقاً وان نقص العمل.

ولحمائی الدرر المعرب: (۶/۷۰، طبع سعید)

وليس للخاص ان يعمل لغيره، ولو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل فتاوى النوازل. وفى الشامية: (قوله) وليس للخاص أن يعمل لغيره كبل ولا أن يصلى النافلة، قال فى التاتارخانية: وفى الفتاوى الفضلى وإذا استاجر رجلاً يوماً يعمل كذا فاعليه ان يعمل ذلك العمل الى تمام المدة ولا يشتغل بشئ آخر سوى المكتوبة وفى فتاوى سمرقند: وقد قال بعض مشائخنا انه ان يزدى الستة ايضاً، واتفقوا انه لا يزدى نفلاً وعليه الفتوى.... قال فى التاتارخانية: نجار استوجر الى الليل فعمل لأخروا به درهم وهو يعلم فهو الم.

واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۵۳۹

۲۹ جمادی الاول ۱۴۲۹ھ

﴿سرکاری ملازمین کا حکومت سے پیشگی تنخواہ لینے کا حکم﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سرکاری ملازمین کسی

ضرورت کے وقت حکومت سے پیشگی تنخواہ کے طور پر کچھ رقم لیتے ہیں جسے حکومت اسکی تنخواہ سے قسط وار بمعہ سود کے وصول کرتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ ملازم کا اس طرح پیشگی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں اور اس کا زیادہ رقم واپس کرنا سود میں شامل ہے یا نہیں؟ مستفتی: سید محمد وحید حسین شاہ

﴿جواب﴾ سرکاری ملازمین حکومت سے جو رقم پیشگی تنخواہ کے نام سے لیتے ہیں وہ حقیقت میں قرض ہے، اس لئے کہ شرعاً ملازم تنخواہ کا حقد اسی وقت سمجھا جائے گا جب وہ ڈیوٹی پوری کرنے کے بعد تنخواہ وصول کرے، لہذا مذکورہ رقم کو تنخواہ قرار دینا درست نہیں، یہ قرض ہے اور اس پر زائد رقم واپس کرنا سود ہے جو ناجائز اور حرام ہے، لہذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ: (ال عمران ۱۴۰) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً﴾
ولما فی التَّنْوِیْهِ مَعَ النَّوَیِّ (۵/۱۲۸ تا ۱۴۰ طبع سعید)

(مرآة: مطلق الزیادۃ وشرعاً الفضل لخال عن عوض بمعیار شرعی مشروط لاحد المتعاقدين فی المعاوضۃ)

واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

نوی نمبر: ۱۶۵۹

۹ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ

﴿اجارہ کی ایک صورت اور اس کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص سعودی عرب میں ملازمت کرتا ہے، کمپنی والے اسے گاڑی اس شرط پر دیتے ہیں کہ اگر تو نے ایک ہزار سے کم کمایا تو تجھے نفع ۳۰ فیصد ملے گا اور اگر ایک ہزار یا اس سے زائد کمایا تو نفع ۳۵ فیصد کے حساب سے ملے گا اور کمپنی کا مقصد اس سے یہی ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ آمدنی ہو، اب یہ شخص ۹۵۰ روپے کماتا ہے اور کمپنی کے ذمہ دار کے سامنے ۵۰ روپے اپنی جیب سے نکال کر ایک ہزار پورا کر کے اسے دیتا ہے تاکہ اسے نفع ۳۰ فیصد کے بجائے ۳۵ فیصد ملے تو کیا اس کا ایسا طریقہ اختیار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: عبدالمکریم صاحب کوہٹ

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں اگر شخص مذکور کو یقین ہے کہ اسے کمپنی کی طرف سے اس بات کی اجازت ہے کہ کم آمدنی ہونے کی صورت میں اپنی جیب سے پیسے پورے کر کے نفع زیادہ وصول کر لے تو اس کا زیادہ نفع حاصل کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنا شرعاً جائز ہے لیکن اگر

کہنہ کی طرف سے اس بات کی اجازت نہیں تو اس کا ایسا کرنا بھی جائز نہ ہوگا کیونکہ اس میں کہنہ کو گاڑی سے حاصل ہونے والے منافع کم اور دھوکہ سے اپنی اجرت بڑھانا لازم آتا ہے۔

مثلاً فرض کریں کہ اس شخص نے ۹۹۹ روپے کمائے اور ایک روپیہ اپنی جیب سے ملا کر ایک ہزار (۱۰۰۰) روپے پورے کر دیئے اس ایک روپیہ ملانے سے پہلے وہ کل آمدنی کے ۳۰ فیصد یعنی تین سو روپیہ کا مستحق تھا اور ایسا کرنے کے بعد اسے ۳۵۰ روپے ملیں گے جو معاہدہ اور طے شدہ معاملہ کے خلاف ہے، لہذا شرعاً یہ جائز نہ ہوگا۔

لما فی المعاییر الشرعیۃ: (ص ۲۴۰)

انقلیق الطرفان علیٰ انہ انزلت الارباح عن نسبتہ معینتان طرفی المضاربین تخص بالربح
فان من تلك النسبة فان كانت الارباح بتلك النسبة لودونها فتوزع الارباح علی ما اقتضاه علیہ.

واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۶۸۷

۲۵ رجب ۱۴۲۹ھ

﴿جھوٹ بول کر حاصل کی گئی ملازمت کی تنخواہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک ادارے کی طرف سے ملازمت کے لیے اشتہار چھپا کہ ہمارے ادارے کو انٹر پاس لڑکوں کی ضرورت ہے جبکہ میں میٹرک پاس تھا، یہ ادارہ ایک غیر سرکاری فیکٹری تھی، جب انٹرویو کا وقت آیا تو ہم سے کاغذات نہیں دیکھے گئے۔ میں نے کہا کہ میں بھی انٹر پاس ہوں اور سب میٹرک انٹر والوں کو ایک ہی جیسے کام پر لگا دیا گیا، پوچھنا یہ ہے کہ میں نے چونکہ جھوٹ بول کر نوکری حاصل کی ہے تو کیا میرے لئے تنخواہ لینا جائز ہے؟

مستفتی: قاری تاج محمد صاحب

﴿جواب﴾ آپ اس کام کی پوری طرح صلاحیت اگر رکھتے ہیں تو آپ کے لیے تنخواہ لینا جائز ہے، ہاں جھوٹ اگر بول دیا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔

لما فی البحر الرائق: (۴/۲۹۷-۳۰۰ مطبع سعید)

قوله من بیع منفعة معلومة باجر معلوم..... وقوله بل بالتعجيل او بشرطه او بالاستيفاء.

او بالتسكن (یعنی لا یملك الأجرة الا بواحد من هذه الأربعة).

ولما فی بدائع الصنائع: (۲/۱۷۴-۱۷۵ مطبع سعید)

لم یکره الا بالاجاب والقبول ونلك بلفظ دل علیہما..... فان لم یجد نلك فلتقم الركن..... وعلى من اخرج

استنجار الأقطع والأشل للخباط بنفسه والقصار والكتابتوكل عمل لا يقوم إلا بالبدن...
غور جائز لأن الاجار بيع المنفعة لا تحدث عادة إلا عتسلا متلاکات والاسباب
الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: سید منزل شاہ لکھنؤ

فتویٰ نمبر: ۱۹۳۳

۳ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ

﴿ کتابوں کو کرایہ پر دینے کا حکم ﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! ہمارا ایک مکتبہ ہے جس میں دینی و دنیاوی کتب اور رسائل ہیں، ہمارے پاس ایسے لوگ بھی آتے ہیں جو قیمت پر کتاب نہیں لینا چاہتے تو ہم ان کو کرایہ پر کتابیں وغیرہ دیتے ہیں ہر دن کا ایک متعین کرایہ ہوتا ہے لوگ کتابیں پڑھ کر ہم کو واپس کر دیتے ہیں، شریعت کی روشنی میں آگاہ فرمائیں کہ کتابوں کو کرایہ پر لینا دینا جائز ہے؟ مفتی: احسان اللہ ﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں کتابوں کو کرایہ پر دینا پہلے عرف کی وجہ سے ناجائز تھا جبکہ آج کل عرف عام کی بناء پر کتب و رسائل کو کرایہ پر دینے کی گنجائش ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کو مستقل پیشہ نہ بنایا جائے۔

ولمافی الدر مع الرد: (۱/۳۲-۳۵، طبع سعید)

ولو استاجر بيقا ليصلى فيه أو طيبا ليشمه أو كتابا ولو شعر البقر أو مصحفا شرح و هبانية. وفي الشامية: (قوله أو كتابا ليش) لأن القراءة أن كانت طاعة كالقرآن أو معصية كالغناء فالاجارة عليها لا تجوز، وإن كانت مباحة كالأدب والشعر فهذا مباح له قبل الاجارة فلا تجوز، ولو انعقدت تنعقد على الحمل وتقليب الأوراق، والاجارة عليه لا تنعقد ولو نص عليه لأنه لا فائدة للمستأجر والواجبة.

ولمافی بدائع الصنائع: (۲/۱۴۶-۱۴۵، طبع سعید)

وأما معنى الاجارة فالاجارة بيع المنفعة لغة..... وذكر بعض المشائخ أن الاجارة نوعان اجارة على المنافع واجارة على الأعمال..... وعلى هذا يخرج استنجار المصحف أنه لا يجوز لأن منفعة المصحف النظرية والقراءة منه والنظر في مصحف الغير والقراءة منه مباح والاجارة ببيع المنفعة والمباح لا يكون محلا للبيع كالأعيان المباحة من العطب والحشيش وكذا استنجار كتب ليقرا فيها شعر أو فقه لأن منافع الدفاتر النظر فيها والنظر في دفتر الغير مباح من غير أجر.

ولمافی تبیین الحقائق: (۱/۱۱۸، طبع سعید) لا يجوز استنجار المصحف وكتب الفقه لعدم التعارف

واللہ اعلم بالصواب: منزل شاہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۲۵۳

۳۰ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ

﴿عورت کی ملازمت کی شرعی حیثیت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میں پی اے ایف میں ملازم ہوں اور میری بیوی چھوٹی لڑکیوں کے پرائمری اسکول میں ٹیچر ہے جبکہ میرے والد صاحب کی پنشن کی رقم ہوتی ہے مگر اس کے باوجود بھی گھر کا خرچہ پورا نہیں ہوتا، ان حالات میں شریعت کی نظر میں اپنی بیوی سے ملازمت کرانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟
مستفتی: فاروق شاہ کی مروت

﴿جواب﴾ اگر آپ اور آپ کے والد صاحب کی تنخواہ سے گھر کی بنیادی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں تو آپ کی اجازت سے آپ کی اہلیہ کے لئے عورتوں اور کم سن بچوں کو پڑھانے کی ملازمت اختیار کرنا جائز ہے بشرطیکہ دوران ملازمت غیر محارم سے اختلاط اور دیگر محظورات شرعیہ کا ارتکاب لازم نہ آئے۔

لما فی قوله تعالى: ﴿سورة الاحزاب، آیت ۳۳﴾ ﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوتِکُنَّ..... الاٰیة﴾

ولما فی مشکوٰۃ المصابیح: (۲/۲۶۹) باب النظر الی المخطوبة، طبع سعید

وعنه (ابن مسعود) عن النبی ﷺ قال المرأة عورة فاذا خرجت استشرفھا الشیطان، رواه الترمذی.

ولما فی المبسوط: (ج ۱۶ ص ۵۲-۵۵، طبع دار المعرفۃ بیروت)

ویکبرہ له أن يستأجر امرأة حرة أو أمة یستخدمها ویخلو بها لقوله ﷺ لا یخلون رجل بامرأة لیس منها بسبیل فان لالثهما الشیطان ولأنه لا یأمن من الفتنة علی نفسه أو علیها اذا خلوا لکن هذا النہی لمعنی فی غیر العقد فلا یمنع صحة الاجارة ووجوب الأجر اذا عمل كالنہی عن البیع وقت النداء..... وان استأجرت امرءة رجلاً لیخدمها فهو جائز وأکره أن یخلو بها حراً کان أو عبداً لما فیہ من خوف الفتنة.

واللہ اعلم بالصواب: منزل شاہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۲۳۹

۱۲ جمادی الاول ۱۴۳۰ھ

﴿اجارہ میں مارکیٹ ویلیو کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا یہاں ڈیفنس میں جنرل اسٹور ہے اور یہ دوکان میں نے مالک سے باہم رضامندی سے سولہ ہزار روپے کرایہ ماہانہ طے کر کے لی ہے اور مارکیٹ ویلیو کے حساب سے دوکان کا ماہانہ کرایہ تیرہ ہزار (۱۳۰۰۰) روپے بنتا ہے ہمارے علاقے کے مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ مارکیٹ ویلیو سے تم تین ہزار روپے زائد

کرایہ دے رہے ہو، یہ سود ہے، اس کی وجہ سے تمہارا سارا کاروبار حرام ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی صورت مذکورہ میں تین ہزار روپے سود کے شمار ہونگے؟ جبکہ سولہ ہزار روپے کرایہ ہم نے باہم رضا اور خوشی سے طے کیا ہے۔
مستفتی: عبدالحلیم ذیفنس فیروز کراچی

﴿محولہ﴾ دوکان کے مالک اور آپ دونوں نے باہمی رضامندی سے دوکان کا کرایہ طے کیا ہے، شرعیہ معاملہ اجارہ کہلاتا ہے اور اجارہ میں مارکیٹ ویلیو کا لحاظ رکھنا کوئی ضروری نہیں ہے، لہذا یہ معاملہ بلاشبہ جائز ہے، مولوی صاحب کے سامنے آپ نے معاملہ کی نوعیت شاید واضح نہیں کی، ورنہ سود کے ساتھ اس معاملہ کا دور تک کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

لما فی بدائع الصنائع: (۱۷۹/۲، طبع سعید)

اما الذی یرجع الی العاقد فرضا المتعاقدين لقوله عز وجل یا ایہا الذین امنوا لاتاکلوا
اموالکم بینکم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض منکم والاجارة تجارة لان التجارة
تبادل المال بالمال والاجارة كذلك.... فدخلت تحت النص وقال النبی ﷺ لا یحل مال
امرئ مسلم الا بطیبة من نفسه.

ولما فی البدائع: (۱۹۳/۲، طبع سعید)

ان تكون الاجرة مالا متقوما معلوما غیر ذلک مما ذکرناه فی کتاب البیوع والاصل فی
شرط العلم بالاجرة قول النبی ﷺ من استاجر اجیر الملیع منه اجره والعلم بالاجرة
لا یحصل الا بالاشارة والتعین او بالبیان وهكذا فی الہندیة: (۲۱۱/۲، طبع رشیدیہ)
الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم: عبد الرزاق عفا اللہ عنہ

۶ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

فتویٰ نمبر: ۱۳۱۷

﴿کمیشن کا ایک مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ریلوے ادارے کے ایجنٹ سے سترہ ہزار نو سو پچاس روپے کے ٹکٹ لئے اور میں نے ٹکٹ لیتے وقت اس سے کہا کہ کچھ رعایت کرلو، تو اس نے اپنے کمیشن میں سے پانچ سو روپے کم کر دئے اور مجھ سے سترہ ہزار نو سو پچاس کے بجائے سترہ ہزار چار سو پچاس روپے لے لئے۔

مذکورہ ٹکٹ کسی مجبوری کی بناء پر واپس کرنا چاہتا ہوں تو یہ اس اصل قیمت یعنی سترہ ہزار نو سو پچاس روپے میں واپس کرنا جائز ہے یا سترہ ہزار چار سو پچاس میں واپس کرنا ضروری ہے؟

﴿محولہ﴾ صورت مذکورہ میں اگر آپ ریلوے ادارے کو یا جس ایجنٹ سے ٹکٹ خریدا

اس کے علاوہ کسی دوسرے ایجنٹ کو ٹکٹ واپس کریں تو واپسی کے وقت آپ سترہ ہزار نو سو پچاس (17950) روپے لے سکتے ہیں اور اس صورت میں پانچ سو روپے زائد لینا جائز ہے۔

لیکن جس ایجنٹ سے ٹکٹ خریدے اگر اسی کو واپس کریں تو پھر پانچ سو روپے زائد لینا جائز نہیں اور سترہ ہزار چار سو پچاس روپے کی واپسی ضروری ہے۔

لما فی الکفاۃ: (۶/۴۹، طبع رشیدیہ) البیع مبادلۃ المال بالمال بالتراضی.
ولما فی الہدایۃ: (۳/۸۰، طبع رحمانیہ)

ویجوز للمشتري ان یزید للبائع فی الثمن ویجوز للبائع ان یزید فی البیع للمشتري فی البیع ویجوز ان یعط عن الثمن ویتعلق الاستحقاق بجمیع ذلک.

ولما فی التنبیہ مع الدر: (۷/۳۳۱، طبع امدادیہ) الا قالہ (رفع البیع) وعم فی الجوہرۃ فعب رب العہد.
الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: عبد الرزاق عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۳۳۳

۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

﴿کسی کو پالنے کے لئے جانور دیا تو اس کا خرچہ خود مالک پر ہوگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ہم قربانی کے ارادے سے دو تین مہینے پہلے جانور خریدتے ہیں پھر اس جانور کو کسی اور آدمی کو عید تک پالنے کے لئے اس شرط پر دیتے ہیں کہ وہ اسکی خوراک وغیرہ کا خرچہ ادا کریں گے اور ہم اسکو مہینہ کے حساب سے اتنی اجرت (مثلاً آٹھ ہزار) روپیہ دیں گے، از روئے شرع ایسا معاملہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد سلمان ڈی۔ ایچ۔ اے۔

﴿جواب﴾ سوال میں مذکورہ صورت میں متعاقبین کی آپس میں ناراضگی کا اندیشہ ہے، اس لئے جائز نہیں ہے، اسکی جائز صورت یہ ہو سکتی ہے کہ چارے کا خرچہ خود آجر (جانور کا مالک) برداشت کرے اور پالنے کی اجرت الگ متعین کر دے، البتہ ناراضگی یا جھگڑے کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو گنجائش معلوم ہو رہی ہے۔

لما فی الہندیۃ: (۴/۳۴، طبع رشیدیہ)

وکل اجارۃ فیما یزق أو علف فہی فاسدۃ الا فی استنجاہ الطیر بطعامہا وکسوتہا.

ولما فی التنبیہ مع الدر: (۹/۶۳، طبع امدادیہ)

(الاجارۃ)..... یلشدھا کبھالۃ ما جور أو اجارۃ أو مدۃ أو عمل، وکشرط طعام عبدو علف دابة.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمن چارسدہ

فتویٰ نمبر: ۱۶۶۲

۵ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

﴿بینک میں ملازمت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ بینک کی ملازمت کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینو اتو جردا۔

﴿جواب﴾ کنویشنل بینک میں ملازمت حرام ہے اس لئے کہ ایسے بینکوں کی آمدنی سودی کاروبار سے ہوتی ہے غلطی سے اگر ایسی ملازمت اختیار کی ہے تو حرام سمجھتے ہوئے جب تک حلال نہ ملے جاری رکھیں اور استغفار کرتے رہیں جیسے گزارہ کیلئے کوئی حلال روز گامے تو فوراً چھوڑ دیں ہاں جن بینکوں میں کاروبار اسلامی اصول کی بنیاد پر ہے جیسے میزان بینک وغیرہ تو ان میں ملازمت جائز ہے۔

لما فی روح المعانی: (۱/۵۷، طبع رشیدیہ)

ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان الآية فلیعم النہی کل ما هو من مقولۃ الظلم والمعاصی ویندرج فیہ النہی عن التعاون علی الاعتداء والانتقام.
ولما فی احکام القرآن للجصاص: (۲/۴۲۹، طبع قدیمی)

ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان الآية. فیہ عن معاونة غیرنا علی معاصی اللہ تعالیٰ.
ولما فی تكملة فتح الملہم: (۱/۲۱۹، طبع دارالعلوم کراچی)

عن جابر قال: لعن رسول اللہ ﷺ اکل الربا وموكله وكاتبه وشايعه وقال هم سواء. وفي التكملة: قوله ﷺ (وكاتبه) لان كتابة الربا اعانة عليه ومن هنا ظهر ان التوظيف في البنوك الربوية لا يجوز فان كان عمل الموظف في البنك ما يعين على الربا كالكتابة او الحساب فذلك حرام لوجهين الاول اعانة على المعاصية.

والثاني اخذ الاجرة من المال الحرام فان معظم دخل البنوك حرام مستجلب بالربا واما اذا كان العمل لا علاقة له بالربا فانه حرام نلوجه الثاني فحسب فاذا وجد بنك معظم دخله حلال جاز فيه التوظيف للنوع الثاني من الاعمال.
ولما فی المرقاة: (۱/۴۳، طبع رشیدیہ)

تحت حديث المذكور قال الخطابي سوى رسول الله ﷺ بين اكل الربا وموكله اذ كل لا يتوصل الى اكله الا بمعاونته ومشاركته اياه فهما شريكان في الاثم كما كانا شريكين في الفعل (وكاتبه وشايعه) قال النووي: فيه تصريح بتحريم كتابة المترابين والشهادة عليهما بتحريم الاعانة على الباطل (وقال) اي النسيئة (هم سواء) اي في اصل الاثم وان كانوا مختلفين في قدره.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن

فتویٰ نمبر: ۱۳۰۲

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

﴿آٹا پینے کی اجرت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک آٹا چکی کا مالک ہوں اور خود ہی اسی چکی پر کام کرتا ہوں یہاں اکثر لوگ کسان ہیں اجرت میں غلہ اور آٹا دینے کیلئے تیار ہوتے ہیں اور نقدی نہیں دے سکتے یا نہیں دیتے ہیں اگر کوئی نقدی دینا چاہے تو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوتا، پوچھنا یہ ہے کہ اجرت میں آٹا یا غلہ میں سے لینے کا طریقہ از روئے شریعت درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو صحیح طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟ بینہ اتوجروا۔

﴿جواب﴾ جو گندم آپ پیس رہے ہیں اسی کے آٹے میں سے اجرت متعین کرنا جائز نہیں ہے، احادیث میں اسکی ممانعت آئی ہے، البتہ اس کے علاوہ عام گندم، آٹا اجرت میں طے کریں، مثلاً ایک من گندم پیس کر دو ٹکا اور آپ کو دو سیر گندم یا آٹا ادا کرنا ہوگا، اسی طرح معاملہ طے کریں بعد میں وہ شخص اسی آٹے میں سے یا گندم میں سے دینا چاہے تو آپ لے سکتے ہیں کوئی خرابی نہ ہوگی لیکن پہلے سے اسی گندم کے آٹے میں سے اجرت طے کرنا جائز نہیں ہے یا جو اجرت بنتی ہے پائی سے پہلے گندم سے الگ کر کے وہ دیدے تو یہ بھی جائز ہے۔

لما فی الدر مع الرد: (۵۶/۱-۵۷، مطبع سعید)

(أر استاجر بغلال یحمل طعامه ببعضه أو ثور البطحن بزمه ببعضه دقیقه) ففسدت فی الكل، لانه استاجره بجزء من عمله، والأصل فی ذلك نهیه عن قلیز الطحان وقدمناه فی بيع الوفاء، والحيلة أن یفرز الاجراؤا أو یسمى قلیز ابلاتعیین ثم یعطیه قلیز امنه فیجوز... وفی الشامیه: (قوله والحيلة أن یفرز الاجراؤا) ای ویسله الی الاجیر، فلو خلطه بعد وطحن الكل ثم افرز الاجرة ورد الباقي جاز.

ولما فی تقریرات الرافعی: (ص ۲۱۶)

نعم لا یكون بمعنی قلیز الطحان، لكن لا یستحق الاجر لكونه بالخلط صار مشترکا ولا اجر فی العمل بالمشترك، ولو تحققت بعد العقد كما یأتی، الا ان یقال: ان الشرکة معنا شركة مجاورة ضرورة عدم امکان تمييز نصیب كل، ولما یأتی الشرکة بینهما شركة ملك فی جمیع حبات واجزاء محل العمل تامل.

ولما فی خلاصة الفتاوی: (۱۱۳/۲، مطبع رشیدیہ)

والحيلة أن یشتراط صاحب الحنطة قلیز امن الدقیق الجید ولا یقول من هذه الدقیق.

واللہ اعلم بالصواب: محمد ادریس چارسدوی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۳۹۰

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

اجیر مشترک کا مسئلہ

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کو ایک پلازہ میں روزمرہ کی صفائی کیلئے ماہانہ تین ہزار پانچ سو روپیہ کے عوض اجرت پر رکھا ہے، زید پوری صفائی پابندی کے ساتھ کرتا ہے، پلازہ میں دو دفاتر ایسے ہیں جن کی صفائی بھی زید کے ذمہ ہے، زید اس میں بھی صفائی کرتا ہے مگر دفتر والے بعد میں اپنی ضروریات کے سلسلے میں زید کو بازار یا دوسرے دفاتر میں بھیجتے ہیں اور مہینے کے آخر میں اپنی طرف سے زید کو کچھ رقم دیتے ہیں۔

اب ایک صاحب کہہ رہے ہیں کہ زید کیلئے دفتر والوں سے زائد رقم لینا اپنی ذمہ داری میں خیانت کا معاوضہ ہے جبکہ پلازہ کا مالک کہہ رہا ہے کہ ہماری طرف سے آپکے ذمہ صفائی ہے اسکے بعد تم آزاد ہو، پوچھنا یہ ہے کہ زید کیلئے یہ رقم وصول کرنا شرعاً کیسا ہے؟ بیوقوف تو جروا۔

﴿جواب﴾ پلازہ کے مالک کی طرف سے زید پر اگر کوئی پابندی نہیں ہے تو زید صفائی سے فارغ ہونے کے بعد دفتر والوں کیلئے صفائی کے علاوہ دوسرا کوئی بھی کام کر سکتا ہے اور اسکی اجرت بھی لے سکتا ہے۔

ولمافی التتویر مع الدر: (۹/۸۷، مطبع امدادیہ)

(الأجر على ضربين مشترك وخاص فالاول من يعمل لالواحد)..... (أو يعمل له عملا غير موقت أو موقتا بلا تخصيص) كان استاجره لبرعى غنمه شهر ابرهم كان مشتركا، الا أن يقول ولا ترعى غنم غیری.

ولمافی فله الست: (۳/۱۹۳-۱۹۴، مطبع دارالکتب بیروت)

والاجیر المشترك هو الذی يعمل الاكثر من واحد فی مشترکون جمیعاً فی نفعه كالصبغ والخياط والحداد والنجار والكواویل من استاجره أن یمنعه من العمل لغيره، ولا یستحق الأجرة الا بالعمل والواجب الخاص لا یجوز له أثناء المدة المتعاقدة علیها أن يعمل لغير مستاجره فان عمل لغيره فی المدة نقص من أجره بقدر عمل.

ولمافی الدر مع الرد: (۹/۹۱، مطبع امدادیہ) ولو عمل لغيره نقص من أجرته بقدر ما عمل.

وفی الشامیة: قوله: (ولیس للخاص أن يعمل لغيره) بل ولا أن یصلی النافلة، قال فی القاتر خانیه: وفی فتاوی المضلی..... العمل الی تمام المدة ولا یشتغل بشئ آخر سوى المكتوبة..... وعليه الفتوی.

واللہ اعلم بالصواب: محمد ادریس چارسودی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۳۳۵

۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

﴿مدرسہ کے سفیر کیلئے چندہ سے فیصد کے اعتبار سے حصہ لینا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک دینی مدرسہ کے سفیر کی حیثیت سے اس مدرسہ کیلئے چندہ جمع کرتا ہوں، پوچھنا یہ ہے کہ اس چندے سے میرے لئے فیصد کے اعتبار سے حصہ لینا جائز ہے یا نہیں؟
مستفتی: محمد عظیم عبدالغیل لکھی مروت

﴿جواب﴾ مدرسہ کے سفیر کیلئے چندے سے فیصد کے اعتبار سے حصہ لینا جائز نہیں ہے۔ اسلئے کہ سفیر مدرسہ کا اجیر ہوتا ہے اور اجارہ میں عمل اور اجرت دونوں کا معلوم ہونا اجارہ کی صحت کیلئے ضروری ہے۔ مذکورہ صورت میں اجرت معلوم نہیں ہے، نیز اجیر کے عمل سے اجرت حاصل ہونے کی وجہ سے بھی اجارہ فاسد ہو جاتا ہے۔

لما فی التنبیہ مع الدر: (۴۱/۱) مطبع سعید

(تنفسد الاجارۃ بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما لمسد البیع) صامر
(ہنسدا) كجهالة مأجور أو أجرة الخ. وكذا فی الشامی: (۴۱/۱) مطبع سعید
ولما فی الهدایة: (۳۰۷/۳) مطبع رحمانیہ

”قال ومن دفع الى حانك غزلا لينسجه بالنصف فله اجر مثله... لانه جعل الاجر بعض ما يخرج من عمله فيصير في معنى قفيز الطحان وقد نهى النبي عليه السلام عنه... والمعنى فيه ان المستأجر عاجز عن تسليم الاجر وهو بعض المنسوج او المحمول او حصوله بلعمل الاجير فلا يعد هو قادر ابتداء غيره.

ولما فی التکلیف بہامش فتح القدير: (۱۹/۹) مطبع رشیدیہ

ولا تصح الاجارة حتى تكون المنافع معلومة وللأجرة معلومة لما روينا من قوله ﷺ ”من استأجر اجير فليعلم ساجره“ فاته كما يدل بعبارة على كون معلومية الأجرة شرطا يدل بدلالته على اشتراط معلومية المنافع لان المعتقدية عليه في الاجارة هو المنافع وهو الاصل المفقود وهو الأجرة كالتبع كالشئ في البيع فاذا كان معلومية التبع شرطا كان معلومية الاصل لولى بذلك
ولما فی البحر الرائق: (۲۹۷/۷) مطبع سعید

”وشرطها ان تكون الأجرة والمنفعة معلومتين لان جهالتها تنقض الى المنازعة“
الجواب صحیح: محمد الرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد شاکر اللہ

فتویٰ نمبر: ۱۲۹۸

۸ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

﴿کفالت پر اجرت لینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک آدمی کمپنی سے گاڑی ضمانت پر دلواتا ہے لیکن

اس میں ہوتا ہے کہ مثلاً گاڑی کی قیمت ۳ لاکھ ہے وہ مشتری سے ۳ لاکھ پچاس ہزار وصول کرتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ شخص کیلئے مشتری سے پچاس ہزار زائد وصول کرنا صحیح ہے؟

﴿جواب﴾ محض ضمانت کو شریعت نے عقد تبرع قرار دیا ہے، اس پر ثواب تو ملیگا، لیکن اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، البتہ محض ضمانت نہ ہو بلکہ اسکے علاوہ کفیل کو باقاعدہ کچھ کام مثلاً بھاگ دوڑ، اس معاملہ کے سلسلہ میں روابط، لکھت پڑھت وغیرہ بھی کرنی پڑتی ہو تو ایسی صورت میں یہ اجرت ضمانت کی نہ ہوگی بلکہ دلالی کی اجرت تصور کی جائیگی جو کہ جائز ہے۔

لما فی بعوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ: (۱/۲۲۰-۲۲۱، طبع دارالعلوم کراتشی)

والحاصل أن أخذ الاجر على الضمان حرام شرعاً..... وذلك لأنه أجر لا يقابله عوض من المال، أو العمل وإن الكفالة في الفقه الإسلامي تعتبر من عقود التبرع، لا من عقود المعاوضة وهذا لا يحتاج إلى دليل، ولكن الذي يجب على الضامن أن يباشره مجاناً مع الضمان فقط فإن احتاج لإنشاء هذا الضمان إلى عمل كالكتابة، أو الأعمال الإدارية الأخرى أو إلى مراجعة المضمون له..... للضامن أن يطالب المكفول له..... بأجر المثل على مثل هذه الأعمال وإن البنوك اليوم لا تباشر الضمان بالقول الخ.

ولما فی الشامی: (۸۴/۱، طبع امدادیہ)

تتمة: قال فی القاتر خانۃ: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل الخ.

الجواب صحیح: محمد الرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد احمد عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۵۱۰

۳ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ

﴿سرکاری ادارے کی طرف سے مکان کے کرائے کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارا محکمہ اپنے ہر ملازم کو کرائے کا مکان لینے کیلئے علیحدہ سے ایک سہولت مہیا کرتا ہے، یہ سہولت ہر ملازم کے سکیل کے حساب سے ہے، اب کوئی شخص کسی کا مکان خود کرایہ پر لے لے یعنی (Self Hireing) کرائے حکومت اسے بھی سہولت دیتی ہے، یہ رقم اسے اپنے سکیل کے حساب سے ملے گی۔

سوال یہ ہے کہ ایک آدمی کو اس مہینے آٹھ ہزار (8000) روپے ملتے ہیں۔ تو وہ کوئی ایسا مکان لے لے جس کا کرایہ (5000) روپے ہو، اب مالک مکان سے یہ معاہدہ ہو جاتا ہے کہ وہ (3000) روپے اس کو واپس کر دیگا کیونکہ کرایہ کی یہ رقم مالک مکان کے نام بذریعہ چیک آتی

ہے جبکہ حکومت نے اس شخص کے سکیل کیلئے رقم (8000) روپے ہی رکھی ہے، اب یہ قاتلورم (3000) روپے اس کیلئے ناجائز تو نہیں ہو جاتی؟

ایک دوسرا شخص جس کے سکیل کے لحاظ سے رقم (10000) روپے ہے، وہ اپنے ہی مکان میں رہ رہا ہے، اس جگہ کے کاغذات یا کوئی اور وجہ ہے جسکی وجہ سے وہ حکومت کو اپنے مکان کی (Self Hireing) نہیں کروا سکتا، وہ حکومت سے وہ رقم جو اس کیلئے مخصوص ہے لینے کیلئے فرضی طور پر کسی کامکان کرایہ پر لے لے اور اس میں رہائش نہ رکھے صرف اپنا حق لینے کیلئے ایسا کرے تو یہ اس کیلئے جائز ہے یا نہیں؟

یا اپنے مکان کی جو اس کا ذاتی ہے اور اس میں رہ رہا ہے، اس کے جعلی کاغذات یا دوسری شرائط پوری کر کے گورنمنٹ سے (Self Hireing) کرا لے تو یہ کرنا اس کیلئے جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ اگر وہ Hireing نہیں کروائیگا تو اسے وہ رقم نہیں ملے گی جبکہ گورنمنٹ نے سب کیلئے یہ سہولت رکھی ہے۔ مستفی: مسعود اختر واہ کینٹ

﴿مجموعہ﴾ محکمے والے اگر ہر ملازم کو سکیل کے اعتبار سے مکان کے کرائے کیلئے ایک مخصوص رقم دیتے ہیں چاہے مکان کرایہ پر لے یا نہ لے یا کرایہ کم ہو یا زیادہ ہر حال میں مخصوص رقم دیتے ہیں تو پھر استثناء میں ذکر کردہ تمام صورتیں جائز ہیں لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ محکمہ کی طرف سے ایک طرف تو یہ سہولت عام ہو دوسری طرف کاغذات شوکرنا خواہ جعلی ہوں اور زیادہ کرایہ شوکرنا خواہ کم پیسوں سے مکان حاصل کیا ہو، اس طرح جھوٹ بولنے پر اپنے ملازمین کو کیونکر مجبور کرتے ہیں۔

بہر حال جھوٹ تو جھوٹ ہے اسکا گناہ ضرور ہوگا۔ تاہم ایسی صورت میں حاصل کردہ زائد رقم حرام نہ ہوگی لیکن ناجائز ذریعہ سے حاصل ہونے کی وجہ سے نامناسب ضرور ہوگی۔

اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ کرایہ نامہ کو جمع کروا کے اس میں جتنی رقم لکھی جاتی ہے محکمہ والے اتنی ہی رقم دیتے ہیں تو اس صورت میں مکان کا جتنا کرایہ ہوگا اتنا ہی کرایہ نامہ میں لکھنا اور وصول کرنا جائز ہوگا، اس سے زائد لینا حرام ہوگا، اس سے آخری صورت کا حکم بھی واضح ہو گیا کہ رہائش اپنے مکان میں ہے اور محکمہ والوں کے سامنے کرایہ کا مکان شوکر رہا ہے یعنی واقعی ایسی

صورت اختیار کرنے کی اجازت محکمہ والوں کی طرف سے ہے تو کرایہ کی رقم حلال ہوگی لیکن جھوٹ کا گناہ ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب: شاہد محمود عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۵۶۳

۱۳ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ

﴿دلال کی اجرت شرعاً جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ ایک شخص ایک کتاب ۱۰۰ روپے میں فروخت کر رہا تھا، ایک دوسرے شخص نے اس سے کہا کہ میں آپ کیلئے خریدار ڈھونڈ لاؤں گا لیکن آپ اس کو کتاب کی قیمت ۲۰۰ روپے بتانا پس ۱۰۰ روپے سے جتنی زائد میں فروخت ہوا وہ زائد رقم میری ہوگی، ۱۰۰ روپے آپ کے ہونگے کتاب ۵۰ روپے پر فروخت ہوئی ۵۰ روپے دلال نے لیا اور ۱۰۰ روپے بائع نے لیا، اس معاملہ کا کیا حکم ہے؟ بیوا تو جروا مستفتی: محمد عظیم صاحب کلمی مروت عبدل خیل

﴿جواب﴾ دلالی پر اجرت لینا دینا جائز ہے بشرطیکہ اجرت متعین ہو یا کم از کم ثمن کی نسبت کے ساتھ اجرت کی شرح واضح ہو مسئلہ صورت میں نہ تو اجرت کی تعیین ہوئی ہے اور نہ ہی کوئی شرح مقرر ہوئی ہے کہ جتنی رقم پر کتاب کا سودا ہو جائے تو اتنی فیصد رقم دلال کو دی جائیگی، اس لئے یہ معاملہ خلاف شرع ہے ایسی صورت میں دلال کو مارکیٹ میں جو دلالی ملتی ہے بس اتنی اجرات کا وہ حق رکھتا ہے باقی کتاب جتنے میں فروخت ہوئی ہو پوری رقم مالک کی ہے۔

لما فی الشامی: (۶/۶۲ مطبع امدادیہ)

قال فی البزازیۃ: اجارۃ السمسار والمنادی والعمامی والصکاک وما لا یقدر فیہ الوقت ولا العمل تجوز لما کان للناس بہ حاجۃ، ویطیب الاجر الماخوذ لوقدر اجر المثل.

ولما فی الشامی: (۶/۸۷ مطبع امدادیہ)

وفی العماری: سنن محمد بن سلمۃ عن اجرة السمسار، فقال: ارجوانہ لا بأس بہ، وان کان فی الاصل فاسد اکثرۃ التعامل، وکثیر من هذا غیر جائز فجوزہ لحاجة الناس الیہ کدخول الحمام.

ولما فی خلاصۃ الفتاوی: (۳/۱۱۶ مطبع رشیدیہ)

وفی الاصل اجرة السمسار والمنادی والعمامی والصکاک وما لا یتدیر فیہ للوقت ولا مقدار لما یتحقق بالعقل لکن للناس فیہ حاجۃ جازوان کان فی الاصل فاسد قال الامام خواہر زائد فی نسخۃ تطیب لہ من الاجر قدر اجر المثل.

دلال کو جو اجرت ملتی ہے وہ فیصد کے حساب سے متعین ہو یا وہ اجرت پانچ دس روپے کی صورت میں متعین ہو بہر صورت درست ہے اسی طرح کا جواب فتاویٰ محمودیہ اور فتاویٰ رحیمیہ اور احسن الفتاویٰ میں بھی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب: حبیب الوہاب سواتی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۱۸۵

۸ صفر الخیر ۱۳۲۹ھ

﴿شیپ ریکارڈ اور ریڈیو میکینک کی اجرت﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں فریزر میکینک ہوں اور کبھی کبھار شیپ ریکارڈ اور ریڈیو بھی صحیح کرتا ہوں، شیپ ریکارڈ اور ریڈیو سے عام طور پر لوگ گانے سنتے ہیں لیکن بعض نیک لوگ تلاوت نعت وغیرہ سننے کیلئے بھی استعمال کرتے ہیں، میرے لئے ایسے کام کی اجرت کا کیا حکم ہے؟ مینو اتو جروا۔

﴿مولا﴾ شیپ ریکارڈ اور ریڈیو فی نفسہ برائی کیلئے نہیں ہیں اگرچہ لوگ اسے برائی کیلئے بھی استعمال کرتے ہیں اور جو چیز خاص برائی ہی کیلئے نہ ہو تو فقہاء کرام نے ایسی چیزوں کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے۔

لما فی الدر المختار: (۵۶۱/۹، طبع امدادیہ)

قلت: وقد منامة معزيا للنهر أن ما قامت المعصية بمعينه يكره بيعه تحريما، والافتنزيها.

ولما فی التنوير مع الدر: (۷۵/۹، طبع امدادیہ)

(لا تصح الاجارة لعسب القيس) وهو نزوه على الاناث (و) لا (لأجل المعاصي مثل الفناء

والنوح والملاهي) ولو أخذ بلا شرط يباح. قوله: (والملاهي) كالزمير والطبل وما إذا كان

الطبل لغير اللهو فلا بأس به كطبل الغزاة والعرس لما فی الاجناس:

ولما فی بدائع الصنائع: (۱۸۹/۴، طبع سعيد)

وعلى هذا يخرج الاستجار على المعاصي انه لا يصح لانه استجار على متعة غير

مقدورة الاستيلاء شرعا كاستجار الانسان للعب واللهو وكاستجار المغنية والنانعة للفناء والنوح

واللہ اعلم: حبیب الوہاب سواتی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۳۵۲

۲۲ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ

﴿دلال کی اجرت فیصد کے اعتبار سے جائز ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ دلال کی اجرت جب متعین ہو تو جائز ہے اور جب

غیر متعین ہو تو ناجائز ہے لیکن اگر فیصد کے اعتبار سے مقرر کی جائے تو اسکا کیا حکم ہے جس میں کم و زیادہ دونوں کا احتمال ہے یعنی جہالت ہے اور جہالت کی وجہ سے عموماً عقد فاسد ہو جاتا ہے۔

﴿موجوب﴾ فیصد کے اعتبار سے دلال کی اجرت مقرر کی جائے مثلاً قیمت خرید کی نسبت ۲۰ فیصد وغیرہ تو یہ بھی تعین کی ایک صورت ہے، نیز جب جہالت بصرہ ہو یا عرف کی وجہ سے نزاع کا خطرہ نہ ہو تو ایسی جہالت سے عقد فاسد نہیں ہوتا آج کل کمیشن پر معاملات کرنے کا عرف عام ہو گیا ہے اس لئے اسکی گنجائش ہے۔

لسافی الشامی: (۸۷/۱) طبع امدادیہ

وفی الحاروی: سئل محمد بن سلمة عن اجرة السمسار، فقال: أر جرانہ لا باس به، وان كان فی الاصل فاسداً لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز فجاوزوه لخدمة الناس اليه كدخول الحمام. وعنه قال: رأيت ابن شجاع يقطع نسا جايئسج له ثيابا في كل سنة.

ولسافی التنویر مع الدر: (۴۶/۱) طبع سعید

(تفسد الاجارۃ بالشروط المخالفة لمقتضى العقد: كل ما أفسد البیع) مامر (يفسدها) كجهالة ما جوراً أو اجرة أو مدة أو عمل.

وفی الشامی: (قوله أو مدة) الا فیما استثنی قال فی البزازیة: اجارة السمسار والمناذی والعمامی والصكاك وما لا یقدر فیہ الوقت ولا العمل تجوز لساکان للناس به حاجة.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا الله عنه والحمد لله رب العالمین: حبیب الوہاب سواتی

۱۳ جمادی الثانی ۱۳۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۵۱۹

﴿بکریوں کی نسل کو ان کے پالنے کی اجرت بنانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے گاؤں میں یہ رواج ہے کہ جن کی گائے بکریاں زیادہ ہوتی ہیں وہ اپنے ساتھ مزدور اس شرط پر رکھتے ہیں کہ ان بکریوں سے آئندہ جو نسل ہوگی ان میں سے میں آپکو اتنی بکریاں دوں گا یا پھر جب بکریوں کے بچے جننے کا وقت قریب آتا ہے تو مالک مزدور کو کہتا ہے کہ فلاں فلاں بکری کا حاصل آپکا ہوگا، نیز بکریوں کا حاصل ضائع ہو جائے یا بچے مرجائیں تو مزدور کو کچھ بھی نہیں ملتا، کیا از روئے شرع ایسا معاملہ کرنا جائز ہے؟

﴿موجوب﴾ جاننا چاہیے کہ عقد اجارہ میں مزدور کی اجرت کا معلوم ہونا ضروری ہے، صورت مسئلہ میں اجرت چونکہ مجهول ہے اس لئے یہ عقد فاسد ہے اور معاملہ کو صاف کئے بغیر

جاری رکھنا گناہ ہے اور اب تک مزدور نے جو خدمات انجام دی ہیں علاقہ میں رائج مزدوری کے مطابق اس کا حق دینا ضروری ہے۔

ولمالی القنوبر مع الدر: (۲/۴۶، طبع سعید)

(تفسد الاجارۃ بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما افسد البيع) ماسر (بمعناها)
كجهالة ماجور او اجرة..... الخ.

ولمالی البحر الرائق: (۴/۳۱۲، طبع سعید)

فكانت كالبيع فكل ما افسد البيع افسدها وقضبطه الشيخ ابو الحسن الكرخي فقال:
اذا كان ما وقع عليه عقد الاجارة مجهولا في نفسه او في اجرة او في مدة الاجارة فاجارة فاسدة.

ولمالی الهندية: (۲/۴۳۹، طبع رشیدیہ)

الفساد قد يكون لجهالة قدر العمل بان لا يعين محل العمل وقد يكون لجهالة قدر المستمعة بان لا يبين المدة وقد يكون لجهالة البدل وقد يكون بشرط فاسد مخالف لمقتضى العقد فالناسد يجب فيه اجر المثل.

ولمالی القهستانی: (۲/۱۳۳، طبع سعید)

فوجب عند فسادها اجر المثل ای اجر شخص مماثل له فی ذلك العمل.

واللہ اعلم: عبد الوہاب نعمانی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبد الرحمن بن عثمان اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۳۸۰

۵ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿کرایہ ادا نہ کرنے کی صورت میں کرایہ دار کی کسی چیز پر قبضہ کر نیک حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنا مکان

کرایہ پر دوسرے شخص کو دیا ہے اور کرایہ دار دو ماہ سے کرایہ ادا نہیں کر رہا اور نہ ہی مکان خالی کر رہا ہے، لہذا اگر مالک مکان اپنے کرایہ کے حصول کے لئے یہ صورت اختیار کرے کہ اس کرایہ دار کی کوئی استعمال کی چیز مثلاً سائیکل وغیرہ لے لے تو کیا یہ صورت شرعاً درست ہے یا کہ نہیں؟

﴿جواب﴾ کسی شخص کا مالی حق (مثلاً پیسے) اگر دوسرے کے ہاں باقی ہو اور وہ ادا نہیں

کر رہا تو ایسی صورت میں وہی چیز (مثلاً پیسے) کسی طرح ہاتھ آ جائے تو اس کی مرضی کے بغیر لینا جائز ہے اور استعمال حلال ہے، البتہ اس چیز کے علاوہ مثلاً سائیکل وغیرہ ہاتھ لگ جائے تو اپنے حق کی وصول یا بی کے لیے اس پر قبضہ کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، استعمال کرنا یا فروخت کرنا جائز نہیں ہے جب تک قاضی اس کا فیصلہ نہ کرے۔

لما فی الشامی: (۱/۵۰۰-۵۰۱، مطبع سعید)

(اخذ عامة المدیون لثكون رهناء عنده لم تكن رهناء) واذا هلكت تهلك هلاك المهرمون قال: وهذا ظاهر اذا رضی المطلوب بتركه رهناء عادية، ومفاده انه ان رضی بتركه كان رهناء والا لا. وعليه يعمل اطلاق السراجية وغيرها كما افاده المصنف: في المجتبى لرب المال مسك مال المدیون رهناء بلاذنه، وقيل اذا ايس فله اخذه مكان حقه قضاء عن دينه واقره المصنف.

افرع رجل دخل خانافقال له صاحب الخان لا ادعك تفزل مالم تعطني رهناء فذفع اليه ثيابه فهلكت عنده ان رهناء باجر البيت فالرهن بما فيه، وان اخذ منه لاجل انه سارق او خلى عليه فانه يضمن قال ابو الليث: وعندي لاضمان في الوجهين لانه غير مكره في الذبح خلاصة (قوله وقيل اذا ايس الخ) كذا عبر في المنع: وظهره انه من غير جنس حقه والا فلرهن جنسه فله اخذ قدر حقه منه بلا كلام ولا وجه لحكايته بتقيل على انا قدمنا في كتاب الحجر عن المقدسي عن بعضهم ان الفتوى اليوم على جواز الاخذ مطلقا.

ولما في البحر الرائق: (۸/۸۳، مطبع سعید)

ولان البيع واجب عليه لا بناء دينه فاذا امتنع تاب القاضى مثابه.

ولما في التتوير مع الدر: (۱/۱۵۰، مطبع سعید)

(لا يبيع القاضى عرضه ولا عقاره) للدين (خلافا لما ربه) اي بقولهما يبيعهما للدين (يفنى) وفي الشامية (قوله لبيع ماله) اطلاق المال فمثل وكل ما هو ملك له رملى ولا يكون ذلك اكراماته بحق كما مر في محله اذ هو ظالم بالمنع (قوله يعنى بلا امره) لان للدين ان ياخذ بدينه اذا ظلم بجنس حقه بغير رضا المدين فكان للقاضى ان يعينه.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه والله اعلم بالصواب: نعیم اقبال عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۲۶۶۸

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

﴿اپنی ملوکہ زمین کا کرایہ اپنے حصے کے بقدر دوسرے شریک سے وصول کرنا﴾

﴿مولا﴾ میں شرف حسین اپنے ایک دوست کے ساتھ پولٹری فارم میں چوزے پال کر بیچنے کا کاروبار کرنا چاہتا ہوں اور دونوں کا سرمایہ برابر ہے، البتہ پولٹری فارم میری ملکیت ہے، کیا میں اپنے شریک سے اس کے حصے کے بقدر اپنے پولٹری فارم کا کرایہ لے سکتا ہوں یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں شرف حسین کو اپنے شریک سے اس کے حصے کے بقدر اپنے ذاتی پولٹری فارم کا کرایہ لینا جائز ہے۔

لما فی الهندیة: (۲/۲۵۷، مطبع رشیدیہ)

ولو كان لاحد من سلبت غار انقل الطعام الى بلد فقال احدهما للذي له السلبت غارني نصف

سلبتک لحمل علیہا حصتی من الطعام وحصتک منه فی نصف سلبتک ففعل جاور کل شیء لیس یکون منه العمل استاجرہ احدہما من صاحبه فهو جائز مثل الجوارق وغیرہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۳۰۵

۲ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ

﴿مطلقہ ثلاثہ کے لیے اجرت رضاعت لینا جائز ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے بھائی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں اور بھابھی عدت میں ہے اسکی ایک چھوٹی بچی ہے جسے وہ اجرت پر دودھ پلا رہی ہے۔ بھابھی ابھی اجرت کا مطالبہ کر رہی ہے اور بھائی کہہ رہا ہے کہ عدت میں آپ کا خرچہ میں دے رہا ہوں۔ عدت کے بعد دودھ پلانے کے پیسے دوں گا۔ براہ کرم شریعت کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل بتادیں؟

مستفتی: محمد عبداللہ

﴿مولا﴾ تین طلاق دینے سے میاں بیوی کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے اب اگر وہ اپنی خوشی سے

بچی کو بلا معاوضہ دودھ نہیں پلانا چاہتی تو اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا، بچی کے لیے دودھ پلانے کا انتظام شوہر کے ذمہ ہے۔ لہذا بچی کی ماں اگر مناسب اجرت کا مطالبہ کرتی ہے تو اسے اجرت دینا لازم ہے اور اگر وہ عدت شوہر کے گھر میں گزارتی ہے تو عورت کا نان و نفقہ بھی دینا ضروری ہے۔

لما فی الہندیۃ: (۵۶۱/۱، طبع: رشیدیہ)

"المعتدة عن الطلاق بانئن أو طلاقات ثلاث فی رواية ابن زیاد تستحق اجر الرضاعة، وعليہ الفتویٰ کذا فی جواهر الاخلاطی."

ولما فی النامی: (۶۱۹/۳، طبع: سعید)

وعلى السؤل: دله رزقهن، ففی حال الزوجية والعدة قائم برزقها بعلاف ما بعدها فيقوم اجر مقامه اه قلت: وتحقیقه ان فعل الارضاع واجب علينا ومؤنة على الاب لانها من جملة نفقة الولد، ففی حال الزوجية والعدة هو قائم بتلك المؤنة لا بعد البينونة فتجب عليه بعدها وان وجب على الام ارضاعه لمقوله تعالى: لا تضار والدۃ بولدها فان الزامها بارضاعه مجاناً مع عجزها وانقطاع نفقتها عن الاب مضارة لها..... فساغ لها اخذ الاجرة بعد البينونة: لا تجبر على ارضاعه قضا.

ولما فی تقریرات الراعی: (۲۵۵/۳، طبع: سعید)

اما اذا كانت معتدة عن طلاق رجعی لا تستحق اجرة الرضاع على الزوج أيضاً واما اذا كانت الام معتدة عن طلاق بانئن أو طلاقات ثلاث فیل تستحق اجرة الرضاع فنیہ

روایتان ولی العجۃ رویۃ محمد لا یجوز ولی رویۃ الحسن یجوز وعلیه الفتویٰ ۱۵۔

ولما فی الفتاویٰ قاضی خان علی خامش الہندیہ: (۲۲۱/۱ طبع رشیدیہ)

وان كانت الام فی العدة من طلاق بانئن او ثلاث فاستأجرها لارضاع
الولد..... الاصل تستحق الاجرة۔

واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمن غفرلہ ولوالدیہ

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۸۰۵

۲۲ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ

﴿فلمی سی ڈیزینچنے والے کو دوکان کرایہ پر دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بازار میں ایک دوکان ہے جو تقریباً دو ماہ سے خالی پڑی تھی، اب ایک شخص اس دوکان کو کرایہ پر حاصل کرنا چاہتا ہے اور فلمی سی ڈیز (C.D) اور کیسٹ وغیرہ کی دوکان کھولنا چاہتا ہے، ایسے شخص کو دوکان کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ کسی شخص کا اپنی دوکان ایسے شخص کو کرایہ پر دینا جو کہ اس میں (C.D) یا ایسی طرح کسی دوسرے گناہ کا ارتکاب کرے فی نفسہ اگرچہ جائز ہے لیکن چونکہ اس میں کچھ نہ کچھ دوسروں کے ساتھ گناہ کے کاموں میں تعاون کرنا ہے، اس لئے کراہت سے خالی نہیں، لہذا صورت مسئلہ میں آپ کے لئے بہتر یہ ہے اور تقویٰ کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ ایسی چیزوں کے لئے دوکان کو کرایہ پر نہ دیں۔

لما فی التنویر مع الدر: (۲۹۲/۶ طبع سعید)

جاز (اجارۃ بیت بسر الدکوفۃ)۔ لان غالب اهلها اهل الذمۃ (لبقۃ غزبیت نار او کنیستۃ او بیعۃ او بیاع فیہ الخمر) وقال لا ینفی ذلک لانه اعانة علی المعصیۃ وبہ قالت الثلاثۃ زیلعی قال ابن عابدین: (قوله جاز اجارۃ بیت الخ) هذا عنده ایضاً لان الاجارۃ علی منعة البیت، ولهذا یجب الأجر بمجرد التسليم ولا معصیۃ فیہ وانما المعصیۃ بلعل المستأجر وهو مختار فیتقطع نسبته عنه، فصار کبیع الجاریۃ ممن لا یستبرئها او یتبہا من دہر و بیع الغلام من لوطی والدلیل علیہ انه لو آجرہ للمسکنی جاز و هو لا بدله من عبادتہ فیہ ۱۵ زیلعی ومثله فی النہایۃ والکفاۃ قال فی المنع: وهو صریح فی جواز بیع الغلام من اللوطی، والمستقول فی کلثیر من الفتاویٰ انه یکرہ وهو الذی عولنا علیہ فی المختصر۔

ولما فی خلاصۃ الفتاویٰ: (۱۴۹/۳ طبع رشیدیہ)

اما علی قول ابی حنیفۃ لا یکرہ وکذا فی کل موضع تعلق المعصیۃ بلعل فاعل مختار

ومن جملة ذلك لو آجر بيته ليتخذ فيه بيعة او كنيسة او بيت نار يطيب له.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: نعیم اقبال عفا اللہ عنہ

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

فتویٰ نمبر: ۲۶۲۲

﴿سودی بینک کے ملازم کے گھر میں کرایہ پر رہنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم جس گھر میں کرایہ پر رہتے ہیں، اس کا مالک سودی بینک کا ملازم تھا اور اس نے اسی بینک کی آمدنی سے گھر بنایا تھا، آیا ایسے شخص کے گھر کو کرایہ پر لینا درست ہے یا نہیں؟ مستفتی: قاری نورالحق کوٹ غلام محمد

﴿جواب﴾ ایسے شخص کے بنائے ہوئے گھر میں کرایہ پر رہنے کی گنجائش ہے، تاہم بہتر اور احتیاط اسی میں ہے کہ ایسے لوگوں کا کرایہ دار بھی نہ بنیں۔

لما فی الشامی: (۵/۲۲۵، طبع ایچ ایم سعید)

(قوله اكتسب حراماً الخ) توضیح المسئلة ما فی التتارخانية حيث قال: رجل اكتسب مالا من حرام ثم اشترى فهذا على خمسة اوجه: اما ان دفع تلك الدراهم الى البائع اولاً ثم اشترى منه بها واشترى قبل الدفع بها ودفعها، او اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها واشترى مطلقاً دفع تلك الدراهم، او اشترى بدراهم اخرو دفع تلك الدراهم وقال الكرخي: نفى الوجه الاول والثاني لا يطيب وفي الثالث الاخيرة يطيب، وقال ابو بكر: لا يطيب في الكل، ولكن الفتوى الآن على قول الكرخي دفعاً للخرج عن الناس وفي الولوالجية: وقال بعضهم: لا يطيب في الوجوه كلها وهو المختار بولكن الفتوى اليوم على قول الكرخي دفعاً للخرج لكثرة الحرام.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عدنان خدا بخش

فتویٰ نمبر: ۲۶۲۲

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

﴿اجارہ کے معاملہ کو قرض کے معاملہ کیساتھ مشروط کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص مثلاً زید کو دو لاکھ روپے کی ضرورت تھی بکرنے اس شرط پر دو لاکھ روپے بطور قرض دیدیئے کہ تم مجھے اپنی زمین چار کنال مبلغ پانچ ہزار (۵۰۰۰) روپے ایک سال کیلئے اجارہ پر دینگے اور دونوں اس پر راضی بھی ہو گئے حالانکہ اتنی زمین علاقے میں دس ہزار (۱۰۰۰۰) روپے پر دی جاتی ہے، آیا شرعاً ان

مستفی: خیاء الرحمن زیدہ صوابی

دونوں کیلئے اجارہ کا یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ قرض محض احسان و ثواب کا کام ہے کسی ایسی شرط پر قرض دینا جس میں قرض خواہ کا دنیاوی کوئی فائدہ ہو جائز نہیں ہے، شریعت نے قرض کی بنیاد پر کسی بھی قسم کا فائدہ حاصل کرنے کو سود قرار دیا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے: (مصنف ابن ابی شیبہ: ۸۰/۵، طبع امدادیہ)

حدثنا ابو بکر قال. عن ابراهيم قال: كل قرض جر منفعة فهو ربا.

لہذا اس شخص نے دولا کھروپے بطور قرض اس شرط پر اگر دیئے ہیں کہ قرضدار زمین اس کو بطور اجارہ دیدے تو یہ سودی معاملہ ہے ہرگز جائز نہیں ہے، دونوں پر لازم ہے کہ اس معاملہ کو ختم کریں، البتہ قرض خواہ زمین اجارہ پر لینے کی شرط سے اگر صرف نظر کر لے تو قرض کی حد تک یہ معاملہ درست رہیگا۔

لما فی الشامی: (۱۶۶/۵، طبع ایچ ایم سعید)

(قوله كل قرض جر منفعه حرام) ای اذا كان مشروطا كما علم مساقله عن البحر عن الخلاصة وفي النخيرة.

ولما فی بدائع الصنائع: (۴/۳۹۵، طبع ایچ ایم سعید)

واما الذي يرجع الى نفس القرض فهو ان لا يكون فيه جر منفعة فان كان لم يجر منفعوما اذا اقرضه دراهم غلة على ان يرد عليه صحاحا او اقرضه وشرط شرطه فيه منفعة لساروي عن رسول الله ﷺ انه نهى عن قرض جر منفعا ولا ان الزيادة المشروطة تشبه الربا لانها افضل لا يقابلها عوض والتحرز عن حقيقة الربا وعن شبهة الربا واجب هذا اذا كانت الزيادة مشروطة في القرض.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا الله عنه

والله اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

فتویٰ نمبر: ۵۱۳

﴿بینک کے لئے مکان کرایہ پر دینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ کیا کسی بھی بینک کو جگہ کرایہ پر دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ سودی بینک کو مکان کرایہ پر دینا گناہ کا معاون اور سبب بننے کی وجہ سے

نامناسب ہے، لہذا ایسے ادارے جو سودی معاملات کرتے ہوں مکان کرایہ پر دینے سے احتراز کیا جائے، ہاں جو سودی معاملات نہ کرتے ہوں انہیں مکان کرایہ پر دینا بلاشبہ جائز ہے۔

لما فی قوله تعالى: ﴿سورة المائدة، آیت ۲﴾ ﴿ولا تعاونوا على الاثم والعدوان﴾

ولمافی المظہری: (۱۹/۳، طبع رشیدیہ)

ای لاتعاونوا علی ارتکاب المنہیات..... وعن ابی ثعلب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البر ما سکنت الیہ النفس واطمان الیہ القلب وان الفتاک المفقون رواہ احمد.

ولمافی المرقاة: (۴۳/۶، طبع رشیدیہ)

عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربا وموكله وکاتبه وشاهده هم سواد (رواہ مسلم) قال النوروی: فیہ تصریح بتحریم کتابۃ المترابین والشہادۃ علیہما بتحریم الاعانة علی الباطل.

ولمافی التوفیر مع العرب: (۳۹۲/۶، طبع ایچ ایم سعید)

وجاز (اجارۃ) بیت بسوان الکوفۃ ای قرأها (لا یغیرھا علی الاصح لبتخنیبت ناراً کنہتہ لوبیعۃ او بیاع فیہ الخمر) وقال لا ینبغی ذلک لانہ اعانة علی المعصیۃ وبہ قالت الثلاثۃ یرلعی.

ولمافی الہندیۃ: ج ۴ ص ۴۴۹، مکتبہ رشیدیہ)

انذا ستاجر الذمی من المسلم بیتا لیبیع فیہ الخمر جاز عندابی حنیفت رحمہ للہ خلافا لہما کذا فی المضمرات، ولو استاجر الذمی من الذمی بیتا لیبیع فیہ الخمر جاز عندہم جمیعاً.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم: عبدالوہاب نعمانی عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۳۲۹

۱۳ صفر الخیر ۱۴۱۳ھ

﴿ٹیوشن اکیڈمی کا ٹیچر کو ٹیوشن دلانے پر اجرت لینا﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ٹیوشن اکیڈمی کے پاس کوئی ٹیوشن آتی ہے تو اکیڈمی والے ٹیچر سے رابطہ کرتے ہیں اور معاہدہ کرتے ہیں کہ ٹیوشن سے پہلی سیلری پر پچاس فیصد ہمیں دیں گے اور اگر مسلسل چھ ماہ ٹیوشن پڑھائیں تو چھٹے مہینے کی سیلری میں سے ہمیں فیصد ہمیں دیں گے، دوسرا معاہدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر اس ٹیوشن سے کوئی دوسری جگہ ٹیوشن ملے گی اگرچہ اکیڈمی کے واسطے سے نہ ہو تو بھی اس کی سیلری میں سے ہمیں فیصد ہمیں دیں گے، آیا ہمارا اس طرح کا معاہدہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

﴿مولا﴾ ٹیوشن اکیڈمی کی حیثیت دلال کی ہے جس طرح دلال کیلئے اجرت لینا درست

ہے، اسی طرح اکیڈمی کا ٹیچر کو ٹیوشن فراہم کرنا اور اس پر اجرت لینا بھی درست ہے، لہذا اکیڈمی کا ٹیچر کی پہلی سیلری میں سے پچاس فیصد لینا تو جائز ہے۔

لیکن معاہدہ میں یہ طے کرنا کہ اگر مسلسل چھ ماہ پڑھاتے ہو جائیں تو چھٹے ماہ کی سیلری سے ٹیچر اکیڈمی کو ہمیں فیصد دے گا یا یہ معاہدہ کرنا کہ اس ٹیوشن سے دوسری جگہ ٹیوشن مل جائے اگرچہ

اکیڑی کا اس میں کوئی عمل و محنت نہ ہو تو اس دوسری ٹیوشن کی سہری میں سے بھی تیس فیصد اکیڑی کو دیتا ہوں گے تو معاملہ میں ان دونوں باتوں کو طے کرنا شرعاً غلط ہے، اس سے معاملہ فاسد ہو جاتا ہے۔

لما فی الشامی: (۶/۲۴ طبع ایچ ایم سعید)

قال فی التاترخانیۃ: رفی الدلال والسمسار یجب اجر المثل، وماتواضعوا علیہ ان فی کل عشرۃ دنانیر کذا الخ لک حرام علیہم و فی الحاوی: سئل محمد بن سلیمان عن اجرة السمسار، فقال: ارجوانہ لا بأس بہ وان کان فی الاصل فاسدا لکثرة التعامل و کثیر من هذا غیر جائز، فجزوه لحاجة الناس الیہ کدخول الحمام.

ولما فی القنبر مع الدر: (۵/۸۶-۸۵ طبع سعید)

(و) (لا بیع بشرط)..... (لا یقتضیہ العقد ولا یلانیہ و فیہ نفع لاحدهما و) فیہ نفع (المبیع) (من اهل الاستحقاق) للنتع بان یكون آدمیا..... (ولم یجر العرف بہ و لکم) (یرد الشرع بجوارہ) و فی الشامی: (قوله و لا یقتضیہ العقد ولا یلانیہ) قال فی البحر: معنی کون الشرط یقتضیہ العقدان یجب بالعقد من غیر شرط بومعنی کونه ملائمان یؤکد موجب العقد، و کذا فی النخبة: و فی السراج الوہاج: ان یكون راجعا لى صفة الثمن او المبیع کاشتراط الخبز و للطبخ و الكتابة ما فی البحر.

ولما فی للهدایۃ: (۳/۲۱ طبع رحمانیہ)

و کل شرط لا یقتضیہ العقد و فیہ منفعة لاحد المتعاقدين او للمعتود علیہ و هو من اهل الاستحقاق ینسبہ.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عبدان خدا بخش

فتویٰ نمبر: ۲۶۹۰

۱۳ جمادی الاول ۱۴۳۱ھ

﴿ مدت اجارہ ختم ہونے سے پہلے مکان فروخت کرنا ﴾

﴿ سوال ﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ زید نے بکر سے پانچ سال کے لئے مکان کرایہ پر لیا اور دونوں میں یہ معاہدہ بھی ہوا کہ بکر زید سے پانچ سال سے پہلے مکان خالی نہیں کرائے گا لیکن تین سال کے بعد بکر نے وہ مکان فروخت کر دیا، کیا بکر کا وہ مکان فروخت کرنا از روئے شرع درست ہے؟ نیز کیا اس صورت میں زید پر مکان خالی کرنا ضروری ہوگا؟ مستفتی: محمد آصف

﴿ جواب ﴾ بکر پر معاہدہ کی پابندی شرعاً واجب ہے پانچ سال سے پہلے زید سے مکان خالی نہیں کرا سکتا، معاہدہ کے مطابق اجارہ کی مدت ابھی باقی ہے اور بکر نے مکان بیچ دیا تو یہ عقد فی نفسہ صحیح ہے۔ البتہ قبضہ دینے میں زید کی رضامندی ضروری ہے، زید اجارہ کی مدت مکمل گزارنے سے پہلے مکان خالی کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو خریدار مقررہ مدت تک انتظار کرے یا

قاضی کی مدد سے عقد کو نسخہ کرائے۔

لما فی شرح المجلة: (۲/۶۹۰، المادة: ۵۹۰، طبع رشیدیہ)

لو باع الاجر الماجور بدون المستاجر يكون البيع نافذاً بين البائع والمشتري وان لم يكن نافذاً بحق المستاجر، لان كون الماجور ملكاً للاجر يقتضي نفاذ البيع، وكم نه تعلق به حق المستاجر يمنع نفاذه، فقدم المانع على المقضى في حق المستاجر فلم ينفذ في حقه. ومعنى نفاذه في حق المشتري انه لا يملك الفسخ لو اجاز المستاجر البيع لو انتقضت مدة الاجارة..... حتى انه بعد انتضاء مدة الاجارة يلزم البائع في حق المشتري وليس له الامتناع عن الاشتراء الا ان يطلب المشتري تسليم المبيع من البائع قبل انتضاء مدة الاجارة، يفسخ القاضى البيع لعدم امكان تسليمه وان اجاز المستاجر البيع يكون نافذاً في حق كل منهم ولكن لا يؤخذ الماجور من يده مالم يصل اليه مقدار مالم يستوفيه من بدل الاجارة الذي كان اعطاه بتداوله وسلم المستاجر الماجور قبل استيفاء، ذلك سقط حق حبسه.

ولما فی التنویر مع الدر: (۶/۸۴، طبع ایچ ایم سعید)

بخلاف (بيع ما اجره) فانه ايضا ليس بعذر بدون لحوق دين كما مر ويوقف بيعة الى انتضاء مدتها هو المختار، وفي الشامية: قوله للمرتين فسخه قال الشرنبلالی فی شرح الرهبانية: والمختار انه موقوف فيفتى بان بيع المستاجر والمرهون صحيح لكنه غير نافذ ولا يملكان فسخه في الصحيح وعليه الفتوى.

والله اعلم بالصواب: محمد بن خدا بخش

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۲۶۳۷

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

﴿اجارہ کی ایک صورت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک شخص مثلاً زید اپنے دوست بکر کو اگر گائے دیدے تاکہ وہ اسکی رکھوالی کرے خوراک وغیرہ کا انتظام کرے اور حاصل ہونے والا دودھ آپس میں تقسیم کریں تو یہ جائز ہو گا یا ناجائز؟ جواز کیلئے کوئی بھی صورت بن سکتی ہو تو بتادیں؟

﴿جواب﴾ زید کی گائے ہو اور بکر کے ذمہ اسکی رکھوالی، خوراک دودھ نکالنا ہو اور زید بکر کو اس خدمت اور چارہ کے بدلے میں اس گائے سے حاصل ہونے والا دودھ کا مثلاً آدھا حصہ دے تو یہ اجارہ فاسدہ کی ایک صورت ہے شرعاً جائز نہیں ہے، اس لئے کہ گائے کا چارہ مجہول اور حاصل ہونے والا دودھ بھی مجہول بلکہ ممکن ہے دودھ ہی نہ نکلے اور آپس میں جھگڑے کی نوبت آئے شریعت اس طرح کے معاملات سے منع کرتی ہے۔

البتہ جائز صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یومیہ خوراک کیلئے چارہ، دانہ وغیرہ کی ایک خاص مقدار مقرر کر لیں مثلاً دو کلو یہ بکر کے ذمہ ہوگا اور زائد اپنی طرف سے دینا چاہے تو دیتا رہے اور زیادہ خدمت اور اس چارہ کے عوض دودھ کی ایک خاص مقدار مثلاً ایک کلو، دو کلو دینا طے کرے پھر چاہے تو زیادہ بھی دیا کریں لیکن اپنے ذمہ ایک خاص مقدار مقرر کر لیں کہ اس کے بدلے دودھ دیا کروں گا یعنی کوئی سادودھ خاص اس گائے کا بھی مقرر نہ کریں بعد میں عملاً بیشک اسی گائے کا دیا کریں تو اس صورت کی گنجائش معلوم ہو رہی ہے۔

لما فی الہندیۃ: (۲/۲۲۵، مطبع رشیدیہ)

دفع بقرة الى رجل على ان يعلفها وما يكون من اللبن والسمن بينهما انصافا فالاجارة فاسدة وعلى صاحب البقرة للرجل اجر قيامه وقية علته ان علفها من علف هو ملكه لا ماسر حفا في الحرعى ويرذل اللبن ان كان قانما ولن تلف فالمثل الى صاحبها لان اللبن مثل.

ولما فی خلاصة الفتاوی: (۲/۱۱۴، مطبع رشیدیہ)

رجل دفع بقرة الى رجل بالعلف مناصفة وهي التي يسنى بالنارسية كا وبنم سودبان دفع على ان ما يحصل من اللبن والسمن بينهما نصفان فهذا فاسد والحادث كله لصاحب البقرة والاجارة فاسدة ولو اكل اللبن مع هذا البعض قائم فما كان من اللبن قانما يرذ على مالک البقرة وما كان اكل يرذ مثله من اللبن والمصل الذي فعله وله على المالك قيمة علفها واجر المثل في قيامه عليها.

ولما فی فیض الباری: (۳/۲۸۴، مطبع رشیدیہ)

ان من البهوع الفاسدة ما لو اتى بها احد حازت ديانة وان كانت فاسدة قضاء، وذلك لان الفساد قد يكون لحق الشرع بان اشتمل العقد على مائم فلا يجوز بحال، وقد يكون الفساد لمخافة التنارع ولا يكون فيه شيء آخر يوجب الاثم فذلك ان لم يقع فيه التنارع جاز عندى ديانة وان بقى فاسدا قضاء لا ارتفاع علة الفساد هي المنازعة بويديل عليه، مسانلهم في باب المضاربة والشركة فانها بما تكون فاسدة مع ان الربح يكون طيبا وراجع "الهداية" ونبه الحافظ ابن تيمية في رسالته على ان من البهوع ما لا يقع فيه النزاع فتكون تلك جائزة فاذا أدخلتها في الفقه وجدها محظورة لان أكثر احكام الفقه تكون من باب القضاء، والديانات فيها قليلة وانما يصار الى القضاء بعد النزاع فاذا لم يقع النزاع ولم يرفع الامر الى القاضي نزل حكم الديانة لا محالة فيبقى الجواز بحواله جديد فقسي مسائل (۲/۱۲۸، مطبع زمزم پبلشرز)

واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۵۳۷

۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

﴿اجارہ میں زمیندار کو کاشت کی عام اجازت دینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنی زمین بکر کو چار سال کیلئے اجارہ پر دیدی اور ان دونوں کے درمیان عقد اجارہ اس طرح طے پایا کہ مالک زمین زید نے بکر کو کہا کہ آپ زمین میں جو چاہے کاشت کر سکتے ہیں، تو کیا روئے شرع ایسا عقد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ زمین کاشت کیلئے بطور اجارہ دینا جائز ہے اور عقد کے وقت کاشت ہونے والی چیز کی تعیین ضروری ہے تاکہ بعد میں جھگڑے کی نوبت نہ آئے، اس لئے کہ بعض اشیاء بلدی انتہاء کو پہنچتی ہیں اور بعض بڑی مدت تک باقی رہتی ہیں، البتہ کسی علاقہ میں کاشت ہونے والی اشیاء متعارف ہوں یا مالک زمین کی طرف سے وضاحت کیساتھ کھلی اجازت ہو تو ایسی صورت میں چونکہ جھگڑے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے اسلئے ایسی صورت میں جائز ہے۔

لما فی الہدایۃ: (۲/۳۰۰، طبع رحمانیہ)

ولا یصح العقد حتی یمسی ما یزرع فیہا لانہا قد تستاجر للزراۃ ولغیر ما و ما یزرع فیہا متفاوت فلا بد من التعین کیلایقع المنازعة او یقول علی ان یزرع فیہا ماشاء، لانہ لما فرض الخیرۃ الیہ ارتفعت الجہالۃ المنضیۃ الی المنازعة.

ولما فی التنبیہ مع الدرر: (۱/۲۹، طبع ایچ ایم سعید)

(و) تصح اجارۃ (ارض للزراۃ مع بیان ما یزرع فیہا) وقال ان ازرع فیہا ماشاء) کی لاتع المنازعة والا فھی فاسدة للجہالۃ.

ولا فی الفتاوی الہندیۃ: (۲/۴۴۰، طبع رشیدیہ)

ولا بد فی اجارۃ الارض من بیان ما یستاجر لہ من الزراۃ والغرس والبنا، وغیر ذلک فان لم یبین کانت الاجارۃ فاسدة الا اذا جعل لہ ان ینتفع بہا ماشاء، حکذا فی البدائع.

واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۵۷۵

الربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

﴿ثیوب ویل کا پانی اجارہ پر دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ثیوب ویل کے مالک اور مالک زمین کے درمیان اس شرط پر عقد ہو جائے کہ مالک زمین اپنی زمین کیلئے پانی کے عوض

نیوب ویل کے مالک کو پچاس روپے فی گھنٹہ کے حساب سے دے گا، تو اس طریقہ سے معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
مستفی: طارق احمد شیوہ والا

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں مدت اور اجرت دونوں متعین ہیں اور جب اجرت اور مدت متعین ہو تو ناجائز ہونے کی کوئی صورت بظاہر معلوم نہیں ہوتی، لہذا مذکورہ معاملہ درست ہے۔

لسافی خلاصۃ الفتاوی: (۱۰۳/۲) طبع رشیدیہ

فی شرح الطحاوی عقد الاجارۃ لایجوز الا ان یبین البدل من الجانبین جمیعاً اما بیان المنفعة فباحدی معانی ثلاثہ بیان الوقت وهو الاجل و بیان العمل و بیان المكان اما الاجران کان دراهم اودنانیر فالشرط بیان القدر و یقع علی تقد البدل.

ولسافی البزارۃ علی هامش الہندیۃ: (۱۱/۵) طبع رشیدیہ

لا یجوز عقد ما حتی یعلم البدل والمنفعة و بیان المنفعة باحدثلاث بیان الوقت وهو الاجل و بیان العمل و المكان فالاجر ب بیان التقدر هو علی غالب تقد البدل.

ولسافی الدر المختار: (۵/۶) طبع ایچ ایم سعید

و شرطها کون الاجرۃ والمنفعة معلومتین لان جہا التہما تنضی الی المنازعۃ.

ولسافی مجمع الانہر: (۲۴۷/۲) طبع المنار کوئٹہ

وما حرز من الماء بحب و کوز و نحره لایؤخذ الا برضی صاحبه و لہ ای لصاحب الماء المحرز بیعہ ای بیع الماء لانه ملکہ بالاحراز.

ولسافی الفتاوی الہندیۃ: (۱۲۱/۳) طبع رشیدیہ کوئٹہ

اما بیع ماء جمعه الانسان فی حوضہ ذکر شیخ الاسلام المعروف بنحو اہرزادہ فی شرح کتاب الشرب ان الحوض اذا کان مجصصاً و کان الحوض من نحاس او صخر جاز البیع علی کل حال و کانه جعل صاحب الحوض محرز الماء بجعلہ بحولہ و لکن بشرط ان یتقطع الجبری حتی لا یختلط المبیع بغير المبیع.

ولسافی اصول الافتاء لشیخ الاسلام محمد تقی العثماني حفظہ اللہ تعالیٰ: (ص ۵۸)

ان الحكم لا یتغیر بتغیر حکمتہ و انما یتغیر بتغیر العلة و مثال ذلك ما ذکرہ الفقہاء من ان بیع الماء لیسقی المزارع ممنوع و لکن علة هذا المنع عدم ضبط مقدار الماء فبعث و جدت هذه العدادات انتفت علة المنع فجاء بیع الماء.

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

فتویٰ نمبر: ۲۵۹۹

﴿رہن رکھا ہوا مکان کرایہ پر دینا﴾

﴿سوال﴾ زید کو کچھ رقم کی ضرورت پیش آئی تو زید نے مطلوبہ رقم بکر سے وصول کی اور

راہن کے طور پر زید نے بکر کو ایک خالی مکان دیا اور دونوں آپس میں مشورہ کر کے اس بات پر راضی ہو گئے کہ بکر یعنی مرتہن مکان کو اپنے قبضہ میں رکھتے ہوئے کرایہ پر دے گا جس میں آدھا کرایہ زید کا ہوگا اور آدھا بکر کا اور جب راہن یعنی زید بکر کو اس کی رقم واپس کر دے گا تو بکر اس کا مکان واپس کر دے گا، از روئے شرع اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مستقی: مسلمان شیعہ

﴿مجموع﴾ صورت مسئلہ میں بکر کو دئے گئے مکان کی حیثیت کر دی کی ہے، لہذا بکر یعنی مرتہن کیلئے کسی بھی صورت میں اس مکان سے حاصل ہونے والا کرایہ اپنے لئے وصول کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ راہن یعنی زید اس کی باقاعدہ اجازت بھی دیدے اسلئے کہ قرض کی بنیاد پر کوئی بھی نفع حاصل کرنا سود کے زمرے میں داخل ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

لما لی مصنف ابن ابی شیبہ: (۸۰/۵، طبع امدادیہ)

حدثنا ابو بکر..... عن ابراهیم قال: کل قرض جر منتعة فهو ربا.

البتہ زید چونکہ مکان کا مالک ہے اس کیلئے کرایہ وغیرہ حاصل کرنا جائز ہے بشرطیکہ بکر اس کی اجازت دے اسی طرح بکر زید ہی کے لئے مکان کا کرایہ وصول کر کے اس کو دیتا رہے تو یہ بھی جائز ہے۔

لما لی التتویر مع الدر: (۶/۴۸۲، طبع ایچ ایم سعید)

(لا انتفاع به مطلقا) لا باستخدام ولا سكنی ولا لبس ولا اجارة ولا اعارة سواء كان من مرتہن او راہن (الاباذن) کل للآخر وقیل لایحل للمرتہن لانه ربا.

وفی الشامیہ: (قوله لایحل للمرتہن) قال فی المنع عبداللہ محمد بن اسلم السمرقندی وکان من کبار علماء سمرقندانه لایحل له ان ینتفع بشئ منه بوجه من الوجوه وان اذن له الراہن لانه اذن له فی الربا لانه ینتفع به کما لا یبقی له المنتفعه فضلا فیكون ربا وهذا امر عظیم یوہد اسطر قال: قلت والغالب من احوال الناس انهم انما یرینون عند الدفع الانتفاع ولو لاه لاه اعطاء الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالشرط وهو مما یعین المنع واللہ تعالی اعلم..

ولما لی الشامی: (۶/۵۲۲، طبع ایچ ایم سعید)

ثم نقل عن التہذیب انه یکرہ للمرتہن ان ینتفع بالرهن وان اذن له الراہن قال المصنف وعلیہ یحمل ما عن محمد بن اسلم من انه لایحل للمرتہن ذالک ولو بالاذن لانه ربا قلت وتعلیلہ ینیدانہا تحریرہ.

واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد حنفی عن

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۶۰۰

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

﴿سودی رقم سے تنخواہ لینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ مسجد کے امام صاحب کو جو لوگ تنخواہ دیتے ہیں وہ سودی کاروبار کرتے ہیں، آیا امام صاحب کیلئے ان سے تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اب تک جو وصول کی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ حالانکہ امام صاحب کو ان کے سودی کاروبار ہونے کا علم نہیں تھا اور آئندہ کیلئے امام صاحب کس طریقے سے ان سے تنخواہ وصول کرے؟

﴿جواب﴾ امام صاحب کو چونکہ اب تک ان لوگوں کے سودی کاروبار کا علم نہیں تھا، اس لئے اب تک ان سے تنخواہ لینا جائز تھا اور اب علم ہونے کے بعد ان پر واضح کر دیں کہ مجھے پاک مال سے ہی تنخواہ دیتے رہیں سودی رقم سے نہ دیں پھر دیتے وقت یہ لوگ اگر یہی ظاہر کریں کہ یہ سودی رقم نہیں ہے تو امام صاحب کیلئے لینا جائز ہے زیادہ کرید میں نہ پڑے۔

لما قوله تعالى: (سورة البقرة، آیت ۱۷۲) يا ايها الذين امنوا اكلوا من طيبات ما رزقناكم... الآية. ولما في احكام القرآن للجصاص: (۴/۷۴، طبع قديمي) قوله تعالى ولا تبطلوا الصلوات بالطيب فان روى عن مجاهد وابي صالح "الحرام بالحلل اي ولا تجعل بدل رزقك الحلال حراما. ولما في الدر المختار: (۵/۹۸، طبع ايچ ايم سعيد) الحرمة تعدد مع العلم بها وقال الشامي: ينقل العمري عن سيدي عبد الوهاب شعرائي انه قال في كتابه المنن وما نقل عن بعض الحنفية من ان الحرام لا يتعدى ذمتين سالت عنه الشهاب بن الشلبى فقال: هو محمول على ما اذا لم يعلم بذلك. وهكذا في رد المحتار: (۱۲/۳۸۵، طبع ايچ ايم سعيد) ولما في الفتاوى الهندية: (۵/۳۳۳، طبع رشديه)

اكل الربا وكاسب الحرام اهدى اليه او اضافه وغالب ماله حرام لا يقبل ولا ياكل ماله بخبره ان ذلك المال اصله حلال ورثه او استقرضه وان كان غالب ماله حلالا لا باس بتقبل هديته والاكل منها كذا في الملتقط ومثله في البزاية: (۱۲/۳۱۰، طبع رشديه) والاشباه: (ص ۱۱۳، طبع قديمي) والوالجبة: (۲/۳۳۱، طبع فاروقيه هشاور) الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ

نوی نمبر: ۲۶۶۲

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ

﴿کیشن پر چندہ کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ مدرسہ کے سفیر حضرات

کمیشن پر چندہ کرتے ہیں یعنی انکے ساتھ یہ طے کیا جاتا ہے کہ کتنا چندہ وصول کریں گے اس کا نصف یا ثلث انکو دیا جائے گا، یہ معاملہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ مستفتی: آصف محمود کراچی

﴿جواب﴾ مدرسہ کے لئے چندہ کرنے والے کے لئے باقاعدہ ماہانہ یا یومیہ اجرت متعین کر کے معاملہ ہو تو جائز ہے، کمیشن کے طور پر اجرت لینا جائز نہیں، اجرت کے معاملہ میں اجرت مجہول ہو تو معاملہ فاسد ہوتا ہے، اس کے علاوہ اس صورت میں چندہ ہی سے سفیر اپنا معاوضہ وصول کرتا ہے، اس لئے یہ معاملہ قفیز الطحان کے معنی میں بھی ہے، لہذا یہ فاسد معاملہ ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔

اور چندہ کا معاملہ تو بڑا نازک ہے کمیشن پر چندہ کرنے والے شخص کا مقصد خدمت دین باقی نہیں رہ سکتا اپنی لالچ غالب آجاتی ہے پھر نام چندہ کا ہوتا ہے لیکن آہستہ آہستہ اپنی ذات کے لئے سوال کرنے کے جذبات غالب آجاتے ہیں جس سے مدرسہ والے بھی لوگوں کی نظروں سے گرتے ہیں اس لئے کسی بھی درجہ میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

لما فی الدر المختار (۵/۶، طبع سعید)

وشرطها کون الاجرة والمستفعة معلومتین لان جهالتها تنقضی الی المنازعة.

ولما فی القنور مع الدر (۲۸/۱، طبع سعید)

(لو تفسد (بجهالة المسمى) كله او بعضه كتسمية ثوب او دابة او مائة درهم علی ان یرمها المستاجر لصيرورة السرمة من الاجرة فيصير الاجر مجهولا.

ولما فی البحر الرائق (۴/۴۱۲، طبع سعید)

فكانت كالبيع فكل ما افسد البيع افسدها وقد ضبطه الشيخ ابو الحسن للكرخی لقال اذا كان ما وقع علیه عقد الاجارة مجهولاً فی نفسه او فی اجرة او فی مدة الاجارة فالاجارة فاسدة.

ولما فی مجمع الانهر (۳/۵۲۹، طبع المنار کوئٹہ)

(لو فسد استنجار حانك لينسج له غز لا ينصفه) ای بنصف الغزل او ثلثه او استنجار (حسار) يحصل علیه طعاماً (الی بيته) (بقفيز منه) ای من الطعام بان جعل القفيز اجرتہ (او) استاجر (ثورا) ليطعمهن له برباقفيز من دقيقه ای دقيق ذالك البرام فساد الاولی والثانية فلانه جعل الاجر بعض ما يخرج من عمله فصار فی معنى قفيز الطحان.

ولما فی جامع الرموز (۲/۱۲۳، طبع سعید)

(فيجب) عند فسادها (اجر المثل) ای اجر شخص مماثل له فی ذلك العمل.

واللہ اعلم بالصواب: عبد الوہاب نعمانی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۶۵۶

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ

﴿سودی ادارے کو زمین یا مکان کرایے پر یا ملکیت دینا کیسا ہے؟﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا ایک مکان ہے بینک والے اس کو بینک کیلئے کرایے پر لینا چاہتے ہیں ان کو کرایہ پر دینا کیسا ہے؟ اور اسی طرح ان کو زمین یا مکان فروخت کرنا کیسا ہے؟ حاصل شدہ قیمت کا کیا حکم ہے؟

﴿مولا﴾ اگر آپ جانتے ہیں کہ میرا یہ مکان بینک کیلئے کرایہ پر حاصل کر رہے ہیں یا زمین بینک کیلئے خرید رہے ہیں تو ایسے معاملے سے آپ گریز کریں، البتہ اسلامی بینک کو زمین دیں تو کوئی حرج نہیں ہے، سودی ادارے کو زمین یا مکان دینا گویا گناہ میں تعاون کے مترادف ہے، اس لئے اس سے حاصل شدہ رقم میں سود کا اثر ضرور ہوگا۔

لما فی قوله تعالى: (سورة المائدة: آیت ۲)

﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان واتقوا الله ان الله شديد العقاب﴾
ولما فی سنن ابی داود: (۱۱۸/۲ طبع رحمانیہ)

عن عبدالرحمن بن عبدالله ابن مسعود عن ابيه قال: لعن رسول الله ﷺ اكل الربوا وموكله وشاهداه وكتبه وفي المرقاة: عن جابر قال لعن رسول الله ﷺ اكل الربوا وموكله وكتبه وشاهداه قال النووي: فيه تصريح بتحريم كتابة المقرابين والشاهدة عليها وتحريم الاعانة على الباطل وقال هم سواء (المرقاۃ: ۵۹/۶، طبع رشیدیہ)
ولما فی المہدایۃ: (۳۰۶/۲ طبع رحمانیہ)

لا يجوز الاستيجار على الغناء والنوح وكذا سائر الملاهي لانه استيجار على المعصية والمعصية لا تستحق بالعقد.

ولما فی الدر مع الرد: (۲۱۸/۲ طبع ایچ ایم سعید)

(ويكره تحريم بيع السلاح من اهل الفتنة علم) لانه اعانة على المعصية... وكذا لا يكره بيع الجارية المغنّية والكبش النطوح والديك المقاتل والحمام الطيارة لانه ليس عينها منكرا وانما المنكر في استعمالها المحظور قلت لم يكن هذه الاشياء تمام المعصية بعينها لكن ليست هي المقصودة الاصلى منها، فان عين الجارية للخدم متملا والغناء عارض فلم تكن عين المنكر.

والله اعلم بالصواب: عبد الستار

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۶۳۳

۱۶ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

﴿اشیاء کا کرایہ وصول کرنا سود نہیں ہے﴾

﴿مولا﴾ جناب مفتی صاحب! ایک شخص کہتا ہے کہ گاڑی یا مکان وغیرہ کا کرایہ وصول

کرنا بھی سود ہے، سوال یہ ہے کہ کرایہ وصول کرنا درست ہے یا نہیں؟ مستفتی: حالی شیراز صاحب
 ﴿مجموعہ﴾ استعمال کی چیزوں کا کرایہ وصول کرنا جائز ہے، اس کو سود قرار دینا درست نہیں
 ہے، کہنے والے کو شاید اس بات سے غلط فہمی ہوئی ہے کہ جس طرح پیسہ قرض دیکر اس پر شرط
 زیادتی وصول کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح گاڑی وغیرہ کا کرایہ وصول کرنا بھی جائز نہیں ہے۔
 یہ اس کا غلط قیاس ہے اسلئے کہ گاڑی اور پیسہ میں کئی وجوہ سے فرق پایا جاتا ہے اور اسی فرق
 کی بناء پر دونوں کے احکام مختلف ہو جاتے ہیں۔

(۱) گاڑی یا مکان وغیرہ بذات خود قابل انتفاع چیزیں ہیں ان سے فائدہ اٹھانے کیلئے ان
 چیزوں کو خرچ کرنا نہیں پڑتا بلکہ انکا وجود برقرار رکھتے ہوئے ان سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے،
 لہذا ان کا کرایہ درحقیقت ان فوائد کا معاوضہ ہے جو براہ راست گاڑی وغیرہ سے وصول کئے
 جاتے ہیں، اس کے برعکس روپیہ ایسی چیز ہے جو بذات خود قابل انتفاع نہیں وہ اسوقت انسان کو
 فائدہ نہیں پہنچاتا جب تک اسے خرچ کر کے اس کے بدلے قابل انتفاع چیز نہ خرید لی جائے، لہذا
 جس نے کسی کو روپیہ فراہم کیا اس نے کوئی ایسی چیز فراہم نہیں کی جو براہ راست قابل انتفاع ہو،
 یہ شخص روپیہ خرچ کریگا تو منہمک حاصل ہوگا، اس لئے اس پر کرایہ وصول کرنے کا سوال نہیں کیونکہ
 کرایہ اس چیز کا ہوتا ہے جس سے اس کا وجود برقرار رکھتے ہوئے فائدہ اٹھایا جائے۔

(۲) گاڑی کے استعمال سے اسکی قدر میں کمی ہوتی ہے، اس لئے اسکو جتنا استعمال کیا جائے
 اس کی قدر اتنی ہی گھٹتی چلی جائے گی، لہذا ان جیسی چیزوں کا جو کرایہ وصول کیا جاتا ہے، اس میں
 قدر کے نقصان کی تلانی بھی شامل ہوتی ہے، اس کے برخلاف روپیہ ایسی چیز ہے کہ محض استعمال
 سے اسکی قدر میں کمی نہیں ہوتی۔

(۳) اگر کوئی شخص گاڑی کرایہ پر لیتا ہے تو اس کے ضمان (Risk) میں نہیں ہوتی بلکہ
 اصل مالک کے ضمان میں رہتی ہے جس کا مطلب ہے کہ گاڑی کرایہ دار کی کسی غفلت یا زیادتی
 کے بغیر کسی ساوی آفت کے نتیجے میں تباہ ہو جائے یا چوری ہو جائے تو نقصان کرایہ دار کا نہیں بلکہ
 اصل مالک کا ہوگا اور چونکہ اصل مالک اسکی تباہی کا خطرہ برداشت کر رہا ہے اور کرایہ دار کو اس
 خطرے سے آزاد کر کے اپنی ملکیت کے استعمال کا حق دے رہا ہے، اس لئے وہ متعین کرایہ کا

بجا طور پر حق دار ہے، اس کے برعکس جو شخص کسی کو روپیہ قرض دے رہا ہے وہ روپیہ اسکے ضمان میں نہیں آتا بلکہ قرض دار کے ضمان میں چلا جاتا ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ قرض دار کے قبضہ میں جانے کے بعد اگر وہ روپیہ کسی ناوی آفت سے تباہ ہو جائے یا چوری ہو جائے تو نقصان قرض دینے والے کا نہیں قرض لینے والے کا ہے یعنی قرض دار اس صورت میں بھی اتنا روپیہ قرض خواہ کو لوٹانے کا ذمہ دار اور پابند ہے چونکہ قرض دینے والے نے قرض دیکر اس روپیہ کا کوئی خطرہ مول نہیں لیا، اس لئے وہ اس پر کسی معاوضہ کا حقدار بھی نہیں۔ (تخصیص از اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص ۷۷)

لما فی الہدایۃ: (۲/۳۰۱، طبع رحمانیہ)

ویجوز استیجار الدواب للركوب والحس وكذا فی التنبیہ مع الدر: (۶/۳۲، طبع سعید)

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: ریاض الرحمن کوہاٹی

فتویٰ نمبر: ۱۶۰۸

۲۶ جمادی الثانی ۱۳۲۹ھ

﴿کمیشن کی رقم دے کر گاہک بڑھانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک شخص کمپنی کا مال بیچتا ہے اور گاہک بڑھانے کے لئے کچھ کمیشن کی رقم اپنی جیب سے گاہک کو دیتا ہے تو شرعاً ایسا کرنا کیسا ہے؟ مستفتی: احسان ﴿جواب﴾ کمیشن پر مال بیچنے والا چونکہ اپنی جیب سے گاہک کو رقم دیتا ہے اور اس میں کمپنی کا بھی کوئی نقصان نہیں ہے، لہذا مذکورہ شخص کا ایسا کرنا جائز ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: ظہور احمد شمس

فتویٰ نمبر: ۱۱۳۰

۱۳۲۹/۱/۲۰ھ

﴿دلال (کمیشن ایجنٹ) کے پاس ایڈوانس جمع کی ہوئی رقم کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ویزا بنا کر لوگوں کو باہر ملکوں میں ملازمت کے لئے بھیجنے کا کام کرتا ہوں، ہمارا طریقہ کاریہ ہوتا ہے کہ میرا ایک ایجنٹ کیساتھ تعلق ہے، اس نے مجھے کہہ رکھا ہے کہ آپ لوگ تیار کیا کریں اور ہر ایک کے بدلے میں کچھ پیسے لیتے رہو اب میں لوگوں کو تیار کرتا ہوں اور انکے لئے سارا دوڑ دھوپ میں ہی کرتا ہوں، اسکے ساتھ ان سے ایڈوانس کچھ رقم بھی رکھ لیتا ہوں اور یہ پوری رقم کام نہ ہونے کی

صورت میں واپس کرنی ہوتی ہے۔

پوچھنا یہ ہے کہ اب جو پیسے میرے پاس جمع ہوتے ہیں انکو اس دوران اپنی ضروریات میں خرچ کر سکتا ہوں یا نہیں؟ اور بعد میں پھر دوبارہ جمع کروں، نیز ان کی طرف سے اگر مراہ یا دلالت اجازت ہو تو کیا حکم ہے؟
مستفتی: اور تکذیب کو بائی

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں آپکی حیثیت دلال (کیشن ایجنٹ) کی ہے اور آپکے پاس لوگوں کا جمع شدہ مال مستقل آپکے ذمے قرض ہے جسکو اپنی ضروریات میں خرچ کرنا منع نہیں ہے اور اس بات کی مستقل اجازت لینے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے، دلالت اجازت ہوتی ہے وہی کافی ہے، البتہ کام نہ ہونے کی صورت میں پورا قرض واپس کرنا آپکی ذمہ داری ہے۔

لما فی المنہج ص ۱۵ (ج ۱۵ طبع دار المعرفۃ بیروت)

والسمسار اسم لمن يعمل للغير بالا جریعاً وشره و مقصوده من ايراد الحديث بهان جواز ذلك ولهذا بين في الباب طريق الجواز ثم ذكر ان النبي صلى الله عليه وسلم سماهم بما هو احسن ساكنوا يسمون به انتسبهم وهو اللقب بكرم رسول الله صلى الله عليه وسلم وحسن معاملته مع الناس وانما كان اسم التجار احسن.

ولما في الفقه الاسلامي: (۵/۳۲۶ طبع رشديه)

السمسرة هي الوساطة بين البائع والمشتري لاجراء البيع والسمسرة جائزة والاجر الذي يأخذه السمسار حلال، لانه اجر على عمل وجهه معقول.

والله اعلم بالصواب: ثار محمود

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۳۵۸

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

﴿دلال کے لئے کیشن کے علاوہ منافع رکھنا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ (۱) خالد بطور ایجنٹ احمد سے زیورات لیکر علی کو فروخت کرتا ہے اور جو قیمت احمد نے بتائی ہے اس سے زیادہ قیمت پر بیچ کر، زائد قیمت خود رکھ لیتا ہے، کیا خالد کے لیے وہ زائد رقم جائز ہے؟ اگر نہیں تو جواز کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

(۲) مذکورہ معاملے میں خالد کے ذمہ احمد اور علی کو زیورات کی قیمت خرید اور قیمت فروخت

بتانا ضروری ہے؟

(۳) اگر احمد خالہ کو صراحۃً یہ کہہ دے کہ مجھے ان زیورات کی اتنی رقم مطلوب ہے جو زائد رقم ملے وہ تمہاری، کیا ایسی صورت میں خالہ کے لئے وہ زائد رقم جائز ہو جائیگی؟ اگر درمیان میں زیورات ضائع ہو گئے تو کس کا مال ضائع ہوا؟

(۴) احمد سے خریدے ہوئے زیورات علی بیچ دے اور کچھ قیمت اسی وقت احمد کو دیدے اور بقیہ بذریعہ چیک بعد میں ادا کرنے کا خالہ وعدہ کرے اور احمد بھی اس پر راضی ہے تو اس طریقہ سے رقم کی ادائیگی جائز ہے؟

(۵) اسلامی لاکٹ کی خرید و فروخت اور انکو پہننا اسی طرح غیر اسلامی لاکٹ کی خرید و فروخت جائز ہے؟ بیوقوفو جروا۔ مستفتی: احسن بھان

﴿مجموعہ﴾ خالہ اپنے دونوں دوستوں کیلئے صرف کمیشن پر اگر کام کرتا ہے تو یہ سمسار اور دلالی کی صورت ہے طے شدہ کمیشن لینا جائز ہے لیکن سوال میں ذکر کردہ صورت میں خالہ کمیشن بھی لے رہا ہے اور دونوں پر معاملہ پوشیدہ رکھتے ہوئے اپنی طرف سے زیورات کی قیمت متعین کر کے فروخت کر رہا ہے گویا ایک لحاظ سے زیورات ذاتی ملکیت شمار کر کے زائد رقم لیتا ہے تو یہ ہرگز جائز نہیں ہے، خالہ کے دونوں دوستوں کو علم ہو اور وہ راضی ہوں تب بھی یہ صورت جائز نہیں ہے، معاملہ کو ختم کرنا واجب ہے اسلئے کہ اس معاملہ کا مدار دیانت پر ہے اور یہ صورت امانت و دیانت کے خلاف ہے۔

البتہ خالہ کو بعد میں علی یا احمد کمیشن کے علاوہ اضافی رقم بطور انعام دیں تو کوئی قباحت نہیں ہے، خالہ کو زیادہ منافع اگر چاہیے تو سونا احمد سے باقاعدہ خرید لیا کرے پھر جتنے میں چاہے ”علی“ کو یا کسی اور کو بیچ دیا کرے لیکن اس صورت میں ”احمد“ واپس لینے کا پابند نہ ہوگا اور ضائع ہونے کی صورت میں خالہ کا سونا ضائع ہوگا، کمیشن کی صورت میں احمد واپس لینے کا پابند ہے اور ضائع ہونے کی صورت میں احمد کا مال ضائع ہوگا بشرطیکہ خالہ کی طرف سے بد احتیاطی وغیرہ نہ ہو۔

نقصان سے بچنے کے لئے خالہ چاہے تو یہ تدبیر بھی اختیار کر سکتا ہے کہ کسی ایک جانب سودا کئے بغیر پہلے پوری طرح معلومات حاصل کر لے مثلاً علی کو بتا دیا کہ اس طرح کے زیورات اتنے میں آپ کو دے سکتا ہوں وہ لینے کو تیار ہے تو اب احمد کے ساتھ خود سودا کر لے اور علی کو وہ زیورات

دیدے یعنی پوری طرح معلومات حاصل کرنے سے پہلے حتیٰ طور پر کوئی قدم نہ اٹھائے۔

لما فی الشامی: (۲/۵۲۰، طبع سعید)

واما الدلال فان باع العین بنفسه باذن ربها فاجرتہ علی البائع وان سعى بينهما وبيع
المالك بنفسه يعتبر العرف (فاجرتہ علی البائع) وليس له اخذ شئ من المشتري لانه
هو العاقد حقيقة وظاهره انه لا يعتبر العرف هنا لانه لا وجه له (قوله يعتبر العرف) لتجب
الدلالة علی البائع او علی المشتري او عليهما بحسب العرف وفيها ايضا: (ج ۲ ص
۲۳) قال فی التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب اجر المثل ومتواضعوا عليه ان
في كل عشرة دنائير كذا فذاك حرام عليهم وفي الحارثي: سئل محمد بن سلمة عن اجرة
السمسار فقال ارجوانه لا باس به وان كان في الاصل فاسد الكثرة التعامل وكثير من
هذا غير جائز فجاوزوه لحاجة الناس اليه كدخول الحمام.

ولما فی شرح المجلة: (۲/۶۷۷، المادة: ۵۷۸، طبع رشديه)

لواعطى احد مال له للدلال وقال بعه بكذا درهم فان باعه الدلال بازيمن ذلك
فالماضل ايضا لصاحب المال وليس للدلال سوى الاجرة كى اجرة المثل
بالغة ما بلغت لولم يكن سعى له اجرة ولا تزيد على المسمى لو كان سعى
للساد الا جارة من كل وجه بقى ما لو قال للدلال بعه بعشرة درماز ادفعوا لك اجرة
الظاهر انه لا اجر له اصلا.

(۳) سونے چاندی کو روپے کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے بشرطیکہ مجلس میں ایک جانب سے
قبضہ پایا جائے، لہذا سودے کے وقت سونے پر خریدار اگر قبضہ کر لیتا ہے تو پیسوں کا ادھار رہتا
باہمی رضامندی سے جائز ہے، مذکورہ صورت میں ”علی“ خریدار کے پاس سے سونا جلدی کئے یا
تاخیر سے اور اس کا پیسہ ہاتھ میں آئے یا نہ آئے اسکے ساتھ اب احمد کے سودے کا کوئی تعلق نہیں رہا
لہذا جیسے ادا کرے شرعاً منع نہیں ہے۔

لما فی الشامی: (۵/۱۸۰، طبع سعید)

(تنبیه) سئل العاصم عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة فاجاب بانه يجوز اذا قبض
احد الطرفين لما في البزاية لو اشترى مائة فلس بدرهم يكتفى بالتبايض من احد الجانبين.

(۵) اللہ، محمد کے نام والے لاکھ کی تعظیم کا خیال نہیں رکھا جاتا، اسکے علاوہ اسماء گرامی کو
کندہ کرتے ہوئے تیز آگ سے گدازا جاتا ہے اور اللہ کے اسماء گرامی کو اسی طرح نبی ﷺ کے
اسم گرامی کو آگ میں ڈالنا خلاف ادب ہے، اس لئے ایسی چیزوں کا کاروبار کرنا، اسی طرح
استعمال کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن مناسب نہیں ہے۔

لسافی الشامی: (۱/۲۶۱، طبع سعید)

قلت لعلہ کان ربان فتبصر ربنتہ اسمہ لو اسم اللہ تعالیٰ لامتثال الانسان وطیر الخ (قوله
لو اسم اللہ تعالیٰ) فلو تبتش اسمہ تعالیٰ لو نبیہ ~~و~~ استحب ان يجعل النص فی کہ اخذخل الخلاء

ولسافی الدر مع الرد: (۱/۲۲۲، طبع سعید)

الکتب التي لا ينتفع بها يحمى عنها اسم الله وملائكته ورسله ويحرق الباقي.
وفي الشامية: المصحف اذا صار خلقا وتعذر للقراءة منه لا يحرق بالنار اليه اشار محمد وبه تاخذ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالسواب: نعمان اقبال عفا اللہ عنہ

توی نمبر: ۲۶۰۹

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

﴿سامان دلانے پر کمیشن لینا جائز ہے﴾

﴿سوال (۱)﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میری جیولری کی دکان ہے اور تمام مال میں نے
کریڈٹ پر اٹھایا ہے، اب میرے پڑوس میں میرے دوست نے دکان کھولی ہے، وہ سامان لینا
چاہتا ہے کیش پر تو جہاں سے میں نے سامان لیا ہے وہ کہتا ہے کہ کیش کی پارٹی لیکر آؤ میں دس
ہزار کے مال پر دو ہزار تم کو کمیشن دوں گا کیا میرا کمیشن لینا درست ہے یا نہیں؟

(۲) جب میرے پاس کوئی آتا ہے کہ میرے کو موبائل فون لینا ہے تو میں اسکو دکان دار کے
پاس مارکیٹ میں لیکر جاتا ہوں اور موبائل کا سودا کرتے ہیں (یعنی کمی زیادتی وغیرہ) جب
سودا مکمل ہو جاتا ہے پھر دوسرے دن دکان والا میرے کو دو سو روپے کمیشن دیتا ہے تو کیا میرا یہ لینا
درست ہے یا نہیں؟ جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔
مستفتی: محمد فہد لاغمی

﴿جواب (۲)﴾ مذکورہ دونوں صورتوں میں آپ کا کمیشن لینا درست ہے۔

لسافی الدر مع الرد: (۲/۵۶۰، طبع اہم سعید)

واما الدلال فان باع العين بقتسه باذن ربها فاجرتہ علی البائع وان سعی بينهما وباع
السالك بقتسه يعتبر العرف.

وفي الشامية: (قوله فاجرتہ علی البائع) وليس له اخذ شئ من المشتري لانه
هو العاقد حقيقة وظاهره انه لا يعتبر العرف هنا لانه لا وجه له (قوله يعتبر العرف) فلتجب
الدلالة علی البائع او علی المشتري او عليهما بحسب العرف.

ولسافی الشامی: (۱/۶۴، طبع پایچ اہم سعید)

قال فی التاتاخانة: وفي الدلال والسمسار يجب اجر المثل ومتواضعا عليه ان في كل

عشرۃ دنانیر کذا لک حرام علیہم ولی العاوی: سئل محمد بن سلمۃ عن اجرة المسسار فقال ارجوانہ لا باس بہ وان کان فی الاصل فاسد الکثرۃ التعامل وکثیر من هذا غیر جائز فجزوه لحاجة الناس الیہ کدخول الحمام.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

فتویٰ نمبر: ۲۷۳۵

۵ رجب ۱۴۳۱ھ

﴿پڑوسی سے گیس کی کنکشن لگانا جائز نہیں﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا ایک پڑوسی ہے اسکے گھر میں گیس نہیں ہے وہ کہتا ہے کہ آپ لوگ گیس کی کنکشن دو میں آپ کو اسکا معاوضہ ہر مہینہ دوں گا، یا مستقل طور پر کچھ مقرر رقم ہر مہینہ دوں گا یا جو بل کا خرچہ ہوتا ہے وہ نصف نصف کریں گے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ہم اسکو کنکشن دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس سے کتنا رقم ہم وصول کر سکتے ہیں۔

﴿جواب﴾ گیس کنکشن آپ لائن سے دیں گے گیس آپکی ذاتی نہیں ہے بلکہ لائن بھی آپکی اپنی نہیں ہے یہ تو محکمہ گیس کی طرف سے بطور اجارہ آپکو سہولت ملی ہے لہذا انکی اجازت ہوتو ٹھیک ہے ورنہ نہیں۔

(للمالی رد لمختار ج ۲/۲۰۰) کتاب الفصب سعید (ولا یجوز التصرف فی مال غیرہ بلا اذنتہ

للمالی المشکوۃ باب الفصب والمعاری: ص ۳۱۹)

قال رسول اللہ ﷺ: ألا لا تظلمون الا لا یحل مال امری الا بطیب نفس منه راوہ البیہقی فی شعب الایمان

(للمالی شرح المجالۃ: ص ۲۱۱ المادة: ۹۶) لا یجوز لاحد ان یتصرف فی ملک غیرہ بلا اذنتہ

واللہ اعلم بالصواب: مفتی اللہ عفرلہ والولدیہ

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۰۸۲

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

﴿ کتاب الودیعة والعاریة والغصب ﴾

﴿ امانت کی رقم بغرض حفاظت بڑے نوٹوں میں تبدیل کرنا ﴾

﴿ سوال ﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام درج ذیل مسائل کے بارے میں کہ (۱) دراہم ودنانیر یعنی نقد متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، کیا یہ قاعدہ تمام معاملات میں جاری ہوتا ہے یا بعض معاملات اس سے مستثنیٰ ہیں؟ (۲) اگر کوئی شخص بطور امانت رکھے ہوئے چھوٹے نوٹوں کو بغرض حفاظت بڑے نوٹوں میں تبدیل کرے تو کیا یہ امین کی طرف سے تعدی شمار ہوگی؟ اور اس صورت میں ہلاک ہو جانے کی وجہ سے امین پر ضمان آئیگا؟ (۳) دونوں صورتوں یعنی ضمان لازم آنے یا نہ آنے میں کیا یہ شخص گنہگار بھی ہوگا؟

سائل: فیاض احمد ایبٹ آبادی

﴿ جواب ﴾ (۱) مذکورہ بالا قاعدہ صرف عقود معاوضہ میں جاری ہوتا ہے، مثلاً، بیع و شراء، اجارہ، حبہ بشرط العوض، مہر نذر وغیرہ، لہذا ان عقود میں نقد متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتے اور امانات مثلاً شرکت، مضاربت، غصب، وکالت، ودیعت و تہرات مثلاً صدقہ، حبہ بلا عوض میں یہ قاعدہ جاری نہیں ہوتا، لہذا ان عقود میں نقد متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں۔

لما فی الہدایۃ: (۲/۱۹) مطبع رحمانیہ (الدراہم والدنانیر لا تتمینان فی العقود۔

ولما فی فتح القدر: (۶/۲۲۲) مطبع رشیدیہ

قوله لا تتمین فی العقود ای عقود البیاعات بخلاف ما سواها من الشرکۃ والودیعة والغصب۔

ولما فی الشامی: (۴/۲۹۸) مطبع امدادیہ ملتان

وفی الاشبہ بالنقد لا تتمین فی المعاوضات..... قال وتتعین فی الامانات والہبۃ..... الخ۔

(۲) اس شخص کے پاس یہ رقم بطور امانت ہے اور بڑے نوٹوں میں تبدیل کرنا بظاہر حفاظت کی غرض سے ہے مالک کی طرف سے بھی ایسے تصرف کی دلالت اجازت ہوتی ہے، لہذا ہلاک ہونے کی صورت میں اس پر کوئی ضمان نہیں آئیگا۔

لما فی المجملۃ الاحکام العللیۃ: (المادۃ ۷۷) مطبع رشیدیہ

فعل ما لا یرضی بہ المودع فی حق الودیعة تعد من اللاعل۔

ولما فی شرحہ لغوالد الاتامی: (۲/۲۲۲) مطبع رشیدیہ

المتعدی هو الذی یعمل بالودیعة ما لا یرضی بہ المودع۔

(۳) حفاظت کی غرض سے نوٹ تبدیل کئے ہوں تو اس پر کوئی مگناہ نہیں ہوگا۔

لسانی قولہ تعالیٰ: (سورۃ البقرہ، آیت ۲۶۰) واللہ یعلم المسدمن المصلح۔ الآية۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبید اللہ عابد غفرلہ والوالدیہ

۲۵ صفر المظفر ۱۳۳۰ھ

نومبری نمبر: ۱۹۳۸

﴿امانت کی رقم سے کوئی چیز خریدنا خیانت ہے رقم لوٹانا واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شریف کو ۳۰ لاکھ روپے کی ضرورت تھی۔ چاول خریدنا تھا۔ اس کے پاس پیسے نہیں تھے۔ کریم نے کہا چاول میں خرید لیتا ہوں اور آپ کو مرا سب کے طور پر دے دیتا ہوں۔ آپ دس ماہ بعد مجھے پیسے دیتا۔ دونوں کا اتفاق ہوا۔ کریم نے ایک تیسرے شخص کو ۳۰ لاکھ روپے دیے کہ اس سے چاول خرید کر قبضہ کر کے شریف کو اتنے میں دے دیتا۔ اتفاق سے وہ تیسرا شخص شریف کا بھی دوست تھا۔ اس نے شریف پر اعتماد کرتے ہوئے ۳۰ لاکھ روپے دے دیے کہ کل پرسوں ان شاء اللہ آؤں گا اور چاول خرید کر دوں گا۔ شریف مسائل سے واقف نہیں تھا۔ اس نے خود چاول کا سودا کر لیا یہ سوچ کر کہ مرا سب میں جو رقم ملے ہوئی تھی مثلاً ۵ لاکھ روپے بس اتنی رقم کریم کو دے دوں گا۔ ایسی صورت میں اس پانچ لاکھ کا کیا حکم ہے؟ جواز کی کوئی صورت بن سکتی ہے تو براہ کرم بتادیں۔

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں تیسرا شخص جس کو کریم نے چاول خرید کر شریف کو مرا سب کے طور پر دینے کے لئے ۳۰ لاکھ روپے دیے تھے۔ یہ تیسرا شخص کریم کا وکیل تھا اور ۳۰ لاکھ روپے اس کے پاس امانت تھے۔ اس تیسرے شخص کا ۳۰ لاکھ روپے شریف کے پاس امانت رکھنا صحیح نہیں تھا اس لئے کہ امین کو اصل مالک کی اجازت کے بغیر کسی اور کے پاس امانت رکھنا جائز نہیں ہوتا۔ اسی طرح شریف کے پاس بھی یہ رقم امانت تھی۔ اس میں تصرف کا حق اسے حاصل نہیں تھا۔ اب چونکہ اس نے اس رقم سے چاول خرید لیا ہے تو یہ امانت میں خیانت ہے۔ اس لئے شریف کو توبہ و استغفار کرنا چاہیے۔ شریف کے ذمہ لازم ہے کہ ۳۰ لاکھ روپے اصل مالک کریم کو بلا تاخیر لوٹائے۔ چاول کا سودا شریف نے خود ہی کر لیا ہے اس لئے وہی مالک ہے۔ کریم اپنی رقم کا مطالبہ شریف اور وکیل یعنی اس تیسرے شخص ہر دونوں سے کر سکتا ہے۔

باقی ۵ لاکھ روپے جو مراحمہ کے طور پر کریم نے شروع میں شریف کے ساتھ طے کیے تھے۔ سو یہ ۵ لاکھ روپے کریم کے لئے اب جائز نہیں ہیں۔ اس لئے کہ کریم اور شریف کے درمیان جو بات ہوئی تھی اس کی حیثیت وعدہ بیع کی ہے اور وعدہ بیع سے کوئی چیز لازم نہیں ہوتی۔

اب جواز کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ شریف چاول واپس کر کے ۳۰ لاکھ روپے کریم کو دے دے۔ پھر کریم چاول خرید کر شریف کو مراحمہ کے طور پر دے دے تو نفع لینا جائز ہوگا۔ اور اگر کریم شریف پر پہلے سے واضح کر دے کہ اب میرا ۵ لاکھ روپے کا کوئی حق نہیں بنتا۔ اس کے باوجود شریف اپنی خوشی سے ۵ لاکھ روپے یا کم و بیش دے دے اور کریم شریف کا احسان سمجھ کر لے لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے بلکہ شریف کو اس کا اجر بھی ملے گا۔

ولما فی شرح المجلة: (۴۰۴/۴، طبع المكتبة الرشيدية كوفته)

والوكيل امين فيما في يده كالمودع فيضمن بما يضمن به المودع ويبرأ به

ولما فی الهندية: (۳۳۸/۴، طبع المكتبة الرشيدية كوفته)

والوديعة لا تودع ولا تعار ولا تولجر ولا ترهن وان فعل شيئا منها ضمن كذا في البحر الرائق

ولما فی الفتح القدير: (۴۷۶/۸، طبع المكتبة الرشيدية كوفته)

وليس للمودع والوكيل الايداع والتوكيل

ولما فی المبسوط للمسرخسي: (۱۲۲/۱۱، طبع بيروت)

وليس للمودع حق التصرف والاسترباح في الوديعة

هكذا في العنابة: (۴۹۰/۸، طبع بيروت)

ولما فی المحيط البرهاني: (۶۲/۱۲، طبع ادارة القرآن)

ومودع المودع يضمن اذا استهلك عندهم جميعاً

ولما فی الهندية ايضاً: (۳۴۰/۴، طبع المكتبة الرشيدية كوفته)

ولو استهلك الثاني الوديعة ضمن بالاجماع ويكون صاحب الوديعة بالخيار ان شاء

ضمن الاول او الثاني فان ضمن الاول رجع بها على الثاني وان ضمن الثاني لا يرجع

على الاول كذا في السراج الرواج

ولما فی الهداية: (۱۹۴، طبع رحمانيه)

البيع ينعقد بالايجاب والتقبل اذا كانا بلفظي الماضي مثل ان يقول احدهما بعث

والآخر اشتريت لان البيع انشاء و تصرف والانشاء يعرف بالشرع والموضوع للاخبار

قد استعمل فيه فيعتقد به

ولسالی کثر الحقائق: (ص: ۲۴۸، طبع قدیمی)

باب الربوا وهو فضل مال بلا عوض فی معارضة مال بمال وعلقه القدر والجنس
فحرم الفضل والنساء بهما والنساء فقط باحدهما

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفی عنہ

واللہ اعلم بالصواب: نعیم اللہ شیخ غفرلہ ولوالدیہ

۹ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

نوی نمبر ۳۰۰۳

﴿امانت رکھی ہوئی چیز خراب ہو رہی ہو تو کیا کیا جائے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے میرے پاس پیاز کی پانچ بوریاں یہ کہہ کر بطور امانت رکھیں کہ میں چالیس دن کے لئے تبلیغ پر جا رہا ہوں واپس آ کر لے لوں گا، ابھی پیاز کے میرے پاس بیس دن ہونے کو ہیں کہ وہ خراب ہونا شروع ہو گئے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اگر میں اس آدمی کا انتظار کر کے چالیس دن تک پیاز اپنے پاس رکھوں تو مشکل سے آدمی بوری بھی سالم نہیں بچے گی جبکہ رکھنے والے کا کوئی پتہ نہیں چل رہا اور نہ اس سے رابطے کی کوئی صورت ہے، تو کیا میں یہ پیاز بیچ کر اس کے پیسے اس آدمی کیلئے بطور امانت رکھ سکتا ہوں؟

﴿جواب﴾ امانت رکھی ہوئی چیز از خود اگر خراب ہو جائے، تو امانتدار پر اس کا کوئی تاوان لازم نہیں ہے۔ لہذا پیاز خراب ہو جائے تو آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، تاہم زیادہ امانتداری اور خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ پیاز کے مالک کو نقصان سے بچایا جائے، جس کی ترتیب شریعت نے یہ بتائی ہے کہ امانتدار قاضی کو معاملہ کی خبر دے اور وہی اس چیز کو فروخت کرے اور قاضی کی مدد حاصل کرنا مشکل ہو تو محلہ کے علماء کرام یا دیگر چند دیانتدار معتبر لوگ ملکر اس چیز کو فروخت کریں اور مالک کیلئے بدل کو محفوظ رکھیں۔

لسالی الدر المختار (۵/۶۷۵، طبع سعید)

خيف على الوديعة الفساد رفع الامر للحاكم لبيعه ولو لم يرفع حتى يفسد لاضمان

ولسالی اللمنہدیہ (۲/۳۴۴، طبع رشیدیہ)

اذا كانت الوديعة شيئا يخاف عليه الفساد وصاحب الوديعة غائب فان رفع الامر الى

القاضي حتى يبيعه جازر هو الاولى وان لم يرفع حتى يفسد لا ضمان عليه.

ولسالی للؤلؤ الجیہ (۲/۶، طبع مکتبہ دار ولایۃ محلہ جنگی پشاور)

الوديعة اذا كانت شيئا من الصوف، والمردع غائب، يخيف عليه الفساد، ان دفع الى

القاضی حتی یدفعه جازوہم الاولیٰ لأن القاضی نصب ناظر المسلمین ولہی البیع
نظرہ وان لم یدفع حتی لمسدلا ضمان علیہ، لأنه حفظ الودیعة بحسب ما أمر بہ.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: صدیق النور

فتویٰ نمبر: ۳۳۵۲

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ

﴿محکمہ کی گاڑی کو ذاتی کام کیلئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ
میں ایک محکمہ میں ملازم ہوں اسی محکمہ کی طرف سے مجھے ایک گاڑی مل گئی ہے محکمہ کی کام سرانجام
دینے کیلئے لیکن بسا اوقات میں اس گاڑی کو اپنی ذاتی کاموں کیلئے استعمال کرتا ہوں اب
پوچھنا یہ ہے کہ میں اس گاڑی کو اپنی ذاتی کام کیلئے استعمال کر سکتا ہوں یا نہیں؟ از روئے
شریعت اس کا کیا حکم ہے۔
مستفتی: ارشاد دورگنی

﴿جواب﴾ محکمہ کی طرف سے گاڑی محض محکمہ کے کام انجام دینے کیلئے آچکا اگر ملتی ہے اور
آپ ذمہ دار افسر سے چھپ کر اپنی ضروریات کیلئے گاڑی استعمال کرتے ہیں تو اسکی گنجائش نہیں
ہے البتہ محکمہ کی طرف سے صراحۃً یا کم از کم دلالت اسکی اجازت ہو تو استعمال کر سکتے ہیں۔

لما فی الدر المختار: (۲۰۰/۱) طبع سعید

بجوز التصرف فی مال غیرہ بلا اذنه ولا ولا یقتہ الا فی مسائل مذکورہ فی الأشباه.

ولما فی شرح المجلة للمادة (۹۶) (۲۶۲/۱) طبع رشیدیہ

لا يجوز لأحد أن يتصرف فی مال الغير بلا اذنه

ولقوله تبارک وتعالى "ان الله يأمرکم أن تؤدوا الامنت الی اهلها" الآية سورة النساء: ۵۸.

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق منگوری

فتویٰ نمبر: ۳۰۲۰

۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

﴿عارضیہ موقت کا حکم﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری اپنی گاڑی ہے

کچھ دن پہلے ارشاد نے آکر کہا کہ میں نے آج پشاور جانا ہے۔ اپنی گاڑی دے، میں نے کہا کہ

گاڑی شام تک واپس پہنچانی ہے۔ ارشاد گاڑی لے گیا شام کے بجائے دو دن بعد گاڑی لے آیا

نیز واپسی میں آتے آتے کسی گاڑی سے لکرائی جس سے گاڑی کو کافی نقصان پہنچا اب پوچھنا یہ

ہے کہ میرے لئے ارشاد سے تاوان لینا جائز ہے؟

مستقی: اکرام اللہ کوہاٹی

﴿جواب﴾ ارشاد کو آپ نے صرف شام تک کیلئے گاڑی بطور عاریت دی تھی عاریت حکما امانت ہے یعنی اس دوران احتیاط کے باوجود گاڑی لگتی تو ارشاد کے ذمہ تاوان واجب نہ ہوتا لیکن شام تک گاڑی واپس نہ کرنے کی وجہ سے عاریت کا معاملہ باقی نہ رہا، اس کے بعد گاڑی کو قبضہ میں رکھنا غامبانہ قبضہ شمار ہوتا ہے، اس لئے ایسی صورت میں ارشاد کے ذمہ تاوان واجب ہے۔

لما فی الشامی: (۵/۷۹، طبع: سعید)

(قوله بالهلاك) هذا اذا كانت مطلقة فلو مقيدة كان يعبره يوما فلو لم ير دما بعد مضية ضمن اذا هلكت كما في شرح المجمع وهو المغتار كما في العاصدية قال في الشر نهلاية سواء استعملها بعد الوقت أو لا وذكرها صاحب المعيط وشيخ الاسلام: أنا يضمن اختلق بعد مضي الوقت لانه حينئذ يصير عاصبا ابو سعيد

ولما في بدائع الصنائع: (۶/۲۱۸، طبع: سعید)

حتى لو حبس العارية بعد انتضاء المدة أو بعد الطلب قبل انتضاء لمدة يضمن لانه واجب الرد في هاتين حالتين لقوله عليه السلام العارية مؤداة

ولما في مجمع الضمانات: (۱۰۳، طبع: دار الكتب)

لو كانت العارية مقيدة في الوقت لو في غيره نحو أن يعبره يوما فهذه عارية مطلقة الا في حق الوقت حتى لو لم يرها بعد مضي الوقت مع الامكان ضمن اذا هلكت سواء استعملها بعد الوقت ام لا.

واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید کوہاٹی

الجواب صحیح: عبدالرحمن حقا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۳۳۳

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿امانت میں تصرف کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ایک شخص نے دینی مدرسے کی حیلہ شدہ رقم حفاظت کی غرض سے کسی آدمی کے پاس رکھوائی، اُس آدمی نے اُن پیسوں سے کاروبار کیا یعنی انہیں استعمال کر لیا پھر کچھ عرصے کے بعد اس نے پوری رقم مدرسے کو واپس کر دی، کیا اس رقم کا استعمال مذکورہ شخص کے لئے جائز تھا؟ اب وہ اس پر بہت شرمندہ ہے کہ مدرسے کی رقم کو ذاتی استعمال میں لایا، اب اُن کے حق میں کیا حکم ہے، کفارہ یا کچھ اور؟

مستقی: ابو عمر

﴿جواب﴾ مذکورہ شخص نے چونکہ امانت میں ناحق تصرف کیا یعنی انہیں کاروبار میں لگایا جبکہ

دیتے ہوئے یہ قید لگائی ہو کہ فلاں لکڑی میں استعمال کریں اور فلاں میں نہیں اور اس نے اس کے قول کے خلاف دوسری سخت لکڑی میں استعمال کیا تو بھی ضامن ہوگا۔

زید نے کلبھاڑ استعمال کرنے کے لئے وقت کی تحدید کی ہو اور بکر نے ”کلبھاڑے“ کو وقت معین سے زیادہ اپنے پاس روک کر استعمال کیا ہو اور اس میں نقص آیا ہو تب بھی ضامن ہوگا۔

لمالی الهندية: (۲/۳۶۹ طبع رشیدیہ)

ولو استعمار من رجل سلاحاً ليقاتل به فضررب بالسيف فانقطع نصلين أو طعن بالرمح فانكسر فلا ضمان عليه وان ضرب به حجراً فهو ضامن كذا في المبسوط.

لمالی القنوبر مع الدرر: (۸/۴۷۹ طبع امدادیہ)

(وان قبده بوقت أو نوع أو بهما) ضمن بالخلاف الى شرفقط لا الى مثل أو خیر.

الجواب مجمع: عبدالرحمن عفا الله عنه واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی فیض آبادی

فتویٰ نمبر:

۱۳۳۷ھ

﴿مستعار چیز کے ہلاک ہونے کی صورت میں ضمان کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے متعلق کہ زید نے بکر سے شادی کے موقع پر پلیٹیں ڈونگے وغیرہ عاریت پر لئے، تقریب کے اختتام پر زید نے بتایا کہ کچھ پلیٹیں اور ڈونگے کم ہو گئے ہیں، پوچھا یہ ہے کہ کیا زید پر ان چیزوں کا تاوان آئے گا یا نہیں؟ جبکہ اس نے ہلاک نہیں کئے بلکہ خود ہلاک ہو گئے ہیں۔ مینو اور جروا۔ مستقی: شیر زمان خان

﴿جواب﴾ عاریت میں دی ہوئی چیز ”امانت“ کے حکم میں ہوتی ہے اگر مستعار کی ہلاکت میں ”مستعیر“ کے کسی عمل کا کوئی دخل نہ ہو اور اس کی حفاظت میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی بھی نہ کی ہو تو وہ ضامن نہ ہوگا بصورت دیگر اس پر ”شئی مستعار“ کا ضمان آئے گا۔

لمالی القنوبر مع الدرر: (۵/۱۷۹ طبع سعیدی)

(ولا تضمن بالهلاك من غير تعد)

ولی الشامية: (قوله بالهلاك) هذا اذا كانت مطلقة فلم يقيد: كان يعبره يوم ما للمولم بردها بعد مضيه ضمن اذا هلك كمالی شرح المجمع وهو المختار كمالی المعاديات. قال فی الشرع لایة بسوله استعمالها بعد الوقت أو لا وذكر صاحب المحيط وشيخ الاسلام: انما يضمن اذا انتفع بعد مضى الوقت لانه حينئذ يضرر غاصباً به السمر.

مذکورہ حکم اس وقت ہے جب ”مستعیر“ نے ”شئی مستعار“ کے لئے کسی وقت کی تحدید نہ کی ہو

لیکن جب اس نے وقت کی تحدید کر دی ہو مثلاً (تین دن کے لئے) اور ”مستعیر“ نے تحدید وقت کا لحاظ کئے بغیر ”مستعار“ کو وقت معینہ سے زیادہ اپنے پاس روکے رکھا تو ضامن آہٹا گا چاہے استعمال کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

۱۴۲۷ھ

فتویٰ نمبر:

﴿مرمت کرنے والے کے پاس دوسروں کا سامان امانت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ہماری کمپنی اجرت پر باہر کی کمپنیوں کا کام بھی کر کے دیتی ہے، ہمارے پاس ایک رولر مرمت ہونے کیلئے آیا جس کی اجرت تقریباً 20,000 (بیلخ بیس ہزار) ملے ہوئی جس وقت وہ رولر تیار ہو گیا، اس دوران وہ کمپنی دیوالیہ ہو گئی اور بند ہو گئی، کارخانے کا مالک بہت سارے لوگوں کا نادہندہ تھا، اس لئے ملک سے باہر بھاگ گیا، بینک سے بھی قرض لیا تھا، یہاں پاکستان میں سب سے پہلے حکومت اپنا قرض وصول کرتی ہے، دوسرے نمبر پر بینک وصول کرتا ہے، باقی تمام قرضخواہوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مذکورہ صورت میں چونکہ بینک کا بھی قرضہ تھا حکومت بھی بینک کا ساتھ دیتی ہے اس لئے بینک نے کمپنی پر قبضہ کر لیا اور نیلام کر دیا، نیلام کرنے کیلئے بینک اعلان کرتا ہے، خواہشمند حضرات کمپنی دیکھ کر قیمت لگاتے ہیں، کاغذوں میں موجود اثاثوں کی بنیاد پر کوئی سودا نہیں ہوتا یہاں پر بھی ایسا ہی ہوا۔

ہمارے پاس وہ رولر رہ گئے اور اس شخص کے ذمہ ہمارا بھی قرضہ رہ گیا، بینک والوں نے سب کو نظر انداز کرتے ہوئے کمپنی نیلام کر دی جس نے کمپنی خریدی اس کو کسی طرح پتا چلا کہ رولر ہمارے پاس ہے اس لئے اب وہ ہم سے رابطہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ رولر ہمیں دیدو، اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ یہ رولر اس کو یا بینک کو دیدیں؟ واضح رہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ بھاگا ہوا شخص کس کا نادہندہ ہے اور کتنا؟ اور نہ ہی یہ معلوم کر سکتے ہیں! مستقی: فیصل جنید، مظہر یعقوب

﴿جواب﴾ یہ رولر آپ کے پاس اصل مالک کی طرف سے امانت کے حکم میں ہے، اس کو یا

اس کے در ثامہ کو دینا ضروری ہے، کمپنی کے خریدار یا بینک کو نہیں دے سکتے۔

البتہ اگر مالک تک پہنچنا ممکن نہیں اور ورثاء تک بھی پہنچنا مشکل ہو تو ان کی ملاقات کی امید پر یہ رولر آپ اپنے پاس بطور امانت رکھ سکتے ہیں، اگر رولر کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو آپ اس کو بیچ کر اپنی اجرت کاٹ لیں اور بقیہ رقم اصل مالک کی طرف سے صدقہ کر دیں۔

لقولہ تعالیٰ: ﴿سورة النصار: آیت ۵۸﴾: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾

الجواب صحیح: عبدالرحمن مغانہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

فتویٰ نمبر:

۱۳۲۸ھ

﴿بچے کی عاریۃ دی ہوئی چیز کا استعمال﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر کسی شخص کو کوئی چیز عاریۃ لینے کی ضرورت پڑ جائے اور وہ اپنے پڑوسی کے گھر سے طلب کرتا ہے لیکن گھر پر کسی مرد یا عورت کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے اگر کوئی بچہ اس شخص کی مطلوبہ چیز لا کر عاریۃ دے دے تو کیا یہ شخص اس کو استعمال کر سکتا ہے یا کہ نہیں نیز یہ کہ عاریت پر لی گئی چیز سے کس حد تک نفع اٹھا سکتا ہے؟

﴿جواب﴾ نا سمجھ بچے کی عاریۃ دی ہوئی چیز اگر ایسی ہے کہ عرف میں عام طور پر ایسی چیز بلا روک ٹوک کے عاریۃ دی جاتی ہے تو ایسی صورت میں لینے والے کے لئے اس کا استعمال درست ہے لیکن اگر وہ زیادہ قیمتی ہو یا عام طور پر لوگ ایسی چیزیں عاریۃ دینے میں تامل سے کام لیتے ہوں تو ایسی صورت میں اس چیز کا استعمال مالک کی اجازت کے بغیر درست نہیں اور بچہ اگر سمجھدار ہے اور گھر والوں کی نظر میں با اعتماد ہے تو ایسا بچہ اگر چہ نابالغ ہے لیکن اس قسم کے تصرفات میں بڑے کے حکم میں ہے۔

لمالی بدائع الصنائع: (۲/۲۱۲، طبع سعید)

واما الشرائط التي يصير الركن بها اعادة شرعا فانواع منها العقل فلا تصح الاعارة من المجنون والصبي الذي لا يعقل واما البلوغ فليس بشرط عندنا حتى تصح الاعارة من الصبي المانون لانها من توابع التجارة وانه يملك التجارة فيملك ما هو من توابعها.

اگر عاریت پر دینے والے شخص نے عاریۃ دیتے ہوئے اس شیء کے استعمال کی شرائط مثلاً استعمال کا وقت، حد، جگہ یا نفع کی مقدار وغیرہ کا تذکرہ نہیں کیا تو ایسی صورت میں ہر اس طریقے سے اور اتنی مقدار میں نفع حاصل کر سکتا ہے جو کہ لوگوں میں رائج اور معروف ہو۔

لیکن اگر عاریت پر دینے والے نے استعمال کی مقدار، وقت، حد، جگہ وغیرہ کی شرائط لگا لی ہوں تو ایسی صورت میں ان شرائط کی رعایت ضروری ہوگی اور اس کے خلاف کر کے زیادہ نفع حاصل کرنا درست نہیں ہوگا۔

لحمی بدائع الصنائع: (۶/۲۱۵ طبع سعید)

عقد الاعارۃ اما ان كان مطلقا واما ان كان مقيدا فان كان مطلقا بان اعار له بته انسانا ولم يسم مكانا ولا زمانا ولا المالك ولا العمل فله ان يستعملها في اي مكان وزمان شاء، فلو كان له ان يستوفيها على الوجه الذي ملكها الا انه لا يعمل عليها ما يعلم ان مثلها لا يطبق بمثل هذا العمل..... لان المقدر ان خرج مخرج الاطلاق لكن المطلق يقتضي بالعرف والعادة دلالة كما يقتضي نصا..... اذا اعار انسانا دابة على ان يركبها المستعير بنفسه ليس له ان يعيرها من غيره لسا ذكرنا ان الاصل في المقيد اعتبار القيد فيه الا اذا تعذر اعتباره.

والله اعلم بالصواب: فيم اقبال عفا الله عنه

الجواب صحیح: محمد الرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۲۵۶۴

۸ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

﴿عاریۃ لی ہوئی چیز دوسروں کو دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میرا فلاں جگہ پر کام ہے اور آپ دو تین گھنٹوں کیلئے اپنی سائیکل استعمال کرنے کیلئے دیدیں، پوچھنا یہ ہے کہ جس نے سائیکل عاریت لی ہے وہ اس سائیکل کو کسی دوسرے شخص کو استعمال کرنے کیلئے دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس بارے میں اصل مالک سے اجازت لینا ضروری ہے یا بغیر اجازت بھی دے سکتا ہے؟

﴿جواب﴾ عاریۃ لی ہوئی چیز ایسی ہو کہ استعمال کرنے سے اس میں کچھ فرق اور تبدیلی آتی ہو تو اصل مالک کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو عاریت پر نہیں دی جاسکتی اور اگر استعمال کرنے سے اس میں کوئی فرق نہیں آتا تو پھر دوسرے کو عاریۃ دی جاسکتی ہے، لہذا صورت مسئلہ میں سائیکل چلانے والے چلانے میں مختلف ہوتے ہیں اور اس میں فرق اور تبدیلی آتی ہے تو اصل مالک کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو عاریۃ نہیں دی جاسکتی۔

لحمی التنویر مع الدر: (۵/۶۷۹ طبع ایچ ایم سعید)

(ولاتوجروا لآخر من)..... بخلاف العاریۃ علی المختار.

وفی الشامیۃ: (قولہ علی المختار) لمانہاتعارشباء قال محشیہا: اذا کان مالا یختلف بالاستعمال کالسکنی والحمل والزراۃ وان شرط ان ینتفع ہر بیتسہ، لان التہید بہا لا یختلف غیر مفید کما فی شروح المجمع..... والمستعیر للہس اور کوپ لہس لہ ان یعیر لمن یختلف استعمالہ والمستاجر لہس لہ ان یلجر لغيرہ مرکوباکان اولہو سالا ہاذن۔
الجواب صحیح: حمد الرحمن مفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: عقیل! حمد خانی عفی عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۵۷۶

۱۱ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ

﴿دہ غائب مالک امانت کے امانتدار تصرف کو لے نہ شی﴾

﴿سوال﴾ سرہ فرمائی مفتیان کرام دہ دے مسئلے پہ بارہ کے چہ یوسڑے دہ ڈیرے مودے
راے غائب دے، دہ ہفہ خزہ دہ خیل اولاد سرہ دہ خیل مورد پلار کورتہ تلے دہ، دہ یو وخت پورے
دہ ہفہ سڑی مور پہ دی کور کے اوسیدہ اوس ہفہ ہم نامعلوم مقام تہ تلے دہ اوسامان یے زمونگ پہ
کور کے دہ یوسور زودہ پارہ اینخو دلے دے، دی سامان زمونگ دہ کور یوہ کمرہ مستقلہ مصروفہ کڑی
دہ، دہ دی سامان دہ مالک یادہ ہفہ دہ رشتہ دار وچج درک نشہ، مونگ لہ دہ شریعت سرہ حکم دے؟
زکہ جی دے سامان سائل زمونگ دہ پارہ ڈیر گران دی۔ مستفتی: مولانا رحمت اللہ کورنگی نمبرا

﴿جواب﴾ دہ دے سامان حیثیت دہ امانت دے او امانتدار پہ امانت کے دہ خیل طرفہ مچج
قسم تصرف نہی کو لے لیکن کہ چہ تہ دہ امانت دہ مالک اودہ ہفہ دہ وارثا نو پہ بارہ کی سرہ معلومات نہ
دی اودہ دھنی امانت سائل سخت گران ہم دی نو پہ دی صورت کے دہ عدالت پہ اجازت دہفہ
سامان خرچو لے شی۔

کہ چہ تہ عدالت تہ تملو کی مشکلات دی نودہ دیندار و مسلمانا نو پہ حضور او اجازت سرہ دے
خرچ کڑی، اوروپے دی دہ جان سرہ امانت اوساتی، روپی صدقہ کو لے ہم شی لیکن کہ مالک یادہ ہفہ
وارثان میلاد شوا و ہفہ دہ پیسو مطالبہ او کڑہ، نو صدقہ کو کئی باندی بہ پیسے واپس کول لازمی دی، اودہ
صدقے ثواب بہ صدقہ کو کئی تہ ری۔

لسالی الشامی: (۶۷/۵، طبع سعید)

غاب رب الودیعۃ ولا یدری اھو حی ام میت یسکھا حتی یعلم موتہ ولا یتصدق بہا
بخلاف اللقطۃ وان اتفق علیہا بلا امر القاضی فھو متطوع یوسالہ القاضی البیتۃ علی
کونہا و دیعۃ عنده یو علی کون المالك غانبا فان ہرہن، فلو ما یؤجر و یتفق علیہا من

غلتها امره به اولا يامره بالاتفاق يومالويومين او ثلاثترجاء ان يعضرماللك لاكثر بل
يامره بالبيع وامساك اللسن بوان امره بالبيع ابتداء فلصاحبها الرجوع عليه به اذا حضر.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عبید اللہ عابد ویری

۲۳ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

فتویٰ نمبر: ۲۷۳۱

﴿مقصود بہ زمین کی پیداوار اور ہلاک ہونے کی صورت میں ضمان کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمرو کی زمین پر
بقضہ کر لیا تھا اور اس سے فائدہ حاصل کر رہا تھا، عمرو نے اس پر عدالت میں مقدمہ دائر کر لیا اور
مقدمہ چل رہا تھا کہ سیلاب کا حادثہ پیش آیا اور وہ زمین اس سیلاب میں بہ گئی اور ختم ہو گئی، پوچھنا
یہ ہے کہ زید نے زمین سے جو پیداوار زمانہ غصب میں حاصل کی ہیں، عمرو، زید سے اپنے حصہ
کے بقدر پیداوار کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور زید، عمرو کیلئے اس زمین کا ضامن ہو گا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ کسی کا مال غصب کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز اور حرام ہے، خصوصاً زمین
دبانے سے متعلق تو بڑی سخت وعید آئی ہے، اس دوران غاصب نے اس زمین سے جس قدر
پیداوار حاصل کی ہے علاقہ میں رائج دستور کے مطابق زمین والے کو مزارع جتنا حصہ دیتا ہے مٹا کر
پیداوار کا آدھا یا ایک تہائی وغیرہ اتنا غلہ ہر مرتبہ پیداوار کا زمین کے مالک کو دینا ضروری ہے۔
رہا یہ کہ زمین اب سیلاب میں بہ گئی سو اس میں غاصب کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، بالفرض
مالک کے بقضہ میں ہوتی تب بھی توبہ جاتی، اس لئے آسانی آفت سے ہونے والے نقصان کا
مطالبہ غاصب سے نہیں کیا جاسکتا۔

ولمافی الہندیۃ: (۵/۱۴۴، طبع رشیدیہ)

وسئل شیخ الاسلام عطاء بن حمزہ عن زرع أرض انسان ببذرتلّسه بغیراذن صاحب
الأرض هل لصاحب الأرض أن يطالبه بحصة الأرض قال نعم ان جرى العرف في
تلك القرية انهم يزرعون الأرض بثلث الخارج اربعة اونصفه او بشئ مقتدر شائع
يجب ذلك القدر الذي جرى به العرف. وكذا في تنقيح الحامدية: (۲/۱۷۲، طبع حقانیہ)

ولمافی التنوير مع الدر: (۶/۱۸۶، طبع سعید)

(والغصب) انما يتحقق (فيما يقتل فلو أخذ عقار او ملك في يده كباقة مساوية كغلبة سيل لم
يضمن خلافا للمعتمد بقوله قالت الثلاثة توبه يئتي في الوقف.

ولمافی البحر: (۸/۱۱۱، طبع سعید)

(فان غصب عقار او ملك في يده لم يضمنه) وهذا عند الامام وأبي يوسف وقال محمد

و زلزلو الشافعی بضمینہ و هو قول ابی یوسف أو لا ولی العینی ویفتی بقول محمد فی
عقار الوقف الی ان قال لو غصب عقار او ملک فی یدہ بأن غلب السیل علیہ فہلک
تحت الماء او غصب دار المہدمت بآفة سماویة او سیل فذهب بالہناء لم یضمن عند ابی
حنبلہ و ابی یوسف و قال محمد و الشافعی و زلزلو و هو قول ابی یوسف أو لا یضمن ولی
الغزازیة و الصحیح قول ابی حنبلہ و ابی یوسف.

واللہ اعلم بالصواب: محمد عمران چارسدہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۹۷۲

۵ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿غیر کی زمین میں کسی بھی قسم کا مالکانہ تصرف کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ (۱) اگر کوئی شخص دوسرے کی
زمین پر اس کی اجازت کے بغیر پھل دار درخت لگا دے تو کیا زمین والا پھلوں سے نفع حاصل
کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۲) نیز مشترکہ زمین میں اگر کوئی شریک دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر
پھلدار درخت یا باغ لگا دے تو کیا دوسرے شریک کو پھلوں سے نفع حاصل کرنے کی اجازت ہے؟

﴿جواب﴾ (۱) شریعت مطہرہ نے کسی دوسرے کی زمین پر اس کی اجازت کے بغیر مالکانہ
تصرف کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی ہے، غیر کی زمین میں مالک کی اجازت کے بغیر درخت یا
کاشت کرنا غصب ہے اگرچہ کھیت اور درخت کا مالک بیج کاشت کرنے والا ہے زمیندار مالک
نہیں ہے لیکن خود کاشت کرنے والے کیلئے بھی، اب درخت وغیرہ سے نفع حاصل کرنا اس وقت
تک جائز نہیں جب تک زمیندار کو ضمان ادا نہ کرے اور زمیندار کو زمین اس کاشت سے فوری طور
پر فارغ کرانے کا حق حاصل ہے۔

(۲) مشترکہ زمین میں اگر کوئی شریک اس قسم کا تصرف کر لے تو وہی اس کا مالک ہے، البتہ
تقسیم کے دوران اگر یہ حصہ جس پر باغ وغیرہ لگایا ہے کسی اور شریک کے حصہ میں چلا جائے تو وہ
شریک اس باغ وغیرہ کو اکھاڑنے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

لسالی للہندیہ: (۱۴۳/۵) مطبع رشیدیہ

غصب من آخرارضا للزرعھا و نہت فلصاحبھا ان یاخذ الارض و یا امر الغاصب بقلع
الزرع تفریغ الملک.

والسالیہ ایضاً: (۱۴۰/۵) مطبع رشیدیہ

و علی ہذا لو غصب نری فانہ لہ او قالہ لفرسہاروی عن ابی یوسف انہ قال فی القالہ لا

یحل له ان ینتفع بها حتی یردی الضمان الخ.

ولمالی تبیین الحقائق: (۱/۲۲۳، طبع سعید)

(و ملک بلا حل انتفاع قبل اداء الضمان الخ) لانه لولم یملکه بذلك للحقه ضرر وکان ظلما والظالم لا یظلم بل ینصف.

ولمالی التنبہ مع الدر: (۱/۲۱۸، طبع سعید)

(بنی احدهما) ای احد الشریکین (بغیر اذن الآخر) لمی عقار مشترک بینہما (فطلب شریکہ رفع بنائہ قسم) العقار (فان وقع) البناء، (فی نصیب البانی لہما) ونعمت (والاھدم) البناء، وحکم الغرس كذلك بزارية.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب لغمانی عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۳۹۳

۸ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

﴿مقصود بزمین کی پیداوار کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے دوسرے کی زمین غصب کر لی اور اس سے پانچ سال تک پیداوار حاصل کرتا رہا جس کا کچھ حصہ مساجد اور دیگر اچھے کاموں میں لگایا اور کچھ حصہ اپنے استعمال میں لاتا رہا، بعد میں اصل مالک نے وہ زمین لے لی تو کیا اصل مالک اس سے تمام خرچ شدہ رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ مستقی: فیض محمد

﴿جواب﴾ کسی کی زمین پر زبردستی قبضہ کرنا سخت گناہ ہے، احادیث میں اس پر بڑی وعید آئی ہے، ایسی زمین کی آمد کو کار خیر میں اور مساجد میں لگانے کا اجر و ثواب ضمان (تاوان) ادا کئے بغیر نہیں ملتا، پانچ سال تک اس زمین میں غاصب خود اگر کاشت کرتا رہا تو پوری پیداوار کا مالک زمین حقدار نہیں بنتا بلکہ اس علاقے میں رائج عرف کے مطابق مزارعت پر زمین دینے کی صورت میں مالک کا جو حصہ بنتا ہے اتنا دینا ضروری ہے، باقی غاصب کی ملکیت ہے یا زمین کرایہ پر دینا اگر رائج ہے تو جتنا کرایہ اس زمین کا بنتا ہے اتنی رقم لینے کا مالک حقدار ہے، البتہ کاشت اصل مالک کی اگر تھی مثلاً کھجور یا آم وغیرہ کی آمد اگر غاصب نے حاصل کی ہے تو تمام آمد کا ضمان (تاوان) وصول کرنے کا مالک کو حق حاصل ہے۔

لمالی الہندیہ: (۵/۱۴۴، طبع رشیدیہ)

وسئل شیخ الاسلام عطاء بن حمزہ عن زرع ارض انسان بغير نفعه بغیر اذن صاحب

الارض هل لمصاحب الارض ان يطالبه بحصة الارض قال نعم ان جرى العرف في تلك القرية انهم يزرعون الارض بثلاث الغاراج اور بعه او بصله او بشلنى مقدر شائع يجب ذلك القدر الذى جرى به العرف.

ولما فى الشامى (۱۹۱/۶) طبع ايج ايم سعيد

والحاصل انها ان كانت الارض ملكا فان اعداها بها للزراعة اعتبر العرف فى العصة. والا فان اعداها للاجار بالغاراج للزراع و عليه اجر المثل والافعليه المتقسان ان انتقصت.

والله اعلم بالصواب: احمد على عفى عنه

الجواب صح: عبد الرحمن عفا الله عنه

فتوى نمبر: ۲۶۲۹

۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

﴿ تبرع میں رجوع نہیں ہو سکتا ﴾

﴿مولیٰ﴾ جناب مفتی صاحب دامت برکاتہم جامعہ دارالعلوم کراچی کا فتویٰ پیش خدمت ہے اور ہمارے گھریلو مسائل سے بھی آپ اچھی طرح واقف ہیں، اسی تنازع کے سلسلے میں ہم دونوں بھائی رئیس احمد صاحب اور جناب وقار احمد صاحب جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور بھائی نے آپ کے سامنے بار بار کہا تھا کہ میں نے والد صاحب پر جو کچھ خرچ کیا ہے وہ میرا قرض نہیں ہے اسکا اجر میں اللہ تعالیٰ سے لوں گا، اور دارالعلوم سے انہوں نے جو سوال کیا ہے اس میں صراحت ہے کہ میں والد صاحب سے کہتا رہا کہ یہ رقم آپ کی ذاتی ہے اس لیے کہ میں آپ کا بیٹا ہوں، لیکن اب بھائی وقار احمد نے چند روز پہلے والد مرحوم کی جائیداد تقسیم کرتے ہوئے ۵ لاکھ روپے جو کہ علاج کے سلسلے میں انھوں نے والد پر خرچ کیے تھے وہ روک لیے ہیں۔ کچھ عرصے پہلے بھائیوں اور بہنوں نے علاج کے خرچے میں اپنے حصے سے رقم شامل کرنے کی حامی بھری تھی بعض نے کہا جتنی رقم میرے ذمے آتی ہے وہ دونگا جبکہ بعض نے کہا تھا کہ اپنی صوابدید پر دونگا لیکن ابھی تقسیم کے وقت والدہ، بھائی زبیر، شاہد اور دو تین بہنیں دینے کو تیار ہیں جبکہ دیگر بھائی اس رقم کو اپنے حصے سے دینے کو تیار نہیں ہیں۔ شریعت کی روشنی میں مسئلے کا حل بتلائیں؟

دارالعلوم کا فتویٰ بھی منسلک ہے براہ کرم تبرع کی وضاحت فرمائیں اس کا کیا مطلب ہے۔

﴿محولہ﴾ مذکورہ بیان کے مطابق آپ کے بھائی نے یہ اخراجات والد مرحوم کی خدمت اور تبرع کی نیت سے کیے ہیں جسکا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں دینگے، لہذا آپ کے بھائی کو مذکورہ اخراجات ترکہ میں سے لینا درست نہیں ہے۔ البتہ اگر تمام ورثاء عاقل بالغ ہیں اور

اپنی خوشی سے انکی خدمات کے اعتراف میں اور والد مرحوم کی خواہش کے مطابق اپنے اپنے حصے میں سے ادا کر دیں تب ان کے لیے لینا جائز ہے

تبرع احسان اور خیرات کرنے کو کہتے ہیں جس کا حکم یہ ہے کہ اس میں رجوع جائز نہیں ہے چونکہ تبرع سے مقصود ثواب حاصل کرنا ہوتا ہے جس کا بدلہ صرف اللہ تعالیٰ سے لینا مقصود ہوتا ہے لہذا آپ کے بھائی کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ ورثہ کی رضا مندی کے بغیر یہ رقم ترکہ میں سے وصول کرے۔

(لما فی التنبیہ والدرہ ۵/۶۰۹ طبع سعید)

والصنفۃ کالہبۃ بہجامع التبرع وحبینذ (لا تصح غیر مقبوضۃ ولا فی مشاع یتسم ولا رجوع فیہا) ولو علی غنی لان المقصود فیہا الثواب لا العوض

(لما فی البحر الرائق ۴/۲۵۲ طبع سعید)

ودین الصنفۃ وما لزمہ فی مرضہ بسبب معروف قدم علی ما أقر بہ فی مرض موتہ بولو ودیعة والسبب المعروف کالنکاح المشاہد بہر المثل والبیع المشاہد والاتلاف كذلك وغیرہا ما لیس من التبرعات

(لما فی الفقه الاسلامی ۱۰/۵۹۶ طبع سعید)

ورجع بما جہزہ بالمعروف علی ترکته حیث کانت، أو علی من یلزمہ کفہ ان لم یتبرک شینا، لانہ قام عنہ بواجب، بوزلک ان نوى الرجوع أو استاذن حاکما فی تجهیزہ فان نوى التبرع فلا رجوع لہ کما لا رجوع لہ ان لم ینو تبرعا ولا رجوعا

الجواب صحیح: عبد الرحمن غفرلہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق انکی غفرلہ

فتویٰ نمبر: ۳۲۳۱

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

﴿بغیر اجازت کے دوسرے کی زمین فروخت کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں لوگ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو میراث میں انکے ترکے سے محروم کرتے ہیں تو ایسے لوگوں سے اس قسم کی زمین یا جائیداد خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد طارق صوابی

﴿جواب﴾ بہنوں اور بیٹیوں کو انکے مقررہ حصوں سے محروم کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، بڑا ظلم ہے اور انکے حصوں پر انکی رضا مندی کے بغیر قبضہ کر کے فروخت کرنا مقصوبہ چیز کو فروخت کرنے کے حکم میں ہے، اصل وارث اجازت دے تو بیع نافذ ہوگی ورنہ باطل ہوگی۔

(لما فی التنبیہ مع الدرہ ۲/۳۰۰ طبع ایچ ایم سعید)

لوکل لمن شرکۃ الملک الجنی فی الامتناع عن تصرف مضر لى مال صاحبه لعدم تضمنہا لکلک

ولمالی المہدیہ (۲/۱۰۱ طبع رشیدیہ)

ولا يجوز لاحد من ان يتصرف في نصيب الاخر الا بامره وكل واحد منهما كالاجنبي في نصيب صاحبه.

ولمالي البحر: (۵/۱۶۷ طبع ايج ايم سعيد)

(وكل اجنبي في قسط صاحبه) اي وكل واحد من الشريكين ممنوع من التصرف في نصيب صاحبه لغیر الشریک الا باذنه لعدم تضمنها الوكالة.

واللہ اعلم بالصواب: احمد علی غنی عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۵۵۵

۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

﴿وصولی حق کی ایک صورت کا حکم﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے متعلق کہ زید ادھار پر کاروبار کرتا ہے یعنی اپنی دکان کی اشیاء ادھار پر فروخت کرتا ہے اور متعینہ مدت میں اگر مشتری ثمن ادا نہ کرے تو زید مشتری کی گائے، بکری وغیرہ پر قبضہ کر لیتا ہے حالانکہ انکی قیمت مطلوبہ ثمن سے زیادہ ہوتی ہے، کیا از روئے شرع اس طریقے سے اپنا حق وصول کرنا جائز ہے؟

﴿مولا﴾ واضح رہے کہ اگر مقرض تنگ دست ہو تو قرض خواہ کو چاہئے کہ اس کی آسودہ حالی تک اس کے ساتھ رعایت کا معاملہ کرے یعنی مقرض کو مزید مہلت دے تاکہ وہ آسانی اپنے قرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہو، احادیث مبارکہ میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے تنگ دست کو مہلت دی اور اس پر آسانی کا معاملہ کیا، اللہ اسکے ساتھ دنیا و آخرت میں آسانی کا معاملہ فرمائیں گے۔

لمالی المظہری: (۱/۲۱۲ طبع رشیدیہ)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ہسر علی معسر ہسر اللہ علیہ فی الدنیا والآخرۃ.

البتہ اگر مقرض حق کی ادائیگی میں تاخیر اور ٹال مٹول کر رہا ہو جیسا کہ عموماً ہمارے زمانے میں لوگ حقوق کی ادائیگی میں تساہل اور تاخیر سے کام لیتے ہیں، تو صاحب حق کو اختیار ہے کہ وہ اپنا حق بذریعہ عدالت حاصل کرنے کی کوشش کرے، قاضی کی ذمہ داری ہے کہ وہ صاحب حق کو اپنا حق دلوا دیں، لہذا مذکورہ بالا صورت میں زید کے لئے از خود مقرض کا مال یعنی گائے بکری

وغیرہ پر قبضہ کر کے ان کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

البتہ وصول یا بی حق کی کوئی صورت نہ بنتی ہو تو قاضی کو حق حاصل ہے کہ وہ مقروض کا مال فروخت کر کے حق دلوادے، ہاں قرض خواہ کے ہاتھ مقروض کے پیسے لگ جائیں تو اپنے حق کی بقدر لینے میں گنجائش ہے، اپنے حق سے زیادہ لینا ہرگز جائز نہیں۔

لما فی التنبیہ مع الدر (۱/۱۵۰، ۱۵۱ طبع ایچ ایم سعید)

(و القاضی یحبس الحر المذنب لیبیع ماله لدینہ وقضی درامہ دینہ من درامہ ... (۱) یبیع القاضی (عرضہ ولا عقارہ) للذین (خلافا لہما وہ) ای بقولہما بیعہما للذین (بفتی) وفی الشامیہ: (قولہ لیبیع ماله) ولا یکون ذلک اکراہا لانہ بحق کما مر انہ وظالم بالمنع (قولہ یعنی بلا امرہ) لان للذات ان یاخذ ببیدہ اذا ظفر بجنس حقہ بغیر رضا المذنب فکان للقاضی ان یعینہ زیلعی.

ولما فی البحر الرائق: (۸/۸۳ طبع ایچ ایم سعید)

ولان البیع واجب علیہ لایفاء دینہ فاذا امتنع ناب القاضی منابہ.

ولما فی الشامی: (۱/۵۰۱، طبع ایچ ایم سعید)

(قولہ وقیل اذا ایس النخ) وظاہرہ انہ من غیر جنس حقہ والا فلو من جنسہ فله اخذ قدر حقہ بلا کلام ولا وجہ لحکایۃ بقول.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب لغمانی عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۳۱۱

یکم صفر الخیر ۱۴۳۱ھ

﴿غصب کردہ چیز مالک کو واپس کرنا ضروری ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک شخص نے اپنے پڑوسی کی ایک چیز اٹھائی تھی اور کئی سال سے اپنے پاس رکھی ہوئی ہے، اب چونکہ پڑوسی کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ چیز واپس کر دے تاکہ ذمہ فارغ ہو تو انکے ورثاء کو واپس کرے یا انکی طرف سے صدقہ کر دے؟

﴿جواب﴾ مقصود بہ چیز اگر عینہ موجود ہے تو وہی چیز اصل مالک کو واپس کرنا ضروری ہے، اصل مالک چونکہ انتقال فرما گئے ہیں اور سوائے استغفار و توبہ کے اس گناہ کے ازالہ کی کوئی صورت نہیں ہے، تاہم ورثاء جو مرحوم کے نائب ہیں ان تک پہنچانا بھی اب شرعی حکم ہے، صدقہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، لہذا چیز ورثاء کو پہنچادیں اور ساتھ ساتھ توبہ کا اہتمام کریں اور

مرحوم کی روح کو خوش کرنے کیلئے ایصالِ ثواب بھی کریں تو امید ہے اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا۔

لصافی التنبیر مع المدر: (۱/۱۸۲، طبع سعید)

(و یجب رد عین المفسوب) ما لم یتغیر تغیرا فاحشا مجتبیٰ (فی مکان غصبہ کتقاوت
القیم باختلاف الاماکن) (و یدبر ابردا و لو بغیر علم السالک) فی البزازیة غصب درامہ انسان
من کیسہ ثم ردھا فیہ بلا علمہ برئ و کذا الوسلہ الیہ بجهة اخرى کہتہ اویدا ع او شراء للخ
ولصافی تکملۃ بالمحقار حاشیة قرۃ عیون الاخبار: (۸/۲۵۵، طبع سعید)

رجل تناول مال انسان فی حال حیاتیہ ثم رده الی ورثتہ بعد موتہ یدرأ عن الذین و یبقی
حق المیت فی مظلمتہ ایاہ ولا یرجى له الخروج عنها الا بالتوبة والاستغفار للمیت
والدعاء له، نور العین عن الخانیة.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمن ندیم سواتی

۱۰ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

فتویٰ نمبر: ۲۳۲۳

﴿غصب کے اقرار کے بعد انکار کا حکم﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ باری داد نامی
شخص کشمیر نامی شخص کے گودام میں کام کرتا تھا، باری داد کی تنخواہیں موخر ہوتے ہوتے ۱۲ ہزار
روپے کشمیر نامی شخص پر قرض بن گئیں، اتفاق سے کشمیر نامی شخص کے حسابات کا رجسٹر کم ہو گیا تو
اس نے باری داد کو اس کے غائب کرنے کا ملزم ٹھہرا دیا، باری داد نے کسی کے سامنے (لا ابالی پن
کا مظاہرہ کرتے ہوئے) رجسٹر کی موجودگی کا اقرار کر لیا جو کشمیر کو بھی پتہ چل گیا جس پر اس نے
باری داد کو کہلا بھیجا کہ جب تک آپ رجسٹر مجھے نہیں دو گے اس وقت تک تمہارے ۱۲ ہزار
روپے تمہیں نہیں دوں گا۔

واضح رہے کہ جامعہ دارالعلوم کراچی والوں نے باری داد کے پہلے (جھوٹے) اقرار کی بنیاد
پر باری داد کے ذمہ رجسٹر کی واپسی لازم ہونے کا فتویٰ ارشاد فرمایا تھا، تاہم باری داد کا کہنا ہے کہ
میں اپنے (پہلے) اقرار میں جھوٹا تھا اور حسابات کا رجسٹر میرے پاس بالکل موجود ہی نہیں ہے۔

براہ کرم مذکورہ مسئلہ کا جواب مرحمت فرمائیں، نیز یہ بھی بتائیں کہ کیا کشمیر نامی شخص کو یہ حق
حاصل ہے کہ وہ باری داد کی خطیر رقم کو رجسٹر باز یا ب نہ ہونے کے بل بوتے پر ہڑپ کر جائے؟

﴿مولا﴾ مذکورہ مسئلے میں اگر باری داد اپنے دعویٰ کو ”میں نے لا ابالی پن میں ملنا“

اقرار کیا تھا "دو گواہوں اور قرائن سے ثابت کر لے تو معتبر ہے اور اس کے اقرار کو جھوٹ سمجھا جائے گا اور اگر گواہ نہ پیش کر سکے تو ایسی صورت میں کشمیر پر قسم آتی ہے، کشمیر اگر قسم کھالے کہ باری داد اپنے اقرار میں سنجیدہ تھا نہ کہ مذاق کیا تھا تو اس کا حق ثابت ہو جائے گا اور باری داد پر حسابات رجسٹر واپس کرنا لازم ہو جائے گا چونکہ کاپی واپس کرنا ممکن نہیں ہے۔

لہذا یہ صورت اختیار کی جائے گی کہ دو صالح تجربہ کار آدمیوں کو حکم بنائیں جو اپنے صوابدید کے مطابق کاپی کا تاوان باری داد پر لازم کر دیں گے۔

لسمالی التنبیر مع الدر: (۶۰۳/۵-۶۰۴، طبع سعید)

(اقرتم ادعی) المقر (انہ کاذب فی الاقرار یحلف المقر له ان المقر لم یکن کاذباً فی اقراره)

ولسمالی شرح المجلة: (۲/۲۴۹، طبع رشیدیہ)

اذا ادعی احدکونہ کاذباً فی اقراره الذی وقع یحلف المقر له علی عدم کون المقر کاذباً مثلاً اذا اعطی احد سنداً لآخر محرراً فیہ انہ قد استقرضت کذا درہم من فلان ثم مال وان کنت اعطیت هذا السند لکننی ما اخذت المبلغ المذكور منہ یحلف المقر له علی عدم کون المقر کاذباً فی اقراره هذا.

ولسمالی الفتاوی التفتیح الحامدیہ: (۲/۴۷-۴۸، طبع حقانیہ)

سئل: فیما اذا ادعی زید علی عمرو بان لی بذمتک کذا من الدراہم قرضاً فقتل عمرو انک ابرأتنی من القرض الذہور فادعی زید بان الابرأ المزبور صدر بیہنما علی سبیل التلجئة وفسرها و اقام بیئۃ علیہا فهل تقبل بیئۃ.

الجواب: نعم اذا ادعی ان ما صدر بیہنما ما ذکر کان بطریق التلجئة والمواضعة وفسرها و اقام بیئۃ علی طبق مدعاء تقبل بیئۃ بطریقہا الشرعی ثم کسلاً لا یجوز بیع التلجئة لا یجوز الاقرار بالتلجئة بان یقول لاخرانی اقر لک فی العلانیہ کمال وتواضعا علی فساد الاقرار لا یصح اقراره حتی لا یسلک المقر له من البدائع وان ادعی احدهما ان هذا الاقرار هزل والتلجئة وادعی الاخرانہ جدد القول لمدعی الجدد علی الاخر البیئۃ من الثامن من بیوع القنار خانہ ومثله فی فتاوی عطاء اللہ الہندی من الکفالة واحاله الی البدائع ایضاً قال فی البزاریۃ قال لی علیک کذا فقال صدقت بلزمہ اذالم یقلہ علی رجہ الاستہزاء والقول لمنکر الاستہزاء بیئۃ والظاهر انہ علی نقی العلم لانہ علی فعل المغیر من حاشیۃ البحر للمغیر الرملی من باب دعوی الرجلین.

واللہ اعلم: محمد شریف حسین

الجواب صحیح: محمد الرحمن عفا اللہ عنہ

تونی نمبر:

۱۳۲۷ھ

﴿کتاب الہیۃ والرشوۃ﴾

﴿نابالغہ کے ہبہ کا حکم﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ایک آدمی کا انتقال ہو گیا، اس کی ایک اکلوتی لڑکی تھی، اس آدمی کے انتقال کے بعد اس لڑکی کے چچا زاد بھائی اس کو اپنے گھر لیجا کر پرورش کرنے لگے اور اس کی تمام جائیداد پر قابض ہو گیا اس وقت لڑکی کی عمر کم و بیش سات آٹھ سال تھی، اس دوران اس آدمی نے کچھ لوگوں کو بلا کر کہا کہ اس لڑکی نے اپنی تمام جائیداد میرے لئے ہبہ کی ہے اور لڑکی نے بھی اقرار کر لیا اور وہ لوگ اس پر گواہ بن گئے بعد میں جب لڑکی بڑی ہوئی اور اس کی شادی ہو گئی تو اس نے ہبہ سے رجوع کر لیا اور کہا کہ مجھ سے زبردستی ہبہ کروایا تھا میں نے خوف کے مارے ہبہ کیا تھا ورنہ مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دی جاتی تھی، لہذا اب میری تمام جائیداد مجھے واپس کر دی جائے۔

اب مسئلہ یہ ہے چونکہ لڑکی نے بالغ ہونے سے پہلے ہبہ کیا تھا اور بقول اس کے کہ زبردستی ہبہ کروایا تھا تو اس صورت میں اس کے چچا زاد بھائی کے لئے اس لڑکی کا مال استعمال میں لانا جائز تھا یا نہیں اور اب لڑکی کا ہبہ سے رجوع کرنا درست ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ لڑکی کا مال دستاویز اس کی پرورش کے خرچے سے کئی گنا بڑھ کر ہے؟ بینوا تو جروا۔

﴿مولا﴾ ہبہ کے درست ہونے کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، صورت مذکورہ میں چونکہ لڑکی نے بالغ ہونے سے پہلے ہبہ کیا تھا اور بقول اس کے اس سے زبردستی ہبہ کروایا گیا تھا، اس لئے ہبہ درست نہ ہوا۔ لہذا اس کے چچا زاد بھائی کو اس کی جائیداد پر قابض ہونے کا کوئی حق نہیں ہے اور یہ جائیداد اس کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے اگر لڑکی چاہے تو عدالت کے ذریعے یا علاقائی جرگہ کے ذریعے اپنی جائیداد واپس لے سکتی ہے۔

لما فی التلویع للدر: (۸/۳۸۹، طبع امدادیہ)

(وشرائط صحتها فی الواهب: العقل والبلوغ والملك) خلاصہ حبة صغیر و رقیق ولو مکتوبا.

ولما فی الہندیۃ: ۴/۳۷۴ طبع رشیدیہ

وأمّا مرجع الی الواهب فہو ان یکون الواهب من اهل الہیۃ وکونہ من اہلہا ان یکون حراً عاقلاً بالغاً مالکاً.

ولسالی شرح المجلة: (۲/۴۶، طبع رشیدیہ)

يلزم في الهبة رضا الواهب للاتصاح الهبة التي وقعت بالجبر والاکراه.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم: صلاح الدین چڑالی

۲۹ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

فتویٰ نمبر: ۴۹۳

﴿زندگی میں جائیداد تقسیم کرنا ہے یا میراث؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے زندگی میں اپنی جائیداد بیٹوں کے درمیان بطور میراث ایسے تقسیم کر دی کہ ہر بیٹے کا نام کاغذات میں لکھ دیا گیا، ایک بیٹے بکر کے حصہ میں وہ مکان آیا جس میں زید خود اسکے ساتھ رہائش پذیر تھا، زید نے بوقت تقسیم یہ بھی کہا تھا کہ بعد میں کسی کو دوسرے پر کسی قسم کے مطالبہ کا حق نہیں ہوگا۔ پوچھنا یہ ہے کہ یہ تقسیم شرعاً کیسی ہے؟ اگر حصہ ہے تو بکر کا حصہ تام ہوا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں زید کا اپنی جائیداد زندگی میں بیٹوں کے درمیان تقسیم کر کے ان کے حوالے کر دینا حصہ ہے، میراث نہیں، کیونکہ میراث وہ مال ہے جو کسی کی وفات کے بعد ورثاء کی طرف منتقل ہوتا ہے، بکر کے علاوہ زید کے تمام بیٹے اپنے اپنے حصہ کے مالک بن گئے، زید نے بکر کو جو گھر دیا ہے چونکہ وہ خود اسمیں رہائش پذیر تھا، اس لئے اس گھر میں حصہ تام نہیں ہوا، حصہ تام ہونے کے لئے ضروری تھا کہ حصہ کرنے والا یعنی والد اس مکان سے اپنا تسلط و قبضہ مکمل ختم کرتے اور بکر کے حوالے کرتے تو حصہ تام ہو جاتا اور بکر کی ملکیت ثابت ہو جاتی، لیکن اس طرح نہ کرنے کی وجہ سے صرف کاغذوں میں نام کرانے سے بکر کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اب اگر زید کا انتقال ہو گیا ہے تو یہ مکان مال وراثت ہے، بکر کے علاوہ دیگر ورثاء اپنے حق کا مطالبہ اگر کریں تو کر سکتے ہیں، بقدر حصہ ان کو دینا ضروری ہے۔

اور اگر حیات ہے تو اس گھر سے اپنا سامان باہر نکال کر مکان بکر کے حوالے کرے اور اس کے بعد اگر چاہے تو بطور عاریت اس کے ساتھ رہائش اختیار کرے تو بکر کے حصہ میں حصہ تام ہو جائے گا۔

لسالی الشامی: (۸/۴۹۳، کتاب الہبۃ طبع امدادیہ)

واعلم أن الضابط في هذا المقام أن الموهوب إذا اتصل بملك الواهب اتصال خلقة وأمكن فصله لا تجوز هبته مالم يوجد الاتصال والتسليم... ولو هب داراً دون ما

فیہا من متاعہ لم یجزوا ن وھب ما فیہا و سلمہ دونہا جاز کذا فی السعیط شرح مجمع
ولمافی الہندیۃ: (۴/۳۸۰، طبع رشیدیہ کوئٹہ)

ولہ وھب دارأفیہا متاع الرأھب و سلم الدار الیہ مع المتاع لم تصح، والحبلة فیہ ان
یردع المتاع أولا عند المروھب لہ ویخلی بیئہ و بیئہ و سلم الدار فتصح الہیۃ فیہا
و بعکسہ لہ وھب المتاع دون الدار و خلی بیئہ و بیئہ صح وان وھب لہ الدار و المتاع
جمیعاً و خلی بیئہ و بیئہما صح فیہما جمیعاً صح فیہما جمیعاً.

ولمافی الفتاویٰ الولوالجیۃ: (۳/۱۲۶، طبع فاروقیہ پشاور)

ولہ وھب لرجل دارأفیہا متاع الرأھب دفعہا الی المروھب لہ فالہیۃ غدیۃ تامۃ، لأن تمام
الہیۃ بتمام القبض.

ولمافی دررالحکام: (۲۰۱/۲، مرقن الہیۃ، طبع ماجدیہ کوئٹہ)

ألتخلیۃ: ہی عبارة عن أن یجعل الرأھب المال المروھب بحالۃ یتستطیع معہا المروھب
لہ أخذہ وان یلزمہ بتقبضہ.

ولمافی الفقہ الاسلامی وأدلتہ: (۵/۳۹۹-۳۹۹، شروط الہیۃ، طبع رشیدیہ)

وکذا لو وھب دارأفیہا متاع الرأھب أو ظرفأفیہ متاع للمروھب دون المتاع وقبض
المروھب فأنہ لا تجوز الہیۃ ولا یزول الملک عن الرأھب الی المروھب لہ، لأن
المروھب مشغول بغيرہ فیکون بمنزلۃ ھبۃ الشاع وتكون الہیۃ حینئذ فاسدۃ، فلہ
میز المروھب عن غیرہ و سلمہ وحده جازت الہیۃ.

والخلاصۃ: أن ھبۃ المشغول لا تصح بخلاف الشاغل وعبۃ المتصل بغير الہیۃ اتصال
خلق مع امکان الفصل لا تجوز.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۱۲ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ

فتویٰ نمبر: ۲۸۴۹

﴿والد جو مال اپنی زندگی میں بیٹوں کو دے وہ ہبہ ہے اسمیں وراثت جاری نہیں ہوگی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم تیرہ بھائی ہیں ہمارے

والد مرحوم کا ایک ہی بھائی تھا ایک سال پہلے دونوں وفات پا چکے ہیں چچا مرحوم کا اہل و عیال کچھ

بھی نہیں تھا یعنی بیوی بچے نہیں تھے والد اور چچا کی وفات سے تقریباً سات آٹھ سال قبل ہمارے

دو بڑے بھائیوں (سید عبدالکریم اور سید عبداللہ) نے یکے بعد دیگرے علیحدہ ہونے کا مطالبہ

کیا والد اور چچا کے مال و جائیداد میں اپنے حصے کا مطالبہ کرنے لگے چچا مرحوم نہیں دینا چاہتے

تھے لیکن وہ بعد ہو گئے بالآخر والد اور چچا نے بھائیوں کو بٹھا کر تمام جائیدادوں کی قیمتوں کا تعین کر کے قول و اقرار کرنے اور اشام پیپر پر دستخط کرنے کے بعد دونوں بھائیوں کو ان کے مطلوبہ حصے الگ الگ کر کے دے دیئے اس کے بعد والد اور چچا نے باقی ماندہ مال و جائیداد ہم گیارہ بھائیوں کے قبضے میں دیدیا اور خود مکمل طور پر دستبردار ہو گئے اور پھر کئی موقعوں پر اسکی صراحت بھی کی کہ سید عبدالکریم اور سید عبداللہ کو ہم نے مال میں سے انکا حصہ دیدیا ہے موجودہ مال و جائیداد آپ گیارہ بھائیوں کیلئے ہے، لیکن ہم گیارہ بھائیوں میں سے ہر ایک کو الگ الگ حصہ نہیں دیا گیا۔ جسطرح کہ پہلے دو بھائیوں کو دیا گیا تھا، ہم نے بھی تقسیم نہیں کیا بلکہ مشترک رکھا اسلئے کہ ہم گیارہ بھائی ہیں اور جائیدادیں تین ہیں اگر ہم اسکو فروخت کرتے اور گیارہ حصوں میں تقسیم کرتے تو اس سے ہم معاشی طر پر بہت کمزور ہو سکتے تھے کیونکہ جائیدادیں تین ہیں اگر ان کے گیارہ حصے کریں تو ان کی افادیت ہی ختم ہو جائیگی اس لئے ہم نے باہمی رضامندی سے مشترک رکھا جس پر ہم سب خوش ہیں لیکن اب ہمارے سب سے بڑے بھائی سید عبدالکریم نے دعویٰ کیا کہ والد اور چچا میراثین کے بعد ان کی جائیداد میراث ہے اور اس میں میرا حصہ ہے وہ مجھے دے دو، اب پوچھنا یہ ہے کہ ہمارے بھائی صاحب کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں؟ اسی طرح ہماری چار بہنیں اور والدہ صاحبہ ہیں جن کو ہم حصہ دیں گے لیکن والد اور چچا نے ان کیلئے کسی حصے کا تذکرہ نہیں کیا تو کس طرح دیں؟ برائے کرم وضاحت فرما کر اس مشکل کو حل فرمائیں۔

﴿مجموعہ﴾ والد جب تک حیات ہوں اپنی ملوکہ جائیداد اور دیگر اشیاء کا خود ہی مالک اور مختار ہوتے ہیں کوئی اولاد اگر سمجھتی ہے کہ والد کے مرنے کے بعد چونکہ ہم اس جائیداد وغیرہ کے مالک ہوں گے اس لئے ابھی سے ہم والد کے مال و جائیداد میں اپنا حق رکھتے ہیں تو یہ انتہائی غلط سوچ ہے البتہ والد صاحب خود ہی اپنی حیات میں جائیداد وغیرہ تقسیم کرنا چاہیں تاکہ ان کے انتقال کے بعد اولاد میں جھگڑے فساد نہ ہو تو اس کا انہیں اختیار حاصل ہے لیکن یاد رہے کہ یہ تقسیم میراث نہیں بلکہ باپ کی طرف سے اولاد کیلئے ہے (گفٹ) ہے۔ چنانچہ میراث کی ترتیب سے تقسیم کرنا کوئی ضروری نہیں ہے بہتر ہے کہ سب کو برابر دیں لڑکی کو بھی لڑکے کے جتنا دینا چاہیے۔ ہاں کسی خاص وجہ سے کسی کو کم یا زیادہ دینا چاہے تو اس کا بھی انہیں اختیار حاصل ہے

بشرطیکہ دوسروں کی دل آزاری مقصود نہ ہو اور کسی کو بالکل محروم نہ کیا جائے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ جس کو دینا چاہے اس کو باقاعدہ مالک و قابض بنانا ضروری ہے اور اپنا قبضہ و تصرف مکمل ختم کرنا لازم ہے اگر اپنا تصرف ختم نہیں کیا تو ہبہ تام نہ ہوگا اور جس کو دیا ہے وہ مالک نہیں بنے گا بعد میں دیگر ورثاء کو اس میں مطالبہ کا حق رہیگا۔

لصافی شرح المجلة: (۲۶۰/۱، مطبع ترشیدیہ)

قال العلامة محمد خالد الاتاسی تحت المادة ۱۰۵ لا مرب بالتصرف فی ملک الغير باطل
الملك ما يملكه الانسان سواء كان اعيانا او منافع اثبت الشرع لصاحبه فقد قدرة على
التصرف به.

ولصافی التلخیص مع الدر: (۲۸۹، ۲۸۸، ۲۸۷، ۲۸۶/۵، مطبع سعید کراچی)

الہبہ (ہی) لفتا التخصیل علی الغیر ولو غیر مال و شرعا (تملیک العین مجانا) ای
بلا عوض (و سببها الرادة الخیر للواهب)

و شرائط صحتها فی الواهب العقل والبلوغ والملك وفي الموهوب ان يكون
مقبوضا غير مشاع مميزا غير مشغول و ركنها هو الايجاب والقبول وحكمها ثبوت
الملك للموهوب له غير لازم وانها لا تبطل بالشرط الناسد ولو على وجه المزاح
وتتم بالقبض الكامل في محو (ملغ) مقسوم و مشاع لا يتسم فان قسمه وسلمه صح
ولصافی الشامی: (۷۵۸/۶، مطبع سعید کراچی)

و شروطه (ای الارث) ثلاث موت مورثه حقيقة او حكما كسقوط او تقدير اكجنين فيه
غرة و وجود وارثه عند موته حيا حقيقة او تقدير اكالحمل والعلم بجهة ارثه.

ولصافی البحر: (۳۸۸/۸، مطبع سعید کراچی)

واما بيان الوقت الذي يجرى فيه الارث فنقول هذا فصل اختلف فيه المشايخ قال
مشايخ العراق: الارث يثبت لمي آخر جزءه من اجراء حياة المورث، وقال مشايخ بلخ:
الارث يثبت بعد موت المورث.

وهكذا في المحيط البرهاني: (۲۸۲/۲۳، مطبع: ادارة القرآن)

ہبہ میں چونکہ رضامندی شرط ہے اس لئے کسی کی زبردستی کرنے سے یا دھمکانے سے اگر والد
نے دید یا یا علاقائی تاثر سے والد کو بھی غلط فہمی تھی کہ میرے مال و جائیداد میں اولاد کا حصہ ہے اس
سوچ کی بنیاد پر اگرچہ باقاعدہ قبضہ بھی دید یا ہو پھر بھی مالک نہیں بنے گا دوبارہ یہ مال میراث میں
شامل ہوگا۔ لہذا آپ کے والد اور چچا نے اگر خوشی اور رضامندی سے سید عبدالکریم اور سید عبداللہ
کو مال میں سے کچھ دید یا ہے اور قبضہ بھی کرایا ہے تو وہ مالک ہو گئے ہیں اور اگر ان کی زبردستی

اور برادری والوں کے دباؤ میں آکر بادل نخواستہ دیا ہے تو بہہ صحیح نہیں ہوا وہ مال واپس میراث ہوگا۔

ولمافی شرح المجلة: (۳/۲۶۳، طبع: رشیدیہ)

يلزم فی الہیترضا الواجب فلا تصح الہیۃ التی وقعت بالجبر والاکراه ولم یفتاویٰ علی آفندی معزیا للظہیریۃ الاکراه بالہیۃ اکراه بالتسلیم حتی لو وحب مکرها وسلم طانعا لم یجز.

اسی طرح آپ دیگر بھائیوں کو جو مال و جائیداد دیا ہے اگر غلط فہمی کی بنیاد پر دیا ہے یا باقاعدہ قابض نہیں بنایا ہے تو بہہ صحیح نہیں ہوا ہے دوبارہ تقسیم ہوگا اور تمام ورثاء کو حق ملے گا اور اگر رضا مندی سے دیا ہے اور باقاعدہ مالک و قابض بنایا تھا اور اپنا تصرف مکمل ختم کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ جس مکان میں رہائش تھی اس سے بھی اپنا ذاتی سامان وغیرہ نکال کر اور خود بھی نکلے تھے اور آپ لوگوں کو حوالہ کر دیا ہو تو بہہ تام ہو گیا ہے اگرچہ بعد میں پھر اسی مکان میں آپ لوگوں کے ساتھ رہائش اختیار کی ہو لیکن ایک بار اپنا تصرف ختم کرنا بہہ کے تام ہونے کیلئے شرط ہے اس تفصیل سے سید عبدالکریم اور سید عبداللہ کے مطالبے کا حکم معلوم ہو جاتا ہے۔

ولمافی شرح المجلة: (۳/۲۶۸، ۲۶۹، طبع: رشیدیہ)

واما ما لا یقبلها (ای القسۃ) بان کان لا ینتفع بہ بعد القسۃ انتفاعا من جنس الانتفاع الذی کان قبل القسۃ کبیت صغیر او حمام فتصح ہبتہ وتتم بقبضہ شانعا بان یقبض الكل لان قبض كل شیء بحسبہ وهذا لا یكون قبضہ الا کذا لک لاکتفی بذا لک وتست بہ الہیۃ.

ولمافی الدر: (۵/۲۹۰، ۲۹۱، طبع: سعید کراچی)

والاصل ان الموهوب ان مشغولا بملک الواجب منع تمامها وان شاغلا لا، فلروہب جرابا فیہ طعاما الواجب اودار افیہا متاعہ اودابة علیہا سرحہ ولسہا کذا لک لاتصح وبعکسہ تصح فی الطعام والمتاع والسرح فقط.

ایک بات یہ بھی بتانے کی ہے کہ آپ کے والد نے اپنی لڑکیوں اور بیوی کا حصہ اگر نہیں کیا ہے تو ان کی بڑی غلطی ہے آپ تمام بھائی اپنے حصے سے آدھے کے تناسب سے بہنوں کو اور کل مال سے آٹھویں کے تناسب سے والدہ صاحبہ کو بھی دیدیں امید ہے اس سے آپ کے والد مرحوم کیلئے آسانی ہو جائیگی اور والدہ اور بہنوں کو اپنا اپنا حق مل جائیگا۔

ولمافی مشکوٰۃ المصابیح: (۲۶۶، طبع: سعید کراچی)

عن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیمۃ رواہ ابن ماجہ.

ولمافی البدائع: (۸/۱۱۳ تا ۱۱۵، طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت)

وذكر محمد فی "الموطأ" یخفی للرجل ان یسوی بین ولده فی النعلی ولا یفضل

بعضہم بعضا و ظاہر ہذا یقتضی ان یکون قولہ مع قول ابی یوسف وهو الصبیح لما روی ان بشیرا بالنعمان اتی بالنعمان الی رسول اللہ ﷺ فقال: انی نعلت ابنی هذا غلاما کان لی فقال له رسول اللہ ﷺ اکل ولدك نعلته مثل هذا؟ فقال: لا، فقال النبی ﷺ: "فارجعه" وهذا إشارة الی العدل بین الاولاد فی النحلة وهو التسوية بینہم ولان فی التسوية تالیف القلوب والتفضیل بورث الرحمة بینہم فكانت التسوية اولی۔
ولسافی الہندیہ: (۲/۳۹۱، طبع بر شہیدہ کونلہ)

سوی بینہم (لی الاولاد یکمطی الاہتمل ما یطی للابن وعلیہ الفتوی مکنظی فتاوی قاضی خان۔
الجوب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: عاقل شاہ
۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
فتوی نمبر: ۳۹۵۳

﴿ماں کا اپنے ایک بیٹے کو پوری جائیداد ہبہ کرنا﴾

﴿سوال﴾: علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک آدمی (محمود خان) کو اپنی ماں (رحیم بی بی) نے اپنی حیات میں تمام جائیداد نام کرادی تھی، اسکے بعد محمود خان نے اپنی زندگی میں وفات سے پہلے اپنی جائیداد فروخت کر دی، اب محمود خان کی ماں شریک بہن جرہ بی بی (جو محمود خان کی وفات سے پہلے انتقال کر گئی ہے) کی دو بیٹیاں سماء زہرہ بی بی اور رکیلہ بی بی محمود خان کی وفات کے بعد انکی جائیداد میں حصہ یا حق رکھتی ہیں؟ جبکہ محمود خان اپنی حیات ہی میں موت سے پہلے اپنی جائیداد فروخت کر چکا ہے؟ شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔
تفتیح: محمود خان کی والدہ نے اپنے بیٹے محمود خان کو زمین صرف نام کر دی تھی یا باقاعدہ اس کے قبضہ بھی دیدی تھی؟

جواب تفتیح بذریعہ فون: والدہ نے نہ صرف نام کر دی تھی بلکہ باقاعدہ محمود خان کے قبضہ میں بھی دی تھی چنانچہ محمود خان کے قبضہ اور مکمل تصرف مذکورہ جائیداد ہی یہاں تک کہ اس نے فروخت کر دی۔

﴿جواب﴾: مرحومہ رحیم بی بی نے اپنی زندگی میں جائیداد واقعی محمود خان (بیٹے) کو نہ صرف کاغذوں میں نام کرادی تھی بلکہ باقاعدہ مالک و قابض بنا کر مستقل طور پر ہبہ (گفت) کر کے دی تھی، تو ایسی صورت میں محمود خان شرعاً مالک قرار پایا تھا، اسکے بعد محمود خان کو فروخت کرنا بھی شرعاً معتبر اور درست سودا شمار ہوتا ہے، لہذا اس جائیداد میں مرحومہ رحیم بی بی کی بیٹی جرہ بی بی کا کوئی حق

باتی نہیں رہا، اور نہ انکی بیٹیاں (زہرہ بی بی اور رنکیلہ بی بی) اس جائیداد کی وارث بن سکیں۔

یہ الگ بات ہے کہ مرحومہ رحیم بی بی نے اپنی بیٹی جڑہ بی بی کو اپنی پوری میراث سے اگر محروم رکھا ہے یعنی اس جائیداد کے علاوہ ترکہ مثلاً سونا چاندی یا نقد روپوں کی صورت میں بھی کچھ حصہ نہیں دیا ہے، اور اپنا پورا ترکہ بیٹے کو دیا ہے، تو اس سے وہ سخت گنہگار ہوئی ہے، اور آخرت میں اس عمل کی وجہ سے گرفت کا اندیشہ ہے! اس لیے کہ کسی وارث کو میراث سے محروم کرنا جائز نہیں ہے لیکن زندگی میں چونکہ وہ خود مالک تھی اس لیے تصرف معتبر ہے۔

لما فی المختار (۱۹۶/۵، طبع سعید)

معزی الی الخانیۃ ولو وہب فی صحته کل المال جاروائم

ولما فی السندیۃ (۳۹۱/۲) طبع رشیدیہ

رجل وہب فی صحته کل المال للولد جاز فی القضاء، ویكون آثمًا لیسامنع.

ولما فی الخانیۃ (۲۷۹/۳، طبع رشیدیہ)

رجل وہب فی صحته کل المال للولد جاز فی القضاء، ویكون آثمًا

ولما فی فتاویٰ قاضی خان (۱۵۰/۲) طبع قدیمی

رجل وہب فی صحته کل المال للولد جاز فی القضاء، ویكون آثمًا.

واللہ اعلم بالصواب: سیف اللہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۱۲۳

۱۲ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

﴿بھائی کو ہبہ کی ہوئی چیز میں رجوع جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم تین بھائی ہیں اور ایک ہمارا چچا زاد بھائی ہے، ہم پہلے ضلع پشین میں ایک ساتھ رہتے تھے، پھر ہمارے ایک بھائی نے ضلع قلعہ عبداللہ میں ایک جگہ خریدی اور وہاں اپنا گھر بنادیا، اور ہمارے لئے بھی الگ الگ گھر بنائے، ہم سے اس بھائی نے کہا کہ آپ لوگ بھی قلعہ عبداللہ میں آجائیں لیکن ہم وہاں جانے کیلئے تیار نہیں تھے، وہ بھائی بار بار اصرار کرتا رہا، آخر کار اس بھائی نے کہا کہ جو گھر تمہارے لئے بنایا ہے وہ تمہاری ملکیت ہے میں واپس کبھی بھی نہیں لوٹا گا، اس پر ایک خط بھی لکھا اور گواہوں کے سامنے اقرار کیا اور خط پر دستخط اور آٹھوٹا لگوا یا اب ۱۸ سال گزرنے کے بعد وہ بھائی کہتا ہے کہ میں نے یہ گھر ملکیت کے طور پر نہیں دیا تھا، اب یہ گھر واپس کرو، ہم نے اس گھر کو از سر نو تعمیر کیا اور بہت خرچہ ہو

اہے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا شرعیہ گھر ہمارا حق ہے، یا اس بھائی کا حق بنتا ہے؟ مستفتی: محمد موسیٰ ﴿موسیٰ﴾ صورت مذکورہ میں آپ کے بھائی کو یہ حق حاصل نہیں ہے، کہ وہ آپ سے گھر واپس لے لئے، اس لئے کہ یہاں پر دو چیزیں رجوع سے مانع ہیں: (۱) اپنے کسی ذی رحم محرم کو بہہ کرنے کے بعد رجوع نہیں کیا جاسکتا (۲) بہہ شدہ چیز میں زیادتی کر لی جائے تو رجوع نہیں کیا جاسکتا، لہذا یہ گھر آپ ہی کا حق ہے۔

لما فی الہدایہ: (۲۹۲/۳) مطبع برحمانیہ

وان وهب عبة لذی رحم محرم منه لم يرجع فیہا، لقوله علیہ السلام اذا كانت الہبة لذی رحم محرم لم يرجع فیہا ولأن المنصود صلة الرحم وقد حصل ولما فی الفتاویٰ قاضی خان: (۱۲۲/۳) مطبع قدیمی

ولا يرجع فی الہبة من المحارم بالقرابة کالاباء والامهات وان علوا ولا ولاد وان سلوا لولاد البنین واولاد البنات فی ذلک سوله کوذا الا خوة والا خوات والا اعمام والعمات والسالی خلاصة الفتاویٰ: (۴۰۲/۲) مطبع ترشیدیہ

ولو وهب له دارا فبناها علی غیر ذلک البناء ترک بعضها علی حالها لم يرجع فیہما بسبب البناء فی بعضها..... وان زاد بناء او غلق بابا او جصسه او طينه لو اصلحه لم يرجع ولما فی المبسوط: (۵۶/۱۲) مطبع بہروت

والموانع من الرجوع فی الہبة..... وان یزاد الموهوب فی ندمہ خیر اذ ان حق الرجوع فیما تتناوله الہبة وتلك الزیادة لم تتناول الہبة ولا یتأتی الرجوع فی بدون الزیادة المتصلة ولما فی البحر الرائق: (۲۹۱/۴) مطبع سمیع

(قوله) منع الرجوع دمع خزقة ای ومنع الرجوع فی الموهوب الموانع السبعة الا تی تقصیلها (قوله) فالذال الزیادة المتصلة کالغرس والبناء والسنن

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ عنہ

فتویٰ نمبر:

۳۰ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

﴿بیٹے کی شادی پر خرچ کردہ رقم کی واپسی کا مطالبہ کرنا والد کیلئے جائز نہیں ہے﴾

﴿موسیٰ﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے حسب خواہش

اپنے بیٹے کی شادی پر کافی روپیہ خرچ کیا بعد ازاں بیٹے کا والد کے ساتھ کسی بات پر منہ ماری ہوئی جس کی وجہ سے باپ نے بیٹے عاق کرتے ہوئے شادی میں خرچ شدہ رقم کی واپسی کا مطالبہ بھی کرتا ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا والد کو اس کا حق حاصل ہے وہ اپنے بیٹے سے خرچ شدہ

رہم کی واپسی کا مطالبہ کرے۔ براہ کرم شرعی حکم سے مطلع فرما کر عند اللہ ماجور: وں۔

﴿مورل﴾ والد صاحب نے از خود بیٹے کی شادی میں پیسہ اگر خرچ کیا ہے تو یہ والد صاحب کی طرف سے محض احسان ہے واپسی کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں رکھتے۔

لما فی البخاری: ج ۳/۱۵۷ (طبع قدیمی)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس لنا مثل المسرور الذی یعد فی ہبته کالکلب یرجع فی قبضہ.

ولما فی التنبیہ: ج ۱۱/۵ (طبع سعید)

(و یمنع الرجوع فیہا) حروف (دمع خزقة) و فی الشامیة: قال الرملی قد نظم ذلک والذی العلامة شیخ الاسلام محیی الدین لقان: منع الرجوع من الموائع سبعة: فزیادة موصولة مروت عوض۔ و خروجها عن ملک موعوب له زوجة قرب علالہ قد عرض۔

ولما فی العالمگیریة: ج ۳/۸۸۴ (طبع سعید)

ولا یرجع فی الهبة من المحارم بالقرابة کالآباء والامهات وان علیہ والأولاد وان سفلاہ وأولاد البنین والبنات فی ذلک سواء.

واللہ اعلم بالصواب: فخل حق زیناروی

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۱۳۵

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ

﴿ہبہ کی ایک خاص صورت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد محترم نے

میری والدہ محترمہ کو بطور مہر ایک مکان دیا تھا، جو کہ فیروزے میں ہے، پچھلے سال جب میری والدہ صاحبہ بیمار ہوئی تو فوت ہونے سے تین چار دن پہلے والدہ محترمہ نے وہ مکان واپس والد محترم کو دے دیا، اب والد محترم اس مکان کو اپنی بہن کے جہیز میں دینا چاہتے ہیں، جبکہ میں والد محترم کو منع کرتا ہوں، کیونکہ یہ مکان تو میری والدہ کا ہے، والد صاحب فرماتے ہیں، کہ آپ کی والدہ محترمہ نے یہ مکان ہبہ مجھے دیا ہے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا والد محترم اس مکان کے مالک ہیں اور میرے لئے اس مکان میں شرعاً کوئی حصہ بنتا ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں؟

تفتیح: آپ کی والدہ نے آپ کے والد صاحب کے قبضہ میں یہ مکان دیا تھا یا صرف زبانی

کہہ دیا تھا۔

جواب تنقیح: بہہ کرنے کے بعد والد صاحب نے قبضہ کیا تھا۔

﴿مورث﴾ صورت مذکورہ میں یہ مکان آپ کے والد صاحب کی ملکیت شمار ہوگی، آپ کیلئے اس میں کوئی حصہ نہیں ہے، انکی مرضی ہے وہ جہیز میں دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔

لما فی الہدایہ: (۲/۲۸۵ طبع: رحمانیہ)

الہبة عقد مشروع لقوله عليه السلام تهادوا تحابوا وعلى ذلك انعقد الا جماع
وتصح بالایجاب والقبول والقبض

ولما فی فتاویٰ العالمگیریہ: (۲/۴۰۲ طبع: رشیدیہ)

مريضة وهبت صداقتها من زوجها فان برأت من مرضها صح وان ماتت من ذلك المرض
فان كانت مريضة غير مرض الموت فكذلك للجواب، وان كانت مريضة مرض الموت لا
يصح الا باجارات الورثة، وتكلموا على حد مرض والمختار للفتوى أنه اذا كان الغالب منه
لموت كان مرض الموت سواء كانت صاحبة فراش او لم تكن كذا في المضمرات

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا علی عنہ

۳۰ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ فتویٰ نمبر:

﴿موصوب لہ﴾ کے قبضہ کے بعد سرکاری کاغذات کا اعتبار نہیں ہے

﴿مورث﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہم دو بھائی ہیں، والد مرحوم کی زندگی میں ہم دونوں بھائی مشترکہ طور پر کاروبار کرتے تھے والد صاحب ہمارے ساتھ کاروبار میں شریک نہیں تھے، ہم جو کچھ کماتے والد صاحب کو دیتے تھے، والد صاحب نے ہمارے ان پیسوں سے زمین خریدی، کچھ زمین والد صاحب کی اپنی ذاتی بھی تھی، پھر والد صاحب بیمار ہو گئے، انہوں نے اپنی ذاتی زمین اور وہ زمین جو ہمارے پیسوں سے خریدی تھی (اور جو ابھی تک کاغذات میں والد صاحب کے نام ہے) اس طرح تقسیم کر دی کہ اپنی ذاتی زمین جو کہ عہدہ تھی بڑے بیٹے کو دی اور جو زمین ہمارے پیسوں اور اتنی اعلیٰ نہ تھی چھوٹے بیٹے کو دی اور بیٹوں نے اس پر قبضہ بھی کر لیا، اس تقسیم میں والد صاحب نے ہماری بہنوں کا کوئی حصہ نہیں رکھا۔

اس تقسیم کے بعد والد صاحب ۲۰۰ء تک زندہ رہے، والد صاحب کی وفات کو دس (۱۰) برس گزر گئے ہیں، اور اس تقسیم کے تقریباً بیس (۲۰) سال ہوئے ہیں، اب ہماری بہنیں کہتی ہیں کہ ان زمینوں میں ہمارا بھی حصہ ہے، ہم کہتے ہیں کہ والد صاحب کی ذاتی زمین میں آپ کا

حق ہے لیکن جو زمین والد صاحب نے ہماری کمائی سے خریدی تھی اس میں آپ کا حق نہیں بنتا کیونکہ وہ تو والد صاحب نے ہماری کمائی سے خریدی تھی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہماری بہنوں کا اس زمین میں جو والد صاحب نے ہمارے پیسوں سے خریدی تھی اور اس زمین میں بھی جو والد صاحب کی ذاتی تھی حق بنتا ہے یا نہیں؟ براہ کرم اس مسئلے کی وضاحت تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔ مستفتی: حبیب الرحمن سوات

﴿جواب﴾ زندگی میں جائیداد کی تقسیم کرنا جائز ہے، شریعت کی اصطلاح میں اس کو ہبہ کہتے ہیں آدمی اپنی زندگی میں حالت صحت میں اپنی پوری جائیداد کسی ایک فرد کو بھی ہبہ کر سکتا ہے اسی طرح کسی کو کم اور کسی کو زیادہ بھی دے سکتا ہے اور محروم بھی کر سکتا ہے، البتہ بلا کسی وجہ شرعی کے بعض در ثاء کو زیادہ دینے یا بالکل محروم کرنے سے گناہ گار ہوگا۔

صورت مسئلہ میں چونکہ باپ نے اپنی ذاتی زمین اور اسی طرح وہ زمین جو کہ اپنے بیٹوں کے پیسوں سے خریدی تھی اپنی زندگی میں تقسیم کی ہے، اور بیٹوں نے اس پر قبضہ بھی کر لیا ہے جس کی وجہ سے یہ دونوں ان زمینوں کے مالک بن گئے ہیں اور اس میں کسی اور کا حق نہیں بچا، چاہے کاغذات میں والد کے نام ہوں، لہذا مذکورہ دونوں قسم کی زمینوں میں بہنوں کا کوئی حق نہیں ہے، بہنیں ان مذکورہ زمینوں میں کسی حصہ کا مطالبہ نہیں کر سکتیں۔

تاہم بھائیوں کو چاہیے کہ وہ اپنی بہنوں کو اس زمین سے کچھ حصہ دیں، یہ بہنوں پر احسان ہوگا اور والد نے چونکہ بہنوں کا کوئی حصہ زمین و جائیداد میں نہیں رکھا حالانکہ اس طرح ان کو نہیں کرنا چاہیے تھا لڑکی بھی اولاد ہے ان کا حصہ بھی رکھنا چاہیے تھا، اب اگر آپ لوگ بہنوں کو کچھ دیں گے تو یہ مرحوم والد کے لئے بھی آسانی کا باعث ہوگا۔

لما فی الدر المختار: (۲۹۲/۵ طبع سعید)

وفی الخانیة لا یاس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبة لانها عمل القلب وكذا فی المعطایا ان لم یقتصد به الاضرار وان قصد فسرى بینهم يعطى البنت كالابن عند الثانی وعلیه الفتوی ولو هب فی صحته کل المال للولد جاز واثم۔

ولما فی البحر الرائق: (۲۸۸/۴ طبع سعید)

مكره تفضیل بعض الاولاد علی البعض فی الهبة حالة الصعة الا لزيادة فضل له فی الدین وان هب ماله كله جاز قضاء وهو اثم كذا فی المعیط۔

ولما فی الہندیہ: (۳/۲۱ طبع رشیدیہ)

رجل وھب فی الصعۃ کل المال للولد جاز فی القضاء ویکون اما فیما صنع کذا فی قاضی خان

ولما فی الہندیہ: (۳/۲۶ طبع رشیدیہ)

ولا یتم حکم الہبۃ الا مقبوضۃ و یستری فیہ الاجنبی والولد اذا کانا بالغین ھکذا فی المحيط

ولما فی الہندیہ: (۳/۲۸ طبع رحمانیہ) الہبۃ عقد مشروع وتصح بالایجاب والقبول والقبض

ولما فی شرح للمجلۃ: (۳/۲۴ طبع رشیدیہ) تنعقد الہبۃ بالایجاب والقبول وتتم بالقبض۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: شاہد خان سواتی

یکمرب الربیب ۱۴۳۲ھ

فتویٰ نمبر: ۳۱۱۷

﴿زندگی میں دی جانے والی رقم ھبہ ہے میراث نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے ۳ عدد بیٹے اور

۳ عدد بیٹیاں ہیں جبکہ میری اہلیہ بھی ماشاء اللہ حیات ہیں۔ میں نے اپنی تینوں بیٹیوں کو ۲۰۰۰ء

میں اس وقت جو بھی حصہ بنتا تھا ادا کر دیا تھا اور ان سے تحریر لے لی تھی۔ جس میں ان کی طرف

سے تحریر ہے کہ ہم نے اپنے والد کی جائیداد کا حصہ ان کی زندگی میں لے لیا ہے۔ آئندہ جو بھی

جائیداد ہوگی وہ صرف تینوں بھائیوں اور والدہ کی ہوگی۔ کاپی منسلک ہے۔

غرض مسئلہ یہ ہے کہ یہ بتائیں کہ میری وفات کے بعد جو بھی جائیداد ہوگی اس کے وارث یہ

تین بیٹے اور میری اہلیہ ہوں گی یا بیٹیوں کو بھی حصہ دینا پڑے گا؟

اگر شرعی طور پر بیٹیوں کو حصہ دینا ہوگا تو اس رقم کا کیا ہوگا جو میں ۲۰۰۰ء میں ان کو وراثت

کے طور پر دے چکا ہوں؟

مستفتی: قمر الزمان صدیقی

﴿جواب﴾ والد جب تک حیات ہوتا ہے اپنے ذاتی مال و جائیداد کا خود ہی مالک و مختار

ہوتا ہے۔ کوئی بیٹا، بیٹی اس کے مال و جائیداد میں حصہ دار نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی کو اپنا حق سمجھ کر

مذالہ کرنے کا گنجائش ہوتی ہے البتہ والد اپنی خوشی اور مرضی سے زندگی میں مال و جائیداد اولاد

میں تقسیم کرنا چاہے تاکہ بعد میں بھائی بہنوں میں یہ مال و جائیداد تلخی و ناراضگی کا سبب نہ بنے تو یہ

جائز ہے۔ لیکن یہ تقسیم میراث نہیں بلکہ ھبہ (گفت) کہلائیگی۔ جس کا بہتر اور مستحب طریقہ یہ

ہے کہ ہر ایک کو بیٹا ہو یا بیٹی سب کو برابر دے ہاں کسی خاص وجہ سے کسی کو کم زیادہ دینے کی بھی

مجبائش ہے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ ہر ایک کو باقاعدہ قبضہ بھی کرائے اور اپنا قبضہ بھی مکمل ختم کرے ورنہ وہ مالک نہیں بنے گا۔

آپ نے اپنی بیٹیوں کو جو کچھ دیا ہے وہ ان کو صہ (گفت) ملا ہے اپنے بیٹوں کو بھی اس نسبت سے دو گنا دیدیں اور باقاعدہ اپنا قبضہ ختم کر کے ان کو قابض و مالک بھی بنادیں تو بعد میں آپ کی کوئی لڑکی ان کے مال سے حصے کا مطالبہ نہیں کر سکے گی لیکن باقاعدہ قبضہ میں دیدینا ضروری ہے۔ صرف کاغذوں میں نام کرانا کافی نہیں ہے۔ اور آپ اور آپ کی اہلیہ چونکہ حیات ہیں اس لیے اپنی ضروریات کیلئے بھی ایک خاص مقدار جتنا آپ مناسب سمجھتے ہیں اپنے پاس رکھ لیں زندگی کا بھی کچھ پتہ نہیں اور پیش آنے والے حالات کا بھی کچھ علم نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں خود کو یا اہلیہ کو پریشانی ہو جائے۔ تو یہ مال و جائیداد جو آپ کی ملکیت میں رہیگا آپ کی وفات کے بعد بطور میراث سب میں تقسیم ہوگا۔ اور جو اولاد کو مالک و قابض بنا کر دیدیا تھا اس میں کوئی اور حقدار نہیں ہوگا۔

لسافی صحیح المسلم: (باب کرامة التفضیل بعض الاولاد فی الہبة ۳۶۲ طبع: قدیمی)
عن النعمان بن بشیر انه قال ان اباء اتی به رسول الله ﷺ فقال انه نعلت ابني هذا غلاما لی فقال رسول الله ﷺ اکل ولدك نعلته مثل هذا فقال لا فقال رسول الله ﷺ فارجمه.

ولما فی تكملة فتح الملهم تحت هذا الحديث: (۱/۳ طبع: نذر العلوم کراچی)
فالذى يظهر لهذا العبد الضعيف عفا الله عنه، ان الوالد ان وهب لاحد ابنته هبة أكثر من غيره اتفاقا او بسبب علمه او عمله ابهره بالوالدين ممن غير ان يقصد بذلك اضرار الآخرين، ولا الجور عليهم، كان جائزا على قول الجمهور، وهو محمل آثار الشیخین، وعبد الرحمن بن عوف، مرضى الله عنهم، اما اذا قصد الوالد الاضرار لمو لتفضیل احد الابناء علی غيره بقصد التفضیل من غير داعية مجورة لذلك، فانه لا یبیهه احد.

ولما فی الشامی: (۲/۲۴۵ طبع: سعید کراچی)

قلت: وقد كنت قدیمما جمعت فی هذه المسألة رسالة العقود الدرية فی قول الواقف علی الشرعية الشرعية، لحقت فیها المقام، وكشفت عن مخدراته اللثام بما حاصله: انه صرح فی الظهیریه بانه لو اراد ان یبر اولاده فالا فضل عند محمد ان یجعل للذكر مثل حظ الانثیین، وعند ابی یوسف یجعلها سواء، وهو المختار.

ولما فی الشامی: (۲/۴۵۸، ۴۵۹ طبع: سعید کراچی)

وهل ارث الحی من الحی ام من میت؟ المعتمد الثاني.

ولما فی البحر ۲۸۹/۸ طبع سعید کراچی

واما بیان الوقت الذی یجرى فیہ الارث فنقول هذا فصل، اختلف المشائخ فیہ قال مشائخ العراق الارث یثبت فی آخر جزء من اجزاء حیاة المورث قال مشائخ بلخ الارث یثبت بعدموت المورث.

ولما فی الہدایۃ ۲۹۲/۳ طبع رحمانیہ لاہور

وان وهب مہۃ لذی رحم محرم منه لم یرجع فیہا لقولہ علیہ السلام اذا كانت المہۃ لذی رحم محرم لم یرجع فیہا ولان المقصود صلة الرحم وقد حصل.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد اویس غفر اللہ لہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۳۵۸۷

الربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿زندگی میں بہیہ کی گئی زمین میں دیگر ورثاء کا کوئی حق نہیں﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی ہے اس کے والدین زندہ ہیں اس کا اور کوئی بہن، بھائی نہیں ہے۔ اس کی شادی فیمائی سے باہر ہوئی ہے۔ اس کے والد نے اپنی زمین اس بیٹی کو دے دی ہے اور خود اس میں کچھ نہیں کرتا اور دونوں میاں بیوی اپنی بیٹی کے پاس رہتے ہیں تو کیا دوسرے رشتہ دار والدین کے مرنے کے بعد اس زمین کو میراث میں تقسیم کر سکتے ہیں؟

﴿جواب﴾ والد نے زمین اپنی بیٹی کو ہبہ کر کے باقاعدہ اس کے قبضہ میں بھی اگر دیا ہے اور اپنا تصرف مکمل طور پر ختم کیا ہے تو یہ زمین اس بیٹی کی ملکیت ہے۔ دیگر ورثاء کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔

لما فی الہدایۃ: ۲۹۲/۳ طبع رحمانیہ

وان وهب مہۃ لذی رحم محرم منه لم یرجع فیہا" لقولہ علیہ السلام اذا كانت مہۃ لذی رحم محرم لم یرجع فیہا "ولان المقصود صلة الرحم وقد حصل.

ولما فی التکوین مع الدر: ۲۸۸/۵ طبع سعید

(و) شرائط صحتها (فی الموهوب ان یکون مقبوضاً غیر مشاع مہیزاً غیر مشغول).

ولما فی البحر الرائق: ۲۸۸، ۲۸۹/۷ طبع سعید

(قوله فان قسمه وسلمه صح) ای ولو وهب مشاعاً یقسم ثم قسمه وسلمه صح وملكه لان تماماً بالقبض وان وهب ماله كله لواحد جاز قضاء.

ولما فی الہندیۃ: ۳۸۷/۴ طبع رشیدیۃ

ولا یرجع فی المہۃ من السعارم بالمقاربة كالآباء، والامهات وان علوا والاولاد وان سفلوا.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمن غفر لہ ولوالدیہ

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

فتویٰ نمبر: ۳۷۰۶

﴿بہ سے رجوع کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ہذا کے بارے میں کہ زید نے اپنے بیٹے کو زمین بہہ کی، بیٹے نے بغض کر کے اس پر تعمیر کی، اب والد صاحب رجوع کر رہا ہے تو کیا اس کو رجوع کا حق ہے یا نہیں؟ اور اگر والد صاحب زبردستی لے لے تو کیا حکم ہے؟ مستقی: بتوسط انعام اللہ علیہ

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں جب والد صاحب نے اپنے بیٹے کو زمین بہہ کی اور بیٹے نے بغض کر لیا تو اب زمین بیٹے کی ملکیت میں آگئی، بیٹا زمین کا مالک بن گیا اور بیٹے نے جو تعمیر کی ہے وہ تعمیر بھی بیٹے کی ملکیت ہے، لہذا مالک کی اجازت کے بغیر والد صاحب کو زمین واپس لینے کا حق حاصل نہیں ہے اور اگر زبردستی لے لی ہو تو ان کے ذمے واجب ہے کہ وہ زمین بیٹے کو واپس کر دیں۔

لما فی التنبیہ مع الدرر (۵/۷۰۴، طبع سعید)

(والقاف القرابة، فلو وهب لذی رحم محرم منه) نسبا (ولو ذمنا او مستامنا لا يرجع)

ولما فی الہندیۃ: (۲/۳۸۵، باب الخامس رجوع فی الہبۃ، طبع رشیدیہ)

لیس له حق الرجوع بعد التسليم فی ذی الرحم المحرم و فیما سوی ذلك له حق الرجوع.

ولما فی قاضی خان: (۳/۱۲۲، فصل فی رجوع الہبۃ، طبع قدیمی)

لا يرجع فی الہبۃ من المعارم بالقرابة کالآباء والأمهات وان علوا والاولاد وان سفلوا.

ولما فی الہدایۃ: (۳/۲۹۲، باب ما یصح رجوعه وما لا یصح، طبع رحمانیہ)

وان وهب مہۃ لذی رحم محرم منه لم يرجع فیہا.

واللہ اعلم بالصواب: ذیشان احمد لازمی

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۷۶۱

۲۳ ذی الحجۃ ۱۴۳۱ھ

﴿اپنے وارث کو زمین بہہ کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مرحوم حیاء الدین نے اپنی زندگی میں صحت کی حالت میں سب بیٹوں کے سامنے تین جریب زمین اپنی بیوی کو دیدی کہ تم اس زمین میں ہر قسم کا تصرف کر سکتی ہو، پوچھنا یہ ہے کہ مرحوم کی میراث میں مزید حصہ اسکی بیوی کو ملے گا یا نہیں؟ اور اس تین جریب زمین کو کل مال میں شامل کیا جائے گا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ مرحوم نے اپنی زندگی میں صحت کی حالت میں جو زمین بیوی کو دی

ہے، وہ حصہ ہے اور اب یہ زمین مرحوم کی بیوی ہی کی ہے بشرطیکہ مرحوم کی بیوی نے اس پر باقاعدہ

قبضہ کیا ہو اور مرحوم نے اپنے قبضہ کو ختم کیا ہو تب یہ زمین مال میراث میں سے شمار نہیں ہوگی، البتہ میراث میں عورت کا حصہ میں ہے اس لئے جب میراث تقسیم ہوگی تو بیوی کو اپنا حصہ مکمل ملے گا اور اس زمین کی وجہ سے بیوی کے حصہ میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جائیگی۔

لما فی الہندیۃ (۲/۳۷۵، کتاب الہبۃ، مطبع رشیدیہ)

لوقال نعلتک داری اواعطیتک اور ھبت منک کانت ھبۃ کذا فی شرح الطحاری لو
قال جعلت لک ھذہ الدار او ھذہ الدار لک فاقبضھا فھو ھبۃ مکذا فی فتاویٰ قاضیخان
قولہ ھذہ الدار لک او ھذہ الارض لک ھبۃ لا اقرار کذا فی القنیۃ.

ولما فی الہدیۃ: (۲/۲۹۲، باب ما یصح رجوعہ وما لا یصح، مطبع رحمانیہ)

وکنلک ما رغب احد الزوجین للآخر لان المتصور فلیھا الصلۃ کما فی القرابۃ.

ولما فی الشامی: (۵/۲۸۹، کتاب الہبۃ، مطبع سعید)

لوقال ملکک ھذا الثوب مثلاً فان قامت قرینۃ علی الہبۃ صحت والا فلا لان
التسلک اعم منھا الصدقۃ علی البیع والوصیۃ والاجارۃ وغیرھا.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد امین چارسدہ

فتویٰ نمبر: ۲۹۱۹

۲۳ صفر الخیر ۱۳۳۲ھ

﴿زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کا شرعی طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی آدمی اپنی زندگی میں اپنی جائیداد کو اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہتا ہے تو اس کا بہتر طریقہ کیا ہے؟ برابر تقسیم کرے یا میراث کے طریقے پر کہ بیٹے کو دو اور بیٹی کو ایک حصہ دیا جائے؟

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی ہی میں اپنی جائیداد کو اپنی اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہے تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تمام اولاد میں برابر برابر جائیداد کو تقسیم کرے تاکہ سب کے ساتھ انصاف ہو جتنا حصہ بیٹے کو دے رہا ہے اتنا ہی حصہ بیٹی کو بھی دیدے تو زیادہ بہتر ہے لیکن بیٹے کی نسبت بیٹی کو بلا وجہ آدمی سے کم دینا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی خصوصیت کی وجہ سے کسی ایک کو اوروں کی نسبت کچھ زیادہ دے اور مقصد اوروں کو تکلیف دینا نہ ہو تو اسکی بھی گنجائش ہے۔

لما فی الدرر المع الرد: (۵/۱۹۱، مطبع سعید)

وفی الخانۃ: لا بأس بتفضیل بعض الاولاد علی السعۃ لانھا عمل القلب وکذا فی المعطایان لم

یتقصده الاضرار وان قصده فسوی بینہم يعطى البننت كالابن عند الثاني وعليه الفتوى
وفى الشامية: (قوله وعليه الفتوى) اى على قول ابى يوسف من ان التخصيف بين
الذكر والانثى افضل من التثليث وهو قول محمد.

ولما فى البحر الرائق (۴/۲۸۸، مطبع سعيد)

يكره تفضيل بعض الاولاد على البعض فى الهبة حالة الصحة الزيادة لفضل له فى
الدين..... وفى الخلاصة المختار التسوية بين الذكر والانثى فى الهبة.

ولما فى الهندية: (۲/۲۴۴، مطبع قديمى)

ولم يوجب رجل شيئا لاولاده فى الصحة ولا لتفضيل البعض على البعض فى ذلك
لاروايته نظاى الاصل عن اصحابنا وروى عن ابى حنيفة انه لا بأس به اذا كان التفضيل
لزيادة فضل له فى الدين وان كان سواه يكره وروى للمعلى عن ابى يوسف انه لا بأس به ان لم
يتقصده الاضرار وان قصده الاضرار سوى بينهم يعطى الابنة مثل ما يعطى للابن وعليه الفتوى

والله اعلم بالصواب: محمد عمران غفر له ولوالديه

الجواب صح: عبد الرحمن عفا الله عنه

فتوى نمبر: ۲۷۸۸

۲۳ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

﴿بغير قبضہ کے ہبہ تام نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب نے
کچھ زیورات اس غرض سے بنائے ہیں کہ جب میری شادی ہوگی تو اسکو بطور مہر کے میری بیوی کو
دیجئے لیکن نہ ان زیورات کو میرے حوالے کیا ہے اور نہ ہی زبانی طور پر مجھے یہ بتایا ہے کہ یہ آپ
کے ہو گئے، پوچھنا یہ ہے کہ ان زیورات کی زکوٰۃ کس کے ذمہ ہے میرے یا والد صاحب کے؟
﴿جواب﴾ زیورات کا انتظام آپ کے والد نے اپنے پیسے سے کیا ہے اور ابھی تک انہی کے
پاس ہیں تو وہی خود مالک ہیں، زکوٰۃ بھی انہی کے ذمہ واجب ہے، آپ کی شادی میں مہر کے طور
پر دیں گے تو محض اس ارادہ سے آپ مالک قرار نہ پائے۔

لما فى خلاصة الفتاوى: (۱/۲۴۵، رشیدیہ) الزکوۃ انما تجب اذا ملک نصابا تاما مانما حولا كاملا.

ولما فى التنبیه مع الدر: (۵/۲۸۸، مطبع ایچ ایم سعید)

(و) شرائط صحتها (فى الموهوب أن يكون مقبوضا غير مشاع مميز غير مشغول) كما

سبب ضح (وركنها) هو (الایجاب والقبول)

ولما فى التنبیه: (۲/۲۵۹، مطبع سعید) لو سببه ملك نصاب حولى تام فلغ عن دين له مطلب من جهة العبد

والله اعلم بالصواب: عبد الرحمن غفر له ولوالديه

الجواب صح: عبد الرحمن عفا الله عنه

فتوى نمبر: ۲۹۳۶

اربع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿وہ زندگی میں اس کی جائیداد پر خرچ کردہ رقم ترکہ سے وصول کرنا جائز نہیں﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہم اپنے والد صاحب کے

ساتھ ان کے مکان کے رہتے تھے پھر والد صاحب کی اجازت سے ہمارے چھوٹے بھائی نے وہ مکان اپنے نام کروایا، لیکن والد صاحب نے اسے مکمل قبضہ نہیں دیا تھا کیونکہ وہ بھی اسی مکان تاحیات رہائش پذیر رہے۔

اب پوچھنا یہ ہے کہ وہ مکان نام کروانے سے وہ اس کا مالک ہو گیا یا ہم تمام بہن، بھائی اس میں شریک ہوں گے؟ اگر وہ مالک نہیں بنا تو مکان اپنے نام کرواتے وقت بھائی کا جو خرچہ ہوا تھا کیا وہ اس کو میراث میں سے وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔

﴿مولا﴾ صرف دستاویزات میں مکان اپنے نام کرانے سے آپ کا بھائی اس کا مالک نہیں بنا، کیونکہ جب قبضہ شرط ہے وہ اس صورت میں مکمل ہوتا جب والد صاحب اپنی زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ بھی اپنے ذاتی سامان کے ساتھ کسی دوسری جگہ منتقل ہو جاتے، لیکن وہ چونکہ تاحیات یہیں رہائش پذیر رہے اس لئے انہی کا قبضہ باقی رہا، لہذا مذکورہ مکان میں تمام بہن بھائی شریک ہیں۔ باقی جہاں تک خرچے کا تعلق ہے وہ آپ کے بھائی نے اگرچہ والد صاحب کی اجازت سے کیا لیکن اپنے ذاتی مفاد کیلئے کیا، والد صاحب کے ذمہ بطور قرض واجب نہیں ہوا اس لئے مرحوم کے ترکہ سے وصول کرنے کا کوئی حق آپ کے بھائی کو حاصل نہیں ہے۔

لما فی شرح المجلة: (۲۴۲-۲۴۵، طبع نرشیدیہ کوئٹہ)

تعتقد الہیۃ بالایجاب والقبول وتتم بالقبض -واعلم ان المراد بالقبض الذی تتم به الہیۃ هو القبض الكامل -وہو فی المنقول مایناسبہ و فی العقار مایناسبہ -رجل وحب دار أو سلم و فیہا منافع الواجب -لا تجوز لان الموهوب مشغول بالمیس بہیۃ ، ولا یصح للتسلیم .

ولما فی الہدایۃ: (۲۸۵-۲۸۶، طبع نرحمانیہ، لاہور)

الہیۃ عقد مشروع تصح بالایجاب والقبول والقبض -واعلم ان المراد بالقبض لا بد منه للثبوت الملك -فان قبضہ الموهوب له فی المجلس بغیر امر الواجب جاز استعسانا وان قبض بعد الافتراق لم یجز لان یأذن له الواجب فی القبض .

واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۴۲۰۱

۲۱ جمادی الثانی ۱۴۳۵ھ

﴿حہ تمام ہونے سے ملکیت ہو جاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ایک شخص کی ملکیت میں پانچ کنال زمین ہے اور اس کے تین بیٹے ہیں اس نے اس زمین سے ایک کنال زمین اپنے ایک بیٹے کے نام منتقل کر دی اور اس کو باقاعدہ قبضہ بھی دے دیا اس کی وفات کے بعد مرحوم کے دوسرے بیٹوں نے مرحوم کے اس بیٹے کی زمین میں بھی وراثت کا دعویٰ کیا ہے کہ اس میں ہمارا بھی حصہ ہے جبکہ یہ بیٹا اپنی اس زمین میں جو اس کو باپ کی طرف سے باپ کی زندگی میں ملی ہے، مرحوم کے دوسرے دو بیٹوں کو حصہ دینے سے انکار کرتا ہے، اس صورت میں اس بیٹے کے حصہ کی زمین میں مرحوم کے دوسرے بیٹوں کا حق بنتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔ مستفتی کلیم اللہ

﴿جواب﴾ باپ اپنی زندگی میں اپنی زمین میں سے جو حصہ اپنے کسی بیٹے کو دیتا ہے تو یہ اس کی طرف سے اپنے بیٹے کے لئے ہبہ ہوتا ہے۔

مذکورہ صورت میں چونکہ باپ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کے نام زمین منتقل کر دی اور باپ کی زندگی میں بیٹے نے زمین پر قبضہ بھی کر لیا تو یہ زمین اسی بیٹے کی ملکیت ہو گئی ہے، اس میں مرحوم کے دوسرے بیٹوں کا کوئی حق نہیں ہے اور نہ اس زمین پر ان کا دعویٰ ملکیت صحیح ہے۔

لسافی التتویر مع الدر: (۵/۲۸۸، طبع سعید)

(ر) شرائط صحتها (فی الموهوب ان يكون مقبوضا غير مشاع مميزا غير مشغول)

ولسافی الدر المختار: (۵/۲۹۲، طبع سعید)

وفی الخانیة: لا بأس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبة لانها عمل القلب وكذا فی العطایا ان لم یقصد به الاضرار وان قصد ففسوی بینهم یعطى البنت كالابن عند الثاني وعلیه الفتوی ولو وهب فی صحته کل المال للولد جاز واثم..

ولسافی للبحر الرائق: (۴/۲۸۶، طبع سعید)

(قوله فان قسه وسله صح) کی لو وهب مشاعا یقسم ثم قسه وسله صح وملکه لان التام بالتبض ولسافی البحر: (۴/۲۸۸، طبع سعید)

(فروع) بکرمه تفضیل بعض الاولاد علی البعض فی الهبة حالة الصحة الا لزیادة فضل له فی الدین وان وهب ماله کله لواحد جار قضاء وهو اثم کذا فی المحيط.

واللہ اعلم: صلاح الدین ڈیوی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۴۳۲

۱۹ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿ہبہ قبضہ کرائے بغیر تام نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس دو تولہ سونا ہے اور کچھ نقدی بھی ہے، عید الاضحیٰ سے پہلے میں نے اپنے شوہر سے کہہ دیا تھا کہ میری طرف سے آپ کو اجازت ہے کہ جس چیز میں خرچ کرنا چاہتے ہو خرچ کر لو لیکن سونا ابھی تک میرے پاس ہے تو کیا میرے اوپر قربانی و زکوٰۃ لازم ہے یا نہیں؟ نیز میرے شوہر نے اس سے پہلے بھی میری اجازت سے میرے سونے سے کچھ بیچ دیا تھا۔

﴿جواب﴾ آپ نے شوہر کو اپنا ذاتی سونا اگر ہبہ کر کے باقاعدہ ان کے قبضہ میں دیدیا تو شوہر مالک ہو جائیگے اور آپ کی ملکیت ختم ہو جائے گی پھر آپ پر اسکی زکوٰۃ اور قربانی واجب نہ ہوگی لیکن صرف زبانی کہہ دینے سے کہ ”اسکو خرچ کرنا چاہتے ہو تو خرچ کر لو“ ہبہ تام نہیں ہوتا نہ دو مالک قرار پاتے ہیں، اس لئے آپ ہی پر زکوٰۃ وغیرہ واجب ہوگی، البتہ اپنا قبضہ تو ذکر کرانکے حوالہ کر دیں پھر وہ مالک ہوئے اور زکوٰۃ وغیرہ بھی ان پر واجب ہوگی۔

لما فی الہدایۃ: (۲۸۱/۳) مطبع رحمانیہ

وتصح بالایجاب والقبول والقبض لما لا یجاب والقبول فلانہ عقد العتین عند بالایجاب والقبول والقبض لا یصح للثبوت للملک۔ ولنا قولہ علیہ السلام: لا یجوز للہبۃ الا مقبوضۃ۔ ولما فی الفقہ الاسلامی وادللہ: (۳۱۶/۵) مطبع رشیدیہ

لما لقبض فی الہبۃ ان یکون الموروب مقبوضا، فلا یثبت الملک للموروب لہ قبل القبض بل لا تتحقق الہبۃ الا بالقبض والقبض مولد لار الہبۃ عند الحنفیۃ۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: اسلام آباد شاہ بمبشی

فتویٰ نمبر: ۱۸۸۸

۲۳ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

﴿شادی کے موقع پر تحفے تحائف وغیرہ دینے کی شرعی حیثیت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں یہ طریقہ رائج ہے کہ جب خاندان میں کسی کی شادی ہوتی ہے تو خاندان کے دوسرے افراد گندم، گھی، چینی وغیرہ کے ذریعے سے مدد کرتے ہیں لیکن مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے کہ مقصود انکایہ ہوتا ہے کہ جب ہمارے ہاں شادی ہوگی تو یہ بھی اس سے زیادہ چیز لیکر آئیں گے اگر خدا نخواستہ کوئی شخص بدلہ نہ

دے یا کم دیں تو ناراضگی کا اظہار بھی کر دیتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ خاندان والوں سے ایسی چیزیں لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور لینے کے بعد واپس کرنا لازمی ہے یا نہیں؟ مستفی: محمد راز شاہ

﴿جواب﴾ خاندان والوں کی طرف سے یہ سامان جسکو دیا جاتا ہے، یہ بہہ کی صورت ہے، لہذا فی نفسہ لینا دینا نہ صرف جائز ہے بلکہ پسندیدہ عمل ہے لیکن بہہ دینے والے کا اس پر نظر رکھنا کہ اس کا بدلہ ملیگا یہ ناپسندیدہ سوچ ہے، اس سے بچنا چاہیے، البتہ جس شخص کو کوئی بہہ، عطیہ وغیرہ کسی دوست، عزیز کی طرف سے ملے، اس کے لئے اخلاقی تعلیم یہ ہے کہ وہ بھی مناسب موقع پر اس کی مکافات کرے ہاں مکافات کی صورت ایسی نہ بنائے کہ دوسرا آدمی یہ محسوس کرے کہ میرے ہدیہ کا بدلہ دے رہا ہے اور آپ کے علاقہ میں یہ لینا دینا قرض کے درجے میں اگر رائج ہے جس طرح سوال میں ذکر ہے کہ ناراضگی کا اظہار بھی کرتے ہیں کم دینے کی صورت میں تو یہ ایک صحیح اور پسندیدہ عمل کو غلط سمجھ ملا ہے، علاقہ کے علماء کرام کو ہی صحیح صورتحال کا علم ہوگا، وہ مناسب سمجھیں تو بہہ کی اس صورت کو منع کر دیں۔

لما فی قوله تعالى: (سورة الروم، آیت ۳۸)

وما آتیتم من ربالیربوالی اموال الناس فلا یربوا عند الله..... الآية.

ولما فی المظہری: (۲۳۱/۴، طبع رشیدیہ)

قال البغوی اختلاف فی معنی الآية فقال سعید بن جبیر ومجاهد وطاؤس وقتادة واكثر المنسرين هو الرجل يعطى غيره العطية لئليبيب اكثر منها وهذا جائز حلال ولكن لا يثاب عليه يوم القيامة وهو معنى قوله لا یربوا عند الله..... وقال الضحاك هو الرجل يعطى قریبه او صديقه لتكثير ماله ولا یريد به وجه الله.

ولما فی المرقاة: (۱۳۴/۶، طبع رشیدیہ)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرء الا بطیب نفس منه كروا البیهتی فی شعب الايمان والدارای مسلم او نسی (الا بطیب نفس) ای بامر لورضا منہ.

والله اعلم بالصواب: سلمان احمد

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۹۰۳

۷ صفر ۱۴۲۳ھ

﴿شادی کے موقع پر دلہن کو تحفہ تحائف دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں۔ کہ جب کسی

لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو اسکی سہیلیاں اسکے لئے گفٹ یعنی تحفہ وغیرہ لاتی ہیں لیکن طریقہ کار اس

کا کچھ اس طرح سے ہوتا ہے کہ جس لڑکی کو شادی میں تحفہ دیا جاتا ہے یہ لڑکی بھی دینے والی کی شادی میں تحفہ دینے کو ضروری سمجھ لیتی ہے بلکہ اگر یہ تحفہ لینے والی تحفہ دینے والی کو تحفہ کسی مجبوری کی بناء پر نہیں دے پاتی تو اس صورت میں لعن طعن کا خوب شکار ہوتی ہے آیا یہ فعل درست ہے؟

﴿محول﴾ علاقہ کا عرف واقعی اگر ایسا ہی ہے کہ تحفہ دینے والے کو اس کا بدل لوٹنا ضروری سمجھا جاتا ہے تو ایسی صورت میں تحفہ قبول کرنے سے اس کا بدل مناسب موقع پر لوٹنا ضروری ہوگا لہذا تحفہ میں مثلی چیز مثلاً گندم، چینی یا نقد روپے اگر دیئے ہیں تو وہی چیز لوٹنا ضروری ہوگا اور غیر مثلی چیز اگر دی ہو مثلاً کپڑا، فرنیچر وغیرہ تو اس چیز کی قیمت یا اتنی قیمت کی دوسری کوئی چیز دینا ضروری ہوگا۔ معلوم نہیں مستفتی کا تعلق کونسے علاقہ سے ہے شادی کے موقع پر تحائف لینے دینے کا رواج تو تقریباً ہر علاقہ میں ہوتا ہی ہے لیکن عموماً تعاون احسان ہی کے درجہ میں تحفہ لیتے دیتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ احسان کرنے والا دوسرے سے بھی احسان کی توقع رکھتا ہے لیکن قرض کے درجہ میں اس کا بدل باقاعدہ مطلوب نہیں ہوتا۔

کسی علاقہ میں اگر قرض کے درجہ میں اس کا بدل لوٹنا ضروری سمجھا جاتا ہو تو ایسے رواج کو ختم کرنا چاہئے علماء کرام اور دیندار طبقہ اس میں کردار ادا کر سکتے ہیں اسلئے کہ ایسے رواج کی وجہ سے آپس میں دل ٹوٹتے ہیں اور ناراضگیاں ہو جاتی ہیں اور رضائے الہی چونکہ مقصود نہیں ہوتا تو ثواب بھی کچھ نہیں ہوگا تو یہ رواج نقصان کا باعث ہے اسلئے ختم کرنے کی کوشش ہونی چاہئے۔

لما فی الشامی (ج ۵/۶۱۶ طبع سعید)

بان کان من اقرباء الزوج او المرأة او قال المسہدی: اہدیت للزوج او المرأة کما فی القاتار خانہ، وفی الفتاوی الخیریة سنن فیما یرسلہ الشخص الی غیرہ فی لاعراس ونحوہا مل یرکون حکمہ حکم القرض فیلزم الوفاء بہ ام لا؟ اجاب: ان کان العرف بانہم یدفعونہ علی وجہ البدل یلزم الوفاء بہ مثلاً فیمثلہ، وان کان قیماً فیمثلہ وان کان العرف خلاف ذلک بان کانوا یدفعونہ علی وجہ الہبۃ ولا ینتظرون فی ذلک الی اعطاء البدل فحکم الہبۃ فی سائر احکامہ فلہ رجوع فیہ بعد الہلاک او الاستہلاک من الاصل فیہ ان المعروف عرفاً کالمشروط شرطاً۔

ولما فی مجموعہ رسائل الکھنوی (سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر ج ۳/۳ طبع ادارۃ القرآن)

فکم من مباح یصیر بالالتزام من غیر لزوم والتخصیص من غیر مخصص مکروہا۔

ولما فی التفسیر المظہری (ج ۴/۲۳۱ طبع رشیدیہ)

قال البغوی اختلفوا فی معنی الآیۃ فقال سعید بن جبیر ومجاهد وطاوس وقتادہ

و اکثر المسلمین هو الرجل يعطى غيره العطية يثيب أكثر منها وهذا جائز حلال ولكن لا يثاب عليه يوم القيامة وهو معنى قوله لا يبرو عند الله وقال الضعاف هو الرجل يعطى قريبه أو صديقه لتكثير ماله ولا يبريد به وجه الله .

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: محمد داؤد قاروقی ہانکوی

۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ

لتوی نمبر: ۴۱۰۶

﴿کسی مشترک چیز کا ہبہ کرنا صحیح نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا کاروبار بھائیوں کیساتھ مشترک ہے، میرا اس میں پانچواں حصہ ہے یہ ایک کہنی ہے جس کو ہم مشترک طور پر چلا رہے ہیں، میرے بیٹے نے کافی اصرار کیا کہ مجھے اس میں باقاعدہ حصہ دار بنایا جائے حالانکہ اس کے لئے باقاعدہ تنخواہ مقرر تھی اور میرے بھتیجے بھی ساتھ ساتھ کام کرتے ہیں لیکن ان کے لئے کوئی بھی تنخواہ مقرر نہیں ہے، ہم بھائیوں نے مشورہ سے بیٹوں کے لئے الگ الگ کاروبار بھی شروع کر کے دیدیا وہ خود ہی سنبھال رہے ہیں لیکن میرے بیٹے کا برابر اصرار رہا کہ مجھے مکمل طور پر پارٹنر بنایا جائے تو مصلحت کی خاطر میں نے کہہ دیا کہ تجھے پارٹنر بنادیا۔

(۱) اب سوال یہ ہے کہ میرا بیٹا پارٹنر ہے یا نہیں ہے؟ اگر پارٹنر ہے تو میرے لئے شرعاً یہ جائز ہے جبکہ میری دیگر اولاد بھی ہے اور اہلیہ بھی حیات ہے۔ (۲) پارٹنر ہے تو صرف نفع نقصان میں یا کہنی کے اثاثوں میں بھی شریک ہوگا۔ (۳) کہنی کے علاوہ بھی ہم بھائیوں کی مشترکہ جائیداد، اثاثے وغیرہ ہیں کیا ان میں بھی شریک ہوگا؟ مستفتی: حاتی مظہر یعقوب ابو بکر مسجد فیروز

﴿جواب﴾ یاد رہے کہ جب تک والد حیات ہوتے ہیں اپنے مال و جائیداد کے خود ہی مالک اور مختار ہوتے ہیں، بالغ اولاد کو والد کے مال و جائیداد میں سے مطالبہ کا کوئی حق حاصل نہیں ہوتا، لہذا آپ کے بیٹے کا مطالبہ کہ مجھے پارٹنر بنایا جائے خلاف شریعت ہے۔

البتہ والد اپنی مرضی اور خوشی سے اولاد کو مالکانہ طور پر جائیداد وغیرہ دینا چاہے تو اس کا بھی اسے اختیار ہے لیکن سب کو برابر دینا چاہیے، یہی اصل حکم ہے، بلاوجہ فرق کرنا مناسب نہیں ہے۔

لسالی الدر المختار: (۸/۲۵۵ مطبع سعید) ولو رغب فی صحته کل المال للولد جازواثم.

ولسالی تكملة فتح الملہم: (۸/۷۰ مطبع دارالعلوم کراچی)

قد انعم الا جماع علی جواز اعطاء الرجل ماله لغیر ولده فاذا جاز له ان ینخرج جمیع ولده

من ماله جازله ان ینخرج عن ذلک بعضهم ذکرہ ابن عبدالبروتعقبہ العافظ فی الفتح
ہاں اگر کسی خاص وجہ سے ایک کو زیادہ دیا دوسرے کو سبجا کم دیدیا تو اس طرح فرق کرنے
میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

لما فی الدرالمختار: (۵/۱۹۱، طبع سعید)
لاباس بتلخیص بعض الاولاد فی المحبة لانہا عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصدہ
الاضرار وان قصدہ فسوی بینہم یعطى البنت کالابن عندالثانی وعلیہ الفتوی.
ولما فی الہندیۃ: (۱/۲۴۷، طبع رشیدیہ)
ولو وہب جمیع ماله من ابنہ جازواثم نص علیہ محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ولو خص
بعض اولادہ لزیادۃ رشدہ لاباس بہ.

زندگی میں والد اپنی اولاد کو اگر مالکانہ طور پر جائیداد وغیرہ دیتا ہے تو یہ شرعاً ”ہبہ“ کہلاتا ہے
اور ہبہ صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جو چیز بطور ہبہ دی جائے وہ مشترک نہ ہو بلکہ الگ اور ممتاز
ہو اور جس کو ہبہ کیا جائے باقاعدہ اس کے قبضے میں دیا جائے ورنہ ہبہ مکمل نہ ہوگا اور وہ چیز بدستور
والد کی ملکیت میں رہے گی۔

لما فی الفقہ الاسلامی وادلتہ: (۵/۳۹۰، طبع رشیدیہ)
فلاتصح عندالمعتبۃ المشاع لئلاکان یحتمل التسمۃ کالدائر للہبت الکبیر وتکون الہبتۃ فاسدۃ.
ولما فی شرح الزیادات: (۲/۱۱۲، طبع دارالفکر بیروت)
والشہوع فی ما یحتمل التسمۃ یمنع تمام القبض فیمنع تمام الہبتۃ.
ولما فی الہندیۃ: (۱/۲۴۹، طبع رشیدیہ)
وہب نصیبہ ما یقسم کالدائر الارض والمکیل والموزون من غیر شریکہ لایجوز عند
الکل وان من شریکہ لایجوز عندنا.

مندرجہ بالا حوالوں سے آپ کے تمام سوالوں کا جواب واضح ہو گیا کہ آپ نے بیٹے سے
اگرچہ یہ کہہ دیا ہے کہ ”ہم تینوں تمام کاروبار میں برابر کے پارٹنر ہوں گے“ اس سے وہ نہ نفع
ونقصان میں پارٹنر بنے ہیں اور نہ ہی اثاثوں میں، بھائیوں کے ساتھ مشترکہ کاروبار میں اپنے
حصے کے آپ خود ہی مالک ہیں، بیٹوں کا کوئی حق نہیں بنتا، اس لئے کہ یہ ہبہ کی تمام صورت ہے
ہبہ تب صحیح ہوتا کہ آپ اپنے بھائیوں سے اپنا حصہ الگ کرتے اور اپنا تصرف بھی مکمل ختم کرتے
اور بیٹے کے حصے میں دیتے تو ہبہ تام ہو جاتا لیکن آپ نے ایسا کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا۔

البتہ تمام بھائیوں نے اپنے بیٹوں کو حوالہ کاروبار دیا ہے اور بیٹے خود ہی وہ کاروبار چلا رہے ہیں، آپ

لوگوں کا یعنی والد کا نکلے کاروبار پر کوئی قبضہ نہ صرف باقی نہیں رہا ہے تو صرف ایسے کاروبار کے مالک ہیں۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: ثار محمود کوہاٹی

۳ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

فتویٰ نمبر: ۱۷۷۵

﴿کاغذات میں بیوی کا نام لکھوانے سے بیوی مکان کی مالک نہیں بنتی﴾

﴿سوال﴾ محترم مفتی صاحب السلام علیکم امیر مسئلہ یہ ہے کہ (۱۳/۰۱/۰۹) کو میری بیوی کا انتقال ہو گیا ہے، اس کے نام ایک مکان ہے جو کہ میں نے اپنے پیسے سے بنایا تھا یعنی رقم میری تھی اور رجسٹری میری بیوی کے نام تھی، اس طرح سے یہ مکان بیوی کے نام تھا، معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ مکان میری بیوی کی ملکیت کہلائے گی یا میری ملکیت؟ جبکہ رقم میری تھی، وارثوں میں کل چار وارث اس طرح ہیں میں (شوہر) دو بیٹے ایک بیٹی، مکان کی اس وقت مالیت پچاس 5000000 لاکھ ہے۔ برائے مہربانی یہ بتا دیجئے کہ خدا کے قانون کے مطابق اس مکان یا رقم کے کتنے حصہ ہونگے؟ اور ہر ایک کو کتنی رقم ملے گی؟ حصہ اور رقم دونوں بتا دیجئے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میں نے اور بیوی مرحومہ نے اپنی زندگی میں ایک فلیٹ اپنی بیٹی کو دیدیا تھا اور گفٹ ڈیڈ رجسٹری بیٹی کے نام کروادی میں نے بیوی کی زندگی میں بیوی سے کہا تھا کہ یہ جو مکان ہے اس میں اگر دونوں بھائی بیٹی یعنی بہن کو حصہ دے دیں تو ٹھیک ہے ورنہ بیٹی اسی فلیٹ کو اپنا حصہ سمجھے جس پر میری بیوی یہ کہتی تھی کہ مکان میں بیٹی کا بھی حصہ ہے، سوال یہ ہے کہ کیا بیٹی میرا اپنے دونوں بھائیوں کا خیال کرتے ہوئے ان کے حق میں اپنا حصہ معاف کر سکتی ہے کہ اس مکان میں وہ حصہ دار نہیں ہے یہ تم دونوں بھائی لے لو تو اس طرح اس مکان کے کتنے حصہ ہوئے اور کتنی رقم تینوں وارثوں کو ملے گی پچاس لاکھ میں سے؟

تفتیح: کیا آپ نے صرف کاغذی کاروائی میں بیوی کا نام لکھوایا تھا یا مالکانہ حقوق بھی بیوی کو

دیدئے تھے؟

جواب تفتیح: صرف کاغذی کاروائی میں بیوی کا نام لکھوایا تھا مالکانہ حقوق اسکے حوالے نہیں

کئے تھے آخر تک مکان اپنے قبضے میں تھا اور اب بھی ہے۔

﴿جواب﴾ صرف کاغذوں میں مکان کسی کے نام کروانے سے وہ مالک قرار نہیں پاتا،

مالک بنانا منظور ہو تو اپنا قبضہ اور تصرف مکمل طور پر ختم کر کے اس کے باقاعدہ قبضہ میں دینا ضروری ہے، آپ نے قبضہ اور تصرف آخر تک اپنا رکھا تو صرف نام کروانے سے مکان آپ کی بیوی کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوا، مکان بدستور آپ کی ملکیت میں ہے، آپ اگر چاہتے ہیں کہ یہ مکان صرف میرے دو بیٹوں کا ہو اور اپنی بیٹی کو جو مکان آپ نے دیا ہے وہی اسکے لئے کافی سمجھتے ہو تو مکان دونوں کو باقاعدہ تقسیم کر کے انکے نام کر دیں اور اپنا قبضہ خواہ تھوڑی دیر کیلئے ہو مکمل ختم کر کے مکان پوری طرح لڑکوں کے قبضہ اور تصرف میں دیدیں بعد میں بیشک آپ اپنے بیٹوں کیساتھ اسی مکان میں رہائش رکھیں لیکن ایک مرتبہ اپنا قبضہ مکمل طور پر ختم کرنا اور بچوں کے قبضہ میں دیدینا ضروری ہے تاکہ ہبہ تام ہو۔

لحمای خلاصۃ الفتاوی: (۲/۴۰۰ طبع رشیدیہ)

وفی الفتاوی رجل له ابن وبنت اراد ان یهب لهما شیاً لما لا فضل ان یجعل بینہما سواہ
وهو المختار لورود الأثار ولوروب جمیع ماله لا ینتہ جاز قضاء، وهما من نص عن
محمد عکذافی العیون.

ولحمای الدر المختار: (۵/۲۹۶ طبع رشیدیہ)

وفی الخانیۃ لا بأس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبۃ لانہا عمل القلب وکذا فی العطایا
ان لم یقصدہ الاضرار وان قصدہ فسوی بینہم یعطى البنات کالابن عند الثانی وعلیہ
الفتوی ولوروب فی صحته کل المال للولد جاز واثم.

ولحمای شرح المجمل: (۲/۳۹۶ طبع ماہدیہ) لا ینتقد لہبۃ بالایجاب والقبول وتتم بالقبض

والجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زکی

فتویٰ نمبر: ۱۹۳۳

۲۷ صفر ۱۳۳۰ھ

﴿ہبہ سے رجوع کرنے کی چند مستثنیٰ صورتیں﴾

﴿مرد﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہبہ میں کن کن صورتوں میں رجوع نہیں کیا جاسکتا؟

﴿مرد﴾ شرعاً ہبہ کی ہوئی چیز میں دوبارہ رجوع کیا جاسکتا ہے، البتہ چند صورتیں اس

سے مستثنیٰ ہیں یعنی اس میں ہبہ شدہ چیز میں رجوع نہیں کیا جاسکتا۔

(۱) ہبہ شدہ چیز میں زیادتی کر لی جائے مثلاً کسی نے ایک شخص کو زمین ہبہ کی پھر اس نے اس

زمین میں عمارت یا کنواں بنایا تو اس صورت میں ہبہ کی ہوئی زمین میں رجوع نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) ہبہ کرنے والا یا جس کو ہبہ کیا ہے ان دونوں میں سے کوئی انتقال کر جائے تو پھر ہبہ میں ملک وراثت کی طرف منتقل ہونے کی وجہ سے بھی رجوع نہیں کیا جاسکتا۔

(۳) ہبہ کرنے والا اپنی ہبہ شدہ چیز کا عوض لے لے اگرچہ عوض تھوڑا ہو یا زیادہ، اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، ہبہ کی جنس سے ہو یا نہ ہو اس صورت میں بھی اپنی ہبہ شدہ چیز میں رجوع نہیں کیا جاسکتا۔

(۴) ہبہ کی ہوئی چیز موہوب لہ (جسکو ہبہ کی ہو) کی ملکیت سے نکلنے کے بعد بھی واپس (ہبہ کرنے والا) رجوع نہیں کر سکتا۔

(۵) میاں بیوی نے ایک دوسرے کو کوئی چیز ہبہ کی تو اس صورت میں رجوع نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ اس سے قطع تعلق کا اندیشہ ہے۔

(۶) اپنے کسی ذی رحم محرم کو ہبہ کرنے کے بعد بھی رجوع نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ ہبہ سے مقصود صلہ رحمی ہے، ان کے علاوہ تمام صورتوں میں رجوع کیا جاسکتا ہے اگرچہ ناپسندیدہ ہے۔

لما فی الہدایۃ: (۳/۲۹۰-۲۹۱، مطبع رحمانیہ)

واذا وہب ہبۃ لاجنبی فله الرجوع فیہا الا ان یعرضہ عنہا او زیادۃ متصلۃ او یموت احد المتعاقدين او ینتزع الہبۃ عن ملک الموهوب لہ الخ.

ولما فی التنبیہ مع الرد: (۵/۲۹۹، مطبع سعید)

(وینتزع الرجوع فیہا مع خرقۃ) قال الرملی: قد تنظم ذلک والدی العلامة شیح محیی الدین فقال:

منع الرجوع من المواہب سبعة: ۱- فزیادۃ موصولۃ موت عوض

وخروجه عن ملک موهوب لہ ۲- روجۃ قرب ہلاک قد عرض.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زئی

فتویٰ نمبر: ۲۱۲۰

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

﴿والد صاحب کی حیات میں تقسیم شدہ جائیداد کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہم چار بھائی ہیں جنکے درمیان

جائیداد کی تقسیم والد صاحب نے بقید حیات کر دی تھی جس میں ہر بھائی کو اپنا حصہ دے دیا تھا اور

ایک بھائی مثلاً زید جنکے حصے میں دکان آئی اور والد صاحب کی خدمت بھی وہ کرتا تھا تو تحریر میں یہ

لکھا گیا کہ یہ دکان زید اور والد صاحب کی ہے اس وقت والد صاحب نے یہ اعتراض بھی کیا تھا

کہ میرا نام کیوں اسمیں ڈالا تو تحریر والے نے کہا کہ آپ اور زید میں کیا فرق ہے یعنی زید آپ کی خدمت کرتا ہے آپکے ساتھ ہے لیکن دکان میں والد صاحب کا کوئی تصرف نہیں تھا۔

اس تقسیم کے پانچ سال بعد بھائیوں نے زید پر یہ دعویٰ کیا کہ والد صاحب چونکہ آپکے ساتھ تھے تو آپکی ساری جائیداد میں ہم سب بھائی شریک ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ زید کے ساتھ دوسرے بھائیوں کا حصہ ہے یا نہیں؟ اگر شریک ہیں تو زید نے جو پانچ سال محنت کر کے پلاٹ وغیرہ خریدے ہیں اسکا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ والد صاحب جب اپنی جائیداد بقید حیات تقسیم کرتے ہیں وہ بہت سمجھا جائیگا کہ میراث، اسلئے کہ میراث کا تعلق موت سے ہے تو جب والد صاحب نے ہر ایک کو اپنا حصہ الگ کر کے دیدیا اور ہر ایک نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تو یہ بہت نام ہو گیا، اب اسمیں کسی کا کوئی حق باقی نہیں رہا، لہذا زید کے حصہ میں جو دکان آئی ہے اور والد صاحب کی حیات میں صرف زید کے تصرف میں رہی تو اب یہ زید کی ملکیت ہے کسی بھی بھائی کا اسمیں کوئی حصہ نہیں ہے، تحریر میں لکھنے والے کی غلطی سے دکان میں والد صاحب کو حصہ دار سمجھا صحیح نہیں ہے۔

لسانی التفریع مع الدر: (۵/۶۰۰، طبع سعید)

(ونتم) الہیۃ (بالقبض) (الکامل) (ولو السوہوب شاغلا لملک الواہب لامشغولاً بہ) والاصل ان السوہوب ان کان شاغلاً لملک الواہب منع تمامہا۔
ولسانی المہندیۃ: (۴/۳۷۶، طبع رشیدیہ)

قال الاب جمیع ما هو حتی وملکی فهو ملک لولدی هذا الصغیر فهو کرامة لا تملک بخلاف مالو عینہ فقال حانوتی الذی املکہ اوداری لابن الصغیر فهو عہدہ وتتم بكونها فی ید الاب کذا فی التنبیہ۔

ولسانی التتبع العامدیۃ: (۲/۹۳، کتاب الہیۃ، طبع رشیدیہ)

ومنہا ان یكون السوہوب مقبر ضاحقی لا یثبت الملک للسوہوب لہ قبل القبض وان یكون مقسوما اذا کان ما یحتمل القسمة۔

ولسانی بدائع الصنائع: (۱۲۲/۶)، کتاب الہیۃ (سعید) ملک السوہوب لہ السوہوب بالقبض۔

واللہ اعلم بالصواب: احقر علی غفرلہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

یکم صفر الخیر ۱۴۳۱ھ

فتویٰ نمبر: ۳۳۰۹

﴿اپنی زندگی میں جائیداد وراثہ میں تقسیم کرنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک بیٹا اور پانچ بیٹیاں ہیں، میں اپنی زندگی ہی میں ان کے درمیان جائیداد تقسیم کرنا چاہتا ہوں تاکہ میرے انتقال کے بعد ان میں تلخیاں نہ ہوں، کیا میرا اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان جائیداد تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو تقسیم کی کیا صورت ہوگی؟
مستفتی: رشید اللہ خان

﴿جواب﴾ یاد رہے کہ زندگی میں اپنی جائیداد وراثہ میں تقسیم کرنا وراثت نہیں بلکہ ہبہ کہلاتا ہے، مذکورہ صورت بھی ہبہ ہی کی ہے۔

زندگی میں جائیداد تقسیم کی جاسکتی ہے، اس کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ بیٹے اور بیٹیوں کو برابر حصے دیے جائیں، تاہم بیٹیوں کو بہت بیٹیوں کے دوگنا دینا بھی جائز ہے اور اگر کسی بچے کو دینداری یا فرمانبرداری اور خدمت کی وجہ یا کسی اور وجہ سے مثلاً اس کی مالی حالت کمزور ہو اور اولاد کا بوجھ اس پر زیادہ ہو دیگر وراثہ سے زیادہ دے دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لئے کہ ذاتی مال میں جائز تصرف کا آپ کو حق حاصل ہے۔

لما فی خلاصۃ الفتاوی: (۲/۴۰۰ طبع رشیدیہ)

وفی الفتاوی رجل له ابن وبنت اراد ان یهب لهما شیئاً فالفضل ان یجعل للذکر مثل حظ الانثیین عند محمد وعند ابی یوسف بہنہما سواء هو المختار للزور والاثار ولور وحب جمیع ماله لابنہ جاز فی القضاء وهو ان نص عن محمد ھکذا فی العیون ولو اعطی بعض ولده شیئاً دون البعض لزیادۃ رشدہ لایس بہ وان کاناً سواء لاینبی ان یفضل ولو کان ولده فاسقاً فاراد ان یصرف ماله الی وجہ الخیر و یحرمه من المہرات ھذا لخیار من ترکہ لان فیہ اعاتۃ علی المعصیۃ ولو کان ولده فاسقاً لایعطى لہ اکثر من قوتہ.

ولما فی التکویر مع الدر: (۵/۶۹۶ طبع سعید)

وفی الخانیۃ لایس بہ بتفضیل بعض الاولاد فی المحبۃ لانہا عمل القلب وکنافی المطاہان لم یقصد بہ الا ضرار وان قصده فسوی بہنہم یعطى البنات کالابن عند ثانی وعلیہ الفتوی.

ولما فی الشامی: (۵/۶۹۶ طبع ایچ ایم سعید)

(قولہ وعلیہ الفتوی) ای علی قول ابی یوسف من ان التخصیف بہن الذکر والانثی الفضل من التلیل الذی ہو قول محمد ملی.

واللہ اعلم بالصواب: عدنان خدا بخش

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

نوی نمبر: ۲۷۳۹

۸ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ

﴿واپڈا کے ملازم کیلئے مفت یونٹس کسی کو ہبہ کرنا درست نہیں﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی واپڈا میں ملازم ہے اور واپڈا والے کہنی ہر ملازم کو اسکے سکیل کے بقدر بجلی کے کچھ یونٹ مفت دیتے ہیں، یہ یونٹس کہنی کی طرف سے رعایتی ہوتے ہیں، اب پوچھنا یہ ہے کہ ان یونٹوں کو کسی دوسرے آدمی کو ہبہ کرنا یا فروخت کرنا کیسا ہے؟ مستفی ذاکر ملازم صاحب

﴿مولا﴾ واپڈا والے یہ یونٹس اپنے ملازم کو اباحت دیتے ہیں، تمہلیر کا نہیں دیتے یعنی اتنی یونٹس تک استعمال مفت قرار دیتے ہیں جسکی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر واپڈا والے کو معلوم ہو جائے کہ اس ملازم نے ان یونٹوں کو بیچ دیا کسی کو ہبہ کر لیا تو یہ قانونی جرم شمار کیا جاتا ہے اور ان کی طرف سے قانونی کارروائی کی جاتی ہے، لہذا رعایتی یونٹ کسی کو ہبہ کرنا یا آگے بیچنا صحیح نہیں ہے۔

الجواب صحیح: محمد الرحمن معاذ اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمن

نوی نمبر: ۱۳۳۲

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

﴿حکم العطیة والوصیة باعضاء الانسانية﴾

﴿انسانی اعضاء کو عطیہ کرنے کا حکم﴾

﴿مولا﴾ من اراد ان يعطى اویوصی باعضائه هل يجوز له ام لا ؟

﴿مولا﴾ الحكم الاصلی لهذه المسئلة انه لا يجوز لاحد ان يعطى اویوصی عضو من اعضاءه بحال لكرامة الانسانية وفي ابتذاله اهانة لها كما هو مقتضى قوله تعالى (ولقد كرمنا بنی آدم) وقوله ﷺ (لئن الله الواصلة والمستوصلة) الا ان بعض العلماء جوزوها عند الضرورة الشديدة بشرط ان لا ينفعه اعضاء غیر الانسانية وان لا یفرضی الی موت متبرع كالقلب او الی تعطیل له من تمام المنفعة كالیدین والرجلین واما نقل احدى الكلیتین او احدى العینین او بعض الدم اذا لم یؤدی الی ضرر بالغ بتفویت اصل الانتفاع او جله جائز بشرط حصول الاذن من المنقول منه وعند الضرورة الشديدة بطریق یقین كاخبار طیب حاذق مسلم واما البیع فلا يجوز بكل حال ولیکن جالب الجواز مقصور علی الضرورة الشديدة بحيث تنوقف حياة

المنقول الیہ علی ذلک العمل وان لا یؤدی هذا العمل الی ضرر بالغ بغیوت اصل
الانتفاع للمتعبر ومع هذا ینبغی ان یتغفر علی هذا العمل یتصدق بشئ احتیاطا
وان کان هذا العمل تحسینة مثلالو کان له عین وهو یرید عین آخر او اضافة بعض
الانسان فلا خلاف فی عدم الجواز.

لما فی الشامی: (۲/۲۳۸، طبع سعید)

وان قال له آخر اقطع یدى وكلها لایحل لان لحم الانسان لایحل فی الاضطرار لکرامته.
ولما فی الفتاویٰ الہندیہ: (۵/۲۳۸، طبع رشیدیہ)

مضطرب لم یجد میتة وخاف الهلاك فقال له رجل اقطع یدى وكلها وقال اقطع منی
قطعة وكلها لایسع له ان یفعل ذالک ولا یصح أمره به کما لایسع للمضطرب ان یقطع
قطعة من نفسه فیأكله.

ولما فی التنبیہ مع الدر: (۱/۲۰۴، طبع سعید)

(روآدمی) فلا یدبغ لکرامته ولو دبغ طهروا ان حرم استعماله، حتی لو طعن عظمه فی
دقیق لم یؤکل علی الاصح احتراماً.

ولما فی سنن ابی داود: (۲/۱۰۴، طبع رحمانیہ) کسر عظم السیت ککسره حیاً.

ککسره حیاً یعنی فی الاثم کما فی رواية قال الطیبی اشارۃ الی انه لایہان میتاً کما
لایہان حیاً وقال ابن الملک والی ان السیت یتألم وقال ابن العجرو من لازمه ان
یستلذ بہما یستلذ بہ الحی انتهى وقد اخرج ابن ابی شیبۃ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ
قال اذی المؤمن فی موته کاذاه فی حیاته ذکرہ فی السرقات.

واللہ اعلم بالصواب: معراج الدین

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۲۷۱

۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

﴿والد سے مانگی گئی رقم قرض ہے یا ہبہ؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں اپنے تمام بھائیوں

میں سے بڑا ہوں ہم کل سات بھائی دو بہنیں ہیں ۱۹۹۶ء میں میں نے اپنے والد سے درخواست
کی کہ مجھے کچھ پیسے دیدیں تاکہ میں کراچی میں اپنا کاروبار شروع کروں والد صاحب نے دو لاکھ
روپے نقد دیدیا جس سے میں نے ایک فلیٹ قسطوں پر لیا دو لاکھ نقد دیکر اور مزید قسطیں ادا کرنی
تھیں قسطوں کی ادائیگی کیلئے اسی طرح مزید کچھ میرے ذمہ اس فلیٹ کے سلسلہ میں رقم واجب
ہوئی، میرے پاس رقم نہیں تھی تو اپنے بھائیوں سے بطور قرض مزید رقم لی بلکہ کئی مرتبہ قرض لیا پھر

والد صاحب کا انتقال ہوا، پوچھنا یہ ہے کہ میں نے والد صاحب کی رقم سے جو فلیٹ لیا ہے آیا اس میں میرے بھائیوں کا حق ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ رقم دیتے وقت والد صاحب نے بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا کہ یہ قرض ہے اور نہ ہی بعد میں کوئی مطالبہ یا واپسی کا تذکرہ کیا۔

﴿جواب﴾ والد صاحب نے آپکو جو رقم دی ہے اور اسکے بعد اس رقم کے بارے میں قرض ہونے کی صراحت نہیں کی اور نہ ہی بعد میں مطالبہ کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رقم آپکے والد صاحب نے آپکو بطور ہبہ دی ہے، لہذا اس رقم کا لوٹانا اور میراث میں شامل کرنا آپکے ذمہ واجب نہیں ہے، البتہ آپکے بھائیوں نے گواہوں وغیرہ کے ذریعہ اگر ثابت کر دیا کہ والد صاحب نے یہ رقم بطور قرض دی تھی تو اتنی رقم والد صاحب کے ترکہ میں شامل کرنا ضروری ہوگا اور مکان کا سودا آپ نے خود ذاتی طور پر اپنے لئے کیا ہے اس میں کسی اور بھائی وغیرہ کا کوئی حصہ نہیں ہے، البتہ بھائیوں سے جو قرضہ لیا ہے اسکی ادائیگی آپکے ذمہ ہے۔

لما فی الہندیۃ: (۲/۴۱۲، طبع رشیدیہ کوئٹہ)

ولو دفع الی ابنہ مالا یصرف فیہ الابن یكون للأب الا اذا دللت دلالة علی التملیک کذا فی الملتقط رجل دفع الی ابنہ فی صحته مالا یصرف فیہ ففعل فیہ وکثر ذلک لمات الأب ان أعطاه هبة فالکل له وان دفع الیہ لان یعمل فیہ للأب فهو میراث کذا فی جواهر الفتاویٰ ولما فی الدر المختار: (۵/۶۰۹، طبع ایچ ایم سعید)

دفع لابنہ مالا یصرف فیہ ففعل وکثر ذلک لمات الأب ان أعطاه هبة فالکل له والامیرات وتامہ فی جواهر الفتاویٰ.

واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

نوی نمبر: ۲۵۳۵

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

﴿صدقہ اور ہبہ میں فرق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہبہ اور صدقہ میں کیا فرق ہے؟

﴿جواب﴾ ہبہ میں ابتداء صلہ رحمی اور اکرام مقصود ہوتا ہے اگرچہ مالِ انیس بھی ثواب ہوتا ہے اور صدقہ میں ابتداء ہی ثواب مقصود ہوتا ہے، البتہ دونوں کے حکم میں یہ فرق ہے کہ ہبہ میں چیز دینے کے بعد بعض صورتوں میں رجوع کر سکتا ہے اور صدقہ میں رجوع نہیں کر سکتا ہے۔

لما فی کشف اصطلاحات الفنون: (۲/۱۴۴، طبع سہیل اکیڈمی)

الہبة عند الفقہاء، تملیک عین بلا عوض ای بلا شرط عوض لان عدم المعوض شرط فیہ

حتى ينتقض بالهبة بشرط العرض فتدبر ويشتمل بهذا الهبة المراد بها اكرام المهدى والصدقة المراد بها وجه الله وقيل الصدقة ليست بهبة اذ لا يصح الرجوع فيها بخلاف الهبة. ولما فيه ايضاً (۸۵۱/۱) مطبع سهيل اكيلمي

الصدقة بثلثتين من الصدق سمي بها عطية يراد بها المثلوبة لا التكرمة لان بها يظهر صدقه في العبودية.

والله اعلم بالصواب: محمد طيب حسن زكي

الجواب صحیح: محمد الرحمن عفا الله عنه

نوی نمبر: ۲۰۷۸

۲۵ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

﴿بھکاری سے صدقہ یا ہبہ میں کوئی چیز لینا کیسا ہے؟﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بھیک مانگنے والے سے صدقہ یا ہبہ میں کوئی چیز لینا کیسا ہے؟ مستفتی: قاری محمد دین

﴿جواب﴾ پیشہ ور مانگنے والے کے پاس جو مال ہوتا ہے شرعاً بھکاری اس کا مالک قرار پاتا ہے لیکن طیب نہیں ہوتا یعنی اس مال میں خبث ہوتا ہے اور خبیث مال کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے مالکوں کو واپس کر دیا جائے لیکن اگر مالک معلوم نہ ہوں تو اس مال کو صدقہ کرنے کا حکم ہوتا ہے، اور بھکاری نے جن سے مال لیا ہوتا ہے وہ بھی چونکہ معلوم نہیں ہوتے اس لئے اس کو بھی اپنا مال صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے بلکہ اگر وہ کسی کو صدقہ یا ہبہ کرے تو وہ لے سکتا ہے اس میں کوئی خرابی نہیں ہے، اور خباثت کا جو حکم اس مال میں بھکاری کے پاس موجود تھا وہ مالک کے تبدیل ہونے سے باقی نہیں رہے گا یعنی دوسروں کے لئے جائز ہوگا۔

(للمالی صحیح البخاری ۲۰۲/۱ مطبع قدیمی)

عن عائشة انها رادت ان تشتري بريرة للعقيق وارادمواليها ان يشترطوا ولا، ماخذ كرت عائشة للنبي صلى الله عليه وسلم فقال لها النبي صلى الله عليه وسلم اشترها فانما الولاء، لمن اعتق قالت واوتى النبي صلى الله عليه وسلم بلعم فقلت فذات صدق به على بريرة فقال هو لها صدقة ولنا هدية.

(للمالی التنوير مع الدرر ۱۱۶/۱، مطبع سعید)

(وطاب لسيدہ وان لم يكن مصرفاً) للصدقة (مادى اليه من الصدقات لمعجز للتبدل الملك واصله حديث بريرة).

(قوله مادى) اي المكاتب اليه: اي الى المولى (قوله لمعجز) وكذا الوعيز قبل الاداء الى المولى وهذا عند محمد ظاهر لانه بالمعجز يتبدل

الملک، وکذا عندہی یوسف وان کان بالعجز تقرر ملک المولیٰ عنده، لانه لا یخبت فی نفس الصدقة وانما الخبث فی فعل الاخلل کونه اذ لا لایہ، ولا یجوز ذالک للغنی من غیر حاجة ولا للهاشی لزیادۃ حرمتہ ولا یخلزم یوجد من المولیٰ ہدایۃ (قولہ لتبدل الملک) فان العبد یتملک صدقۃ والمولیٰ عرضاً عن العتق۔
(ولسالی الشامی ۱/۳۸۵، طبع: سعید)

قال بعض مشائخنا: کسب المغنیۃ کالمفصوب لم یحل أخذه، وعلى هذا قال الرومات الرجل وکسبه من بیع الباذق او الظلم او أخذ الرشوة یتورع الورثة، ولا یأخذون منه شیئاً وهو ولیٰ بهم یردونہا علیٰ اربابہا ان عرفوہم، والاتصدقوا بہا لان سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعذر الرد علیٰ صاحبہ اہ
لکن فی الہندیۃ عن المنقی عن محمد بن کسب النافعة، وصاحب طہل او مزار، لو أخذ بلا شرط یودعه المالك ہر ضاء فہو حلال ومثله فی المواہب فی التاترخانیۃ وما جمع السائل من المال فہو خبیث۔

واللہ اعلم بالصواب: صدیق النور

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۱۷۳

۹ صفر الخیر ۱۳۳۳ھ

﴿تاحیات ہبہ کرنے سے ہمیشہ کے لئے ہبہ ہو جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنے پڑوسی کو مکان ہبہ میں دیا اور کہا کہ آپ اپنی حیات تک اس مکان میں رہیں اور آپ کے انتقال کے بعد میں یہ مکان واپس لوں گا، اتفاق سے مکان کا مالک پہلے فوت ہو گیا اور اس کے بعد اسکا پڑوسی جس کو مکان دیا تھا وہ فوت ہو گیا، عرض یہ ہے کہ ابھی یہ مکان اصل مالک (واحب) کے ورثاء کو ملے گا یا اس کے پڑوسی (موصوب لہ) کے ورثاء کو ملے گا؟

﴿جواب﴾ مذکورہ ہبہ کی صورت کو شریعت میں عمریٰ کہا جاتا ہے جس کا حکم یہ ہے کہ موصوب لہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اور اصل مالک کی طرف سے لگائی ہوئی شرط کہ آپ کے مرنے کے بعد مکان واپس میرا ہو جائیگا کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، احادیث میں اسکی صراحت ہے، لہذا مذکورہ صورت میں موصوب لہ (جو اصل مالک کا پڑوسی ہے) کے ورثاء کو یہ مکان میراث میں ملے گا۔

لسالی سنن ابی داؤد: (۲/۱۲۵، طبع: رحمانیہ)

عن جابر بن النبیؓ قال قال من اعمر عمریٰ لہی لہ ولعقبہ یرثہا من یرثہ من عقبہ۔

ولسالی الہدایۃ: (۳/۲۹۲، طبع: رحمانیہ)

(والعمری جائزۃ للمعمر لہ حال حیاتیہ ولورثتہ من بعدہ) لماروینا ومعناہ ان یجعل ذلک

له مدة عمره واذا مات ترد عليه فيصبح التملك ويبطل الشرط لما روينا وقد بينا ان
الهيئة لا تبطل بالشروط الفاسدة.

ولما في القنور مع الدر (۵/۲۸۷) طبع سعيد لا جاز العمري للمعمر له ولورثته بعده لبطلان الشرط

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۹۹۵

۱۵ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ

﴿مگنی کے موقع پر لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کو انگٹھی دینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ مگنی کے موقع پر لڑکے کے گھر

والے لڑکی کو انگٹھی دیتے ہیں شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟ کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مگنی کے موقع پر لڑکے والوں کا لڑکی کو انگٹھی دینا شرعاً ہدیہ اور ہبہ ہے جس کے لینے

دینے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن یہاں باقاعدہ رسم و رواج بن جائے ہدیہ اور ہبہ مقصود نہ رہے تو ایسے علاقوں میں اس رواج کو ختم کرنے کی کوشش ہونی چاہیے، اس سے کافی مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔

ولما في القنور مع الدر (۵/۲۸۲) طبع سعيد

الهيئة: هي لغة المتفضل على الغير ولو غير مال وشرعاً (تمليك العین مجانا)

ولما في القنور مع الدر (۳/۱۵۳) طبع سعيد

(خطب بنت رجل وبعث اليها اشياء ولم يزوجها ابوها فباعته للمهر يسترد عنه قانما)۔۔۔

(لو كذا) يسترد (ما بعث هدية وهي قانمة دون الهالك والمستهلك) لانه في معنى الهيئة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب نعمانی عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۵۳۹

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

﴿قبضہ کے بغیر ہبہ تام نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد محمد یوسف

شکلا کی پہلی بیوی روقیہ بی بی سے ہم تین بہن بھائی ہیں، میں ایک بھائی صدیق اور میری دو بہنیں

ہیں، میری والدہ روقیہ بی بی کا ہمارے بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا، اس کے بعد ہمارے والد

صاحب نے صغریٰ بی بی سے شادی کی جنھوں نے سنی ماں کی طرح ہماری شادیاں کی، میری

بہنیں مجھ سے بڑی ہیں اور صاحب حیثیت ہیں، میرے والد نے اپنی زندگی میں ہی کچے

اسٹامپ پیپر پر وصیت لکھ دی تھی کہ میرا آدھا مکان میرے بیٹے صدیق کا ہے اور آدھا مکان

میری دوسری بیوی صغریٰ کا ہے جو کہ بچی کے ڈی اے کی فائل بنی ہوئی ہے، ہم دونوں کے نام پر میرے والد کر کے گئے ہیں اور ساتھ میں وصیت میں بھی یہ لکھ کر گئے ہیں کہ میرے اس مکان میں میری بیوی اور بیٹے کے علاوہ کوئی حصہ دار نہیں ہے، لہذا اب میری بہنیں اس مکان میں سے حصہ مانگ رہی ہیں شرعاً ان کا حق اس میں بنتا ہے یا نہیں؟

سائل: محمد صدیق

تنقیح: مرحوم محمد یوسف نے یہ مکان اپنی حیات میں اس طور پر آپ کے قبضہ میں بھی دیدیا تھا کہ خود اپنا قبضہ باقی نہ رکھا ہو یا اسی مکان میں آخر تک رہائش پذیر تھے؟

جواب تنقیح: مرحوم محمد یوسف تادم حیات اسی مکان میں رہائش پذیر تھے، اپنا قبضہ بھی باقی رکھا تھا۔ ﴿محولہ﴾ آپ کے والد مرحوم محمد یوسف نے یہ مکان اگرچہ اپنی بیوی صغریٰ اور آپ کے نام کر لیا تھا اور انکی وصیت بھی اشامپ ہیپر پر لکھ کر دی ہے لیکن خود چونکہ تادم حیات اسی مکان میں رہائش پذیر رہے اور اپنا قبضہ باقی رکھا اس لئے یہ حصہ تام نہ ہوا اور ملکیت آپ اور مرحوم کی زوجہ صغریٰ کی طرف منتقل نہ ہوئی بلکہ مرحوم محمد یوسف ہی کی ملکیت میں یہ مکان آخر تک باقی رہا، لہذا یہ مکان مرحوم کے ترکے میں شمار ہوگا اور قانون وراثت کی مطابق ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

لہذا آپ کے والد مرحوم نے اپنی ذلتی ملکیت میں مکان سمیت جو کچھ منقولہ و غیر منقولہ گھر یا مسلمان وغیرہ چھوڑا ہے سب سے پہلے مرحوم کی عقیقین و تدفین سے متعلق جائز اخراجات لدا کئے جائیں پھر دیکھیں اگر مرحوم کے ذمہ کوئی واجب الاداء قرضہ ہے تو وہ لدا کریں اس کے بعد دیکھیں اگر مرحوم نے کوئی جائز وصیت غیر وارث کیلئے کی ہے تو باقی ماندہ ترکہ میں سے ایک تہائی (۱/۳) کی حد تک اس پر عمل کریں منسلک وصیت چونکہ وارث کیلئے کی ہے اس لئے شرعاً یہ معتبر نہیں ہے اس کے بعد جو کچھ باقی رہے تمام کے کل تیس (۳۲) حصے بنالیں جن میں سے مرحوم کی بیوی صغریٰ کو چار (۴) حصے مرحوم کی ہر ایک بیٹی کو سات (۷) حصے اور مرحوم کے بیٹے یعنی آپ کو چودہ (۱۴) حصے ملیں گے تقسیم میراث کیلئے نقشہ ملاحظہ ہو:

32/8

تصحیح

مسئلہ

میں

بیوہ (صغریٰ) بیٹا (محمد صدیق) بیٹی (حمیدہ) بیٹی (دلیمہ)

4 14 7 7

لما فی التنبؤ مع الدر: (۵/۶۹۰، طبع ایچ ایم سعید)

(ورقم) الہیۃ (بالقبض) الکامل (ولو السوہوب شاغل لملک الواہب لا مشغولاً بہ) والاصل ان السوہوب ان کان مشغولاً بملک الواہب منع تمامہا.

ولما فی التفتیح العامدیۃ: (۲/۹۳، کتاب الہیۃ، طبع حقانیہ)

ومنہا ان یکون السوہوب مقبوضاً حتی لا یثبت الملک للسوہوب لہ قبل القبض وان یکون مقسوماً اذا کان ما یحتمل القسۃ.

ولما فی بدائع الصنائع: (۶/۱۳۲، طبع سعید) یملک السوہوب لہ السوہوب بالقبض.

لما فی شرح المجملۃ: (۲/۳۲۴، المادہ ۸۳۷، طبع رشیدیہ)

(تعمد الہیۃ بالایجاب والقبول وتتم بالقبض) وقال الشارح اعلم ان المراد بالقبض الذی تتم بہ الہیۃ هو القبض الکامل وهو فی المستقل ما یناسبہ وفی العقار ما یناسبہ.

ولما فی الہدایۃ: (۳/۲۸۵-۲۸۶، طبع رحمانیہ)

وتصح بالایجاب والقبول والقبض لما بالایجاب والقبول فلانہ عقد والعقد ینعمد بالایجاب والقبول والقبض لا بد منہ لثبوت الملک.... لقولہ علیہ السلام: لا یجوز الہیۃ الا مقبوضۃ.

ولما فی الفقہ الاسلامی وادللہ: (۵/۱۹، طبع رشیدیہ)

فالقبض فی الہیۃ ان یکون السوہوب مقبوضاً فلا یثبت الملک للسوہوب لہ قبل القبض بل لا تتحقق الہیۃ والقبض مولداً لاثار الہیۃ عند الحقیۃ.

واللہ اعلم بالصواب: عبید اللہ عابد دیوی

الجواب صحیح عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

توی نمبر: ۲۵۰۷

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

﴿والد نے زندگی میں کسی اولاد کو حصہ دیا تو وہ ہبہ ہے﴾

﴿سوال﴾ (۱) کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے والد صاحب نے اپنی زندگی میں سب سے بڑے بھائی کو زمین میں سے حصہ دیا تھا، اور رجسٹری پر بھی یہ الفاظ لکھوائے تھے کہ باقی زمین میں سے اس بھائی کو کوئی حصہ نہیں دینا، والد صاحب کی وفات کے بعد اب ہم بھائی باقی زمین تقسیم کرتے ہیں، تو بڑا بھائی کہتا ہے کہ جو زمین والد صاحب نے مجھے دی تھی وہ تو میں کمائی کر کے جو پیے والد صاحب کو دیتا رہا ان پیسوں کی زمین والد صاحب نے خریدی ہے اور مجھے دی ہے، لہذا اب باقی زمین میں بھی میرا حصہ ہے یعنی باقی زمین تین کے بجائے چار حصوں میں تقسیم کرو، تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں۔

(۲) ہماری بہنیں بھی تھیں، ایک بہن پیدائشی معذور تھی اور اسکی وفات والد صاحب کی وفات کے بعد ہوئی اور دوسری بہن شادی شدہ بال بچے دار تھی اور انکی بھی وفات والد صاحب کی وفات کے بعد ہوئی، ہمارے بہنوئی نے شادی کے بعد زمین خرید کر مکان بنایا تو والد صاحب نے انکے ساتھ کافی مدد کی میرے بھائی جان نے یہ بتایا کہ والد صاحب نے اپنی زندگی میں یہ بات کہی تھی کہ میں نے اپنی اس بیٹی کا جو حصہ بننا تھا وہ زمین خریدنے اور مکان بننے میں ادا کر دیا ہے، اب ہم اپنی ان دونوں بہنوں کا حصہ زمین سے کیسے ادا کریں یا والد صاحب نے جس طریقہ سے ادا کیا وہ ادا ہو گیا؟

﴿مجموعہ﴾ (۱) والد اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو جو کچھ بھی دے وہ حصہ ہوتا ہے چاہے میراث ہی کے نام پر کیوں نہ دیا ہو، آپ کے والد صاحب نے بڑے بیٹے کو جو زمین دی تھی اگر وہ اپنی حیات ہی میں ان کی ملک میں مکمل طور پر دے دی تھی یعنی اس پر سے اپنا قبضہ ختم کر کے انکو قبضہ دے دیا تھا تو یہ حصہ تام ہوگا، اب اسمیں کسی کا حصہ نہیں ہے، والد مرحوم کو چاہیے تھا کہ دیگر تمام اولاد کو بھی بڑے بیٹے کی طرح الگ الگ حصہ کر کے مستقل طور پر ملکیت اور قبضہ میں دیتے، ایسا نہیں کیا اور باقی تمام زمین وغیرہ اپنے قبضے میں چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں تو اب باقی میراث میں آپ کے بڑے بھائی کا بھی اتنا ہی حصہ ہوگا جتنا باقی سب بھائیوں کا ہے۔

(۲) اور آپ کی دونوں بہنوں کا حصہ بھی میراث میں سے جدا کیا جائے گا، باقی رہی یہ بات کہ آپ کی بہن کو انہوں نے حصہ دے دیا تھا تو وہ بھی حصہ ہوگا وراثت میں انکا حصہ جدا کیا جائے گا اگر وہ فوت ہو چکی ہیں تو انکا حصہ انکے ورثاء کے حوالے کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح جو بہن معذور تھی اسکا حصہ بھی جدا کر کے ورثاء کے حوالے کرنا ضروری ہے یا رہے ایک بہن کا حصہ بھائی کے حصہ کا نصف ہے۔

ولمافی قولہ تعالیٰ: (بہارہ ۲، سورۃ النساء، آیت ۶)

للرجال نصیب مما ترک الوالدان والأقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والأقربون مائل منه أو کثر نصیباً مفروضاً..... الآية.

ولمافی قولہ تعالیٰ: (سورۃ النساء، آیت ۱۱)

یومسبکم اللہ فی أولادکم للذکر مثل حظ الانثیین..... الآية.

ولما فی التفریع مع الدر: (۵/۲۸۸، طبع سعید)

(و) شرائط صحتها فی الموهوب أن يكون مقبوضا غير مشاع مضافا غير مشغول كما سبقت
بمقرر كنهها فهو (لا إيجاب والقبول) كما سيجي به (و حكمها ثبوت للملك للموهوب له غير (م)
ولما فی البحر الرائق: (۴/۲۸۶، طبع سعید)

(قوله فان قسمه وسلمه صح) أي لو وهب مشاعا يتقسم ثم قسمه وسلمه صح وملكه
لأن التمام بالقبض.

ولما فیه ايضا: (۴/۲۸۸، طبع سعید)

(فروع) يكره تفضيل بعض الأولاد على البعض في الهبة حالة الصحة إلا لزيادة فضل
له في الدين وان وهب ماله كله لواحد جاز قضاء وهو آثم كذا في المحيط.

والله خير الوارثين: شاهد محمود غفر عنه

الجواب صح: عبد الرحمن عفا الله عنه

توئی نمبر: ۱۵۶۷

۱۸ جمادی الثانی ۱۳۲۹ھ

﴿والد کو اپنی حیات میں اپنی جائیداد میں جائز تصرف کا مکمل اختیار حاصل ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ ایک آدمی کی بیوی کا انتقال ہوا، اس
نے دوسری شادی کر لی، اس پر ان کے بیٹوں نے غصے میں آکر والد کو کلہاڑی سے زد و کوب کر کے
بری طرح زخمی کیا، علاج و معالجہ کے بعد اب والد کی صحت بہتر ہے، والد اپنے مذکورہ درندہ صفت
بیٹوں کو اپنی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد سے محروم کرنا چاہتا ہے، کیا ان کے لئے ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

﴿مولا﴾ والد صاحب جب تک حیات ہیں، اپنے مال میں ہر طرح کے جائز تصرف کرنے
کا انہیں مکمل اختیار حاصل ہے چاہے تو جائیداد بیچ کر نیک کاموں میں خرچ کریں یا اپنی بیوی اور بچے
کو ہبہ کریں اور مکمل طور پر ان کے تصرف اور قبضہ میں بھی دیدیں تاکہ مذکورہ درندہ صفت بیٹوں کیلئے
باقی نہ رہے لیکن یہ یاد رہے، کہ والد کے انتقال کے وقت جو کچھ انکی ملکیت میں باقی رہیگا، اس میں
مذکورہ درندہ صفت بیٹوں کا بھی حصہ ہوگا والد کے محروم کرنے سے وہ محروم نہیں ہونگے۔

لما فی البزازیة بہامش الہندیة: (۶/۲۴۷، طبع رشیدیہ)

وان اراد ان یصرف ماله الى الخیر وابنه فاسق فالصرف الى الخیر الفضل من ترکہ له.

ولما فی الخانیہ علی الہندیہ: (۲/۲۷۹، رشیدیہ) رجل وهب فی صحتہ کل المال للولد جاز فی القضاء

لما فی السراجی فی المہرات: (ص ۵، طبع قدیمی)

المانع من الارث اربعة، الى ان قال والقتل الذی یتعلق به وجوب القصاص او الکفارة.

والله اعلم بالصواب: عبد الله عابد غفر له ولوالديه

الجواب صح: عبد الرحمن عفا الله عنه

توئی نمبر: ۱۷۸۵

۳ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

﴿اولاد نہ ہونے کی صورت میں زندگی میں تقسیم جائیداد وغیرہ کی تفصیل﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری اپنی اولاد نہیں ہے، البتہ اپنی ایک بھتیجی کو گود لیا ہے جسکی عمر تقریباً ۳۰ سال ہو گئی ہے اور گود لیتے وقت لڑکی کی عمر ایک سال تھی اور اس دوران اسکی تعلیم و تربیت کی ہے شادی ابھی تک نہیں ہو سکی جس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ہے بہر حال میں اپنی زندگی میں اپنی جائیداد اور مکان کے بارے میں چاہتا ہوں کہ شریعت اسلامیہ نے میرے ورثاء کا اس میں کیا حق مقرر کیا ہے اور میری گود لی ہوئی بچی کا بھی کچھ حق بنتا ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ میرے تین بھائی اور چار بہنیں حیات میں ہیں اور ایک اہلیہ ہے، میں اپنی حیات میں اگر سب کو ان کا حق دے دوں تو اپنے لئے بھی کچھ رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟ اس لئے کہ زندگی کا کسی کو بھی علم نہیں ہے مزید یہ کہ میری اہلیہ کا خرچہ اور رہائش بھی میرے ذمہ ہے اسکو کتنا دے سکتا ہوں؟ مستفتی: ریٹائرڈ کمپشن ذکا، اللہ ڈیفنس فیر

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ جب تک آپ حیات میں آپ کے مال و جائیداد میں کسی کا کوئی حق نہیں ہے، البتہ بیوی کا نان و نفقہ اور رہائش آپ کے ذمہ واجب ہے، لے پالک لڑکی اور دیگر رشتہ داروں کے لئے جائز نہیں ہے کہ آپ سے جائیداد وغیرہ کی تقسیم کا مطالبہ کریں، البتہ آپ اپنی خوشی اور مرضی سے کسی کو کچھ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں اور اصول میراث کے مطابق اپنی حیات میں تقسیم کرنا چاہیں تو اسکا بھی آپکو اختیار ہے لیکن حیات میں تقسیم کرنا میراث نہیں کہلایگا بلکہ حہ اور احسان کہلایگا، حہ صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جس کو جتنا دینا چاہتے ہیں، وہ الگ کر کے اس شخص کو باقاعدہ مالک بنائیں اور اپنا قبضہ و تصرف مکمل طور پر اس جگہ سے ختم کر کے اس کے قبضہ میں دیدیں ورنہ حہ تام نہیں ہوگا اور آپ کے انتقال کے بعد دیگر ورثاء کو مطالبہ کا حق باقی رہیگا، اس لئے اپنا قبضہ و تصرف مکمل ختم کرنا ضروری ہے۔

آپ کی اپنی اولاد نہیں ہے اور زندگی و موت کی کسی کو کوئی خبر نہیں ہے مستقبل میں کیسے حالات پیش آئیں گے؟ بیوی اور آپ دونوں صحت مند رہیں گے یا بیمار یوں کا سامنا ہوگا؟ اس کا بھی آپکو علم نہیں ہے، اسلئے جائیداد وغیرہ ابھی سے تقسیم کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتے لیکن منع بھی نہیں کرتے، اسلئے کہ اپنے مال میں آپکو تصرف کرنے کا اختیار ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ آپ اپنے

مال و جائیداد میں جب تک حیات ہیں اپنی مرضی کا تصرف کر سکتے ہیں، آپ کے انتقال کے بعد ورثاء کا حق بن جائیگا، آپ کی لے پالک لڑکی چونکہ وارث نہیں ہے اسلئے اسکو کچھ نہیں ملے گا، اپنی حیات میں اسکو کچھ دینا چاہتے ہیں یا صدقہ جاریہ کے طور پر کسی دینی نیک کام میں لگانا چاہتے ہیں تاکہ آخرت میں کام آئے تو اب اسکا موقع ہے کسی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ وصیت کر دیں اور آپ کے انتقال کے بعد آپ کے ورثاء اس پر عمل کر لیں لیکن اسوقت آپ کا جتنا مال باقی ہوگا اس میں سے ایک تہائی (۱/۳) کی حد تک اس پر عمل کرنا ورثاء کے ذمہ واجب ہوگا، یہ تو بتا دیا کہ آپ کی حیات میں کسی وارث کو مطالبہ کا حق نہیں ہے اور یہ معلوم کرنا چاہیں کہ آپ کے انتقال کے بعد مذکورہ ورثاء کا کیا حق بنے گا؟ سو آپ کے مال کے کل چالیس (۴۰) حصے بنیں گے، جن میں سے آپ کی بیوی کو دس (۱۰) حصے، آپ کے ہر بھائی کو چھ (۶) اور ہر ایک بہن کو تین (۳) حصے ملیں گے بشرطیکہ آپ کے انتقال کے وقت مذکورہ تمام ورثاء حیات ہوں، آپ سے پہلے کسی کا انتقال ہو گیا تو ہو سکتا ہے کہ آپ اسکے وارث بن جائیں، آپ کی لے پالک لڑکی کا وراثت میں حصہ نہیں ہے، بے شک وہ آپ کی بھتیجی ہے لیکن بھائیوں کی موجودگی میں بھتیجی وارث نہیں بن سکتی۔

لحمای خلاصۃ الفتاوی: (۲/۴۰۰ مطبع رشیدیہ کوئٹہ)

رجل له ابن وبنت أراد أن يهب لهما شيئا لا يفضل أن يجعل للذكر مثل حظ الانثيين عند محمد وعند أبي يوسف بينهما سواء هو المختار لورود الآثار... ولو أعطى بعض ولده شيئا دون البعض لزيادة رشده لأبأس به فإن كان سواء لا ينفى أن يفضل ولو كان ولده فاستقار أدان يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه لأن فيه إعانة على المعصية.

ولحمای القنور مع الدر: (۵/۲۸۸ مطبع سعید)

(لو) شرائط صحتها (فی الموهوب) أن يكون مقبوضا...

ولحمای القنور مع الدر: (۵/۲۹۰-۲۹۱ مطبع سعید)

(لو تتم) الهبة (بالقبض) الكامل... فلو وهب جرابا فيه طعام الواهب أودار لغيرها مناعه

أوداة عليها سرجه وسلمها كذلك لا تصح.

والله اعلم بالصواب: محمد اسلم چرائی غفرلہ

الجواب صحیح عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

لتوی نمبر: ۱۲۶۳

۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

﴿زندگی میں اولاد کے درمیان جائیداد تقسیم کرنا﴾

﴿موت﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے والد صاحب نے تقریباً (۲۰) سال قبل ایک بلڈنگ تعمیر کرائی، اس بلڈنگ میں گراؤنڈ فلور پر دو کائیں، پہلی منزل، دوسری منزل اور تیسری منزل تعمیر کرائی، ہم تین بھائی سلیم احمد، اقبال احمد، ضمیر احمد، والد صاحب کے ساتھ رہائش پذیر تھے، والد صاحب نے پہلی منزل کی چھت سلیم احمد کو دی اور دوسری منزل کی چھت ضمیر احمد کو دی، ہم دونوں بھائیوں نے اپنے پیسوں سے دونوں فلیٹ تعمیر کر کے قبضہ حاصل کیا اور اب تک رہائش پذیر ہیں، سب سے چھوٹا بھائی اقبال احمد والد اور والدہ صاحبہ کے ساتھ رہائش پذیر تھا، ۵/۱۲/۹۳ء کو والد صاحب نے ایک وصیت نامہ لکھوایا جس کے مطابق والد صاحب نے پہلی منزل اقبال احمد کے نام کر دی تھی کچھ عرصہ کے بعد اقبال احمد اپنے بیوی بچوں کے ساتھ دوسرے گھر منتقل ہو گئے، والد اور والدہ اس گھر میں تنہا رہائش پذیر تھے، اقبال احمد جب دوسرے گھر چلے گئے تو انھوں نے والد صاحب سے کہا یہ مکان میرے نام کر دیں تو انھوں نے انکار کر دیا لیکن وصیت نامہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی، والد صاحب کا انتقال ۱۹۹۶ء میں ہوا، والدہ صاحبہ مزید چھ سال حیات رہیں ۲۰۰۲ء میں انکا بھی انتقال ہو گیا، اب اقبال احمد کا دعویٰ ہے کہ یہ مکان والد صاحب نے مجھے دیا تھا اس لئے یہ میرا ہے۔

مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں علماء کرام کیا فرماتے ہیں؟

(۱) مکان اقبال احمد کو دیا جائے یا وارثوں کا ہے؟ (۲) دو بیٹوں کو اپنی زندگی میں چھت دے دی تھی، جس پر سلیم احمد، ضمیر احمد نے مکان تعمیر کر کے قبضہ حاصل کر لیا تھا، اب تک رہائش پذیر ہیں، سلیم احمد اور ضمیر احمد کا بقایا ترکہ میں حصہ ہو گا یا نہیں ہو گا؟ (۳) ہر سال عید الاضحیٰ کے موقع پر دو قربانیاں والد صاحب کی طرف سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کر سکتے ہیں؟

(۴) ماہانہ ایک سو (۱۰۰) روپے چھوٹی مسجد اور ایک سو (۱۰۰) روپے شیم مسجد کو دینے کے لئے لکھا ہے۔ (۵) پوتی، نواسی کی شادی کے موقع پر پانچ ہزار (۵۰۰۰) روپیہ دے دیدیں، اسکے علاوہ مدارس اور ضرورت مندوں کی امداد کریں۔ مستقی: سلیم احمد دہلی کالونی کراچی

﴿موت﴾ واضح رہے کہ والد صاحب جب تک حیات ہوتے ہیں، اولاد کو ان کی ذلتی

جائیداد وغیرہ میں کوئی حق نہیں ہوتا، ہاں وہ اپنی خوشی سے کسی کو کچھ دینا چاہیں یا اپنی حیات میں تقسیم کرنا چاہیں تو انہیں اختیار ہے اور یہ محض احسان و عہہ ہوگا، تقسیم میراث نہیں کہلائے گا، اس لئے کسی وجہ سے بعض کو کم یا زیادہ بھی دے سکتے ہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ ایسی صورت میں تمام اولاد کو برابر دیدیں۔

لہذا حافظ محمد تقی (مرحوم) نے اپنی بلڈنگ وغیرہ کو اپنی حیات میں تقسیم کیا ہے تو یہ تقسیم میراث نہیں بلکہ عہہ کہلائے گا اور عہہ کے تام ہونے کے لئے قبضہ شرط ہے، بدون قبضہ عہہ تام نہیں ہوتا، حافظ محمد تقی (مرحوم) کے بعض ورثاء جیسا کہ سوال میں بیان ہے، سلیم احمد، ضمیر احمد نے اپنے اپنے حصوں پر قبضہ بھی کر لیا، اس لئے ان کی ملکیت تام ہو چکی ہے، البتہ فرسٹ فلور جو کہ اقبال احمد کو والد نے عہہ کر لیا تھا، وہ عہہ تام نہیں ہوا، اس لئے کہ والد صاحب تاحیات اسی مکان میں رہائش پذیر رہے اور اپنا قبضہ برقرار رکھا، اقبال احمد کو عہہ کرنے کی صورت میں ضروری تھا کہ اپنا قبضہ بھی خواہ تھوڑی دیر کے لئے ہو ختم کرتے یعنی والد مرحوم کم از کم ایک مرتبہ اپنا ذاتی سامان اس مکان سے نکال کر خود بھی نکلتے اور مکان اپنے بیٹے اقبال احمد کے حوالے کرتے تو اس سے اقبال احمد کا قبضہ شرعاً معتبر تصور کیا جاتا، بعد میں بیشک اقبال احمد اپنے والد کو اسی مکان میں ساتھ رکھتے۔ سو اگر یہ طریقہ اختیار کیا تھا تو مکان اقبال احمد کا ذاتی کہلایا گیا کسی دوسرے وارث کو اس میں حق کا دعویٰ کرنا غلط شمار ہوگا اور اگر یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا تھا یعنی تھوڑی دیر کے لئے بھی والد صاحب نے اپنا قبضہ ختم نہیں کیا تھا تو عہہ تام نہ ہونے کی وجہ سے تمام ورثاء اس مکان میں شریک ہونگے، البتہ ایسی صورت میں بھی اخلاقی تقاضا یہ ہے کہ دیگر ورثاء اپنے والد صاحب (مرحوم) کی فشاء کے مطابق اس مکان کو اقبال احمد کے حوالہ کر دیں، اس لئے کہ بظاہر والد صاحب (مرحوم) یہ مکان اقبال احمد کو دینا چاہتے تھے، اسلئے تو اخیر تک اپنی تحریر پر قائم رہے اور بیٹے کے روٹھنے پر بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی اگر مسئلہ معلوم ہوتا تو تھوڑی دیر کے لئے اس مکان سے سامان سمیت نکالنا ان کے لئے کیا مشکل تھا؟!

لسالی التذویر مع الدر: (۸/۲۸۹، طبع امدادیہ ملتان)

(و) شرائط صحتها (فی الموهوب ان يكون مقبوضا غير مشاع مبيرا غير مشغول)۔۔۔

ولسالی التذویر مع الدر: (۸/۲۹۳-۲۹۴، طبع امدادیہ)

(لو لوها) عن القبض (لم يصح) قبضه (مطلقا) ولو فی المجلس لان الصريح اقوى من

الدلالة (وتتم الھبة) بالقبض) الكامل۔۔۔ فلورھب جرائنا فیہ طعام الواجب
اودا زالیھا مناعه او دابة علیھا سرجه وسلمھا کذا لک لا تصح.

(۲) بالائی چھت اور نیچے والی دو کانیں تمام ورثاء کا حق ہے، ان میں اصول میراث کے
مطابق تمام ورثاء شریک ہونگے، ورثاء کی تفصیل لکھ کر دیدیں تو تقسیم میراث کے لئے دوسرا
جواب دیدیں گے۔

(۳) ایک تہائی مال کی حد تک وصیت پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہوتا ہے، لہذا تجھیز و تکفین اور
ادائیگی قرض کے کے بعد باقی ماندہ ترکہ کا حساب کر کے اس سے ایک تہائی مال کی مقدار وصیت
پر عمل کرنے کے لئے الگ کریں اور جب تک مرحوم کی وصیت پر عمل ہو سکے کرتے رہیں، مال کا
یہ مخصوص حصہ جب ختم ہو جائے تو آئندہ کے لئے مذکورہ ہدایات کے مطابق عمل کرنا ضروری
نہیں ہوگا، ہاں کوئی بیٹا وغیرہ بعد میں بھی اپنے مال سے والد مرحوم کی خواہش نیک کو پورا کرنے
کی کوشش کرتا رہے گا تو اس کی خوش نصیبی ہوگی اور بلاشبہ باعث اجر و برکت ہوگا۔

لما فی الھندیۃ: (۱/۲۲۷، مطبع رشیدیہ)

ثم تنفذ وصایا من ثلث ما یبقى بعد الکفن والذین الا ان تجیز الورۃ اکثر من الثلث.
ولما فی الھدایۃ: (۲/۲۳۸، مطبع رحمانیہ)

ولا تجوز سوا ذلک علی الثلث الا ان تجیز ما للورۃ تبعاً لموتہ وہم کبار لان الامتناع لعتھم وہم مستطوعہ
ولما فی اعلاء السنن: (۱۴/۲۱۷، مطبع دار الکتب العلمیۃ)

عن علیؑ قال: امرنی رسول اللہ ﷺ ان أضعی عنه فاناً أضعی عنه أبداً قال العلامة
ظہر احمد العثماني تحت هذا الحديث: ولما ثبت انه ﷺ أوصی علیاً بان یضعی
عنه وذلك دلیل حنبہ ﷺ تضعیۃ عنه فینضی لمن وجد سعة أن یضعی عن حبیبہ
ونبیہ ﷺ کل عام ولو بشاة أو بسبع بقرة یسأل اللہ العظیم ان یوفقنا لذلک أبداً كما
وفقنا له منذ اعوام ویرزقنا المواظبة علیہ والدوام ویرضی عنا ویرضی حبیبہ عنا
علیہ الصلاۃ والسلام۔۔۔ فرع: من ضعی عن المیت یصنع كما یصنع فی أضعیۃ
نفسہ من التصدق والاکل۔۔۔ وینضی بتقید الامر بما اذا امرہ بالتضعیۃ من ترکته
فی الثلث ولوامرہ بہا من عند نفسہ کامرہ ﷺ لحکمہ حکم لو یضعی عنه بلا امرہ
صریحاً ولكنه مقتضى القواعد.

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی

توئی نمبر: ۱۲۰۳

۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

﴿معاشرے کے خوف سے بہن کا بھائیوں کو زمین بخش دینے کا حکم﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں میراث کی تقسیم کے وقت عورت اپنے بھائیوں سے کہتی ہے کہ میں نے اپنے حصہ کی زمین تمہیں بخش دی ہے اور ایسا اس لئے کہتی ہے کیونکہ اگر اس نے زمین میں حصہ لے لیا تو اس کے بھائی اور دیگر خاندان والے ناراض ہو جاتے ہیں اور لوگ ان کو طعنہ دیتے ہیں کہ کیسی عورت ہے بھائیوں سے زمین لی۔ براہ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں بتلائیں کہ معاشرے اور خاندان والوں کی ناراضگی کے خوف سے اگر عورت اپنے حصہ کی زمین بھائیوں کو بخش دے تو بھائی اس کے حصہ کی زمین کے مالک بن جائیں گے؟

﴿جواب﴾ بہن اگر بالغ ہے اور شرم و حیا، برادری اور رسم و رواج کے دباؤ میں آئے بغیر پوری طرح دل کی خوشی سے اپنا حصہ بھائی یا کسی اور کو دینا چاہے تو دے سکتی ہے اور لینے والا مالک ہو جائے گا بشرطیکہ بہن نے اپنا حصہ میراث میں سے الگ کر کے باقاعدہ اپنے قبضہ میں لینے کے بعد دیا ہو، مذکورہ صورت میں بہن کا اس طرح اپنا حصہ الگ کیے بغیر بھائی کو بخش دینے سے بھائی مالک قرار نہیں پاتا بلکہ ایسے علاقہ میں جہاں اس طرح کا رواج بن گیا ہو وہاں اگرچہ بہن کا حصہ الگ کر کے اس کو دے دیا جائے اور پھر وہ رواج کے تحت اپنے بھائی کو بخش دے تب بھی بھائی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کو اپنا ملک سمجھے، اس لئے کہ یہ حصہ ہے اور حصہ کی صورت میں دوسرے کے مال کا مالک بننے کے لیے اس کا دل سے راضی ہونا شرط ہے جبکہ مذکورہ صورت میں محض رسم و رواج اور دوسروں کے طعنوں سے بچنے کی خاطر بہن نے اپنا حصہ بھائی کو بخشا ہے۔ البتہ کوئی بہن اگر خوشی سے اپنا حصہ بھائی کو دینا چاہے اور بھائی کو اس کا یقین ہو کہ بہن نے مکمل دل کی رضا سے دیا ہے تو بلا کراہت جائز ہے بشرطیکہ ایک مرتبہ بہن کا حصہ الگ و ممتاز کر کے اس کو دیدیا جائے۔

لما فی قوله تعالیٰ: (سورۃ النساء، آیت ۶)

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین فان کن نساء..... الآية.

ولما فی مشکوٰۃ المصابیح: (ص ۲۵۵ باب الغصب والعاریۃ بطبع سعید)

وعن اہی حمرۃ الرقاشی عن عمہ قال قال رسول اللہ ﷺ: ألا لا تظلموا، ألا لا یحل مال

امری الا بطیب نفس منہ رواہ البیہقی فی شعب الایمان والدار قطنی فی المجتبی
ولسالی الہدایۃ: (۲/۲۸۷، مطبع رحمانیہ)

ولا یجوز للہبۃ فیما یقسم الا محوزۃ مقسومۃ وتحت قولہ لا یجوز للہبۃ، وفی
العاشیۃ: لا یثبت للملک فیہ الا محوزۃ مقسومۃ..... فانہ اذا وهب مشاعا لہما یقسم ثم
أفرزہ و سلمہ صحعت و وقعت مثبتۃ للملک، لعلہم بهذا أن ہبۃ المشاع فیما یقسم
وقعت جائزۃ فی نفسہا لکن توقف اثباتہا للملک علی الامر والقبول.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: منزل شاہ کی مروت

فتویٰ نمبر: ۱۹۳۳

۲۷ صفر ۱۳۳۰ھ

﴿والد کا اپنی حیات میں اولاد کے درمیان مال و جائیداد کو تقسیم کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ میری کل چھ اولاد ہے، چار بیٹے اور دو بیٹیاں اور اہلیہ الحمد للہ حیات ہیں میں اس وقت عمر رسیدہ اور ضعیف ہوں، میں نے اپنی جائیداد اولاد میں اس طرح تقسیم کی ہے کہ ہر ایک بیٹے کو پچاس لاکھ کی جائیداد تقریباً دیدی اور ہر ایک بیٹی کو تقریباً پندرہ لاکھ کی جائیداد دیدی، بیٹیوں کے حصہ پر میرے بیٹوں میں سے بعض کو اعتراض ہے، یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ”قیامت کے روز معاف نہیں کروں گا۔“

براہ کرم آپ بتادیں میں نے کوئی زیادتی کی ہے؟ اگر غلط کیا ہے تو شریعت کے مطابق مجھے کس طرح تقسیم کرنا چاہیے تھا؟ کیا میں اپنی ذات اور اہلیہ کے لئے بھی رکھ سکتا ہوں؟

﴿جواب﴾ یاد رہے کہ زندگی میں ہر شخص کو اپنے ذاتی مال و جائیداد میں مکمل اختیار حاصل ہے، ہر جائز تصرف میں وہ آزاد ہے اولاد یا کسی بھی وارث کے لئے اس کی حیات میں مال و جائیداد کا مطالبہ کرنا درست نہیں، البتہ کوئی شخص اپنی خوشی اور رضامندی سے اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان مال کو تقسیم کرنا چاہے تو اس کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ بیٹے اور بیٹیوں کو برابر حصے دیئے جائیں تاہم بیٹیوں کی نسبت بیٹوں کو دو گنا دینا یا پھر کسی بیٹے کو اس کی ضرورت کے پیش نظر زیادہ دینے کی بھی گنجائش ہے۔

صورت مسئلہ میں آپ نے جس طرح اپنی اولاد میں مال کو تقسیم کیا ہے اگر اس تقسیم کو برقرار رکھنا چاہیں تو بھی درست ہے اور اگر از سر نو تقسیم کرنا چاہیں تو مندرجہ بالا طریقہ کے مطابق تقسیم

کر لیں، آپ بہر حال اللہ جل شانہ کے ہاں انشاء اللہ بری الذمہ قرار پاتے ہیں، والد کا اپنی حیات میں اپنی اولاد کے درمیان جائیداد کو تقسیم کرنا اولاد پر احسان ہے، بجائے شکر ادا کرنے کے بیٹے کا اعتراض کرنا کہ ”قیامت کے دن معاف نہیں کروں گا“ سخت گناہ بلکہ اللہ جل شانہ کی ناراضگی کو اپنی طرف متوجہ کرنے والی بات ہے، نیز ایسی صورت حال میں آپ اپنے لئے اور اہلیہ کے لئے بھی جتنا چاہیں رکھ لیں تاکہ آئندہ کے لئے کسی قسم کی معاشی پریشانی نہ ہو۔

لحمالی مشکاۃ المصابیح: (ص ۲۹۱، طبع سعید)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده ان رجلا أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال ان لي مالا وان والدي يحتاج الي مالي قال انت ومالك لوالدك..... الخ.

ولحمالی التتوير مع الدر: (۵/۲۹۶، طبع ایچ ایم سعید)

وفي الخانية لباس بتفضيل بعض الاولاد في المحبة لانها عمل القلب وكذا في العطايا ان لم يقصد به الاضرار وان قصده فسرى بينهم يعطى البنت كالابن عند الثاني وعليه الفتوى.

وفي الشامية: قوله وعليه الفتوى: اي على قول ابي يوسف من ان التتصيف بين الذكر والانثى الفضل من التثليث الذي هو قول محمد ملي.

ولحمالی خلاصة الفتاوى: (۴/۳۰۰، طبع رشديه)

وفي الفتاوى رجل له ابن وبنت اراد ان يهب لهما شيئا فالافضل ان يجعل للذكر مثل حظ الانثيين عند محمّد وعند ابي يوسف بينهما سواء هو المختار للورود الاثار ولو وهب جميع ماله لابنه جاز في القضاء وهو اثم نص عن محمّد هكذا في العيون.

ولو اعطى بعض ولده شيئا دون البعض لزيادة رشده لابس به وان كانا سواء لابن بنى ان يفضّل ولو كان ولده فاستأفاد ان يصرف ماله الى وجوه الخير ويحرّمه عن الميراث هذاخير من تركه لان فيه اعانة على المعصية ولو كان ولده فاستأفاد لا يعطى له اكثر من قوته.

واللہ اعلم: عبد الوہاب نعمانی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۷۴۷

۱۳ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ

﴿زندگی میں مال تقسیم کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ میں کہ صاحب اولاد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنا مال اولاد میں سے کسی کو زیادہ اور کسی کو کم دیں؟ مستقی: فضل الرحمن اور مکی ماکن

﴿جواب﴾ صاحب اولاد کا مال اگر اپنا ذاتی ہے تو اسے اختیار ہے کسی کو کم یا زیادہ دیں،

البتہ تمام اولاد کو برابر دینا یہاں تک کہ لڑکی کو بھی لڑکے کے برابر دینا مستحب ہے، لہذا بلاوجہ کسی کو کم یا زیادہ دینا خلاف اولیٰ ہے گناہ نہیں ہے اور اگر کسی وجہ سے ایک کو کم دوسرے کو زیادہ دیا مثلاً ایک خدمت گزار ہے، دوسرا نافرمان ہے یا ایک کی مالی حیثیت کمزور دوسرے کی بہتر تو ایسی صورت میں خلاف اولیٰ بھی نہیں ہے لیکن اس طرح کرنے سے کسی ایک کو تکلیف و اذیت دینا مقصود نہ ہو ورنہ گناہ ہے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ کسی کو بلاوجہ مکمل محروم کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

لما فی اللدر المختار: (۵/۲۹۶، طبع ایم سعید)

ولی الخانیة لا بأس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبة لانها عمل القلب وکذا فی المعطایا ان لم یقصد به الاضرار وان قصد فیسوی بینهم.

ولما فی الخلاصة: (۲/۴۰۰، طبع رشیدیہ)

ولرؤب جمیع ماله لابنه جاز فی القضاء، وهو آثم نص محضاً کذا فی العیین ولو سلم فی بعض ولده شیئون البعض لزیادۃ رشدہ لا بأس به وان کان اسواء لا ینفی ان یفضل.

ولما فی البحر: (۴/۲۸۸، طبع سعید)

یکره تفضیل بعض الاولاد علی البعض فی الهبة حالة الصحة الا لزیادۃ فضل له فی اللدین وان وهب ماله کله لواحد جار قضاء، وهو آثم کذا فی المعبط.

واللہ اعلم بالصواب: علما راجد شمس

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۳۰۵

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

﴿زندگی میں اولاد کے درمیان جائیداد تقسیم کرنا﴾

﴿سوال﴾ زید نے اپنی حیات میں اپنے ۵ بیٹوں اور ۵ بیٹیوں کے درمیان اپنی جائیداد اور دس لاکھ نقد رقم تقسیم کر دی۔ زید کے مرنے کے بعد اسکے بعض ورثاء نے کہا کہ ہم پہلی والی تقسیم پر راضی نہیں ہیں، لہذا از سر نو تقسیم کی جائے، کیا ایسی صورت میں پہلی والی تقسیم ہی کو کافی سمجھا جائے گا یا از سر نو تقسیم کی جائے گی؟ دوسرا یہ کہ بالفرض اگر زید خود اپنی زندگی میں اس تقسیم کو ختم کرنا چاہے تو کیا اس کو یہ حق حاصل تھا؟

﴿جواب﴾ زید کا اپنی زندگی میں اپنی اولاد کے درمیان جائیداد کو تقسیم کرنا تقسیم میراث نہیں بلکہ یہ کہلائے گا، زید کے بعض ورثاء کا اُن کے انتقال کے بعد از سر نو تقسیم کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے کیونکہ مورث کی زندگی میں ورثاء کا اپنے اپنے حصوں پر قبضہ کرنے سے اُنکی ملکیت تام ہو گئی ہے، لہذا اب اُنکی رضامندی کے بغیر ان کے حصوں کو از سر نو تقسیم نہیں کیا جاسکتا، بالفرض اگر

زید خود زندہ ہوتا اور پہلی والی تقسیم کو ختم کر کے از سر نو تقسیم کرنا چاہتا تو انہیں بھی یہ حق حاصل نہ ہوتا کیونکہ مویوب ”مویوب لہم“ کی ملکیت میں جا چکا ہے، اب دوبارہ تقسیم کرنا رجوع فی المسبۃ کی مانند ہوگا جو کہ بعض صورتوں میں ناجائز ہے مثلاً اگر کوئی اپنے اصول و فروع (ذی رحم محرم) پر بہہ کرے تو پھر رجوع کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

لسالی البحر: (۶/۲۹۲، مطبع سعید)

(فلو رغب لذی رحم محرم منه اذا كانت المسبۃ لذی رحم محرم لم يرجع لہا۔)

ولسالی المہندیہ: (۴/۲۸۷، مطبع رشیدیہ)

ولا يرجع فی المسبۃ من المعارم بالقرابة كالآباء والأمهات وان علواً والأولاد وان سفلاً
واراد البنین والبنات فی ذلک سواہ۔

واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۳۹

۲۱ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿حکومت کی طرف سے میت کے بچوں کو ملنے والی امداد کے وہ خود حقدار ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دینی میں ایک شخص کا انتقال ہوا تو حکومت کی طرف سے اسکے بچوں کو امدادی رقم ملی چونکہ میت کے خاندان والے اکٹھے رہتے ہیں اور میت کے بیٹے بھی بالغ ہیں، انھوں نے کہا کہ ہم چونکہ پڑھ رہے ہیں، لہذا یہ رقم آپس میں تقسیم کرنے کی بجائے مشترکہ طور پر استعمال کریں گے تو کیا مذکورہ رقم کو مشترکہ کاروبار کا حصہ بنانا درست ہے؟

﴿جواب﴾ حکومت کی طرف سے جو امدادی رقم میت کے بیٹوں کو ملی ہے یہ مرحوم کی اولاد اور بیوی کا حق ہے، مرحوم کے بھائی اگرچہ ایک ساتھ رہ رہے تھے کاروبار بھی مشترک تھا لیکن یہ رقم ممتاز ہونے کی وجہ سے مشترکہ کاروبار کا حصہ نہیں ہے، تاہم مرحوم کے بیٹے چونکہ بڑے ہیں اور اس رقم کو مشترکہ قرار دینے پر بھی باہم رضامند ہیں جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، لہذا تقسیم کرنے کی بجائے مشترکہ کاروبار کا حصہ بنانے کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

کذا فی فتاویٰ رحمہ: (۱۰/۲۸۹، مطبع دار الاشاعت کراچی)

واللہ اعلم بالصواب: ریاض الرحمن کوہاٹی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۶۰۷

۲۳ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ

﴿باپ کا ایک بیٹے کو زندگی میں وارث بنانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں کہ علماء کرام دریں مسئلہ کہ ایک شخص کی ملکیت میں پانچ کنال زمین ہے اور اس کے تین بیٹے ہیں اس نے اس زمین سے ایک کنال زمین اپنے ایک بیٹے کے نام منتقل کر دی اور اس کو باقاعدہ قبضہ بھی دے دیا۔

اس کی وفات کے بعد مرحوم کے دوسرے بیٹوں نے مرحوم کے اس بیٹے کی زمین میں بھی وراثت کا دعویٰ کیا ہے کہ اس میں ہمارا بھی حصہ ہے جبکہ یہ بیٹا اپنی اس زمین میں جو اس کو باپ کی طرف سے باپ کی زندگی میں ملی ہے، مرحوم کے دوسرے دو بیٹوں کو حصہ دینے سے انکار کرتا ہے اس صورت میں اس بیٹے کے حصہ کی زمین میں مرحوم کے دوسرے بیٹوں کا حق بنتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ باپ اپنی زندگی میں اپنی زمین میں سے جو حصہ اپنے کسی بیٹے کو دیتا ہے تو یہ اس کی طرف سے ہبہ ہوتا ہے، مذکورہ صورت میں چونکہ باپ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کے نام زمین منتقل کر دی اور باپ کی زندگی میں بیٹے نے زمین پر قبضہ بھی کر لیا تو یہ زمین اسی بیٹے کی ملکیت ہو گئی ہے، اس میں مرحوم کے دوسرے بیٹوں کا کوئی حق نہیں ہے اور نہ اس زمین پر ان کا دعویٰ ملکیت صحیح ہے۔

لحمالی التلویع للدر: (۵/۶۸۸، طبع سعید)

(ر) شرائط صحتها (فی الموهوب ان يكون مقبوضا غير مشاع مميزا غير مشغول)

ولحمالی الدر المختار: (۵/۶۹۶، طبع سعید)

وفی الخاتمة: لا بأس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبة لانها عمل القلب وكذا فی العطایا ان لم یقصد به الاضرار وان قصد فیسوی بینهم یعطى البنت كالابن عند الثانی وعليه الفتوی ولو هب فی صحته کل المال للولد جاز واثم الخ.

ولحمالی البحر الرائق: (۴/۲۸۱-۲۸۸، طبع سعید)

(قوله فان قسمه وسله صح) ای ولو هب مشاعا یقسم ثم قسمه وسله صح وملكه لان التمام بالتبض..... (لروع) یكره تفضیل بعض الاولاد علی البعض فی الهبة حالة الصحة الا لزيادة فضل له فی الدين وان هب ماله كله لواحد جاز قضاء وهو آثم كذا فی المحيط.

والله اعلم: ملاح الدين زيودي

الجواب صح: عبدالرحمن عفا الله عنه

نوی نمبر: ۳۳۳

۱۹ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿زندہ گائے کا متعین حصہ ہبہ کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر کوئی اپنی زندہ گائے کے ایک متعین حصہ کو ہبہ کر کے کسی کو اپنے ساتھ اسمیں شریک کر سکتا ہے یا نہیں؟ مینو تو جروا۔
﴿جواب﴾ کر سکتا ہے۔
مستفتی: ابو محمد کوہاٹی

لما فی الهدایۃ: (۲۸۷/۲) مطبع رحمانیہ (وہبۃ المشاع فیما لا یقسم جائز).

قال فی العاشیۃ علیہ نعنی بما لا یحتمل القسۃ مالا یبقی منتقلا بعد القسۃ اصلا کعبد واحد و دابة واحدہ.

واللہ اعلم بالصواب: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۰۵۷

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿قابل تقسیم میراث میں سے قبل از تقسیم اپنا حصہ ہبہ کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم تین بھائی اور تین بہنیں ہیں، والد صاحب انتقال فرما گئے ہیں، بہنوں نے میراث لینے سے انکار کیا، کہا کہ ہم خوشی سے اپنا اپنا حصہ بھائیوں کو دیتی ہیں جبکہ اب تک وراثت تقسیم نہیں ہوئی، پوچھنا یہ ہے کہ بہنوں کا اپنا حصہ بھائیوں کو ہبہ کر دینا درست ہے یا نہیں؟ اور اب تک بھائی اس زمین کو استعمال کر رہے ہیں تو انکے لئے حلال ہے یا نہیں؟ مینو تو جروا۔

﴿جواب﴾ بعض علاقوں میں بہنوں کو میراث میں سے حصہ نہیں دیا جاتا اور بعض دیندار

بھائی اگر دیتے بھی ہیں تو بہنوں کا وصول کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے اور اس کا طعنہ بھی دیا جاتا ہے، اس رواج اور غلط تاثر کو ختم کرنے کے لئے بھائیوں کو چاہیے کہ بہنوں کے انکار پر توجہ نہ دیں انکا حصہ الگ کر کے ان کے لئے چھوڑ دیا جائے، تاہم انکار کی صورت میں زمین وغیرہ کے منافع بھائیوں کیلئے حلال ہیں لیکن بہنوں کے حصہ کے مالک نہیں بن سکتے، کسی بھی موقع پر بہنیں یا انکی اولاد مطالبہ کرے تو ان کا حصہ واپس کر دینا ضروری ہوگا۔

البتہ تقسیم کر کے تمام کے حصوں کو الگ اور ممتاز کرنے کے بعد بہنیں اپنا اپنا حصہ کسی ایک بھائی یا تمام کو ہبہ کر دیں اور بھائی انکے حصوں پر قبضہ بھی کر لیں تو بھائی مالک ہو جائیں گے اور پھر کسی کو مطالبہ کا حق نہیں رہیگا۔

لما فی الشامی: (۵/۱۸۸، طبع سعید)

(و) شرائط صحتها (فی الموهوب أن يكون مقبوضاً غير مشاع مميزا غير مشغول) ولما فی القنوبر مع الرد: (۵/۱۹۲، طبع سعید) ولوملحه شانعا لا يملكه فلا ينفذ تصرفه فيه) وفي الشامية: قال فی الفتاوى الخيرية: ولا تنفذ الملك فی ظاهر الرواية قال الزيلعي: ولو سلمه شانعا لا يملكه حتى لا ينفذ تصرفه فيه فيكون مضمونا عليه و ينفذ فيه تصرف الواهب.... ومع افادتها للملك عند البعض أجمع الكل على أن للواهب استردادها من الموهوب له، ولو كان ذارحم محرم من الواهب.... وكما يكون للواهب الرجوع فيها يكون لوارثه بعد موته لكونها مستحقة الرد، ويضمن بعد الهلاك كالبيع الفاسد اذا مات احد المحتبا يعين للوارثته بقضه، لأنه مستحق الرد ومضمون بالهلاك.... وذكر قبله هبة المشاع فيما يقسم لا تنفذ الملك عند أبي حنيفة، وفي التهستانى لا تنفذ الملك وهو المختار كما فی المضمرات، وهذا مروى عن أبي حنيفة وهو الصحيح اهـ.

ولما فی الخلاصة: (۲/۳۹۰، طبع رشديه)

وفي الاصل ومن شرائط الهبة الا لراز حتى لا يجوز هبة المشاع فيما يحتمل القسمة كالبيت والدار والارض ونحوها وان كان لا يحتمل القسمة يجوز كالبنو والعمام والرحى. ولما فی الهداية: (۳/۲۸۴، طبع رحمانيه)

ولا يجوز الهبة فيما يقسم الا محوزة مقسومة وهبة المشاع فيما لا يقسم جائز.... ولنا ان القبض منصوص عليه فی الهبة فيشترط كماله والشاع لا يقبله الا بضم غيره اليه وذلك غير موهوب ولان فی تجويزه الزامه شيئا لم يلتزمه وهو القسمة ولهذا امتنع جواره قبل القبض كيلا يلزمه التسليم.

والله اعلم بالصواب: حبيب الوهاب سواتي

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

لتوئی نمبر: ۱۳۳۵

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

﴿ رشوت کی حقیقت کا بیان ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رشوت کی کیا حقیقت ہے اور آج کل معاشرے میں بہت بگاڑ آ گیا ہے تو کیا کسی صورت میں رشوت جائز ہے یا ہر صورت میں ناجائز ہے مثلاً میں روڈ پر جا رہا ہوں میری گاڑی بالکل ٹھیک ہوتی ہے اگر میں پولیس والوں کو دس روپے نہ دوں تو وہ میرے خلاف تین سو روپے کا پرچہ کاٹ دیتے ہیں تو کیا مجھے اس صورت میں دس روپے دینے کی گنجائش ہے تاکہ تین سو کے نقصان سے بچ سکوں؟

﴿جواب﴾ رشوت لغت میں کسی کام کی وجہ سے مقصود تک پہنچنے کو کہتے ہیں۔

لما لی تاج العروس: (۱۵۰/۱۰، مطبع دار احیاء التراث العربی)

قال ابن الأثیر الرشوة الوصلة الى الحاجة بالمصانعة واصله من الرشاء الذى يتوصل به الى الساء..... الخ.

جبکہ شریعت میں حق کو باطل کرنے کیلئے یا باطل کو ثابت کرنے کیلئے کسی کو مال دیا جائے اسے رشوت کہتے ہیں۔

لما لی قواعد الفقه: (ص ۵۲، مطبع مہر محمد) ما يعطى لابطال حق او لاحقاق باطل.

اسکی دو قسمیں ہیں (۱) ظلم پر مدد کرنے کیلئے کسی کو کچھ دینا اس صورت میں لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔ (۲) جان یا مال کی حفاظت کی خاطر یا اپنے حق کی وصول یا بی کیلئے کسی کو پیسے دینا اس صورت میں جائز ہے لیکن لینے والے کے حق میں یہ رشوت اور حرام ہے، مذکورہ بالا صورت اس صورت کے تحت داخل ہے۔

لما لی السرقاء: (۲۹۵/۷، مطبع رشیدیہ کوئٹہ)

عن عبد الله ابن عمرو قال لعن رسول الله ﷺ الراشى والمرتشى رواه ابو داود. اما اذا اعطى ليتوصل به الى حق او ليدفع به عن نفسه ظلما فلا بأس به.

لما لی الهندية: (۳۱/۲، مطبع رشیدیہ کوئٹہ)

واعلم بان الرشوة انواع..... نوع منها ان يهدى الى السلطان مالا ليدفع ظلمه عن نفسه او عن ماله هذا نوع لا يحل الأخذ لأحد واذا اخذ يدخل تحت الوعيد المذكور فى الباب وهل يحل للمعطى الاعطاء عامة المشايخ على انه يحل لانه يجعل ماله وقاية لنفسه او يجعل بعض ماله وقاية الباقي ونوع منها ان يهدى الرجل الى رجل ليسوى مالا امره فلهما بينه وبين السلطان ويعينه فى حاجته وانه على وجهين الأول ان تكون حاجته حراما وفى هذا الوجه لا يحل للمهدى الاعطاء وللمهدى اليه الأخذ الوجه الثانى ان تكون حاجته مباحة وانه على وجهين ايضا الوجه الأول ان يشترط ان يهدى اليه ليعينه عند السلطان وفى هذا الوجه لا يحل لأحد الأخذ وهل يحل للمعطى الاعطاء تكلموا فيه منهم من قال لا يحل ومنهم من قال يحل.

لما لی الشامى: (۳۱۲/۵، مطبع ايج ايم سعيد)

وفى الاقضية قسم الهدية وجعل من اقسامها فقال..... حرام منها كالاهداء ليعينه على الظلم وحرام على الأخذ فقط وهو ان يهدى ليكف عنه الظلم.

واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۷۳۰

۳ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

﴿اپنا جائز حق وصول کرنے کیلئے رشوت دینے کی گنجائش ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں حدیث شریف میں رشوت لینے اور دینے کی ممانعت آئی ہے لیکن آج کل عام طور پر خصوصاً کسی سرکاری ادارے میں بغیر رشوت کے اپنا جائز حق وصول کرنا ممکن ہی نہیں اور رشوت کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں اپنا حق وصول کرنے کیلئے رشوت دینے کی گنجائش ہے؟
مستفتی: حبیب الوہاب

﴿جواب﴾ اسلام میں رشوت لینا و دینا دونوں حرام ہیں، حدیث شریف میں رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت فرمائی ہے، چنانچہ امام ابو داؤد نے ”کتاب الاقضية: (۲/۱۳۸، طبع رحمانیہ) میں حدیث ذکر فرمائی ہے:

عن عبد الله بن عمر قال: لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشى.

ترجمہ: عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے رشوت دینے اور لینے والے پر لعنت فرمائی، اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث میں رشوت کی مذمت آئی ہے ایک حدیث میں جہنم کو دونوں کا ٹھکانہ قرار دیا گیا ہے ”العیاذ باللہ“ لہذا ہر مسلمان کیلئے رشوت جیسی لعنت سے خواہ بصورت لین ہو یا دین احتراز کرنا ضروری ہے، البتہ فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ کہیں اپنا جائز حق وصول کرنا بغیر رشوت کے ممکن ہی نہ ہو تو وہاں اپنا جائز حق وصول کرنے کیلئے رشوت دینے کی گنجائش ہے تاہم رشوت دیتے وقت اس عمل کو دل سے برا سمجھیں اور بعد میں اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار بھی کریں۔

لسا فی اعلاء السنن: (۱۵/۱۲-۱۶، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

عن ابی ہریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ: لعنة الله على الراشي والمرتشى.....

وقال القاری: لعن رسول الله الراشي والمرتشى أى معطى الرشوة وأخذها وهى الرخصة التى الحاجة بالمصانعة قبل الرشوة ما يعطى لابطال حق أو لاحتقاق باطل اما اذا عطي ليتوصل به الى حق او ليدفع به عن نفسه ظلماً فلا بأس به.

ولسا فی الشامی: (۵/۴۲، طبع سعید)

كما لو اضطر الى دفع رشوة لاهياء حقه جار له الدفع وحرم على القابض.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عبد الرزاق

فتویٰ نمبر: ۱۶۷۵

۲ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ

﴿ويزا کے حصول کے لئے رشوت دینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کسی غیر ملکی سفارت خانہ سے ویزا لینا چاہتا ہے جس پر کل دس ہزار روپے کا خرچ آتا ہے لیکن چند جہات کی بناء پر وہ ویزا لینے میں کامیاب نہیں ہو سکا لیکن دوسرا آدمی جو اس محکمہ میں کام کرتا ہے کہتا ہے کہ تم مجھے تیس ہزار روپے دیدو تو میں تمہارے لئے ویزا کا انتظام کر سکتا ہوں اور دونوں کے درمیان تیس ہزار روپے کا معاہدہ ہو گیا تو کیا اس صورت میں یہ رقم لینا اور دینا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ ویزا اس شخص کا اگر حق بنتا ہے اور بلا وجہ ذمہ دار افسران جاری نہیں کرتے تو اپنے حق کو وصول کرنے کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہے، البتہ رشوت لینے والے گنہگار ہونگے اور یہ دوسرا شخص جو اس محکمہ میں ملازم ہے، ویزا جاری کرنا اسی کی ڈیوٹی میں اگر شامل ہے تو ایسی صورت میں یہ رشوت لینے والا شمار ہوگا اور اسکی ڈیوٹی اگر نہیں ہے اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے ویزا جاری کروا سکتا ہے تو بھاگ دوڑ اور اس سلسلہ میں اپنے وقت وغیرہ کا معاوضہ لے سکتا ہے۔

لما فی الشامی: (۵/۲۵۶، طبع سعید)

استوجر علی ان یبیع ویشتري لم یجز لعدم قدرته علیہ والعیلة ان یتساجرہ مدۃ للخدمة ویستعملہ فی البیع (ریلمی) وتمام کلامہ وانما جارت هذه العیلة لان العقد یتناول المتعة: وہی معلومة ببیان قدر المدۃ وهو قادر علی تسلیم نفسه فی المدۃ ولو عمل من غیر شرط واعطاء شیئا لا بأس به لانه عمل معہ حسنة فجازاہ خیرا وبذلك جرت العادة وما راہ المسلمون حسنا فہر عنداللہ حسن۔

ولما فی التفرہ مع الدر: (۵/۳۱۲، طبع ہج ایم سعید)

(اخذ القضاء، ہر شدة) للسلطان او لقومہ وهو عالم بها او بشناعة جامع النصولین، باخذ المال لیسوی امرہ عندالسلطان دفعا للضرر او جلبا للمتع وهو حرام علی الاخذ فقط وحيلة حلها ان یتساجرہ یوما الی اللیل او یومین فتصیر منافعہ مملوكة ثم یتعملہ فی الذهاب الی السلطان لا امر الفلانی۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۶۷۷

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ

﴿چیک پوسٹ والوں کو پیسہ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم لوگ باڈر پر کام کرتے

ہیں، صبح جاتے ہیں اور شام کو واپس آتے ہیں، اب مسئلہ یہ درپیش ہے کہ کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ باڈر پار کرتے وقت چیک پوسٹ والے بہت تنگ کرتے ہیں اور مار پیٹ بھی کرتے ہیں اور باڈر پار کرنا بھی نہیں دیتے مقصد صرف پیسہ لینا ہوتا ہے، اب اگر ہم ان کو پیسہ نہیں دیتے تو بڑا نقصان ہوتا ہے، اور اگر دیتے ہیں تو خوف ہوتا ہے کہ یہ تو رشوت ہے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا ایسے وقت میں ان چیک پوسٹ والوں کو پیسہ دینا جائز ہے یا نہیں، کیا یہ پیسہ دینا رشوت کے ذمے مستفی: نعمت اللہ: جس باڈر میں آتا ہے یا نہیں؟

﴿مجموع﴾ صورت مذکورہ میں اگر آپ سرکاری قوانین کے مطابق باڈر پار کرتے ہو، پھر بھی چیک پوسٹ والے آپ کو تنگ کر کے ظلم کرتے ہیں، پیسہ دیئے بغیر باڈر پار کرنا نہیں دیتے، اور ساتھ ساتھ مار پیٹ کا بھی خطرہ ہوتا ہے، تو آپ کیلئے اپنی جان مال کی حفاظت کی خاطر ان چیک پوسٹ والوں کو پیسہ دینے کی گنجائش ہے، اس صورت میں آپ رشوت کی وعید کے تحت نہیں آتے، آپ کے حق میں یہ رشوت نہیں ہے، البتہ لینے والوں کیلئے رشوت ہے اور حرام ہے۔

لما فی مشکوٰۃ المصابیح: (ص: ۲۵۵ طبع سمیع)

وعن ابی حریۃ الرقاشی عن عمہ قال: قال رسول اللہ ﷺ الا لا تظلموا الا لا یحل مال امری الا بطیب نفس منه

لما فی اعلاء المصنف: (۲/۵ طبع بیروت)

القول: اعطاء الرشوة ان كان للظلم فهو متفق على حرمة..... بخلاف الا عطاء لدفع الظلم فانه يدفع عن نفسه ظلماً هو اشد بتحمل ظلم هو أخف بوله دفع الظلم عن نفسه دون تحمل ظلم اصلاً، فبتحمل الظلم أولى، لقد علم من أن المراد من الراشی فی الحديث هو الذی یرشی لیظلم الغير لا الذی یرشی لدفع الظلم عنه، لا نه مظلوم فكيف یكون مستحقاً للمعة؟

لما فی الہندیۃ: (ج ۲/ص ۳۱ طبع ترشیدیہ)

واعلم بأن الرشوة أنواع — ونوع منها أن یهدی للرجل فی رجل مالا بسبب أن ذلك الرجل قد خوفه فیهدی الیہ مالا لدفع الخوف عن نفسه او عن ماله وختلوع لا یحل الاخذ لأحد ولنا لخذ یدخل تحت الوعد المذكور فی هذا الباب وهل یحل للمعطى الا عطاء عامة المشايخ على أنه یحل لأنه یجعل ماله وقایة لنفسه لو یجعل بعض ماله وقایة للباقی ولما فی الشامی: (۵/۳۱۲ طبع سمیع)

الرابع: ما یدفع لدفع الخوف من المدفوع الیہ على نفسه او ماله خلال للدافع حرام على الأخذ، لأن دفع الضرر على المسلم واجب ولا یجوز اخذ المال لیفعل الواجب.

ولما فی البحر: (۱/۲۶۲، طبع: سعید)

منہا اذا دفع الرشوة خوفا على نفسه او ماله فهو حرام على الأخذ غير حرام على الدافع وكذا اطمع في ماله فرشاه ببعض المال.

ولما فی شرح المجلة: (المادة ۱۷۷/۱/۲۶۲، طبع: رشیدیہ)

لا يجوز لأحد ان يأخذ مال أحد بلا سبب شرعی ای لا یحل فی کل الاحوال عندأو خطأ او نسيانا بعدأو لعبان یا خذاحد مال أحد بوجه لم يشرعه الله تعالى ولم يبعه لان حقوق العباد محترمة لا تسقط بعذر الخطأ والنسيان، والهزل وغيره، بذلك كما لغصب والسرقة والتما والربا والرشوة والدعوى لباطلة وهادة الزور والمين المكاذبة والمعاذبا لله تعالى والصالح مع العلم بان المقضى له ظالم.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا علی عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۲۸۳

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ

﴿لڑکی والوں کا مہر کے علاوہ رقم کا مطالبہ کرنا رشوت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں بعض لوگ شادی سے پہلے لڑکے والوں سے حق مہر کے علاوہ کچھ نقد رقم لیتے ہیں تو کیا شادی سے پہلے لڑکی والوں کا لڑکے سے حق مہر کے علاوہ نقد رقم لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا لڑکا شادی کے بعد یا پہلے اس رقم کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد جمیل کراچی

﴿جواب﴾ لڑکی کے والدین یا دوسرے اولیاء کے لئے حق مہر کے علاوہ لڑکے سے نقد رقم لینا حرام اور ناجائز ہے، ایسا مال لڑکے کی ملکیت ہے اور وہ کسی بھی وقت اس کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے، ہاں لڑکے نے بخوشی مال دیدیا ہو، لڑکی والوں نے زبردستی یا شادی کے لئے شرط لگا کر مطالبہ نہ کیا ہو تو جائز ہے اور واپس لینے کا حق بھی نہیں ہے۔

لما فی التذویر مع الدر: (۲/۱۵۶، طبع: سعید)

(أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم للزوج أن يسترد ما لانه رشوة.

ولم ي الشامية بقوله عند التسليم: أي بان أبي أن يسلمها أخوها أو عمه حتى يأخذ شيئا.

وكذا الوابی ان يزوجه للزوج الاسترداد قائما أو مائلا لانه رشوة.

ولما فی الفتاویٰ: (۱/۲۷۷، طبع: رشیدیہ) لو أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم للزوج أن يسترد لانه رشوة

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ تعالیٰ

فتویٰ نمبر: ۳۲۸۳

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

﴿پیسے دیکر نمبرات اور فیصد بڑھوانا رشوت ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اپنی اسناد کے لئے پیسے دیکر نمبرات اور فیصد بڑھوانا جائز ہے انہیں؟ جبکہ دیئے گئے نمبرات اور فیصد مذکورہ شخص کی قابلیت کے اعتبار سے درست ہیں۔
مستفتی: سید عبدالباسط پٹی ایڈیٹی کورنگی کراچی

﴿جواب﴾ پیسے دیکر نمبرات اور فیصد بڑھوانا جائز نہیں ہے، اس طرح پیسے لینا اور دینا رشوت ہے جس کی شریعت میں اجازت نہیں ہے۔

لسامی: کنز العمال (۲۵/۱) مطبع رحمانیہ الراشی والمرتشی فی النار.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: انیس طالب کان اللہ

فتویٰ نمبر: ۲۳۳۱

۱۶ صفر ۱۴۳۱ھ

﴿افسروں کے ظلم سے بچنے کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ چند دنوں بعد بولان ایئر لائن کا افتتاح ہونے والا ہے، اس میں نوکریاں آئی ہیں، میں نے اپنی سی وی وغیرہ وہاں جمع کروادی ہیں، میرا ایک دوست دوسری ایئر لائن میں کام کرتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ نوکری حاصل کرنے کے لئے آپ کو کچھ روپے خرچ کرنے ہونگے یعنی افسروں کو رشوت وغیرہ دینی ہوگی، معلوم یہ کرنا ہے کہ میرا رقم دینا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ نوکری بہت اچھی ہے سہولیات بہت زیادہ ہیں اور اس نوکری سے مجھے جو تنخواہ ملے گی وہ جائز ہوگی یا نہیں؟ واضح رہے کہ آجکل حالات کی وجہ سے نوکری ملنا بہت مشکل ہے۔
مستفتی: محمد شعبان کورنگی

﴿جواب﴾ مسئلہ صورت میں اگر آپ اس نوکری کو درست طریقے سے انجام دینے کے اہل ہیں لیکن رشوت دیئے بغیر افسر لوگ آپ کو اس نوکری کا اہل ظاہر نہیں کر رہے ہیں تو انکے ظلم سے بچنے کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہے، آپ کو گناہ نہیں ہوگا، البتہ افسر لوگ رشوت لینے کے گنہگار ہونگے اور اگر آپ میں اس نوکری کی اہلیت نہیں ہے صرف رشوت کے ذریعہ اپنے کو اس کا اہل ظاہر کر دیتے ہیں تو اس صورت میں رشوت لینا دینا دونوں حرام ہیں اور صحیح خدمات نہ دینے کی وجہ سے تنخواہ بھی آپ کے لئے حلال نہ ہوگی۔

لما فی الہندیۃ: (۳۱/۲ طبع رشیدیہ)

ونسوع منها ان یهدی الرجل الی الرجل مالا بسبب ان ذلک الرجل قد خرفه فیهدی الیه مالا لیدفع الخوف عن نفسه او یهدی الی السلطان مالا لیدفع ظلمه عن نفسه لو عن ماله و هذا نوع لا یحل الاخذ لا حد و اذا أخذ بدخل تحت الوعد المذکور فی هذا الباب و هل یحل للمعطى الا عطاء عامة المشایخ علی انه یحل لانه یجعل ماله وقایة لنفسه او یجعل بعض ماله وقایة للباقی.

لما فی التتویر مع الدر: (۲۶۲/۵ طبع سعید کسہنی)

(اخذ القضاء برشوة) الثالث: اخذ المال لیسوی امره عند السلطان دفعا للضرر او جلبا للنتع وهو حرام علی الاخذ فقط.

واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۵۸۸

۲ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

﴿مگنی سے انکار کے بعد اس دوران بھیجے گئے ہدایا کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ میرے بھائی کی مگنی خاندان میں ہوئی اور مگنی کے بعد ہم نے عید وغیرہ کے موقع پر مختلف سامان مثلاً سونا و کپڑے وغیرہ ہدیہ کے طور پر بھیجے، مگنی کے دو سال بعد لڑکی کے والد اور بھائیوں نے انکار کر دیا، سوال یہ ہے کہ دو سال کے بعد لڑکی کے والد اور بھائیوں کے انکار کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور جو ہدایا سامان وغیرہ ہم نے اس دوران دیا ہے کیا شرعاً اس کے مطالبہ کا حق ہمیں حاصل ہے؟

﴿جواب﴾ مگنی دراصل وعدہ نکاح اور عہد ہوتا ہے، فریقین کو اس پر قائم رہنا چاہیے۔

چنانچہ قرآن کریم میں عہد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”واوفوا بالعہد ان العہد کان مسؤلاً..... الایۃ (اور عہد و پیمان کو پورا کرو بے شک عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا) اور مسلمان کی شان کے لائق نہیں کہ وہ بلا وجہ اپنے کئے ہوئے عہد و پیمان سے پھر جائے، لہذا لڑکی کے والد اور بھائیوں کا بلا وجہ شرعی انکار کر دینا مناسب نہیں، کوئی معقول وجہ ہو تو مضائقہ نہیں، رہے ہدایا وغیرہ جو آپ نے اس دوران دیے ہیں ان میں سے جو اشیاء معینہ موجود ہوں تو ان کا مطالبہ آپ کر سکتے ہیں لیکن جو اشیاء خود ہلاک ہو چکی ہیں یا ان میں تصرف کر کے استعمال میں لائی جا چکی ہیں مثلاً کپڑوں وغیرہ کی سلائی کر دی گئی ہے تو ایسی اشیاء کے مطالبہ کا حق آپ کو حاصل

نہیں، البتہ سونا اور دیگر قیمتی اشیاء عرف کے مطابق بہر حال واپس کرنی چاہیے۔

لما فی الدر المختار: (۲/۴۰۲، طبع امدادیہ)

خطب بنت رجل وبعث اليها اشياء، ولم يزوجها ابوها لما بعث للمهر يسترد عينه قانسا
..... وكذا يسترد ما بعث هدية وهو قائم دون الهالك والمستهلك لانه في معنى الهبة.

وفي الشامية: لانه في معنى الهبة اي والهالك والاستهلاك مانع من الرجوع بها.....
وكذا يشترط عدم ما يمنع من الرجوع كما لو كان ثوبا فصبغته او خاطته.

ولما فی الشامی: (۲/۴۰۵، طبع امدادیہ)

وعلى هذا لما يقع في قري دمشق من ان للرجل يخطب امرأة ويصير يكسوها ويهدى
ليها في الاعياد ويعطيها دراهم للثقت والمهر الى ان يكمل لها المهر فيعتد عليها ليلة
الزفاف فاذا ابت ان تنزوجه ينهض ان يرجع عليها بغير الهدية الهالكة على الاقوال
الاربعة السارة لان ذلك مشروط بالتزوج.

والله اعلم بالصواب: عبدالرزاق عفا الله عنه

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۱۳۵۳

۱۸ جمادی الاول ۱۴۲۹ھ

﴿گاڑی والے کا پولیس کو رشوت دینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی گاڑی والے کے پاس گاڑی کی صحیح کاغذات، لائسنس موجود ہے اور سرکاری ٹیکس ادا کرنے کی رسید بھی موجود ہے اور کسی طرح کے قانونی خلاف ورزی نہیں کی، پھر بھی بلا وجہ پولیس والے تنگ اور پریشان کر کے گاڑی روک لیں اور پھر گاڑی والے چالان سے بچنے کیلئے پولیس والے کو کچھ پیسے دیدیں تو کیا شرعیہ جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: اورنگزیب بتارس

﴿جواب﴾ گاڑی کے کاغذات، لائسنس وغیرہ سب موجود ہوں اور کسی قسم کی قانونی خلاف ورزی نہیں کی ہو اسکے باوجود پولیس والے اگر تنگ و پریشان کریں تو ایسی صورت میں ظلم سے بچنے کیلئے رشوت دینے کی گنجائش ہے، دینے والا گنہگار نہیں ہوگا لیکن پولیس والے گنہگار ہونگے اور انکے حق میں یہ پیسے رشوت کہلائیگے جو کہ حرام ہے۔

لما فی الفتاویٰ الہدیۃ: (۲/۳۲۱، طبع رشیدیہ کونٹہ)

منها ان يهدى الرجل الى رجل مالا بسبب ان ذلك الرجل قد خوفه فيهدى اليه مالا
ليدفع الخوف عن نفسه او يهدى الى السلطان مالا ليدفع ظلمه عن نفسه او عن ماله

وہذا نوع لا یحل الاخذ لاحد واذا اخذ تدخل تحت الوعد المذكور فی هذا الباب وهل یحل للمعطى الاعطاء عامة المشائخ على انه یحل لانه یجعل ماله وقایة لنفسه او یجعل بعض ماله وقایة للباقي.

ولمافی الدر مع الرد: (۲/۲۲۲ طبع ایچ ایم سعید)

ولاباس بالرشوة اذا خاف على دينه والذنب ۞ كان یعطى الشعراء ولمن یخاف لسانه. ولی الشامية (قوله لا تخاف على دينه) عبرة المجتبی لمن یخاف ولیه ایضا دفع المال للسلطان لاجتناب لدفع الظلم عن نفسه وماله ولا استخراج حق له لیس برشوة یعنی فی حق النفع.

الجواب صحیح: محمد الرحمن عفا الله عنه والحمد اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ

توی نمبر: ۲۵۷۷

اربع الی ۱۳۳۱ھ

﴿رخصتی سے قبل دلہن کے ماموں کا رقم لینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ بعض علاقوں میں ایسا ہوتا ہے کہ دلہن کی رخصتی سے قبل اس کا ماموں لڑکے والوں سے رقم کا مطالبہ کرتا ہے جو کہ پانچ سے دس ہزار تک ہوتی ہے اس رقم کی ادائیگی کے بغیر دلہن کی رخصتی نہیں کی جاتی، اس رقم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس طرح کی رقم کا لینا جائز ہے؟ مستفی: عبدالحق گلشن معمار کراچی

﴿جواب﴾ شریعت مطہرہ نے بغیر کسی سبب شرعی کے مال لینے کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے صورت مسئلہ میں دلہن کے ماموں کا رقم وصول کرنا شرعاً رشوت ہے جس کا لینا حرام اور ناجائز ہے، شوہر کو اپنا مال واپس وصول کرنے کا حق حاصل ہے۔

لمافی مشکوٰۃ المصابیح: (ص ۲۵۵، طبع سعید)

عن ابی حرة الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفسه منه. رواه البیہقی فی شعب الایمان.

ولمافی التذکر مع الدر: (۳/۱۵۶، طبع رشیدیہ)

(اخذ اهل المهرلة شیئا عند التسليم فلزوج ان یسترده لانه رشوة کای بان ابی ان یسلمها اخوها او نحوه حتی یاخذ شیئا.

ولمافی الہندیہ: (۱/۲۲۷، طبع رشیدیہ)

ولو اخذ اهل المرأة شیئا عند التسليم فلزوج ان یسترده لانه رشوة کذا فی البحر الرائق.

ولمافی شرح المجلة للاتاسی: (۱/۲۱۲، المادة ۹۷، طبع رشیدیہ)

لا یجوز لاحد ان یاخذ مال احد بلا سبب شرعی ای لا یحل فی کل الاحوال عدا او خطنا او نسبا نا جدا او لعبا ان یاخذ احد مال احد بوجه لم یشرعه الله تعالی ولم یبعه لان

حقوق العباد محترمة لاتسقط بعذر الخطاء والنسيان والهزل وغيره۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم: عبدالوہاب لغمانی عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۵۵۱

۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

﴿نقل﴾ سفارش اور رشوت کے ذریعے ڈپوے کی سند حاصل کرنا گناہ ہے ﴿موس﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص محنت و لگن کے ساتھ ایک ادارے سے کسی فن میں ڈپوے کرتا ہے اور پھر اس ڈپوے کی بنیاد پر کوئی ملازمت اختیار کرتا ہے جبکہ دوسرا شخص نقل، سفارش اور رشوت کے ذریعے ڈپوے کی سند حاصل کر کے اسکی بنیاد پر ملازمت اختیار کرتا ہے شرعاً ایسی ملازمت کا کیا حکم ہے؟ مستفتی محمد ماسم ڈینس کراچی ﴿موس﴾ ڈپوے وغیرہ کی سند دراصل اس بات کی شہادت ہوتی ہے کہ حامل سند اس کام کی صلاحیت والیت رکھتا ہے، سو کوئی بغیر سند کے مذکورہ ذمہ داری کی صلاحیت والیت اگر رکھتا ہو تو ملازمت جائز ہے اور تنخواہ لینا بھی جائز ہے اگرچہ ملازمت حاصل کرنے کے لئے جعلی سند کے ذریعے باور کرایا ہو یا نقل و رشوت کے ذریعے حاصل کی ہوئی سند پیش کی ہو اس لئے کہ اصل مطلوب کام کی صلاحیت ہے، سند بذات خود مطلوب نہیں ہے۔

البتہ نقل، رشوت کے ذریعے سند حاصل کرنا بڑا گناہ ہے، اس لئے توبہ و استغفار ضروری ہے لیکن ملازمت اور تنخواہ کے جواز کا دار و مدار سند پر نہیں ہے، استعداد اور صلاحیت پر ہے۔

لما فی العنایۃ شرح الہدایۃ: (۱۲/۲۵۳ طبع موقع الاسلام بیروت)

وانا شرط علی الصانع ان یعمل بتقسی الخ فلیس لہ ان یتعمل غیرہ لان المعنود علیہ العمل من محل بعینہ فیستحق عینہ کالمستعمل فی محل بعینہ کان استاخر دایۃ بعینہا للعمل فانه لیس للمؤجر ان یسلم غیرہا ولیہ تأمل لانه ان خالہ الی خیر بان استعمل من ہوا صنع منہ فی ذلک الفن او سلم دایۃ اقوی من ذلک کان ینبغی ان یجوز۔

ولما فی بدائع الصنائع: (۲/۱۴۴ طبع سعید)

اما رکبھا فالایجاب والقبول وذلک بلفظ دال علیہا وهو لفظ الاجارۃ والاستدجار والاكثر والاکثر فاذا وجد ذلک فقد تم الرکن۔

ولما فی البحر: (۸/۳ طبع سعید)

واما رکبھا فهو الايجاب والقبول والارتباط بینہما واما شرط جوارھا فثلاثۃ اشیا: اجر معلوم وعین معلوم وبدل معلوم۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: ثار محمود کوہاٹی عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۰۳۵

۱۴۲۹ھ

﴿مکمل پنشن کی وصولی کے لیے رشوت دینے کا حکم﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے پاک فوج کی رجسٹر آرڈیننس (سپلائی) میں ۲۸ سال خدمات انجام دی ہیں، میری ریٹائرمنٹ اور پنشن ملنے میں تقریباً دو تین ماہ کا عرصہ رہ گیا ہے، میرے ریکارڈ میں کچھ کاغذات کے الٹ پلٹ ہو جانے کی وجہ سے میری پنشن سے ایک معتد بہ حصہ کاٹا جا رہا ہے یعنی وہ رقم میری ہی ہے لیکن اب ان کاغذات کو بنوانے اور ریکارڈ کی درستگی کے لئے مجھ سے رشوت طلب کی جا رہی ہے اگر رشوت نہ دی تو میرے کاغذات نہیں بنیں گے اور مجھ سے پنشن کی کچھ رقم کاٹ لی جائے گی۔ براہ کرم شریعت کی روشنی میں بتائیں کہ کیا مجھے اپنا حق وصول کرنے کے لئے رشوت دینا جائز ہے؟

﴿مولا﴾ مذکورہ صورت میں چونکہ اپنا حق وصول کرنے کے لئے رشوت دی جا رہی ہے اس لئے رشوت دینا جائز ہے، البتہ رشوت لینے والے کے لئے یہ رقم حرام ہوگی اور اس پر اس رقم کو لوٹانا واجب ہوگا اور وہ سخت گنہگار ہوگا۔

لما فی الشامی: (۵/۳۶۲ مطلب فی الکلام علی الرشوة والهدية طبع سعید)

وفی الفتح ثم الرشوة أربعة أقسام: منها الرابع: ما يدفع لدفع الخوف من المذنب أو لئلا يجر نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ، لأن دفع الضرر عن المسلم واجب ولا يجوز أخذ المال لئلا يعمل الواجب اه ما فی الفتح ملخصا و فی القنينة الرشوة يجب ردّها ولا تملك

لما فی التقریر مع الدر: (۵/۷۱-۷۲، طبع سعید)

(و شعر الخنزیر) کنجاسة عينه فیبطل بیعه ابن کمال (و کان) (جاز الانتفاع به للضرورة الجبرر حتی لو لم يوجد بلائ من جاز الشراء للضرورة و کره البیع فلا یطلب لئنه. و کذا فی الشامی: (۵/۷۲، طبع سعید) و کذا فی الدر مع الرد: (۱/۲۲۳-۲۲۴، طبع سعید)

واللہ اعلم بالصواب: مرسل شاہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

نوی نمبر: ۲۳۱۸

۱۹ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

﴿من اعطى الرشوة لاداء الحج﴾

﴿حج پر جانے کے لیے رشوت دینے کا حکم﴾

﴿مولا﴾ طریقتہ الحج لی بلادنا بالافتراء ومن اعطى الرشوة يرسلونه بغیر

القرعة فهل يجوز اعطاء الرشوة لاداء الحج ام ينتظر القرعة فاذا انتظر ولم يخرج حتى مات هل يائلم؟
مستغنى: ضياء الدين التاجكستاني

﴿جواب﴾ اذا لم يمكن اداء الحج الا باعطاء الرشوة وعنده مال يكفى يعطى ويؤدى حج الفرض اما اذا كان الاداء فى الافتراع محتملا فلينتظر قرعته فاذا خرج فيها والا يلزمه الوصية اذا احس بالموت وان لم يوص يائلم والله اعلم.

ولمالي فتح القدير: (۲/۲۲۵ طبع رشديه)

ثم الأثم فى مثله على الأخذ لا المعطى على ما عرف من تقسيم الرشوة فى كتاب القضاء وكون المعصية منهم لا يترك الفرض لمعصية عاص.

ولمالي البحر: (۲/۱۱۴ طبع سميد)

وعلى تنبيههم الرشوة فالأثم فى مثله على الأخذ لا معطى.

ولمالي الدرر: (۳/۲۱۳-۲۱۴ طبع امداديه)

وعلى ما يؤخذ من المكس والخلافة عن قولان والمعتقد لا كما فى التقنية والمجتبى، وعليه فيحتسب فى الفاضل عما لا بد منه القنرة على المكس ونحوه كما فى مناسك للطربلسى.

ولمالي احكام القرآن: (۲/۸۲ طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلامية)

ومن ههنا علم أن قولهم ان الطاعة انذادت الى معصية راجحة يجب تركها ليس على اطلاقه بل المراد من الطاعة فيه هى التى لم تكن من المقاصد الشرعية الواجبة لو من شعائر الاسلام.

الجواب صح: محمد الرحمن عفا الله عنه

والله اعلم بالصواب: محمد غفر له ولوالديه

فتوى نمبر: ۱۸۰۵

۲۵ ذى الحجة ۱۴۲۹ھ

﴿رشوت دیکر سند، ڈگری حاصل کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میں داؤد کالج کا طالب علم ہوں اور داؤد کالج بڑی یونیورسٹی سے ملحق ہے اور وہی یونیورسٹی ڈگری بھی دیتی ہے ہمارے کالج کے فاضل امتحانات فروری ۲۰۰۸ میں ہوئے تھے، اب ہمارا کالج موجودہ جماعتوں کو خود ڈگری دے رہا ہے اور جو پہلی جماعتیں تھیں انکی ڈگری مہراں یونیورسٹی دے گی، میں امتحان کے چند پرچوں میں رہ گیا تھا اور میری جماعت والے پاس ہو چکے ہیں، اب میں درمیان میں رہ گیا ہوں ڈگری کیلئے مہراں یونیورسٹی جاتا ہوں تو وہ داؤد کالج پر ذمہ داری ڈالتے ہیں اور ہمارے کالج والے کہتے ہیں کہ ہم صرف موجودہ جماعتوں کو ڈگری دیتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں

کچھ دے دلا کر اپنی رکی ہوئی سند نکالوں یا دوبارہ سے چار سال داود کالج میں پڑھوں؟ جبکہ یہ سند وہ شعبہ جاری کریگا جو سند دیتا ہے اور اس میں ظاہر کریگا کہ وہ ان پڑھوں میں پاس ہے۔

﴿موجوہ﴾ مذکورہ صورت میں اگر واقعی آپ کا حق بنتا ہے کہ آپ کی سند جاری کی جائے اور متعلقہ افراد جاری نہیں کرتے تو بوجہ مجبوری آپ کچھ دیکر سند نکال سکتے ہیں شریعت میں اس کی گنجائش ہے، تاہم ان کیلئے اس کا لینا جائز نہیں ہے ان کے حق میں یہ رشوت ہوگا۔
البتہ قانونی طور پر اگر سند نکالنا آپ کا حق نہیں بنتا تو پھر سند نکالوانے کیلئے آپ کا کچھ دینا رشوت ہوگا اور سخت گناہ ہوگا۔

ولمافی قوله تعالیٰ: (سورۃ البقرہ: ۲، آیت ۱۸۸)

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لَعَلَّكُمْ أَفْرَقُوا مِمَّا قَدْ ضَلُّوا مِنْ أَمْوَالِكُمْ إِنَّكُمْ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ..... الآية.

ولمافی اعلاء السنن: (۱۵/۶۳، طبع دار الکتب العلمیۃ)

عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "لَعَنَ اللہ علی الراشی والمرتشی" رواہ ابوداؤد واحمد والترمذی.

ولمافی الشامی: (۵/۲۶۲، طبع سعید)

وفی الملح ثم الرشوة: أربعة أقسام منها ما هو حرام علی الأخذ والمعطى وهو الرشوة علی تقلید القضاء، والأمانة، الثاني ارتشاء القاضی لیحكم وهو كذلك ولو القضاء بحق لانه واجب علیہ. الثالث اخذ المال لیسوی امرہ عند السلطان دفعا للضرر أو جلبا للنتع وهو حرام علی الأخذ فقط..... الرابع ما یففع لدفع الخوف من المدفوع الیہ علی نفسه لئماله حلال للدفع حرام علی الأخذ لان دفع الضرر عن المسلم واجب ولا یجوز اخذ المال لیعمل للواجب.

ولمافیہ ایضاً: (۵/۷۲، طبع سعید)

کمالو اضطر الی دفع مرشوة لاحیا، حقہ جاز له الدفع وحرم علی القابض ا.

واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمن سواتی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۱۶۷

۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

﴿مال کلیر کروانے کیلئے افسران بالا کو رشوت دینا﴾

﴿موجوہ﴾ کیا فرماتے حضرات علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اپنا مال (بیرون ملک سے منگوانے اور بجوانے میں) کلیر کروانے کیلئے افسران بالا کو رشوت دینا جبکہ ملکی قوانین کے

مطابق نہ مال میں کوئی نقص ہو اور نہ دستاویزات میں قانون کی خلاف ورزی ہو اگر رشوت نہ دے جائے تو افسران مال کلیم نہیں کرتے اور یہاں تک کہ اصل سرمایہ بھی ڈوبنے کا خطرہ ہوتا ہے، شریعت کی رو سے اس طرح رشوت دینا سبب گناہ ہے یا نہیں؟ کیا اس وبال میں دونوں برابر کے شریک ہو گئے؟

مستفتی: رشید احمد صدیقی پبلی انڈیٹو سوسائٹی کورنگی کراچی

﴿جواب﴾ رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: (الراشی والمرشی فی النار: الحدیث: (کنز العمال: ۶/۳۵) البتہ ظالم کے ظلم سے بچنے کیلئے یا اپنا حق وصول کرنے کیلئے بشرطیکہ رشوت دیئے بغیر ظلم سے بچنا یا اپنا حق وصول کرنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں رشوت دینے کی گنجائش ہے، لہذا افسران بالا آپ کا مال رشوت کے بغیر اگر کلیم نہیں کرتے باوجودیکہ آپ کے مال میں کوئی نقص یا دستاویزات میں کوئی کمی بھی نہیں ہے تو مالی نقصان سے بچنے کیلئے رشوت دینے کی گنجائش ہے، آپ کے حق میں رشوت نہیں ہوگی، لینے والے ہی گنہگار ہو گئے، ان کے حق میں رشوت ہے۔

لما فی الدر مع الرد: (۶/۲۲۲-۲۲۴ طبع سعید) لا بأس بالرشوة اذا خاف علی دینہ۔ الخ۔
وفی الشامیہ: بقولہ (اذا خاف علی دینہ) عبارة المجتبی لمن یخاف وفیہ ایضا دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولا استخراج حق له لیس برشوة یعنی فی حق الدافع ۱۵۔

ولما فی الہندیۃ: (۲/۳۳۱ طبع رشیدیہ)

أن یهدی الرجل الی رجل مالا بسبب أن ذلک الرجل خوفه لیهدی الیہ مالا لیدفع الخوف عن نفسه أو یهدی الی السلطان مالا لیدفع ظلمه عن نفسه أو عن ماله، وهذا نوع لا یحل الأخذ لأحد۔ الخ وھل یحل للمعطى الا عطاء عامة المشافخ علی انه یحل لانه یجعل ماله وقایة لنفسه أو یجعل بعض ماله وقایة للباقی۔ الخ۔

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: انیس طالب کان اللہ

توی نمبر: ۲۳۲۳

۱۳ جمادی الاول ۱۴۳۱ھ

﴿بحالت مجبوری رشوت دیکر واپڈا اسے میٹر خریدنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں واپڈا کا ملازم ہوں میرے گاؤں والے اپنی ضرورت کے لئے بجلی کا میٹر میرے ذریعے منگواتے ہیں حکومت کی

طرف سے میٹر اور چالیس گز تار ملتا ہے اور اسکی قیمت وصول کی جاتی ہے لیکن واپڈا کے اصران بجائے چالیس گز تار کے پندرہ گز تار دیتے ہیں اور قیمت چالیس گز تار کی ہی وصول کرتے ہیں ہم مجبور اتنی ہی تار لے سکتے ہیں گاؤں والوں کو اس ساری صورتحال کا علم ہے تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں گاؤں والوں کیلئے اس طرح کا معاملہ کروں یعنی میٹر اور پندرہ گز تار چالیس گز تار کی قیمت میں واپڈا سے خرید کر انکو دوں؟

مستفتی: حاجی عمر راز

﴿مجموعہ﴾ مذکورہ صورت میں آپ اپنے گاؤں والوں کی طرف سے وکیل ہیں گاؤں والوں کے علم میں اگر یہ بات ہے کہ آپ حکومت کی طرف سے باضابطہ منظور شدہ مقدار سے کم مقدار میں تار وصول کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور اسکے باوجود یہ لوگ آپ سے میٹر تار وغیرہ اس ٹکڑے لینے کو کہتے ہیں تو آپ کے لئے یہ معاملہ جائز ہے آپ پر گناہ نہیں ہے، البتہ باختیار افسران کے حق میں یہ رشوت ہے اور حرام ہے اور آپ چونکہ رشوت دیے بغیر اپنا حق وصول نہیں کر سکتے اس لئے رشوت دینے کا گناہ نہیں ہے۔

لما فی فتح القدیر: (۴/۲۵۵، طبع رشیدیہ)

(قوله وانلواكل الحر البائع او المأذون مثلها جاز) کو اطلاق فی المأذون بشل كلام من العبد والصبي المأذونین فی التجارة لاجتماع الشروط وهي ملك الموكل التصرف ولزوم الاحكام ولما فی الهدایة: (ص ۱۹۱، طبع رحمانیہ)

قال ولو وكله بشراء شيء، بعينه فليس له ان يشتريه لنفسه لانه يؤدى الى تغيير الامر حيث اعتمد عليه.

ولما فی الدر المختار: (۵/۴۲، طبع سعید)

كما لو اضطر الى دفع مرسومه لاجراء حق له الدفع وحرم على القابض.

ولما فی الشامی: (۶/۲۲۳-۲۲۴، طبع سعید)

(قوله واذا خاف على دينه) عبارة المجتبی لمن يخاف وفيه ايضاً دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولا استخراج حق له ليس برشوة بمعنى في حق الدافع حرام للاخذ

ولما فی الشامی: (۵/۳۱۲، طبع سعید)

الرابع ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع اليه على نفسه او ماله حلال للدافع حرام للاخذ.

والله اعلم بالصواب: سلمان احمد

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۱۸۹۰

۱۳ صفر ۱۴۳۰ھ

﴿پوزیشن لینے کیلئے رشوت دینا حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک اسکول میں زید اور بکر پڑھتے ہیں، زید بہت قابل ترین لڑکا ہے جبکہ بکر بہت کمزور، مگر گورنمنٹ یعنی بورڈ کے امتحان میں بکر مستحق کو پیسے دیکر پوزیشن لیتا ہے، جیسا کہ آج کل پاکستان میں سرعام ہو رہا ہے، اسی طرح زید کا حق مارا جاتا ہے کہ باوجود قابل ہونے کے وہ پوزیشن نہ لے سکا تو کیا زید پیسے دیکر پوزیشن لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اسکی سند کی بنیاد پر ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بورڈ کے امتحان میں نقل کی جاتی ہے، حکومت کو اسکا علم بھی ہوتا ہے تو کیا باوجود علم کے نقل کرنا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ زید واقعی قابل ہو تب بھی پوزیشن لینا اس کا کوئی یقینی حق نہیں بنتا، یقینی حق ہو کسی کا اور رشوت دیئے بغیر حاصل نہ ہوتا ہو تو رشوت دینے کی گنجائش ہوتی ہے، مجبوراً دینے والا شخص گنہگار نہ ہوگا، البتہ لینے والے کے حق میں رشوت اور حرام ہے۔

نقل یا رشوت کے ذریعہ ڈگری حاصل کرنا بڑا گناہ ہے، جھوٹ اور دھوکہ ہے، ملازمت کی صلاحیت نہ ہو، صرف ڈگری کی بنیاد پر ملازمت حاصل کی ہو تو ملازمت ناجائز اور حاصل ہونے والی آمدنی بھی حرام ہے، البتہ کام کی صلاحیت ہو اور سپرد شدہ ذمہ داری بخوبی انجام دیتے ہو تو ملازمت سے حاصل ہونے والی آمدنی جائز اور حلال ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ: (سورۃ نساء: آیت ۲۹)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ... (الآية)﴾

لما فی قوله تعالیٰ: (سورۃ البقرۃ: آیت ۱۸۸) وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ... (الآية).

ولما فی سنن أبی داود: (۲/۱۴۸ رقم للحديث ۳۵۸۰ طبع رحمانیہ)

عن عبد اللہ بن عمرو قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی.

ولما فی کنز العمال: (۵/۲۵۶ طبع رحمانیہ) الراشی والمرتشی فی النار.

ولما فی الشامی: (۵/۳۶۲، کتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوة والهدية طبع سعید)

وفی الفتوح: الرشوة أربعة أقسام: منها ما هو حرام علی الأخذ والمعطى وهو الرشوة علی

تقلید القضاء والأمانة، الثانی لرتشاء القاضی لیحكم وهو کذلک وبکذا فی

البحر: (۸/۱۹، کتاب الاجارة فی وصح أخذ أجره العمام والمعجم طبع سعید)

ولمالي البعير (۱/۲۱۲، کتاب القضاء، طبع سعید)

ان الرشوة ما يطميه بشرط أن يعيده اذا دفع الرشوة الى القاضي لم يضمن له حريم من الجانبين سواء كان القاضي بحق أو بغير حق.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

والله اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی فخرہ وعاہدہ

۲۱ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

فتویٰ نمبر: ۲۷۹۶

﴿موجوہ﴾ مجبور رشوت دیکر آفیسر حضرات سے سروس بک صحیح کرانے کی گنجائش ہے ﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری سروس بک میں کچھ غلطی تھی جس کی وجہ سے میں تقریباً پچیس سال تک ہزار روپے تنخواہ کم لیتا رہا دوران ملازمت آفیسر حضرات کو بار بار صحیح کرنے کا کہا تھا لیکن بغیر رشوت کے نہیں کر رہے تھے تو میں نے بھی پرواہ نہیں کی، اب جب پشن لینے کا وقت آیا تو اس غلطی کی رو جانے کی وجہ سے پشن پر خاصا فرق پڑ رہا ہے لیکن اب بھی آفیسر بغیر رشوت کے صحیح نہیں کر رہے ہیں تو کیا ایسی صورت حال میں میرے لئے رشوت دیکر سروس بک صحیح کرانا جائز ہے؟ نیز ان حضرات کو نکتہ کی طرف سے یہی کام سپرد ہے کہ وہ ملازمین کے سروس بک صحیح کریں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں اگر آپ کی کوشش کے باوجود آفیسر حضرات آپ کی سروس بک صحیح نہیں کر رہے ہیں اور آپ کو سروس بک میں غلطی کی وجہ سے مالی نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے تو آپ کیلئے اس نقصان سے بچنے کیلئے انکو رشوت دیکر سروس بک صحیح کرانے کی گنجائش ہے، البتہ آفیسر حضرات کو اگر اسی کام کی حکومت کی طرف سے تنخواہ مل رہی ہو اور پھر بھی ملازمین سے اس کام پر پیسے لے رہے ہوں تو ان کیلئے یہ پیسے لینا ناجائز اور حرام ہے۔

لمالي الشامي: (۵/۷۲، طبع سعید)

كما لو اضطر الى دفع رشوة لاجاء حقه جاز له الدفع وحرم على القاضي.

ولمالي الشامي: (۱/۲۲۳-۲۲۴، طبع سعید)

(قوله ولما خاف على دينه) عبارة المجتبی لمن يخاف وفيه ايضاً دفع المال للسلطان الجائر لدفع

الظلم عن نفسه وماله ولا استخراج حق نه ليس برشوة يعني في حق الدفع حرام للاخذ

ولمالي الشامي: (۵/۲۱۲، طبع سعید)

الرابع: ما يدفع لدفع للخوف من المظفرع اليه على نفسه او ماله حلال للدفع حرام على الاخذ.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

والله اعلم بالصواب: سلمان احمد

فتویٰ نمبر: ۲۳۰۶

۱۷ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

﴿ظلم سے بچنے کے لئے رشوت دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا پولیس والوں کو ان کے ناجائز مطالبے پر جبکہ وہ ظلم کر رہے ہوں پیسے دینا صحیح ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ رشوت دینے کے زمرے میں آئے گا یا نہیں؟ مینو تو جروا۔
مستفتی: محمد نذیر کراچی

﴿جواب﴾ پولیس والے اگر بغیر کسی جرم اور قانونی خلاف ورزی کے بلا وجہ پیسے بخورنے کے لئے لوگوں کو پکڑ کر زور و بردستی کرتے ہیں اور اگر نہ دیا جائے تو مزید ظلم کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں ان کے ظلم سے بچنے کے لئے رشوت کی گنجائش ہے اور گناہ لینے والے پر ہوگا دینے والے پر نہیں ہوگا۔

لما فی الشامی: (۵/۲۱۲ مطلب فی الکلام علی الرشوة والهدية مطبع سعید)

الرابع ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع اليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ، لأن دفع الضرر على المسلم واجب ولا يجوز أخذ المال ليفعل الواجب.

لما فی الدر مع الرد: (۶/۲۲۳، فصل فی البهع مطبع سعید)

لابأس بالرشوة اذا خاف على دينه.

(قوله اذا خاف على دينه) عبارة المجتبى لمن يخاف وفيه أيضا دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولا استخراج حق له ليس برشوة بمعنى في حق الدافع (قوله كان يعطى الشعراء) وقد روى للخطابي في الغريب عن عكرمة مرسلا قال أتى شاعر النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا بلال اقطع لسانه عنى فاعطاه أربعين درهما.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد امین غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۳۰۱۹

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿کتاب القصاص والحدود والتعزیرات﴾

﴿اپنے اصول یا فروع کے قتل پر قصاص کا حکم﴾

﴿سوال﴾ اگر کوئی شخص اپنے والدین میں سے کسی کو قتل کر دے تو کیا اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا؟ اور اگر والدین میں سے کوئی اپنی اولاد کو قتل کر دے تو انکے بارے میں کیا حکم ہے کیا ان سے بھی قصاص لیا جائے گا؟ بینو اتوجروا۔

﴿جواب﴾ اولاد اگر والدین میں سے کسی کو قتل کر دے تو اسے قصاص قتل کیا جائے گا لیکن والدین میں سے کسی نے اگر اپنی اولاد کو قتل کر دیا تو اسکو قصاص قتل نہیں کیا جائے گا۔

لسافی التنبیر مع الدر: (۱/۵۳۲-۵۳۵، مطبع سعید)

(والشرع بأصله وان عللا بعكسه) خلافاً للمالك فيما اذا نبح ابنه ذبحاً أي لا يقتض
الأصول وان علواً مطلقاً ولو ان اثنان من قبل الأم في نفس أو أطراف بلرو عهم وان سفلوا
لقوله عليه الصلوة والسلام "لا يقاد الوالد بولده".

لسافی الہندیہ: (۱/۵۳۲، مطبع رشیدیہ)

ويقتل الولد بالوالد والوالدة والجدة والجدة وان علت من قبل الآباء أو الأمهات
كذا في فتاوى قاضیخان ولا يقتل الرجل بابنه والجدة من قبل الرجال والنساء وان عل
في هذا بمنزلة الأب وكذا الوالدة والجدة من قبل الأب والأم قربت أو بعدت كذا في الكافي.

واللہ اعلم: شاہ اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۹۸

۷ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ

﴿اپنا حق حاصل کرنے میں دوسرے کے قتل کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر کسی شخص کے پلاٹ وغیرہ پر کچھ لوگ ناجائز قبضہ کر لیں اور حکومت یا پولیس وغیرہ کی مدد سے اپنے حق کی وصولیابی کی توقع نہ ہو اور وہ شخص خود اپنے حق کی حفاظت کیلئے لڑے یہاں تک کہ قابضین میں سے کسی کی موت واقع ہو جائے حالانکہ اسکا کسی کو مارنے کا ارادہ نہ ہو لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتا تو خود اسکی جان کا خطرہ ہو تو اس صورت میں اس شخص پر مقتول کا ضمان ہو گا یا نہیں؟ اور وہ شخص عند اللہ مجرم ہو گا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ ایسی صورت میں کوشش یہی ہونی چاہیے کہ کسی طرح اپنا حق وصول ہو اور کسی کی جان بھی ضائع نہ ہو اسکے باوجود غیر ارادی طور پر یا اپنے سے دفاع کے دوران ظالم کے قتل کی

نوبت آجائے تو عند اللہ آپکو کوئی گناہ نہ ہوگا نہ کوئی ضمان ادا کرنے کے آپ پابند ہو گئے۔

لما فی التنبیہ مع الدر: (۶/۵۲۷، طبع ایچ ایم سعید)

(کالمفصوب اذا قتل الفاعل) لانه يجب العود للقرتہ علی دفعه بالاستفتاء بالمسلمین والقاضی۔

وفی الشامیة: وقال فی المنع عن البحر: استقبله اللصوص ومعه مال لا یساری عشرة حل له ان یقاتلهم بلقوله علیہ السلام: "قاتل دون مالک" واسم المال یقع علی القلیل والکثیر ۱۸۔ سانحانی..... (قوله لقرتہ علی دفعه الخ) انظر ما اذا لم یقدر المسلمون والقاضی کما هو مشاهد فی زماننا والظاهر انه یجوز له قتله لعدم الحدیث ط۔

ولما فی الہندیہ: (۲/۱۷۵، طبع رشیدیہ)

اذا نفل لمرجل فلعلم به صاحب الدر وعلم انه لا یقدر ان یاخذ بهیده له قتله سواء دخل علیہ مکابرة لو غیر مکابرة وهو یرید ان یسرق ماله فقتله فلا قود علیہ ولانہ کذا فی محیط الصرخسی۔
الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

لتوی نمبر: ۲۳۵۳

۲۶ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ

﴿مقتول کے ورثاء میں سے کوئی بھی معاف کر دے تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر مقتول کے ورثاء میں سے کوئی ایک قاتل کو معاف کرے تو دوسرے ورثاء کو قصاص لینے کا حق باقی رہیگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مقتول کے ورثاء میں سے کوئی ایک بھی اگر قاتل کو معاف کر دے تو قاتل قصاصاً قتل نہیں کیا جائیگا۔ البتہ دیت لی جائیگی جو ورثاء میں ان کے حصوں کی بقدر تقسیم کی جائیگی۔

لما فی الہندیہ: (۶/۲۰، طبع رشیدیہ)

ومن عفا من ورثة المقتول عن القصاص رجل أو امرأة أو لوجدة أو من سواهن من النساء أو كان المقتول امرأة فعفا زوجها عن القتال فلا سبیل الی القصاص کذا فی السراج الموضح بان صالح احد الشرکاء عن نصیبه علی عوضه لو عفا سقط حق الباقین عن القصاص۔

ولما فی البحر الرائق: (۸/۲۱۰، طبع سعید)

(فان صالح احد الاولیاء عن حظ علی عوض او عفا فلن یبقی حظه عن الدیة) لان کل واحد منهم تمكن عن التصرف فی نصیبه استیفاء واستقاط بالعلم والصلح لانه یتصرف فی خالصته فینفذ غرضه وصلحه فیسقط حقه من القصاص ومن صبر ورثته سقط حق الباقین أيضاً فیه لانه لا یتجزء۔

ولما فی فتاویٰ قاضی خان: (۳/۳۵۰، طبع قدوسی)

رجل قتل عمداً فعفا بروض عن القاتل ثم قتله باقی الورثة ان علموا ان علوا

البعض یقطع القصاص یلزمهم القود .

الجواب صحیح: عبدالرحمن مفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید کوہاٹی

۲۲ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

فتویٰ نمبر:

﴿قاتل کو مقتول کے ورثاء کے علاوہ کوئی قتل کر دے تو کیا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ ایک بندے نے دوسرے کو قتل کر دیا مقتول کے ورثاء نے قاتل کے خلاف عدالتی کارروائی شروع کر رکھی تھی کہ قاتل کو مقتول کے ورثاء کے علاوہ کسی اور نے قتل کر دیا تو اب مقتول کے ورثاء کے لیے کیا حکم ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ اب اولیاء مقتول کا حق قصاص ساقط ہو گیا ہے کیونکہ کل باقی نہیں رہا جیسے قاتل اپنی موت مر جائے تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے ایسے ہی کوئی اجنبی آدمی اگر قاتل کو قتل کر دے تو بھی قصاص ساقط ہو جاتا ہے، البتہ اس اجنبی نے اگر قاتل کو عداوتاً قتل کیا ہے تو اولیاء قاتل کو حق قصاص ملے گا اور اگر ناحق خطا قتل کیا ہے تو اس اجنبی کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

لما فی التنبیہ والرد ۱/۵۲۰ طبع سعید

ولو قتل القاتل اجنبی وجب القصاص علیہ فی القتل (للمعدلانہ معقون الدم بالنظر لغاتله كما مر (ولقدی علی عاقلته ای القاتل (فی الخطاء) ولو قال ولی القتل بعد القتل ما ی بعد قتل الاجنبی (كنت امرته بقتله ولا بیعة له) علی مقالته (لا یصدق) او یقتل الاجنبی در بخلاف من حر بنراً فی دیر رجل فمات فیها شخص فقاتل رب الدیر كنت امرته بالعمر صدق مجتبی یعنی لانه یملک استثنائه للمحال فیصدق بخلاف الاول لموات العمل بالقتل كما هو القاعدة وظاهره ان حق المولی یستط راسا كما لو مات القاتل حقت امته .

لوما فی الرد ۱/۵۲۰ طبع سعید

(قوله وظاهره ای ظاہر قول المتن ولو قتل القاتل اجنبی وجب القصاص الخ ان ولی المقتول الاول یستط حقه رأساً ای یستط من الدية كما سطر من القصاص مثل لو مات القاتل بلا قتل لحد .

لوما فی اللہ الاسلامی ۷/۵۶۸۸ طبع رشیدیہ

انما مات من علیہ القصاص او قتل ظلماً بغیر حق لم یعن بالردہ لو القصاص سطر القصاص لان محله هو نفس القاتل ولا یتصور بقاء الشیء فی غیر محله قال المحتبہ والمالکیہ بخلاف سطر القصاص بالموت لا تجب الدية فی مال القاتل لان القصاص واجب عیناً

لوما فی البدائع الصناع ۷/۲۴۶ طبع سعید

واما بیان ما یستط القصاص بعد وجوبه فالمرسل له انواع منها لموات محل القصاص

بان مات من عليه القصاص بأفة سمارية لانه لا يتصور بقاء الشيء في غير محله وإذا سقط القصاص بالموت لا تجب الدية عندنا لان القصاص هو الواجب عيناً وكذا إذا قتل من عليه القصاص بغير حق أو بحق الردة والقصاص بان قتل انساناً فقتل به قصاصاً يسقط القصاص ولا يجب المال لما قلنا .

والله اعلم بالصواب: ضياء الحق انكي

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفی اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۳۷۵

۲۱ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

﴿قتل خطا میں کفارہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! کچھ دنوں پہلے میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا رات کے دس بجے میں اپنی گاڑی میں جا رہا تھا اسی رات بارش کی وجہ سے آگے سے بل ٹوٹ گیا تھا اور ایک مزدور گرے ہوئے پل کی مٹی نکال کر اس کے قریب سو رہا تھا جبکہ مجھے ان سب کے بارے میں بالکل معلوم نہ تھا چونکہ میں اسکو صحیح راستہ سمجھ کر آگے کی طرف چلا جس سے اچانک میری گاڑی اسی گھرے میں گر گئی اور میں زخمی ہوا اسی کے ساتھ وہ مزدور بھی گاڑی کے نیچے آیا جس سے وہ مر گیا بعد میں اسکے گھر والوں سے میں نے تین لاکھ روپے کی عوض صلح کی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ از روئے شریعت میرے ذمے کفارہ لازم ہے یا نہیں؟ مستفتی: حمزہ خان ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ جی ہاں، آپ پر کفارہ لازم ہے کفارہ میں ایک مسلمان غلام آزاد کیا جاتا ہے لیکن آج کل چونکہ غلام نہیں ہیں تو اسکا متبادل ساٹھ دن پے در پے روزے رکھنے ہیں اس طرح کہ درمیان میں ایک روزہ بھی اگر چھوٹ جائے تو از سر نو ساٹھ روزے رکھنے ہوں گے۔

لما فی حاشیۃ الطحطاوی: (۲/۲۹۴، طبع رشیدیہ)

(قوله ضمن الراكب في طريق العامة ما وطننت دابته الخ) قال الحاكم الشهيد في الكافي: «وإذا سار الرجل على دابة أي الدواب كانت، في طريق المسلمين فإن وطننت انساناً بهد أو رجل و هي تسير فقتلته فديته على عاقلة الراكب وذلك لأنه مستعمل للدابة من مكان إلى مكان و هي مجبورة على هذا الفعل من جهة فصارت جنايتها بمنزلة جنايته غير أنه خاطئ فوجب الدية على عاقلته والكفارة لأنه قاتل حقيقة .

ولما في الهندية: (۱/۶۰، طبع رشیدیہ)

و على الراكب الكفارة في اللوط لا على السائق والقائد

ولما في التلخيص مع الدر: (۱/۵۶، طبع سمیع)

(و كفارتها أي الخطاء، وشبه العمد (علق قن مومن فان عجز عنه صام شهرين ولا،

ولا اطعام لہ (قال الشامی) (قوله ولا) ای مکتاہمین .

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: علی حیدر چارسدوی

۶ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

فتویٰ نمبر: ۳۳۳۶

﴿رانج وزن کے مطابق سونے چاندی سے قتل خطا کی دیت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ قتل خطا کی دیت سونے کے اعتبار سے ایک ہزار دینار اور چاندی کے اعتبار سے دس ہزار درہم ہے۔ موجودہ زمانے میں سونا اور چاندی دینار اور درہم کی صورت میں نہیں پائے جاتے ہیں، لہذا اس صورت میں دیت میں کتنا سونا یا چاندی ادا کرنا ہوگا، مزید یہ کہ دونوں کی قیمت میں بہت زیادہ تفاوت ہے، تو ایسی صورت میں کس اعتبار سے دیت ادا کی جائے گی، درہم کے اعتبار سے یا دنانیر کے اعتبار سے؟ مستفتی: مولانا نعمت اللہ صاحب سواتی

﴿جواب﴾ قتل خطا کی دیت میں شریعت مطہرہ نے تین مقادیر متعین فرمائے ہیں۔ سو عدد اونٹ یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم کسی بھی ایک نوع سے مقررہ مقدار میں قاتل کی برادری والوں پر لازم ہوتا ہے کہ وہ مقتول کے ورثاء کو دیں، فریقین اگر آپس میں اختلاف کریں یعنی دیت کی ادائیگی میں کسی ایک نوع پر اتفاق نہ کر سکے تو قاضی اس کا فیصلہ کرے گا موجودہ دور میں تینوں نوع کی مالیت میں کافی فرق ہے لیکن مقادیر شریعت کی جانب سے مقرر ہوتی ہیں عقل کیلئے ان میں دخل کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

درہم ودنانیر اس دور میں بیشک نہیں ہیں لیکن اوزان الحمد للہ محفوظ ہیں مقررہ مقدار میں سونا یا چاندی ادا کرنا بھی کافی ہو جاتا ہے، ایک درہم ۱۵ ماشہ کے برابر ہوتا ہے اور ایک تولہ میں ۱۲ ماشہ ہوتے ہیں۔ اس حساب سے دس ہزار درہم ۲۶۱۳۵ تولہ چاندی کے برابر ہیں۔ اور ایک دینار ۴۵ ماشہ کا ہوتا ہے، اس حساب سے ایک ہزار دینار ۳۷ تولہ سونا کے برابر ہوئے، جیسا کہ حضرت مفتی محمد شفیع نے اپنے رسالہ اوزان شرعیہ میں اس کی تحقیق فرمائی ہے ملاحظہ ہو اوزان شرعیہ ص ۳۳۔

لما فی المہندیہ: (۲۹/۱) طبع لدینی

وکل ذیہ وجبت بتلس القتل بعضی من ثلاثہ أشیاء فی قول أبی حنیفہ: من الابل والذئب واللحیة کذا فی شرح الطحاوی. قال أبو حنیفہ: من الابل مائتہ ومن العین الف دینار ومن

لورق عشرہ آلف وللقائل الخیار یزیدی ائی نوع شاء کذا فی محیط المرخصی
ولما فی حاشیۃ الطحطاوی: (۲۷۹/۴، طبع رشیدیہ)

بغلاف الخطأ فان الخیار فیہا للقائل وكلام الدرریشیر الی ان الواجب احدى الثلاثه وبه
صرح فی شرح المجمع لیکون الخیار للقائل فی دفع ایہا شاء، (قولہ والحدیۃ فی
الخطأ الخ) والخیار فی هذه الأنواع للقائل لانه هو الذى يجب علیه كفاية اليمين
وظاهر مذهب الاصحاب ان الكل اصول واليه رجع لبوبكر الرازی وكان قبل یلتی بان
الاصل هو الاصل وعليه لا یجوز للمعاقله وللقائل ان یزیدی الدراهم مع القدرۃ علی الاصل
الابرصی ولی للقائل وكذا فی البحر (ج ۸/۲۸ طبع سعید)

ولما فی فتح القدیر: (ج ۱۰/۳۰۰ طبع رشیدیہ)

فان للقائل الخیار فی هذه الحدیۃ من ائی نوع شاء من أنواع الحدیۃ لامن غیر انواعها كما صرح حواہ
ولما فی الشامی: (ج ۱/۵۴ طبع سعید)

والفادان كل الأنواع اصول وعليه اصحابنا وان التعمین بالرضاء او للقضاء وعليه عمل
القضاء وقيل للقائل ذكره القهستانی.

ولما فی المبسوط للمرخصی: (ج ۱/۲۱ طبع دار المعرفة بیروت)

ان للقاضی أن یقضی بالحدیۃ من الدراهم او الدنانیر مزیلا فی ثلاث سنین.

ولما فی الدر المختار: (ج ۱/۵۴ طبع سعید) المقادیر ترقیبة.

ولما فی البدائع: (ج ۲/۲۰۸ طبع دار الکتب العلمیۃ) اذ المقادیر لا تعرف الا توقیفا.

الجواب صحیح مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: عمران الحق غفرلہ

فتویٰ نمبر: ۳۱۶۶

۲۹ محادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ

﴿کفارہ قتل خطاء اور کفارہ یمین میں تداعیل جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کفارہ قتل خطاء میں تداعیل
ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح میں نے کسی اردو فتاویٰ میں دیکھا تھا کہ کفارہ یمین میں تداعیل جائز
نہیں یہ بات کہاں تک درست ہے وضاحت بیان فرمائیں؟ مستفتی: محمد اسماعیل کوئٹہ

﴿جواب﴾ کفارات میں عبادت و عقوبت دونوں جہت ہیں، بعض میں عبادت کا پہلو
غالب، عقوبت کا پہلو مغلوب ہوتا ہے اور بعض میں عقوبت کا پہلو غالب، عبادت کا پہلو مغلوب
ہوتا ہے تداعیل صرف ان کفاروں میں جائز ہے جن میں عقوبت کا پہلو غالب ہو، رمضان
البارک کے روزے بلا عذر قصداً کوئی توڑ دے تو کفارہ واجب ہوتا ہے چونکہ اس کفارہ

میں عتوبت کا پہلو غالب ہے اس لئے زیادہ روزے توڑنے کی صورت میں بھی صرف ایک کفارہ کافی ہوگا، لیکن قتل، خطا، شبہ خطا، نلہار اور قسم توڑنے کی وجہ سے جو کفارہ لازم ہوتا ہے اس میں عبادت کا پہلو غالب ہے اور ایسے کفاروں میں تداعیل جائز نہیں ہے، کئی قسم توڑے ہوں تو ہر ایک قسم کے لئے مستقل کفارہ ادا کرنا لازم ہے اسی طرح قتل خطا یا شبہ خطا زیادہ کئے ہوں تو ہر ایک کے لئے مستقل کفارہ ضروری ہے۔

لما فی بدائع الصنائع: (۱۹/۵) مطبع سمیعہ کراچی)

فالكفارتان الواجبتان لا يخلو (اما ان) وحدهما يردون من جنسین مختلفین، واما ان وجبتا بسببین من جنس واحد فان وحدهما يردون من جنسین مختلفین كالقتل والظهار لما عتق رقبة واحدة ينوي عنهما جدهما لا يجوز عن احدهما بل خلاف بین اصحابنا وعند الشافعی رحمه الله تعالى ويجوز ان وحدهما يردون من جنسین واحد كظهارین او قتلین يجوز عن احدهما صحابنا للدلالة، رحمهم الله استحسانا وهو قول الشافعی رحمه الله تعالى والقياس ان لا يجوز، وهو قول زفر رحمه الله.

ولما فی اصول السرخصی: (۲۴/۲) مطبع: قدیمی)

وكان معنى العبادة في هذه الكفارات مردحما على معنى العقوبة كما اشرنا اليه.

ولما فی كشف الاسرار شرح اصول بزدوی: (۲۶۶/۲) مطبع: قدیمی)

(قلنا بتداخل الكفارات في الفطر) حتى لو ادا المرار الى رمضان واحد من غير تكفير لم يلزمه الا كفارة واحدة - وعند الشافعی رحمه الله تعالى يجب لكل فطر كفارة على حدة كما اننا ظاهر مرار او قتل انسانا خطأ لان التداخل من خصائص العقوبات المحضة وهذه ليست بعقوبة محضة بل هي عبادة فلا يمكن العقاقها بالتعويض عقوبة، ونحن نقول لما خصت هذه الكفارة من بين سائر الكفارات في استقاطها بالشبهة لترجيح معنى العقوبة فيها ذلك على ان السبيل الذرة فيها والتدخل من باب الذرة كما في المحدود. وفيه أيضا ۲۵۱/۴

ولهذا تعددت الكفارة بتعدد الافعال مع اتحاد المحل - (وكذلك للكفارات) أي

ومثل كفارة القتل وسائر الكفارات في ان جهة العبادة فيها واحدة.

ولما فی الدر المختار: (۴۱۴/۳) مطبع: سمیعہ)

وفي البحر عن الخلاصة التجريد: تعدد الكفارة لتعدد المجرم والمجلس والمجالس سواء

وفي تقريرات الراعي على الشامي: (۱۲/۳) مطبع: سمیعہ)

لا يخلو ان كلا من المنية والبغية للزاهدي ومعلوم ان ما انفرد به لا يعزل عليه

فلا يعتمد على القول بالتداخل بل يعتمد على ما ذكره غيره من عدم التدخل، حتى

يوجد لصحيح لخلافه ممن يعتمد عليه في نقله ۵۱

ومسا بدل لتعددا ما ذکر فی الفتح لول للحدود أن کفارة الاطوار المغلب فیها جهة العقوبة حتی
تتلخلت. ولأن کفارة الأیمان المغلب فیها جهة العبادة ۱۱- فاعلم ان التعدد هو ظاهر الرواية.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد ابرار غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۳۷۶۳

۵ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ

﴿ایک ولی کے معاف کرنے سے قصاص کا حق ساقط ہو جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکے نے اپنے
چچا زاد بھائی کو عمدہ قتل کر دیا اس کے بعد وہ فرار ہو گیا آٹھ سال بعد چچا اور اس کے دو بیٹوں نے
اہل علاقہ کے سامنے قاتل کو معاف کر دیا لیکن مقتول کا ایک بھائی اب بھی بدلہ لینے پر مصر
ہے، عرض مسئلہ یہ ہے کہ جب ورثہ میں سے چند قاتل کو معاف کر دیں تو کیا پھر بھی کسی کو بدلہ لینے
کی اجازت ہے؟ مستفتی: عرقان اللہ پشاور

﴿جواب﴾ جب مقتول کے اولیاء نے قاتل کو معاف کر دیا تو قصاص کا حق ساقط ہو گیا
اب دوبارہ مقتول کے اولیاء کو قصاص لینے کا حق نہیں ہے اسی طرح اگر ایک ولی بھی قاتل کو
معاف کر دے تو باقی تمام ورثاء کا حق قصاص ساقط ہو جاتا ہے، لہذا صورت مؤملہ میں بھائی کو
اب بدلہ لینے کا حق باقی نہ رہا۔

لما فی احکام القرآن للجصاص: (۲۱۲/۱) طبع رشیدیہ

وروی عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ ﷺ العمد قود الا ان یعفو ولی المقتول

ولما فی بدائع الصنائع: (۲۸۳/۱) طبع بیروت

واما بیان ما یستط القصاص بعد وجوبه فالمسقط له انواع۔ ومنها العفو۔ هذا اذا کان
الولی واحدا فاما اذا کان الثنین او اکثر فعلا احدهما سقط القصاص عن القاتل لانه سقط
نصيب العالی بالعلو فیسقط نصیب الاخر ضرورة انه لا یتجزأ اذا القصاص قصاص
واحد فلا یتصور استیفاء بعضه دون بعض۔

ولما فی الہندیہ: (۲۰۶) باب السادس فی الصلح والعلو طبع رشیدیہ

ومن علان من ورثة المقتول عن القصاص رجل لو امرأة او ام أو جنة لو من سواهن من النساء او
کان المقتول امرأة فعلا زوجها عن القاتل فلا سبیل فی القصاص کذا فی السراج الراجح۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد خیر عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۷۸۳

۱۲ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ

دورے کی حالت میں اوپر رضائی ڈال کر سانس بند ہونے سے مر گیا تو۔۔۔؟

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع دین تین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص مرگی کی وجہ سے بے ہوش ہو کر زمین پر گر جاتا تھا اس کی بیوی نے جگ آ کر بار بار وہ قتل تین چار بڑی رضائیاں اس پر ڈال دی تاکہ اسکا سانس بند ہو کر مر جائے اور مجھے اس سے چھٹکارا حاصل ہو جائے چنانچہ کچھ دیر کے بعد وہ شخص (زوج) رضائیوں کے تلے سانس گھسنے کی وجہ سے مر گیا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی رو سے عورت پر کیا کفارہ لازم آئیگا، براہ کرم جواب عنایت فرمائیں۔

﴿مولا﴾ اس ظالم بیوی نے اپنے شوہر کو قصداً قتل کر کے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے قرآن کریم میں کسی بھی مومن کو قصداً قتل کرنے کی سزا ہمیشہ کیلئے جہنم کی آگ بتائی گئی ہے لیکن رضائیاں اوپر ڈالنے سے عموماً کوئی مرتا نہیں اس لئے اس کو قتل عمد کے درجہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کو شبہ عمد قرار دے رہے ہیں جس کا حکم یہ ہے کہ قاتل (زوجہ) پر کفارہ یعنی مسلسل دو مہینے کی روزے لازم ہوتے ہیں اور اس کے برادری کے لوگوں پر دیت ادا کرنا واجب ہوتا ہے، اور اپنے مورث کو اگر قتل کیا ہے جس طرح کی مذکورہ صورت میں ہے کہ بیوی نے اپنے شوہر کو قتل کیا تو مقتول کی وراثت میں قاتلہ (زوجہ) کو کچھ بھی حصہ نہیں ملتا، لہذا اب یہ عورت شوہر کی وراثت میں کچھ بھی حصہ نہیں لے سکتی۔

لسالی الدر: ۱/۵۲۹، ۵۳۰ (طبع سعید)

(و) الشانی (شبه العمد) ہو ان يقصد ضربه بغیر ماذکر ای بما لا یلحق لأجزله ولربحجر کبهرین عنده خلافاً لغيره وموجه ألاثم والكفارة ودية مغفلة علی العاقلة لا لقتل لشبهه بالخطأ نظر الآله الا أن يتكرر منه فللامام قتله سياسة اختيار وهو ای شبه العمد

ولسالی فتاویٰ ابی اللیث السمرقندی: ۴/۱۸۱۲ (طبع مکتبہ محمدیہ)

(قال ابوحنبله) القتل بالاسقل والخنق والتفريق والقاء من شامق الجبل لا یوجب التصاص

ولسالی الدر مع الرد: ۱/۵۱۳ (طبع سعید)

وفی المسجوبی: ضرب بسيف فی غمده فخرق السيف الفخذ وقتله فلا قود عند ابی حنبله (کا الخنق والتفريق) — وفی الشامیة: وهذا الم یقصد ضربه بالسيف لم یکن عمداً وان حصل القتل به

ولمالي الهندية ج ۱ ص ۱ (سميد)

وموجه على القولين الاثم والكفارة بركارته تحرير رقبة مزممة لان لم لصيام شهرين متتابعين ودية مغلفة على العاقلة كذالى الكالى

ولمالي الصراحي ص ۵ (طبع قديمي)

المانع من الارث اربعة الرق وانرا كان اونا قصار القتل الذى يتعلق به وجوب التماس او الكفارة واختلاف الدينين واختلاف الدارين

ولمالي الهندية: ۵۵۵ ص (طبع رحمانية)

قال وموجب (أى شبه العمد) ذلك على القولين والكفارة والدية مغلفة على العاقلة يرتعلق به حرمان الخيرات.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: فضل حق زین اردی

فتویٰ نمبر: ۳۹۶۳

۲۸ منرا الخیر ۱۳۳۵ھ

﴿چوری کی تلافی کیلئے وہی چیز یا اسکی قیمت واپس کرنا ضروری ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کچھ عرصہ قبل کسی آدمی نے

ایک بکری چوری کی تھی اور اس کے ساتھ ایک اور ساتھی بھی شریک تھا، اب وہ دونوں اپنے اس فعل پر تادم ہیں اور اپنے اس جرم کی تلافی کرنا چاہتے ہیں۔ شریعت مطہرہ میں ان کیلئے کیا حکم ہے؟ اور تلافی جرم کا طریقہ کیا ہوگا؟ وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: ایک سائل

﴿مولا﴾ چوری بڑا جرم ہے شرعی عدالت میں ثابت ہونے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے،

بدھشی سے اس وقت شرعی عدالت نہیں ہے، لیکن قیامت کا دن تو آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ کو اس غلطی کا احساس ہو گیا ہے جسکی تلافی کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ بکری مالک کو واپس کر دیں اور بکری اگر زندہ نہیں ہے تو اس جیسی بکری کی قیمت کسی طرح مالک کو دیدیں اور اپنا جرم ظاہر کرنا ضروری نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور آئندہ ایسا جرم نہ کرنے کا عزم کریں۔

لمالی الشامی: ۵۳ ص (طبع ایچ ماہم سعید)

وجوب رد عين المسروق على صاحبه اذا كان قانسا بعينه بوجه الكلام فيه: ان المسروق لم يدلسارق لا يخلو: اما ان كان على حاله لم يتغير باما ان احدث السارق فيه حدثا، فان كان على حاله رده على المالك لساروق عن النبي ﷺ قال "من وجد

عین ماله فهو احق به" حتی لو ملک فی یدہ بتتسہ، أو استهلكه السارق یضمن، لأن
المانع من الضمان هو القطع، لما استقط القطع، يزال المانع فیضمن۔

لسامی الجوهرة النهر: ۲۲۲/۲ (مہر محمد کتب خانہ)

(اذا قطع السارق والعین قانعة فی یدہ ردت علی صاحبها) وکذا اذا کان السارق قد
باعها أو وهبها أو تزوج علیها وهي قانعة فی یدمن هي فی یدہ فانها ترد الی صاحبها
لانها علی ملکہ وتصرف السارق فیها باطل (وان كانت مالکة لم یضمنها) وکذا
اذا كانت مستهلكة فی الشهور لأنه لا یجمع الضمان والقطع عندنا وعند ابی حنيفة
یضمن بالاستهلاك وقال الشافعی یضمن فی الوجهین۔

لسامی الشامی: ۱۱۰/۴ (طبع ابج اہم سعید)

(ویرد العین لو قانعة) وان باعها أو وهبها لبقائها علی ملک مالکها (ولو افرق) فی عدم
الضمان (بین هلاك العین واستهلاكها فی الظاهر) لكنه یفتی بأداء قیستها دیانة
موسوء، كان الاستیلاك (قبل القطع أو بعده) مجتبى، وفيه لو استهلكه المشتري منه أو
الموهر ب له فللمالك تخمينه (ولو قطع لبعض السرقات لم یضمن
شیئاً) وقال یضمن ما لم یقطع فيه۔ قال فی الفتح ولأن وجوب الضمان ینالی القطع لأنه
بتملكه بأداء الضمان مستند الی وقت الاخذ۔

الجواب صحیح: منشی عبد الرزاق عفا الله عنه واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۳۹۱۲

۶ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

﴿مرتد سے متعلق شرعی حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کے مرتد ہونے
کی وجہ سے اس کے نکاح پر کیا اثر پڑتا ہے؟ اور زندگی میں اس کے رشتہ دار و احباب اور عام لوگ
اس کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کریں، اسی طرح مرنے کے بعد بھی؟ مستفتی: ایک محکم

﴿جواب﴾ مرتد کا نکاح طلاق دئے بغیر نسخ ہو جاتا ہے، اور اسکی بیوی عدت گزارنے کے
بعد کسی اور جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اور اس کے رشتہ دار و احباب کو چاہیے کہ اس کو نصیحت کریں، اگر
وہ نہیں مانتا اور اپنے ارتداد پر ڈٹا رہتا ہے، تو اس کے ساتھ قطع تعلق کریں۔ دوستانہ تعلقات اسکے
ساتھ قائم رکھنا جائز نہیں حرام ہے۔ اور جب وہ مرجائے تو غسل اور کفن دئے بغیر مسلمانوں کے
قبرستان کے علاوہ کسی گڑھے میں ڈال کر دفن کیا جائے۔

لسامی للتنبیہ مع الدر: ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴ (طبع سعید)

(لو ارتداد احدهما) أي الزوجین (المنسخ)۔ (عاجل) بلا قضاء، ولی الشافی تحفته: (قوله

بلا لقصاصکای بلا توقف علی قضاء القاضی و کذا بلا توقف علی مضي عدلی المدخول بها کما فی البحر.

ولما فی المختصر: ۲۵۲/۴، ایضاً

أخبرت بارتداد زوجها فلها التزوج بآخر بعد العدة استعساناً.

ولما فی احکام القرآن للجصاص: ۲۲۲/۴، سورة هود، طبع: جندی

قوله تعالى: "ولا تركزوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار" والركون إلى الشيء هو السكون إليه بالأنس والمحبة لما يقتضی ذلك النهی عن مجالسة الظالمین مؤانستهم والانصات اليهم وهو مثل قوله تعالى: "فلا تتعد بعد للذكرى مع القوم الظالمین".

ولما فی التفسير للقرطبي: ۹۳/۹، سورة سود آیت ۱۲، طبع: رشديه

وانها دالة على مجران اهل الكفر والمعاصي من اهل البدع وغيرهم، فان صحبتهم كثر أو معصية، اذالصحة لا تكون الا عن مردة.

ولما فی حلی کبیری: ص ۳۰۶، طبع: سهیل اکيلی

واما لو كان مرتداً بقلبه فی حفرة كالكلب دفعا لأذى جيلة عن الناس من غير غسل ولا تكلين ولا يدفعه إلى أهل الدين الذي انتقل إليه. "كذا فی الشامی ۲۴۰/۲"

ولما فی المرقاة المفاتیح: ۲۸۶/۱، طبع: رشديه

وعن عمر قال: "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تجالسوا اهل للقر "ای لا توادهم ولا تعابوهم فان المجالسة تنحوها من الماشاء من علامات المحبة وامارات السوء، فاما المعنى: لا تجالسوهم مجالسة تأنيس وتعظيم لهم لانهم اما ان يدعوكم إلى بدعتهم بما ريناهم شيطانهم من العجيج السوءة والادلة المزخرفة التي تجلب من لم يتسكن فی المعلوم والمعارف اليهم بهادی للرأى واما ان يعود عليكم من نقصهم وسوء عملهم ما يؤثر فی قلوبكم واعمالكم اذ مجالسة الاغيار تجر إلى غاية الدوار ونهاية الخسار.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

والله اعلم بالصواب: محمد زبير غفر له ولوالديه

نوی نمبر: ۳۶۶۳

۸ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

﴿سرکارِ دو عالم ﷺ کی شان میں نازیبا الفاظ بولنے سے نکاح ختم ہو جاتا ہے﴾

﴿مولانا﴾ جناب و حضرت مفتی صاحب میں ندی محمد سلیم بجز اللہ عالمہ ہوں اور دیندار گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں، میری شادی کو گیارہ ماہ گزر چکے ہیں، اب میں اپنی مرضی سے اس ازدواجی رشتے کو مزید طول نہیں دینا چاہتی ہوں۔ میرے شوہر سخت مزاج تھے اور ان کا رویہ اور سلوک میرے ساتھ اچھا نہیں رہا، غصے میں کئی مرتبہ مجھے طلاق کی دھمکیاں دیتے رہتے اور اس طرح کی باتیں کہتے "جاؤ تم میری طرف سے آزاد ہو جیسے رہنا ہے ہو" اس روز کی چک پک

سے میں تنگ آ گیا ہوں آج تو اس قصے کو ختم کر دو اپنے گھر جاؤ آج ہی تمہیں فارغ کر دیتا ہوں“ اور ایک مرتبہ قرآن پر ہاتھ رکھ کر یہ الفاظ کہے ”اگر اس بار دو انیاں جو تم ڈاکٹر سے لائی ہو کھانے کے بعد بچہ نہ دیا تو تمہیں طلاق دے دوں گا“ وغیرہ۔ اگرچہ پہلی بات کے بعد رجوع ہو گیا تھا (جاؤ تم میری طرف سے آزاد ہو) اسکے علاوہ یوں کہنا ”کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ قرآن، حدیث، نبی، خدا اور رسول سب بکواسیت ہے (نعوذ باللہ) مجھے تو کوئی فائدہ نہیں ہوا پریشانی ہی ملی کاروبار اور گھر کے مسائل کے لحاظ سے اور گالی بھی دی“ اور ”لعنت ہے تمہارے عالمہ ہونے پر“۔ ان سب کے علاوہ مارتا پیٹنا، گالی گلوچ، بدزبانی بدگمانی، برا سلوک اور گھروالوں کے سامنے میری آبروریزی بھی کرتے رہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ فتویٰ دیں کہ آیا میں ان باتوں کے بعد بھی مسلمان فاروقی کی بیوی مانی جاؤں گی؟ اور شریعت میرے حق میں کیا فیصلہ کرتی ہے؟ جبکہ میں بذات خود اس رشتے کو ختم کرنا چاہتی ہوں، عنایت ہوگی۔ مستغنیہ: ندی محمد سلیم

﴿مجموعہ﴾ آپ کا شوہر مسلمان فاروقی واقعی ایسا گستاخ اور منہ پھٹ اگر ہے کہ اپنے رب اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی نازیبا زبان استعمال کرتا ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا ہے، اور اب وہ آپ کا شوہر بھی نہیں رہا، مذکورہ الفاظ کفریہ جملہ ہے، اس طرح بولنے والا ایماندار اور مسلمان شمار نہیں ہوتا، اور اس سے نکاح بھی فسخ ہو جاتا ہے۔ لہذا شرعاً اب آپ دونوں کا نکاح باقی نہ رہا، وہ اس طرح گستاخانہ الفاظ بولنے سے اگر انکار نہیں کرتا تو آپ کی عدت اس روز سے شروع ہے جس روز اس نے یہ گندہ جملہ بول دیا تھا، اور اگر انکار کرتا ہے اور ثبوت کیلئے آپ کے پاس گواہ نہیں ہے لیکن آپ نے واقعی خود ہی اس کو بولتے ہوئے سنا ہے تب بھی آپ کے لئے اسکے ساتھ بیوی کی طرح رہنا جائز نہیں ہے، کسی طرح اس شخص سے خلع وغیرہ کے ذریعہ خلاصی حاصل کریں اور عدت گزار کر دوسری جگہ کسی نیک و صالح سے شادی کر لیں۔

لما فی الہندیۃ: ۲/۲۸۸، ۲۸۰ طبع قدیمی کتب خانہ

بکترانلوصف للہ تعلی بمالا یلتقبہ اوسخر باباسم من اسمانہ اوبامر من اوامرہ اذا انکر الرجل

ایمن القرآن اوتسخر بآیۃ من القرآن وفی الخزانۃ اوعاب کفر کذا فی التاتارخانیہ۔

ولما فی شرح فقہ الاکبر: ۲۸۸، ۲۷۸ طبع: دہلی کتب العلمیۃ بیروت

من استخف بالقرآن اوبالمسجد اوبنحوہ ما یعظم فی الشرع کفر۔

ولوقالت اللعنة أو لعنة الله على الزوج العالم كبرت، أي لأنها لعنت نعت العلم
وامهانت الشريعة ومن قال لعالم: عويلم أو لعلوى غلبوى، أو بصيغة
التصغير فيهما للتحقير كما قيده بقوله قاصداً به الاستخفاف كثر.

ولسالى للهنديہ: ۲۴۵/۲، طبع سعید

ولوقال لشعر النبی ﷺ: شعير يكثر عند بعضهم أو عند المتأخرين لا الاذا قال بطريق الاثبات.

ولسالى التنوير مع الدر: ۱۹۲، ۱۹۳، طبع سعید کراچی

(وارتداد احدهما) ای الزوجین (فسخ) فلا ینتقص عدد (عاجل) بلا قضاء، وفي الشاميه
تحت (قوله بلا قضاء) ای بلا توقف

على قضاء القاضي وكذا بلا توقف على مضي مدة في المخول بها.

ولسالى للتنوير مع الدر: ۲۵۲/۲، طبع سعید

أخبرت بارتداد زوجها فلها الزوج بآخر بعد العدة استحساناً.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا الله عنه واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۳۷۸۷

۱۳ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ

﴿عورت مرتد ہو جائے تو قتل نہیں کیا جائے گا﴾

﴿سوال﴾ کیا کوئی عورت اگر (نعوذ باللہ) مرتد ہو جائے تو اسے قتل کیا جائے گا؟

﴿جواب﴾ عورت اگر (نعوذ باللہ) مرتد ہو جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے قید

کیا جائے گا اور مارا جائے گا۔

لسالى التنوير مع الدر: ۲۴۵/۲، طبع سعید

(لو) اعلم أن (كل مسلم ارتد فانه يقتل إن لم يتب إلا) جماعة (للرأء والعننى، ومن اسلامه
تبعا، والصبي اذا سلم والمكره على الاسلام من ثبت اسلامه بشهادة رجلين ثم رجعا)
وفي الشامية: (قوله للمرأة أقبستكني منها المرتدة بالسحر كاسرو هو الأصح كسالى البحر الرائق.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا الله عنه واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۸۹

۷ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ

﴿کسی کے حکم پر قتل کرنے سے دیت واجب ہوگی؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عقام اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک شخص نے دوسرے کو حکم

دیا کہ اس بندوق سے مجھے مارو، اس نے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے گولی چلائی اور وہ مر گیا،

کیا اب اس شخص کو شرعاً قصاصاً قتل کیا جائے گا یا نہیں؟

مستفتی: سید احمد

﴿جواب﴾ صورت مذکورہ میں قاتل شخص (جس نے دوسرے کے حکم سے گولی چلائی)

ہے پر شرعاً قصاص نہیں، البتہ اس پر دیت آئے گی جو اس کے مال سے ادا کی جائے گی اور قتل کرنے والا شخص سخت گنہگار ہوگا اس پر توبہ اور استغفار بھی لازم ہے۔

لسالی القنور مع الدر: (۱۰/۱۱۳، طبع امدادیہ)

(ولو قال اقتلنی فقتله) بسیف (فلا قصاص وتجب الدية) فی ماله فی الصحيح، لان الاباحة لا تجری فی النفس وسقط القودلشبهة الاذن، وكذا لو قال اقتل اخي أو ابني أو ابی فتلزم الدية استحساناً كما فی البزازیة عن الكفاية.

والله اعلم: محمد عزیز چترالی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

نوی نمبر: ۳۶۹

۳۰ جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ

﴿بیوی کو حالت زنا میں دیکھ کر قتل کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک آدمی

اپنی بیوی کے ساتھ عین حالت زنا میں کسی کو دیکھ لے تو شوہر کے لیے قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر

جائز ہو تو دونوں کا یا کسی ایک کا؟ جواب دیکر ممنون فرمائیں۔ سائل: محمد حلیم بکراہی

﴿جواب﴾ اگر بیوی زنا پر راضی تھی تو دونوں کا قتل کرنا جائز ہے ورنہ صرف زانی کا قتل کرنا

جائز ہے اور اس کا خون معاف ہے، قصاص لازم نہیں ہوگا، یہ اس صورت میں ہے کہ عین حالت

زنا میں دیکھ لے اگر ابھی زنا میں مبتلا نہیں ہوئے تو ان کو ڈرا کر روکا جائے اگر باز نہ آئے تو ان کا

قتل جائز ہے، عند اللہ ماخوذ نہیں ہوگا۔

لسالی القنور مع الدر: (۱/۵۱۰، طبع ایچ ایم سعید کسہنی)

(دخل رجل بیده فرأی رجلاً مع امرأته لوجاریته فقتله حل) له (ذلک) (ولا قصاص) علیه.
وفی الشامیة: (قوله حل له) فقیده فی الخانیة بما اذا کان معصناً وبما اذا صاح فلم یستنع
عن الزنا وفی التیید الاول کلام فقہرہ ابن وهبان بأن ذلک لیس من العدیل من
الامر بالمعروف والنہی عن المنکر قال فی الذہر وهو حسن فان هذا المنکر حیث تعین
القتل طریقاً فی ازالته فلا معنی لاشتراط الاحصان فیہ ولذا اطلقه البزازی ۵۱.

ولسالی الشامی: (۲/۱۲، طبع سعید)

لورأی فی منزله رجلاً مع امه او جاره یبخرخاف ان لخذہ یتهره فهو فی سعة من قتله

ولو كانت مطاوعته فقتلها فهذا صريح في ان الفرق من حيث رؤية الزنا وعدمها تأمل.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

فتویٰ نمبر: ۲۰۷

﴿بیوی کو حالت زنا میں دیکھ کر زانی کے ساتھ قتل کرنے کا حکم﴾

﴿مولا﴾ کسی کے سامنے اسکا بیٹا قتل کیا جائے اور جو ابابا قاتل کو قتل کر دے یا کسی کے سامنے انکی بیوی سے زنا کیا جا رہا تھا کہ اس نے زانی کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تو کیا اس طرح کرنے پر عند اللہ اسکا مواخذہ ہو گا یا نہیں؟

یہ تو معلوم ہے کہ ہمارے معاشرے میں ظالم بھی اپنے کو مظلوم دکھا کر ظلم کیلئے جواز پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس لئے عدالتی کارروائی الگ بات ہے لیکن اللہ کے ہاں یہ شخص مجرم ہو گا یا نہیں؟ ایک فتاویٰ میں ایسے شخص کے قتل کو جائز اور اس قتل پر عند اللہ عدم مواخذہ کا جواب دیا گیا ہے، ایک مولوی صاحب کو اس پر اشکال ہو رہا ہے کہ بظاہر یہ فتویٰ مسلم کی روایت باب اللعان: (۱/۲۸۸) سے معارض ہے۔ مستقی: عرباض شمس

﴿مولا﴾ صورت مسئلہ میں مقتول بیٹے کا ولی باپ قصاص لینے کا حق رکھتا ہے اگرچہ قصاص لینا شرعاً حکومت کا کام ہے، اس لئے مقتول کے اولیاء کو چاہیے تھا کہ وہ اسے قانونی راستے سے وصول کر لیتے لیکن چونکہ ارتکاب معصیت کے وقت باپ کو قاتل کے قتل کرنے کا حق حاصل تھا، اس لئے جب اس نے از خود اپنا حق قصاص وصول کر لیا ہے تو اس سے قصاص وصول ہو گیا اور شرعاً اس قاتل یعنی ولی پر قصاص یا دیت وغیرہ کچھ واجب نہ ہوگی بشرطیکہ عدالت میں وہ اپنا یہ حق ثابت کر دے۔

لحمالی مشکوٰۃ المصابیح: (ص ۲۰۶ طبع سعید)

وعن سعید ابن ریدان رسول اللہ ﷺ قال من قتل دون دینہ فهو شهید ومن قتل دون دمه فهو شهید ومن قتل دون ماله فهو شهید ومن قتل دون اہله فهو شهید رواہ الترمذی

ولحمالی مرقاة المفاتیح: (۴/۸۲-۸۲ طبع رشیدیہ)

وعن سعید ابن ریدان العشرة المبشرة أن رسول اللہ ﷺ قال: (من قتل) مصیفة المجهول (دون دینہ) ای قدام دینہ..... (ومن قتل دون اہله) ای عند محافظۃ معارمه (فهو شهید) قال ابن السکک وعامة العلماء: علی ان الرجل اذا قتل ماله اودمه اواہله

فله دفع القاصد بالا حسن فان لم يستنع الا بالسقاة لقتله فلا شئ عليه (رواه الترمذی و ابوداؤد والنسائی)

ولمافی بدائع الصنائع: (۴/۲۴۶، طبع سعید)

وله ان يقتل بنفسه وبناثه بان يأمر غيره بالقتل لأن كل أحد لا يقدر على الاستيلاء بنفسه اما الضعف بدنه او لضعف قلبه او لقلته هدايته اليه فيحتاج الى الاثابة الا أنه لابد من حضوره عند الاستيلاء لما ذكرنا فيما تقدم ثم اذا قتلته المأمور أو امر حاضر صار مستوفيا ولا ضمان عليه فاما اذا قتلته والأمر غير حاضر وانكروا لي هذا القتل الامر فانه يجب للقصاص على القاتل ولا يعتبر تصديق الولي لان القتل عندنا سبب لوجوب القصاص في الاصل.

ولمافی الهندية: (۶/۷، طبع رشیدیہ)

ويستحق القصاص من يستحق ميراثه على فرائض الله تعالى فيدخل فيه الزوج والزوجة..... وليس لهم ولا لاحدهم ان يؤكل باستيلاء القصاص كذا في فتاوى قاضی خان..... واذا قتل الرجل عمداً وله ولي واحد فله ان يقتله قصاصاً قضى القاضی أو لم يقض..... الخ. وهكذا في المبسوط للسرخسی: (۲۱/۱۲، طبع دار الكتب العلمية)

اسی طرح شوہر کے سامنے اگر واقعہ اسکی بیوی سے زنا کیا جا رہا ہو تو شوہر کو دیا جائے یہ حق حاصل ہے کہ زانی کو قتل کر دے اور اسکی بیوی بھی اگر زنا کرنے پر راضی تھی تو اس صورت میں شوہر کے لئے دونوں کا قتل کرنا جائز ہے کیونکہ ارتکاب معصیت کے دوران شوہر کو یہ حق حاصل ہے۔ البتہ اگر معاملہ عدالت تک جائے تو قاتل کو ساری حقیقت شرعی گواہوں سے ثابت کرنی ہوگی ورنہ عدالت قاتل کو سزا بھی دے سکتی ہے لیکن عند اللہ یہ شخص قتل کا مجرم نہ ہوگا۔

ولمافی سنن ابن ماجہ: (ص ۱۹۰، طبع قدیمی)

قال فذكر ذلك للنبی ﷺ فقال كفى بالسيف شأدهائم قال لا اناي اخاف ان يتابع لي ذلك السكران والغيران.

علامہ نوئی مجتہد مسلم کے حاشیہ (۱/۳۸۸، طبع قدیمی) میں باب اللعان کی پہلی حدیث کے

تحت بیان فرماتے ہیں:

”وأما بينه وبين الله فان كان صادقا فلا شئ عليه“.

کہ اس طرح کرنے میں اللہ کے ہاں ایسے شخص کا مواخذہ نہیں ہوگا، یہی مضمون کلمہ فتح

المسلم: (۱/۲۵۷، طبع دارالعلوم کراچی) پر بھی ملاحظہ ہوں:

وأما بينه وبين الله فيسمع له قتل الرجل ان كان ثيباً وعلم أنه نال منها ما يوجب الفصل صرح به الحافظ والنووي والشامي.

علامہ شامیؒ اس مسئلے پر طویل بحث فرماتے ہیں کہ کوئی شخص بیوی سے زنا کرتے ہوئے کسی کو دیکھ لے تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ اس کو مار دے عند اللہ اس کا مواخذہ نہ ہوگا۔

لما فی التتویر مع الدر: (۲/۱۶-۱۷ طبع سعید)

(ویکون) (التتویر) (بالقتل کمن) وجدر جلا مع امرأة لاتحل له.

وفی الشامیہ: (قوله مع امرأة) ظاهره ان المراد الخلوة بها وان لم یرمنه لعل لقیبعا کا بدل علیہ ما یأتی عن منیة الملتی کاتعرفه.... (قوله بما فی البزازیة وغیرها) ای کالخانیة، فلیها لمرأی رجلا یزنی بامرأته او امرأة آخره وهو معصن لصاح به فلم ینیرب ولم یستفیع عن الزنی حل له قتله ولا قصاص علیه اه۔ قلت: وقد ظنر لی فی التوفیق وجه آخر، وهو ان الشرط المذكور انما هو فیما اذا وجدر جلا مع امرأة لاتحل له قبل ان یزنی بها فهذا لا یحل قتله اذا علم انه ینزجر بغیر القتل سوله كانت اجنبیة عن الراجد او زوجة له او محرما منه. أما اذا وجده یزنی بها فله قتله مطلقا.

علامہ ترمذیؒ اسی مسئلے پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کاب معصیت کے وقت دیکھنے والے کے لئے لوٹ شخص کا قتل کرنا جائز ہے۔

لما فی الدر مع الرد: (۲/۱۶ طبع سعید)

الاصل ان کل شخص رأی مسلما یزنی یحل له ان یقتله.

وفی الشامیة: (قوله والاعوة) کانه جمع معین او عوان بمعناه والمراد به الساعی الی الحکام بالافساد۔ وفی رسالة أحكام الصیاسة عن جمع النسلی: سئل شیخ الاسلام عن قتل الاعوة والظلمة والسعاة فی ایام الفقرة: قال بهاج قتلهم لأنهم ساعون فی الارض بالفساد۔ قال سألنا الشیخ أباشجاع عنه، فقال بیاح قتله ویذاب قاتله اه.

یہی مضمون فتاویٰ عالمگیریہ، بحر الرائق، الفقه الاسلامی میں مذکور ہے کہ معصیت کے وقت دیکھنے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ مرتکب کو قتل کر دے۔

ولما فی العالمگیریہ: (۲/۱۶ طبع رشیدیہ)

قالوا لکل مسلم اقامة التتویر حال مباشرة المعصیة وامابعد مباشرة فلیس ذلک لغیر الحاکم

ولما فی البحر الرائق: (۵/۴۱-۴۲ باب التتویر، طبع سعید)

وقد ذکرنا التتویر بالقتل قال فی التتویر وسئل الہندوانی عن رجل۔ وذكر بقیة العبارة کعبارة الشامیة والہندیة۔ الی قوله ولم یذكر المصنف من یتیمہ قالوا لکل مسلم اقامته حال مباشرة المعصیة وامابعد الفراغ منها فلیس ذلک لغیر الحاکم۔ الخ.

ولما فی الفقه الاسلامی وادللہ: (۴/۵۱۱-۵۱۲ طبع رشیدیہ)

ویری الشافعیة انه یسکن انقسام القتل الی الاحکام الخمسة: واجب وحرام ومکروه

ومنذوب ومباح فالقتل الواجب: هو قتل المرتد اذالم يتب، والحربی اذالم يسلم اولم يعط الجزية..... والسباح: هو قتل المختص منه او قتل الامام الأسير، لانه مغیر فی قتله حسبما یرى من المصلحة، ومنه القتل لدفاع عن النفس ضمن ضوابط الدفاع الشرعی، وبعد العتبية ما یأتی من القتل السباح، فقالوا: لو دخل رجل بینه فرأى رجلا مع امرأته او محرمة یزنی بها فقتله، حل له ذلك ولا قصاص علیه، وهو رأى العنابلة والشافعية والمالکة ایضا، واذ کان الزنی طواعیة باختيار منهما کان له عند العتبية والعنابلة قتلها جمیعا..... الخ.

علامہ شامیؒ اس مسئلے پر تفصیلی بحث فرمانے کے بعد آخر میں فیصلہ بیان فرماتے ہیں کہ شوہر کے لئے عین حالت زنا میں انکا قتل کرنا دیا جائز ہے یعنی عند اللہ اس قتل پر اس کا مواخذہ نہیں ہوگا، البتہ معاملہ عدالت جانے کی صورت میں بغیر شرعی گواہوں کے دنیاوی سزا سے خلاصی نہ ہوگی بلکہ شرعی گواہوں کے ذریعے ساری حقیقت ثابت کرنی ہوگی لیکن یہ تو انتظامی مجبوری ہے، اس لئے کہ ظالم بھی اپنے کو مظلوم ظاہر کر سکتا ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے۔

”وحاصله انه یحل دیانة لا قضاء فلا یصدقه القاضی الاببیتة“ (الشامی: ۲/۶۴، طبع سعید)

مولوی صاحب کا اشکال کہ مذکورہ حکم اور باب اللعان میں تعارض ہے اسکا جواب یہ ہے کہ مسلم کی حدیث (۱/۴۸۸، باب اللعان، طبع قدیمی) میں جو قصہ مذکور ہے وہ اجمالی ہے، تفصیلی قصہ سنن ابن ماجہ کی روایت میں موجود ہے جس میں آپ ﷺ کے یہ الفاظ بھی مذکور ہیں کہ

”قال فذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال كفى بالسيف شاعدا ثم قال: لا انى أخاف ان يتتابع فى ذلك السكران والغیران“ (سنن ابن ماجہ ص ۱۱۰، طبع قدیمی)

لمافی صحیح المسلم: (۱/۴۸۸، کتاب اللعان، طبع قدیمی)

عن ابن شهاب ان سهل بن سعد الساعدي أخبره أن عويمر العجلاني جاء الى عاصم بن عدي الانصاري فقال له أرايت يا عاصم لو ان رجلا وجد مع امرأته رجلا أهلكته لقتلونه ام كيف يفعل فسنل لي عن ذلك يا عاصم رسول الله صلى الله عليه وسلم فسال عاصم رسول الله صلى الله عليه وسلم فكره رسول الله ﷺ المسائل وعابها حتى كبر على عاصم ماسم من رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما رجع عاصم الى امله جاءه عويمر فقال يا عاصم ماذا قال لك رسول الله ﷺ قال عاصم لعويمر لم تأتني بخير قد كره رسول الله ﷺ المسئلة التي سألته عنها قال عويمر والله لا أنتهي حتى أسأله عنها فاقبل عويمر حتى أتى رسول الله ﷺ وسط الناس فقال يا رسول الله أرايت رجلا وجد مع امرأته رجلا أهلكته أنتقلونه ام كيف يفعل فقال رسول الله ﷺ قد نزل فيك وفي صاحبك فاذهب فأت بها قال سهل فتلاعنا أنا مع الناس

عن رسول الله ﷺ فلما فرغنا قال: "ويعبر كل بيت عليها يا رسول الله ان أم سكتة المظالم
فلان قبل ان يامر رسول الله ﷺ... الخ."

ولمافي شرح النووي على مسلم (۱/۲۸۸، كتاب اللعان، مطبع الديس)

"قوله أم سكتة المظالم" معناه اذا وجد رجلا مع امرأته وتحقق انه زنى بهما فان الله لا يملكه
وان تركه صبر على عظيم فكيف طريقه والاختلاف العلماء فمن القتل رجلا ورحمته
وجد قدرني بامرأته فلان جمهورهم لا يقبل قوله بل يلزمه القصاص الا ان تقوم بذلك بينة
او يعترف به ورثة القتل والبيته أربعة من عدول الرجال يشهدون على نفس المذنب يكون
القتل معصنا وأما فيما بينه وبين الله تعالى فان كان صادقا فلا شئ عليه... الخ."

اس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاص اس حالت میں دیا ہے "کفی بالسيف"
یعنی قتل کا حکم ہے لیکن فساد عام ہونے کا قوی اندیشہ تھا کہ لوگ ناحق قتل کر دیا کریں گے اور پھر خلاصی
کے لئے جھوٹا عذر پیش کریں گے کہ مقتول کو ارتکاب معصیت میں دیکھا گیا تھا، اس لئے قاضی کو
تحقیق کا حق حاصل ہے، لہذا مذکورہ حکم اور باب اللعان کی حدیث میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ
حدیث باب اللعان قضاء اور عدالتی کارروائی پر محمول ہے کہ قاضی کے لئے تحقیق کا حق محفوظ ہے
قاتل مقتول کا جرم ثابت نہ کر سکا تو قاضی قصاص قتل بھی کر سکتا ہے۔

البتہ دیا ہے یعنی اللہ کے ہاں یہ شخص مجرم نہیں ہو گا دونوں کے اعتبارات مختلف ہیں کہ حدیث
اللعان قضاء پر جبکہ فقہاء کرام کی عبارات اللہ تعالیٰ اور بندے کے مابین معاملے پر محمول ہیں جسکی
وجہ سے دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، لہذا التوئی صحیح دیا گیا ہے امید ہے کہ اب مولوی صاحب
کو اشکال نہیں رہیگا۔

واللہ اعلم بالصواب: ظہور احمد شمس

الجواب صحیح: عبدالرحمن مفا اللہ عنہ

توئی نمبر:

۱۳۲۹ھ

﴿حد کے نفاذ سے قبل توبہ کرنے سے حد ساقط نہیں ہو سکتی﴾

﴿سوال﴾ ایک آدمی پر قاضی نے حد نافذ کر لے کا فیصلہ سنایا ہے، اب حد لگنے سے پہلے
پہلے وہ آدمی توبہ کر لیتا ہے تو کیا اسکی حد ساقط ہو جائے گی؟

﴿جواب﴾ جب قاضی کے پاس حد ثابت ہو گئی اور قاضی نے حد نافذ کر لے کا فیصلہ سنایا
تو اب دنیا میں حد ساقط نہیں ہو سکتی اگر توبہ کر لی ہے تو امید ہے کہ آخرت میں اس سے

دوبارہ مواخذہ نہیں ہوگا لیکن دنیاوی سزا ساقط نہ ہوگی۔

لما فی الدر مع الرد: (۲/۲، مطبع سعید)

وأجمعوا أنها لا تسقط الحد في الدنيا وفي الشامية: (قوله وأجمعوا الخ) الظاهر أن المراد أنها لا تسقط الحد الثابت عند الحاكم بعد الرفع إليه، أما قبله فيسقط العبد بالتوبة حتى في قطاع الطريق سواء كان قبل جنائهم على نفس أو عضو أو مال أو كان بعد شئ من ذلك كما سيأتي في بابہ، وبه صرح في البحر هنا خلافاً لما في النهر نغم ببقی علیہم حق العبد من القصاص أن قتلوا والضمان أن أخذوا المال، وقول البحر: والقطع أن أخذوا المال سبق قلم بوصوابه والضمان. والحاصل أن بقاء حق العبد لا ينافي سقوط الحد، وكأنه في النهر توهم أن الباقي هو الحد وليس كذلك فافهم بولي البحر عن الظهيرية: ترجل أتى بلا حشة ثم تاب وأناب إلى الله تعالى فإنه لا يعلم القاضي بلا حشة لاقامة الحد عليه لأن الستر مندوب إليه اه وفي شرح الاشياء للتبري عن الجهر: رجل شرب الخمر ورنى ثم تاب ولم يعد في الدنيا هل يعدله في الآخرة؟ قال: الحدود حقوق الله تعالى إلا أنه تعلق بها حق الناس وهو الانزجار، فإذا تاب توبة نصوحاً رجوان لا يعدل في الآخرة فإنه لا يكون أكثر من الكفر والردة وأنه يزول بالاسلام والتوبة.

والله اعلم: شاہ اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر:

۱۳۲۷ھ

﴿محسن خلوت صحیح سے نہیں ہوتا اس کے لئے جماع شرط ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص صرف خلوة صحیحہ کر لیں جماع نہ کرے اور اس کے بعد زنا کرے تو اس آدمی کی کیا سزا ہوگی؟ صرف خلوة صحیحہ سے آدمی محسن بن جاتا ہے یا نہیں؟ یا جماع ضروری ہے محسن بننے کے لیے؟

﴿جواب﴾ محسن بننے کے لیے صرف خلوت صحیحہ کافی نہیں ہے بلکہ جماع شرط ہے، لہذا اگر کوئی شخص خلوة صحیحہ کے بعد زنا کا ارتکاب کرے تو اس کو رجم نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کا زنا چار گواہوں سے اگر ثابت ہو جائے تو شرعی قانون کی رو سے حاکم وقت اس کو ۱۰۰ سو کوڑے لگائے گا۔

لما فی قوله تعالى: ﴿سورة النور: الآية ۲﴾ ﴿الزانية والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة﴾ ولما فی تفسیر ابن کثیر: (۵۰۱/۲، مطبع رشیدیہ)

هذه الآية الكريمة فيها حكم الزانی فی الحد، وللعلماء فيه تلصیل فان الزانی لا یخلو اما ان یکون بکراً، وهو الذی لم یتزوج او محصناً وهو الذی قد وطئ فی نکاح صحیح وهو حر بالغ عاقل، فاما ان کان بکراً لم یتزوج فان حده جلد مائة كما فی الآية۔ فاما ان

كان محصناً وهو الذي قد وطئ في نكاح صحيح وهو حر عاقل بالغ فانه يرمم
ولما في تفسير المظهرى: (۴۱۶/۲ طبع رشديه)

اجمع علماء الامة على ان الزانية والزاني اذا كانا حريين عاقلين بالغين غير محصنين
فعدمهما ان يجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة بحكم هذه الآية
وليه ايضا

ذكر العلماء من شرائط احصان الرجم الحرية والعقل والبلوغ وان يكون قد تزوج
تزوجاً صحيحاً ودخل بالزوجة وهذه الشروط الخمسة مجمع عليها للرجم
ولما في صحيح البخارى: (۲۳۲/۲)

عن ابن عباس رضى الله عنهما قال قال عمر: لقد خشيت ان يطول بالناس زمان
حتى يقول قائل: لانجد الرجم في كتاب الله فيضلو بترك فريضة الله الا وان الرجم
حق على من زنى وقد احض اذا قامت البيعة او كان العمل او الاعتراف
ولما في تنوير الابصار مع الدر: (۱۱۹/۳ طبع سعيد)

والخلوة لا تكون كالوطئ في حق بقية الاحكام كالغسل والاحصان وحرمة البنات
حلها للاول والرخصة والميراث وفي الشامية (قوله والاحصان) فلو زنى بعد الخلوة
الصحيحة لا يلزم الرجم للقد شرط الاحصان وهو الوطئ في البحر ولم يقيموها مقام
الوطئ في حق الاحصان ان تصادقا على عدم اللخلول.

الجواب صح: عبد الرحمن عفا الله عنه والحمد لله رب العالمين

فتوى نمبر: ۳۷۵۹

۶ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ

﴿نیند کی حالت میں بچے کا ماں کے پہلو میں آکر مر جانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام کہ اگر بچہ نیند کی حالت میں ماں کے پہلو میں دب کر مر
جائے تو ماں پر کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟ مستقی: حبيب الوهاب

﴿جواب﴾ نیند کی حالت میں بچہ ماں کے پہلو کے نیچے آکر اگر مر جائے تو یہ قتل جاری
بحری خطا ہے جس کا حکم یہ ہے کہ ماں پر کفارہ لازم ہے یعنی مسلسل ساٹھ روزے رکھے اور عاقلہ
یعنی عورت کی برادری والوں پر دیت واجب ہو جاتی ہے، لہذا مذکورہ صورت میں ماں کفارہ ادا
کر لگی اور شرعی عدالت نہ ہونے کی وجہ سے نفاذ عاقلہ پر مشکل ہے، اس لئے دیت بھی اس عورت
پر واجب ہے، بچے کا والد چاہے تو معاف کر دے یہ بھی یاد رکھیں کہ اس بچے نے اپنی ملکیت میں
اگر مال چھوڑا ہے تو اس کی ماں کو بطور میراث حصہ نہیں ملے گا۔

لما فی المظہری: (بہارہ ۵، سورۃ النساء، طبع رشیدیہ)

ومن قتل مؤمنا خطأ فحریر رقبة مؤمنة ودية مسلمة الى اهله الا ان يصدقوا... الآية. یعنی ان
بعلوا ای الورثة لو المقتول بعد الجرح قبل ان يموت سمي الله سبعه العفو صدقت لعلت عليه.
ولما فی التنبیر مع الدر: (۶/۵۴۱، طبع سعید)

(لو الرابع) ماجری مجرماً مجری الخطأ کثانم انقلاب علی رجل فقتله لانه معلور كالمنطی
(لو موجبہ) ای موجب هذا النوع من الفعل وهو الخطأ و ماجری مجرماً (للكفارة والدية علی العاقلة)
ولما فی البدائع: (۴/۲۷۱، طبع سعید)

لننالم یقلب علی انسان فیقتله فهذا للقتل فی معنى القتل الخطأ من كل وجه لوجوده لا عن
قصد لانه مات بقتله فترتب علیه احكامه من وجوب الكفارة والدية وحرمان الميراث
والرخصة لانه لذا كان فی معناه من كل وجه كان ورود الشرع بهذا الحكم هناك وروداً لها دلالة.
ولما فی الدر مع الرد: (۶/۲۴۷، طبع سعید)

قلت: وحيث لا قبيلة ولا تناصر فالدية فی ماله أو بيت المال — و فی الشامية: (قوله
فالدية فی ماله) ای عند عدم وجود بيت المال أو عدم انتظامه كما قدمناه.
ولما فی فقه الاسلامی: (۷/۵۷۲، طبع رشیدیہ)

وبما ان نظام العشيرة قد زال، وبيت المال قد تغير نظامه واختلف النظام الاجتماعي
عما كان علیه فی زمن العرب، وفقدت عصبية القبيلة بعضهم لبعض وصار كل امرئ
متممدا علی نفسه دون قبيلته كما فی النظام الحاضر فان دية قتل الخطأ أو شبه الممد
اصبحت فی زماننا هذا واجبة فی مال الجاني وحده.

والله اعلم: حبیب الرحمن سواتی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

نوی نمبر: ۱۹۶۱

۳ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

﴿مالی جرمانہ لینا شرعاً جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے علاقہ میں یہ قانون
ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حکم کی خلاف ورزی کرے تو اس سے مالی جرمانہ وصول کیا جاتا ہے،
بسا اوقات نقد پیسے لئے جاتے ہیں اور کبھی گائے بکری وغیرہ لیکر جرمانہ وصول کرنے والے کھا
لیتے ہیں یا فروخت کر کے اس کی قیمت اپنے استعمال میں لے آتے ہیں، کیا از روئے شرع مالی
جرمانہ لینا جائز ہے جرمانہ لینے والوں کا کہنا ہے کہ یہ سب جرائم کو ختم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے
کیا جرائم کو ختم کرنے کے لئے اس طرح مالی جرمانہ لینا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ کسی بھی مسلمان کا مال اس کی رضامندی اور خوشدلی کے بغیر لینے اور استعمال

کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے، صورت مستورہ میں مالی جرمانہ لینا دوسرے کا مال بلا سبب شرمی کے استعمال کرنا ہے، جو کہ جائز نہیں، جرائم کے سد باب کے لئے کوئی طریقہ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے مثلاً دعوت و تذکیر وغیرہ۔

لعمالی مشکوٰۃ المصابیح (ص ۲۵۵، طبع سعید)

عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا لا تظلموا
الا لا یحل مال امرء مہلما الا یطہب لنفسہ منہ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

ولعمالی القدر مع الدر (۲/۲۱، طبع سعید)

(لا باخذ مال فی المذہب) بحر ولیہ عن البزاریہ: وقیل یجوز، معناه ان یمسکہ مدۃ
لینذر جرثم یمیدہ لہ۔ و فی المجتبی انہ کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ۔

ولعمالی البحر الرائق (۵/۲۱، طبع سعید) والحاصل ان المذہب عدم التعزیر باخذ المال۔

ولعمالی شرح المجلة للاتامی (۱/۲۶۲، المادة ۹۷، طبع رشیدیہ)

لا یجوز لاحد ان یأخذ مال احد بلا سبب شرعی ای لا یحل فی کل الاحوال عند الخطاؤ
نسیان اذ اولع بالان یاخذ احد مال احد بوجہ لم یشرعہ اللہ تعالیٰ ولم ینبہہ لان حقوق
العباد محترمة لا تستطع بعذر الغطاء والنسیان والہزل وغیرہ۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن مفا اللہ عنہ

واللہ اعلم: عبدالوہاب

فتویٰ نمبر: ۲۶۰۳

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

﴿فیس میں تاخیر کرنے کی وجہ سے جرمانہ وصول کرنا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سائل اپنا ایک سکول چلاتا ہے۔ اس مینے سے سکول میں ایک قانون لاگو کیا گیا ہے کہ جو بچہ مینے کی ۱۵ تاریخ تک فیس جمع نہیں کرایگا اس سے ۱۰۰ روپے بطور جرمانہ وصول کیا جائیگا۔ اس پر بعض والدین نے اعتراض کیا کہ یہ جرمانہ سود کے زمرے میں آتا ہے آپ سے درخواست ہے کہ اسلامی شریعت کی روشنی میں اس کا تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔
مستفتی: سید شاہ نسیم اختر

﴿جواب﴾ مقررہ تاریخ تک فیس وصول کرنا آپ کا حق ہے، والدین کا فرض بنتا ہے کہ وہ بلا تاخیر فیس جمع کریں بلا وجہ تاخیر سے جمع کرنے کی صورت میں وہ گنہگار ہوں گے تاہم اس تاخیر کی وجہ سے ان سے مالی جرمانہ وصول کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اگر وصول کیا ہے تو واپس کرنا ضروری ہے۔

لما فی البحر ۱/۵ مطبع ایچ ایم سعید

وقد قيل روى عن ابي يوسف ان التعزير من السلطان باخذ المال جائز كذا في الظهيرية
وفي الخلاصة سمعت عن ثقة ان التعزير باخذ المال ان رأى القاضى ذلك او والى
جار. ومن جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره باخذ المال والماد في الجزاية
ان معنى التعزير باخذ المال على القول به امساك شئ من ماله عنه مدة لينزجر ثم
يعيده الحاكم اليه لان يأخذه الحاكم لنفسه او لبيت المال كما يتوقفه الظلمة اذ لا
يجوز لاحد من المسلمين اخذ مال احد بغير سبب شرعى.

ولما فى الهندية ج ۱۶۷/۲ مكتبة رشيدية

وعند ابي يوسف رحمه الله تعالى يجوز التعزير للسلطان باخذ المال وعندهما وباقي
الائمة الثلاثة لا يجوز

ولما فى رد المحتار ج ۱۱/۲ مطبع ایچ ایم سعید

وعن ابي يوسف يجوز التعزير للسلطان باخذ المال وعندهما وباقي الائمة لا يجوز ومثله فى
المعراج وظاهره ان ذلك رواية ضعيفة عن ابي يوسف يقال فى الشرح للابن: ولا يلتزم به خلافه
من تسلط الظلمة على اخذ مال الناس لئلا يكلونه ومثله فى شرح الوهبانية ع. ابن وهاب.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: عاقل شاہ

نوی نمبر: ۳۸۶۶

۲۳ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ

﴿بطور ضمانت لی گئی رقم میں تصرف کا حکم﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ایک
سیاسی جماعت کا کارکن علاقہ والوں کے پاس دوٹ مانگنے آیا تو علاقہ کے مکینوں نے کہا کہ ہم
دوٹ اس شرط پر دیں گے کہ آپ ہمارے لیے روڈ تعمیر کروائیں اور عدم اطمینان کی وجہ سے ۷ لاکھ
روپے ہمارے پاس بطور ضمانت کے رکھوائیں۔

لہذا معاہدہ کے مطابق عمل ہونے کے بعد مذکورہ پارٹی کا شخص جب الیکشن میں کامیاب ہوا
تو اس نے روڈ بنوانے کی شرط پوری نہ کی اور بعد میں استعفیٰ دے دیا لیکن علاقہ مکینوں نے اسکی
رکھوائی ہوئی رقم اسے واپس نہیں کی، اب پوچھنا یہ ہے کہ آیا ان ۷ لاکھ روپوں کا استعمال علاقہ
مکینوں کے لیے درست ہے یا نہیں؟ بیوقوف تو جروا۔

﴿مولا﴾ واضح رہے کہ دوٹ کی شرعی حیثیت شہادت اور گواہی کی سی ہے، لہذا ہر ایک
شخص کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دوٹ کو ایسے شخص کے حق میں استعمال کرے جو کہ اسکی اہلیت

رکھا ہوا روٹ چونکہ کسی کے حق میں شہادت اور سفارش ہے، کوئی مال نہیں جسکے عوض پیسے لیے جائیں اور نہ ہی اس کو بیچا جاسکتا ہے۔

لہذا صورت مسئلہ میں چونکہ سیاسی پارٹی کے کارکن نے ووٹ دیے جانے پر سڑک تعمیر کرنے کا وعدہ کیا تھا اور ضمانت کے طور پر ۷ لاکھ روپے بھی رکھوائے تھے، اب اقتدار میں آنے کے بعد اگر اسے اتنا وقت ملا تھا جس میں وہ روڈ کی تعمیر پر قادر تھا اور حکومت کی جانب سے اسے فنڈ بھی ملا تھا لیکن وہ سارا خود کھا گیا تو ایسی صورت میں وعدہ خلافی اور لوگوں کا حق کھانے کا گناہ اور وبال تو اس شخص پر ہی ہوگا۔

البتہ علاقہ والوں کے پاس اسکی رکھوائی گئی رقم کو علاقہ والے اسی روڈ (سڑک) کی تعمیر پر اس فنڈ کے بقدر استعمال کر سکتے ہیں، یہ اسی صورت میں ہے جبکہ اس بات کا یقین ہو کہ مذکورہ شخص نے فنڈ کو اپنے ذاتی استعمال میں لایا ہو یعنی اسے کھالیا ہو لیکن اگر گورنمنٹ کی طرف سے اسے مذکورہ سڑک کی تعمیر کے لیے فنڈ نہیں ملا تو ایسی صورت میں ان ۷ لاکھ روپوں کا استعمال علاقہ والوں کے لئے جائز نہیں بلکہ ان پر لازم ہے کہ یہ رقم اس شخص کو واپس لوٹا دیں۔

ولمافی قوله تعالى: ﴿سورة الحج، آیت ۳﴾ ﴿فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور﴾

ولمافی قوله تعالى: ﴿سورة النساء، آیت ۵۸﴾ ﴿ان الله يامرکم ان تؤدوا الاضمت الی اهلها﴾

ولمافی مشکوٰۃ المصابیح: (ص ۲۵۵، طبع سعید)

عن ابی حرة الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الا لا تظلموا

الا لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفسه منه.

ولمافی الشامی: (۵۰۱/۱، طبع ایچ، ایم سعید)

(قوله وقیل اذا ایس) کذا عبر فی المنح: وظاهره انه من غیر جنس حقه بالافلو من جنسه

فله اخذ قدر حقه منه بلا کلام ولا وجه لحکایتہ بقیل.

ولمافی القنبر مع الدرر: (۶/۲، طبع سعید)

(لا باخذ مال فی المذهب) بحر و فیہ عن البزازیة: وقیل بجور بمعناه ان یمسکه مدة

لینزجرثم یعیده له..... ولی المجتبى انه کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ.

ولی الشامیة: (قوله لا باخذ مال فی المذهب) قال فی الفتح: وعن ابی یوسف بجور

التعزیر للسلطان باخذ المال وعندهما وباقی الائمة لا بجوراه. ومثله فی المعراج،

وظاهره ان ذلک رواية ضعيفة عن ابی یوسف، قال فی الشرع لایلتی بهذا المافیہ

من تسلیط الظلمة علی اخذ مال الناس لئلا کلونه اه. ومثله فی شرح الروہانیة عن ابن

وہبان (قوله وفيه الخ) أي في البحر، حيث قال: وأفاد في البزازية أن معنى التعزير باخذ المال على القول بمسالك شيء من ماله عنه مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو ليهبت المال كما يقرهم الظلمة، إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

ولما في البحر الرائق (۶۱/۵، طبع سعيد) والعاصل أن المذهب عدم التعزير باخذ المال.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: نعیم اقبال عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۷۵۵

۱۵ شعبان ۱۴۳۱ھ

﴿مالی جرمانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ مالی جرمانہ کرنا جائز ہے؟ مثلاً استادشاگرد سے کہتا ہے کہ اگر تم نے نماز نہ پڑھی یا سبق نہ یاد کیا یا اور کوئی شرارت کی تو ۵۰ روپے جرمانہ ادا کرنا ہوگا اگر جائز ہے تو اس رقم کا مصرف کیا ہوگا؟ بیوا تو جروا۔

﴿جواب﴾ جرمانہ مالی شرعاً درست نہیں، اگر زبردستی کے واسطے جرمانہ لیا ہے تو بعد میں واپس کر دے کسی اور مصرف میں اس رقم کو خرچ کرنا جائز نہیں، ہاں اگر مجرم اپنی خوشی سے بلا جبر و اکراہ اس رقم کو کسی مصرف میں صرف کر دے تو جائز ہے مگر یہ ضروری ہے کہ اسے علم ہو کہ وہ اس رقم کا مالک ہے اور اس کو تصرف کا صحیح موقع دیا جائے پھر چاہے تو خود رکھے یا کسی مصرف میں صرف کر دے۔

لما فی التنبیہ مع الدرر (۶۱/۲، طبع سعید)

(لا باخذ مال فی المذهب) بحر وفيه عن البزازية: وقيل يجوز، ومعناه أن يسكه مدة لينزجر ثم يعيده له، فإن أيس من توبته صرفه إلى ما يرى وفي المجتبى أنه كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ.

وفي الشامية: (قوله لا باخذ مال في المذهب) قال في الفتح: وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان باخذ المال وعندها وباقي الأئمة لا يجوز اه. ومثله في المعراج، وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف، قال في الشرح للبلال: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسلط الظلمة على أخذ مال الناس فيما كلونه اه. ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان (قوله وفيه الخ) أي في البحر، حيث قال: وأفاد في البزازية أن معنى التعزير باخذ المال على القول به أمساك شيء من ماله عنه مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه، لأن يأخذه الحاكم لنفسه أو ليهبت المال كما يقرهم الظلمة، إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. وفي المجتبى لم يذكر كبلية الأخذ وأرى أن باخذها ليس سببها، فإن أيس من توبته يصرها إلى ما يرى وفي شرح

آثار التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام لم یسوخ اہـ

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ

فتویٰ نمبر: ۲۸۷

﴿مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی پر سرال والوں نے بہت مظالم ڈھائے، اسکو مارا پیٹا حتیٰ کہ زہریک دینے کی کوشش کی، اب اس لڑکی کو والدین کے گھر بھیج دیا، نہ ہی لیکر جاتے ہیں اور نہ طلاق دیتے ہیں، جب طلاق کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم لیکر جائیں گے لیکن پھر بھی لیکر نہیں جاتے، اب اس لڑکی کے گھر والے لڑکے والوں پر عدالت میں ہرجانہ کا مقدمہ درج کرنا چاہتے ہیں جس میں وہ لڑکی پر مذکورہ مظالم کا مالی جرمانہ لینا چاہتے ہیں آیا شرعیہ جرمانہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں لڑکی والوں کو چاہیے کہ کسی مسلمان عدالت میں مقدمہ درج کر کے لڑکی کو طلاق دلوادیں لیکن مظالم کے بدلے مالی جرمانہ وصول کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کیلئے مقدمہ درج کرنا جائز ہے، البتہ عورت کا حق مہر شوہر کے ذمہ باقی ہو تو اس کے حصول کے لئے عدالت میں مقدمہ درج کر کے اسے حاصل کر سکتے ہیں۔

لما فی التنبیہ مع الدرر: (۲/۶۱-۶۲ طبع سعید)

(لا باخذ مال فی المذهب) بحر و فیہ عن البزازیة و قیل یجوز و معناه ان یمسک مدہ لیمزجر ثم یمیدہ له فان اہل من توبتہ صرفہ الی ما یرئ ماہ و فی رد المحتار بقولہ: (لا باخذ مال فی المذهب) قال فی الفتح: و عن ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان باخذ المال و عندهما و باقی الاثنتہ لا یجوز اہـ و مثله فی المعراج یوظاھرہ ان ذلک رواية ضعيفة عن ابی یوسف..... والحاصل ان المذهب عدم التعزیر باخذ المال۔

ولما فی اللبحر: (۵/۲۱ طبع سعید)

ولم یذکر محمد التعزیر باخذ المال و قد قیل روی عن ابی یوسف ان التعزیر من السلطان باخذ المال جائز کذا فی الظہیریۃ..... والحاصل ان المذهب عدم للتعزیر باخذ المال۔

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: غلیل اللہ دیوبند عفا اللہ عنہ

۲۸ جمادی الثانی ۱۳۲۹ھ

فتویٰ نمبر: ۱۶۳۳

﴿مالی جرمانہ وصول کرنا حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات مفتیان کریم اس مسئلہ کے بارے میں، کہ ایک لڑکی کسی کے ساتھ بھاگ جاتی ہے، تو پھر بعد میں لڑکی کے گھرانے والے لڑکے والوں سے شرم مانتے ہیں، یعنی (مالی جرمانہ) تو کیا شریعت کی رو سے یہ شرم مانگنا اور لینا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح جو سونا وہ لڑکی اپنے والد کے گھر سے لے جاتی ہے، تو کیا گھر والوں کیلئے اسکا لینا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ کنواری عاقلہ بالغہ لڑکی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر خود کسی شخص سے اگر نکاح کر لے تو یہ نکاح علماء احناف کے نزدیک اگرچہ صحیح اور معتبر ہے، لیکن بلاشبہ گناہ ہے، اور اسکا شوہر بھی لڑکی کے ساتھ اس جرم میں شریک ہے، لیکن ہمارے معاشرہ میں بعض ناسمجھ ایسے بھی ہیں کہ مناسب رشتہ آنے کے باوجود بلا بیچہ رشتہ نہیں دیتے، اور یہی دراصل اس فساد کی بڑی وجہ ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

”اذا خطب اليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه ان لا تفعلوه تكن فتنتي الارض وفساد عريض“ (رواه الترمذی)

ترجمہ: آپ ﷺ کا ارشاد ہے، کہ جب بھی کسی لڑکی کیلئے ایسے لڑکے کا خطبہ آجائے جسکا دین اور اخلاق آپ لوگوں کو پسند ہو تو اس کو قبول کر لو، اور اپنی بیٹی کی شادی اس سے کراؤ، ورنہ بعد میں نہ قبول کرنے کی وجہ سے بہت سارے فسادات پیدا ہو گئے۔ بہر حال غلطی والدین کی ہو یا لڑکی، لڑکے کی زیادتی ہو مالی جرمانہ وصول کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ہاں لڑکی اپنی ذاتی اشیاء کے علاوہ گھر والوں کا سونا وغیرہ ساتھ لیکر چلی جائے تو اسکا وصول کرنا بلاشبہ جائز ہے، اور گھر والوں کا حق ہے۔

ولما فی مشکوٰۃ المصابیح: (ص ۲۷۰ باب الولی فی النکاح) طبع سعید
عن عائشة رضی اللہ عنہا قال ایما امرأة نکحت بغير اذن ولیها فنکاحها باطل
فنکاحها باطل فنکاحها باطل فان دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها فان
اشتجروا فالسلطان ولی من لا ولی له.

(رواه احمد والترمذی وأبو داؤد وابن ماجه والدارمی).

ولہذا ایضاً: (ص ۲۶۷ کتاب النکاح) طبع سعید

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب اليكم
من ترضون دينه وخلقه فزوجوه ان لا تفعلوه تكن فتنتي الارض وفساد عريض

ولما فی حاشیة مشکوٰۃ: (ص ۲۱۶) طبع سعید

قوله أن لا تعلموا أن لم تزوجوا من هذه صفة ورغبتم في مجرد الحسب والسال
بوجبان الطغیان والفساد ولبقى أكثر النساء بلا زوج والرجال بلا زوجة فيكثر الزنا
وتقع الفتنة وهذا أوجه. (لمعات)

ولما فی تنویر مع الدر: (۱۱/۴) طبع سعید

(لا بأخذ مال في المذهب) بحر: وفيه عن البرازية: وقيل يجوز ومعناه أن يمسكه مذهب
ليمنزجر ثم يعيده له فان أيس من توبته صرفه الى ما يرى يوفى المجتبى أنه كان في
ابتداء الاسلام ثم نسخ.

ولما فی الشامي: (۱۱/۴) مطلب في التعزير بأخذ المال طبع سعید

(قوله لا بأخذ مال في المذهب) قال في الفتح: عن أبي يوسف يجوز في التعزير
للسلطان بأخذ المال بعندهما وباقي الأئمة لا يجوز ومثله في المعراج، وظاهره أن
ذاك رواية ضعيفة عن أبي يوسف، قال في الشرح للبلدية ولا يفتى بهذا لما فيه من
تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيما كلونه. (قوله)

وفيه الخ) أي في البحر حيث قال وأفاد في البرازية أن معنى التعزير بأخذ المال على
القول به إمساك شئ من ماله عنه

مكة ليمنزجر ثم يعيده الحاكم لله، لا أن يأخذ الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتروقه
الظلمة، لا يأخذ من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي — والعاصم
أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال الخ.

الجواب صح: عبد الرحمن عفا الله عنه

والله اعلم بالصواب: محمد زبير غفر له ولوالديه

۲۶ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

فتوى نمبر: ۳۵۰۹

﴿تعزیر بالمال جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے
علاقے میں جب دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا ہو تو کچھ لوگ ان کے درمیان صلح کرتے ہیں ان
میں ایک حکم ہوتا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ دونوں فریق سے صلح سے پہلے بطور ضمانت نقد رقم
یا کوئی اور چیز لیتے ہیں تاکہ وہ فیصلے سے انکار نہ کرے۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ اگر فریقین میں
سے کوئی فیصلے سے انکار کرے تو اس صورت میں ان سے لی گئی ضمانت ضبط کرنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ کسی بھی مسلمان کا مال اس کی رضامندی اور خوشدلی کے بغیر استعمال کرنا جائز
نہیں۔ مذکورہ صورت میں بطور ضمانت لی گئی رقم یا چیز کو ضبط کرنا یا استعمال کرنا بلا سبب شرعی

استعمال کرتا ہے۔ جو کہ جائز نہیں۔ البتہ مصلحت کی خاطر ایک مدت تک اس کو اپنے پاس روکنے کی گنجائش ہے۔ لیکن دوبارہ لوٹانا ضروری ہے۔

لما فی مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵۵

عن ابی ہریرۃ الرقاشی عن عمہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا لا تظلموا
الا لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منه .

ولما فی التنبیہ مع الدر ۱۱/۲ طبع سعید

(لا باخذ مال فی المذهب) بحر و فیہ عن البزازیۃ: وقیل یجوز: معناه ان یمسکہ مدۃ

لیتجزر ثم یعیدہ لہ..... ولی المجتبیٰ انہ کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ.

ولما فی البحر الرائق ۱/۵ طبع سعید) والحاصل ان المذهب عدم التعزیر باخذ المال.

ولما فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵۵۹۶/۷ طبع رشیدیۃ.

ومعنی التعزیر باخذ المال علی القول عند من یجیزہ ، هو امساك الشئ من مال الجانی

عنه . لیتجزر عما اقترفه ثم یعید الحاكم لہ ، لا ان یأخذ الحاكم بنفسه ، او لہیت المال

کما یتوہم الظلمۃ اذ لا یجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغير سبب شرعی.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفی اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: شفقت اللہ

فتویٰ نمبر: ۳۱۳۵

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ

﴿گاڑی کے نیچے کچل کر ہلاک ہونے کی صورت میں ڈرائیور پر ضمان﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص گاڑی چلا رہا تھا کہ گاڑی کے پچھلے ٹائر کے نیچے ایک بچی اچانک آکر ہلاک ہو گئی، ڈرائیور کی کوئی غلطی نہیں تھی، ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ آپ چار مہینے روزے رکھیں اس نے روزے رکھنا شروع کر دیئے ہیں، تقریباً ساڑھے تین ماہ ہو گئے ہیں ابھی ۱۵ دن باقی ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ آیا اس شخص پر دیت واجب ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو شریعت میں اس کیلئے کیا حکم ہے؟ کیا روزے رکھنے کا حکم صحیح ہے؟

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں حقیقت حال واقعی ایسے ہی ہو جیسے ڈرائیور نے بیان کی کہ بچی اچانک لگی ہے اور اسکی غلطی بھی نہیں تھی، مزید یہ کہ اس نے اسکو بچانے کی پوری کوشش کی تھی، نشہ میں بھی نہیں تھا رفتار بھی حد سے زیادہ نہیں تھی بلکہ معتدل تھی، مکمل حاضر دماغی سے گاڑی چلا رہا تھا پھر اگر کوئی اس طرح کا حادثہ پیش آتا ہے تو اس صورت میں ڈرائیور پر کوئی ضمان نہیں ہوگا لیکن اگر اس کی طرف سے کسی قسم کی بے احتیاطی پائی گئی یا ٹریفک قوانین میں سے کوئی ضابطہ

توڑا اور کسی انسان کو ہلاک کر دیا تو بلاشبہ ذرا نیور پر زمان ہوگا۔ چار مہینے روزے رکھنے کا حکم مولانا صاحب نے معلوم نہیں کس مصلحت کے تحت دیا۔

لما فی الهدایة مع فتح القدیر: (۱۰/۳۱۱ مطبع رشیدیہ)

ومن سار علی الدابة فی الطريق فضر بهارجل أو نخسها فتخت رجلاً أو ضربته ببدها فصنعتة فقتلته كان ذلك علی الناحس دون الراكب هو المروى عن عمرو بن مسعود لأن الراكب والمركب مدفوعان بدفع الناحس فاضيف فعل الدابة اليه كأنه فعله ببده ولأن الناحس متعد في تسببه والراكب في فعله غير متعدي فخرج جانبه في التعریم التعدي حتى لو كان واقفا دابة علی الطريق يكون الضمان علی الراكب والناحس نصليين لأنه معد في الايقاف أيضاً قال برهان نفخت الناحس كان دمه هنرا) لأنه بمنزلة للجاني علی نفسه.

ولما فی مجمع الضمانات (ص ۳۳۳، الفصل فی جنایة البهيمة، مطبع بيروت)

ومن سار علی الدابة فی الطريق فضر بهارجل أو نخسها فتخت رجلاً أو ضربته ببدها أو نفرت فصنعتة فقتلته كان الضمان علی الناحس دون الراكب والواقف فی ملكه والذي يسير فی ذلك سواء

ولما فی بدائع الصنائع: (۴/۲۸۲ مطبع سعید)

فان نفخت الدابة الناحس أو الضارب فقتلته فدمه هدر لأنه هلك من جنایة نفسه وجنایة الانسان علی نفسه هدر.

ولما فی بحوث فی قضایا الفقهية معاصرة: (۱/۳۱۶ مطبع: دارالعلوم کراچی)

والذي يظهر فی هذه الصورة والله سبحانه اعلم أن الرجل الذي قفز أمام السيارة ان قفز بقرب منها بحيث لا يمكن للسيارة فی سيرها المعتاد فی مثل ذلك المكان أن تتوقف بالفرملة وكان قفزه فجأة لا يتوقع مسبقا لدى السائق متبصر محتاط فان هلاکة اوضرره فی مثل هذه الصورة لا ينسب الى سائق السيارة ولا يقال انه باشر الاتلاف فلا يضمن السائق ويصير القافر مسببا لهلاك نفسه.

والله اعلم بالصواب: طاهر زمان راولپنڈی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۲۸۹۵

۲۲ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ

﴿عام رفتار سے تیز چلانے کی صورت میں حادثہ کا تاوان لازم ہوگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں ایک مرتبہ سڑک خالی ہونے

کی وجہ سے میں موٹر سائیکل تیز چلا رہا تھا کہ اچانک کوئی جانور سڑک کے کنارہ سے بہت تیز دوڑتا ہوا آیا اور مجھ سے ٹکرا کر گر گیا میں نے موٹر سائیکل روک کر دیکھا تو وہ ایک بکری تھی، چونکہ دشمن اور چوروں کا خطرہ تھا تو میں نے اس کی پرواہ کئے بغیر آگے چل دیا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ مجھ

پر اس کا کوئی ضمان آئیگا یا نہیں؟ حالانکہ میرے خیال سے اس میں میری کوئی غلطی نہیں تھی اور نہ ہی اس بکری کے مالک کا مجھے کوئی علم ہے، برائے مہربانی وضاحت فرمائیں۔ مستفی: عبدالوجید ﴿محول﴾ موٹر سائیکل کی عام رفتار سے آپ اگر تیز چلا رہے تھے جسکی وجہ سے مناسب موقع پر آپ گاڑی نہ روک سکے تو یہ تعدی کی صورت ہے آپ کی غلطی تھی، اس لئے آپ پر ضمان واجب ہے، اس علاقہ میں معلوم کرنے سے مالک کا پتہ چل جائیگا اور کوشش کے باوجود وہ معلوم نہ ہو سکے تو اس کی طرف سے صدقہ کرنا واجب ہے۔

لما فی بعوث فی قضایا فقہیہ معاصرہ: (۱۲/۱ طبع دارالعلوم کراچی)

لما لا اصل ان سائق السیارة ضامن لكل ضرر ينشأ عن عجلاتها، أو من مقدمتها أو من خلفها، أو من احد جانبيها، لان السیارة آلة معضة فی يد السائق فان كان سائق السیارة متعديا فی سيره مثل ان يسوق السیارة بسرعة غير معتادة فی مثل ذلك المكان، أو لم يلتزم بخطه فی الشارع، فلا خفاء فی كونه ضامنا لان الضرر انما نشأ بتعديه، والمتعدي ضامن فی كل حال.

لما فی الفقه العتقی فی ثوبه الجديد: (۴/۳ طبع دارالعلم بیروت)

ضمن راكب الدابة فی الطريق ما وطئت دابته وما أصابت بیدها أو رجلها أو رأسها أو عذنت بنفسها، لأن السرور فی طریق المسلمين مباح متقيد بشرط السلامة فیما يمكن الاحترار عنه والاحترار عن وطنی الدابة وما تصيب بیدها أو رجلها أو رأسها أو تمض بنفسها ممكن.

لما فی الهدایة: (۲/۳ طبع رحمانیہ لاہور)

للمراكب ضامن لما وطأت الدابة ما أصابت بیدها أو رجلها أو رأسها أو كدمت أو خبطت.

لما فی الهدایة: (۲/۳ طبع رحمانیہ لاہور)

ومن قاد قطار فهو ضامن لما وطأ فان وطنی بعیر انسانا ضمن به الدية علی العاقلة.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۳۱۶۳

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ

﴿کسی کے مارنے یا ہنکانے سے جانور گر کر ہلاک ہو جائے تو ضمان واجب ہے﴾

﴿محول﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا جانور کسی دوسرے آدمی کے کھیت میں چر رہا تھا کھیت کے مالک نے جانور کو نکالنے کے بعد اس کو پتھروں سے مار کر بھگا تا رہا یہاں تک جانور بھاگنے کے دوران ایک بلند جگہ سے گر کر مر گیا۔ اب

پوچھنا یہ ہے کہ کھیت کے مالک پر جانور کا تاوان لازم آئیگا یا کہ نہیں؟ براہ کرم فقہ حنفی کی روشنی میں تسلی بخش جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔
مستفتی: ذبیر احمد سواتی

﴿جواب﴾ کھیت کے مالک نے جانور کو کھیت سے نکالنے کے بعد مزید بھی اس کو اگر ہٹایا یا مار کر اس کو پیچھے سے بھی بھگا تا رہا جیسا کی صورت مسئلہ میں اسکا ذکر ہے تو اس صورت میں کھیت کے مالک پر جانور کا تاوان ادا کرنا لازم ہے، ہاں اس نے صرف کھیت سے جانور کو نکال کر چھوڑ دیا تھا مزید پیچھا نہیں کیا پھر وہ جانور از خود بھاگتے ہوئے گر کر ہلاک ہو گیا ہو تو ایسی صورت میں اس شخص پر کوئی تاوان لازم نہیں آتا۔

لما فی الشامی: ۱/۱۱۲ (طبع سعید)

وجد فی زرعہ دابة فآخرجها فهلك فالاختار ان ساقها بعد الاخراج بضمن والا لا.

ولما فی الہندیۃ: ۲/۵۳ (رشیدیہ)

وان كان ثور لأهل قريته وأخرجه من زرعہ ولم يزد على ذلك لا يضمن اذا ضاع الثور

وان ساقه بعد ما أخرجه من زرعہ ضمن كذا في الذخيرة،

ولما فی البزازیۃ: ۲/۱۸۵ (طبع قدیمی کتب خانہ)

وان أخرجها صاحب الزرع فأكلها ذنب في المتنقلى أنه لا يضمن وفي فتاوى المختار ان

ساقها بعد الاخراج بضمن والا لا.

ولما فی المحيط البرہانی ج ۲۰/۳۲۳ (طبع ادارۃ القرآن)

ومن وجد دابة انسان في زرعہ فآخرجها من زرعہ — وقال بعضهم ان أخرجها ولم

يستألف فلا ضمان وان ساقها بعد ما أخرجها فهو ضامن.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: فضل حق زبیر اردوی

فتویٰ نمبر ۴۰۳۹

۹ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

﴿ظالم سے مالی جرمانہ وصول کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ (۱) کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل اسلامی

حکومت سے تو ہم محروم ہیں اور موجودہ انگریزی قانون سے بھی کوئی مظلوم انصاف کی توقع نہیں

رکھ سکتا، شکایت کرنے سے مزید پریشانیوں کا سامنا ہو جاتا ہے، ہمارے علاقہ میں اگر کوئی ظالم

کسی کی عزت لوٹتا ہے مثلاً کسی خاتون پر زبردستی ہاتھ ڈالتا ہے یا کسی امرواڑ کے سے غلط حرکت

کرتا ہے جس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں تو مظلوم بدلہ لینے کے لئے بڑے نقصان کے لئے تیار

ہو جاتا ہے اور بسا اوقات ظالم یا اس کی برادری کو جان سے مار دیتا ہے اور پھر نہ ختم ہونے والی لڑائی شروع ہو جاتی ہے، ایسا واقعہ پیش آئے تو علاقہ کی بااثر شخصیات ظالم سے جرمانہ کے طور پر کچھ رقم لیکر مظلوم کو دیتے ہیں کیونکہ مظلوم اس سے کم پر راضی نہیں ہوتا، کیا مالی طور پر اس کا یہ جرمانہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اور اگر مذکورہ رقم کو جرمانہ نہ کہیں بلکہ صلح علی المال کا درجہ دیں اور صلح اس لئے کہ ظالم اس حرکت کے بعد اپنی جان کے خوف سے مال دینے پر بخوشی راضی ہو جاتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب مجرم مال دے کر صلح کرنے پر راضی ہو اور صلح نہ ہونے کی صورت میں خون ریزی کا خطرہ ہو تو مظلوم اگر مال لیکر صلح کرے، کیا شرعاً یہ اس کیلئے جائز ہوگا؟

﴿مجموع﴾ (۱) مذکورہ صورت میں ظالم سے مالی جرمانہ وصول کرنا تو جائز نہیں ہے، البتہ اگر مقصود برائی کو ختم کرنا ہی ہو تو اسکی متبادل صورت یہ ہو سکتی ہے کہ علاقے والے سب افراد مل کر آپس میں یہ معاہدہ کریں کہ ہم میں سے جو شخص بھی یہ برائی کرے گا اس کے ذمہ لازم ہے کہ اتنی رقم مثلاً ۵۰۰۰۰ روپے بیت المال میں صدقہ کرے گا یا فلاں رفائی کام میں خرچ کرے گا تو ایسا کرنے کی گنجائش ہے لیکن ایسی صورت میں بھی ان لوگوں سے رقم لینا جائز نہ ہوگا جو معاہدہ میں شریک نہ ہوں کیونکہ بغیر کسی رضامندی کے اس کا مال لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔

(۲) اگر مذکورہ رقم کو جرمانہ کی بجائے ایسا مال قرار دیں جو مظلوم صلح کی وجہ سے وصول کر رہا ہو تو پھر بھی اس کے لئے یہ رقم لینا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ جس جرم کے بدلہ میں مال لیکر صلح کی جارہی ہو اس کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ بندہ کا حق ہو حق اللہ نہ ہو کیونکہ حق اللہ میں مال کے بدلہ صلح کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً کسی نے شراب پی یا کسی نے زنا کیا یا پاک دامن عورت پر تہمت لگائی وغیرہ تو اس میں مال لیکر صلح کرنا جائز نہیں ہے خواہ فریقین خود صلح کریں یا کوئی جرگہ اور پنچائت ان میں صلح کر دئے، البتہ قصاص یا کسی عضو کو یا کسی کا مال یا قیمتی چیز کو تلف کرنے کی صورت میں قاتل یا مجرم سے مال لیکر صلح کی جاسکتی ہے کیونکہ یہ حق العبد ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ ﴿سورۃ النساء: ۲۸﴾ ﴿یا ایہا الذین آمنوا لا تکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾
ولما فی الشامی: (۱۱/۲) مطبع سعید

(قوله لا باخذ مال فی الذہب) وقال فی الفتح: وعن ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان

باخذ المال وعندهما وباقي الائمة لا يجوز اه. ومثله في المعراج. وظاهره ان ذلك رواية ضعيفة عن ابي يوسف، قال في الشرح لبلاية: لا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على اخذ مال الناس لياكلونه اه. ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان. ولما في الهداية: (۲۸/۶) طبع سعيد

ان يكون حق العبد لا حق الله عز وجل. وفيه: والصلح عن حقوق الله عز وجل باطل ويجب عليه رد ما اخذ لانه اخذه بغير حق (ماخذه التهييب) ولما في لقه الاسلامي وادلته: (۵۵۹۶/۷) طبع رشيديه

ومعنى التعزير باخذ المال على القول عند من يجيزه: هو امساك شيء من مال الجاني عنه لينزجر عما اقترفه ثم يعيد الحاكم اليه، لان ياخذ الحاكم بنفسه، او لبيت المال كما يقره المظلمة، اذ لا يجوز لاحد من المسلمين اخذ مال احد بغير سبب شرعي.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه واللہ اعلم بالصواب: عبدالکیم کشمیری

فتویٰ نمبر: ۱۶۴۳

۱۳ رجب ۱۴۲۹ھ

﴿یضمن المجنون ما اتلف﴾

﴿مجنون اگر کوئی چیز ضائع کر دے تو اس سے تاوان لیا جائے گا﴾

﴿سوال﴾ مجنون اتلف مال احد هل يجوز لصاحب الحق ان يضمن المجنون؟

﴿جواب﴾ نعم لصاحب الحق حق المطالبة من المجنون فان المجنون يطالب

بالفعاله الجنائية وان كان لا يطالب باداء العبادات فيضمن المجنون ما اتلف.

لما في الهداية: (۳۵۴/۳) طبع رحمانيه

وان اتلفا (يعنى الصبى والمجنون) شيئا لزمهما ضمانه احياء لحق المتلف عليه، وهذا لان كون الاتلاف موجبا لا يتوقف على قصد.

ولما في نور الانوار: (ص ۲۹۲) طبع امداديه

والجنون (ثم قال) وهو آفة تعطل بالدماغ بحيث يبعث على الفعل خلاف مقتضى العقل من غير ضعف في اعضائه وتسقط به العبادات المحتملة للمستوطن لا ضمان المتلفات وثقله الاقارب والدبة كما في الصبى بعينه.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه واللہ اعلم: محمد غفر له ولوالديه

۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

فتویٰ نمبر: ۲۲۱۹

﴿بچے پر رمضان آنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بلوغ سے قبل زید لوگوں

کی چیزیں بلا اجازت استعمال کرتا تھا اور کھاتا تھا مثلاً باغ کے پھل وغیرہ اور قبل البلوغ بچہ چونکہ غیر مکلف ہوتا ہے تو آیا بعد البلوغ اس کا ضمان اداء کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

﴿جو (ب)﴾ بچے کا مواخذہ اقوال میں اگرچہ نہیں ہوتا لیکن افعال میں اس کا بھی مواخذہ ہوتا ہے، لہذا بچہ کسی کی کوئی چیز اگر تلف اور ضائع کر دے تو اب اس بچے کی ملکیت میں اگر مال موجود ہے تو بطور خطاب وضعی کے تاوان اداء کرنا ضروری ہے، چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ایک مسئلہ کے جواب میں فرماتے ہیں ”یعنی اطلاق کے وقت اگر اس صبی کی ملکیت میں کچھ مال ہو تو اس میں سے اس حلف کا ضمان دینا ولی پر واجب تھا اگر ولی نہ دیتا اور اسی حالت میں وہ بالغ ہو جاتا اور وہ مال بھی جس سے ضمان کا تعلق ہو گیا تھا باقی رہتا تو اس پر بعد بالغ ہونے کی ضمان کا اداء کرنا واجب ہوتا ”تعلق حق الخیر بمالہ“ اور اداء نہ کرنے سے عاصی، اور اگر اس وقت مال نہ تھا یا قبل البلوغ ہلاک ہو گیا تو اس کے ذمہ اس حلف کا کوئی مواخذہ نہیں۔ ”لعدم خطاب التكليف لعدم البلوغ وعدم خطاب الوضع لعدم تعلقه بحمله ای المال فقط“ اور ولی پر ضمان نہیں آتا البتہ بچے پر ضمان آنے کی صورت میں بچے کے مال سے اداء کرنا اسکی ذمہ داری ہے۔

لما فی الشامی: (۱۶/۱۲۶ طبع: سعید)

وان اتلفوا هؤلاء المحجورين سواه عقلو لو لا درر (شياً) مقوماً من مال أو نفس ضمنوا اذ لا حرج في الفعل لكن ضمان العبد بعد العتق على ما مر وفي الاشياء ما صبي المحجور مولخذاً بأفعاله فيضمن ما اتلفه من المال وإذا قتل فالحدية على عاقلته الا في مسائل لو اتلف ما اقترضه وما لودعه عنده بلا اذن وليه وما اعير له وما بيع منه بلا اذن (قوله مولخذاً بأفعاله) هذا من باب خطاب الوضع وهو لا يتوقف على التكليف لان الخطاب نوعان خطاب وضع وخطاب تكليف كما في جمع الجوامع (قوله الا في مسائل) هو استثناء من قوله (فيضمن) اي فلا يضمن في هذه لانه مسلط من المالك كما افاده في الاشياء اه
ولی کشاف اصطلاحات الفنون: (۲/۳۷۶ طبع: سہیل آکھمی لاہور)

فان الخطاب نوعان تكليفي وهو المتعلق بالأفعال المكلفين با الاقتضاء والتخير ووضعی وهو الخطاب باختصاص شیء بشیء، وذلك ثلاثة اقسام (۱) سببی كالخطاب بان هذا سبب لذلك كالدلوك للصلوة (۲) وشرطي كالخطاب بان هذا سبب لذلك كالطهارة للصلوة، (۳) ومانعی ای هذا مانع لذلك كالنجاسة للصلوة.

ولما فی البحر الرائق: (۸/۷۹۰، طبع: قدیمی)

(وان اتلفوا شيئاً ضمنوا) لانهم غیر معجور علیہم فی الافعال اذ لا يمكن ان يجعل القتل

غیر القتل والقطع غیر القصاص فاعتبر فی حقه فثبت علیہ موجبہ للتحقق السبب ووجود
املیۃ الوجوب وہی الذمۃ لان الانسان یولد ولہ ذمۃ مصالحۃ لوجوب الحق الا انہ لا
یطالب بالاداء الا عند القدرۃ کالمعسر لا یطالب بالدين الا اذا امسر وکالذانی لا یطالب
بالاداء اذا استیغث ککذا قالہ الشارح لظاہرہ ان البلوغ یتاخر الی البلوغ والعقل یولی
العدادی یضمن کما یضمن الحر البالغ العاقل وظاہرہ انہ یضمن فی الحال ویؤیدہ ما
قال فی العناية: جنین یوم لو لقلب علی قارورة انسان فکسرہا یجب علیہ الضمان فی
الحال بل ان الصبی او العبد استهلكوا مالا ضمنوا المال فی الحال۔

ولما فی الہدایۃ: (۵/۱۱ مطبع: القدیمی)

ولا توجب هذه المعانی الثلاثۃ العجز فی الافعال حتی ان ابن یوم لو انقلب علی
قارورة انسان فکسرہا وجب علیہ الضمان فی الحال۔

ولما فی شرح المجملہ: (۲/۵۱۹ مطبع: رشیدیہ)

المعجورون الذین ذکروا فی المواد السابقۃ وان یعتبر تصرفہم القولی ولكن یضمنون
حالا الضرر والخسارۃ الذین تلف
مال الخیر وان کان غیر معسر لما علم انہ لا حرج فی افعال الجوارح لان الاعتبار
بالفعل لا بتوقف علی القصد فان الذانی ولو ابن یوم اذا انقلب علی انسان او قارورة
فاتللہا ضمن وان عدم القصد۔

واللہ اعلم بالصواب: شائعہ خان سواتی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر ۳۰۸۲

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿گاڑی کے پیچھے لٹک کر ہلاک ہونے والے کا ضمان نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے
ملائے میں ایک بچہ ٹریکٹر ڈرائی کے پیچھے چڑھ گیا، ڈرائیور کو اس بات کا علم نہ تھا، بچہ ڈرائی سے گر کر
ہلاک ہو گیا، پوچھنا یہ ہے کہ اس ڈرائیور کے ذمہ دیت دینا لازم ہے یا نہیں؟ اگر لازم ہے تو
دیت کی مقدار کیا ہوگی؟

مستفتی: ہفتہ خان ڈی۔ ایچ۔ اے کراچی

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں ڈرائیور کا کوئی قصور نہیں ہے، بچہ اپنی نادانی سے گر کر ہلاک
ہوا ہے، اس لئے ڈرائیور پر کوئی ضمان نہیں ہے اور نہ ہی کوئی تاوان ادا کرنا ضروری ہے۔

لما فی الہدایۃ: (۲/۲۰۲ مطبع: رحمانیہ)

والسائق ضمن لما أصابت بیدھا اور جلہا والقائد ضمن لما أصابت بیدھا دون رجلہا
السراد النلعة.... وجهہ ان النلعة ہما ی عین السائق فہمکنہ الاحترار عنہ وغائب

عن بصر القائد فلا یسکنه التحرر عنه.

ولمافی التنبیہ مع الدر: (۱/۶۰۳، طبع سعید)

(۷) یضمن الراكب ما تلعت برجلها) او ذنبها سائرہ خلافا للشافعی.

ولمافی البحر: (۸/۳۵۶، طبع سعید)

ضمن الراكب ما او طأت دابته بید ورجل اور اس او کدمت او خبطت او صدمت

لا مانعت برجل او ذنب الا اذا او قفها فی الطريق.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عبدالکیم کشمیری

۱۵ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

فتویٰ نمبر: ۱۲۱۹

﴿لا ضمان علی من اتلف خمر مسلم﴾

﴿مسلمان کی شراب ضائع کرنے سے تاوان نہیں آتا﴾

﴿مور﴾ رجل دخل دكان احدوا تلف الخمر كلها وعلم صاحب الدكان بالتلف

وطلب منه الضمان هل يجب عليه اداء الضمان شرعا فانه فعل ذلك لدفع شرها؟

﴿مور﴾ لا يجب الضمان علی من اتلف خمر مسلم، فان الخمر لیست بمال

مقوم فی حق المسلم.

لمافی مجمع الضمانات: (ص ۲۳۹، طبع بیروت)

تقلا عن الاشياء اتلاف خمر مسلم لا یوجب الضمان ولو كان المتلف ذمیا.

ولمافی الهدایة: (۳/۳۸۴، طبع رحمانیہ)

اذا اتلف المسلم خمر الذمی او خنزیره ضمن فان اتلفها المسلم لم یضمن.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم: محمد غفرلہ ولوالدیہ

۲ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

فتویٰ نمبر: ۱۹۸۷

﴿ کتاب الرهن ﴾

﴿ رهن کا ایک مسئلہ ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا دوسرے پر سات لاکھ قرض تھا۔ قرض اداء کرنے کے لیے نقد روپے نہیں ہیں تو وہ اس طرح عقد رهن کر لیتا ہے کہ میری یہ زمین جسکی قیمت سات لاکھ روپے ہے یہ اپنے قبضے میں رکھو اور اگر چار سال تک میں پیسے نہ دے سکا تو آپکو میری زمین فروخت کرنے کی اجازت ہے جتنے میں فروخت ہو۔ تو کیا چار سال گزرنے کے بعد یہ شخص زمین بیچ سکتا ہے؟ اور اضافی رقم اسکی ہوگی یا مالک کو واپس کرنا ضروری ہوگا؟

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں یہ شخص چار سال کی مدت گزرنے پر رهن سے اپنے قرضے کا مطالبہ کرے اگر اس نے اداء نہ کیا تو یہ شخص زمین بیچ کر اپنا قرضہ وصول کر لے۔ اور زائد رقم رهن کو واپس کر دے۔ اس لیے کہ یہ شخص مرتہن ہونے کے ساتھ ساتھ وکیل بھی ہے۔ اور ایسی صورت میں موکل کے معزول کرنے سے بھی وہ معزول نہیں ہوتا۔ اس لیے مرتہن کو مرہونہ چیز بیچنے کا اختیار رہتا ہے۔

لسا فی الہدایۃ: (۵۲۳/۴) طبع: رحمانیہ

ولیس للمرتہن ان ینتفع بالرهن لا باستخدام ولا سکنی لان له حق الحبس دون الانتفاع، ولیس له ان یبیع الا بتسلیط من الراهن۔
ولسا فی الہدایۃ: (۲۲۲/۱۵) طبع: حقانیہ

(ولیس له ان یبیع) ای ولیس للمرتہن ان یبیع الرهن، (الا بتسلیط من الراهن) لان الرهن لا یتقضى البیع فلا یثبت له بدون الوکالۃ۔
ولسا فی الشامی: (۵۰۳/۶) طبع: سمیعہ کراچی

(لان وکل الراهن) (المرتہن) او کوکل (العداؤ) غیر ہما بیعہ عند حلول الاجل صح نحو کیلہ۔
(قرولہ عند حلول الاجل) اور مطلقاً کما فی القہستانی والدردر المنتقی۔
ولسا فی الشامی: (۵۰۹/۵) طبع: ایضاً

وحاصلہ اُنہ یصیر وکیلاً بالفاظ الوکالۃ لکن صرح فی الہدایۃ ان الفعل کذا ار اذنت لک ان تعمل کذا کذا تو کیل۔
ولسا فی الشامی: (۵۰۴/۵۰۳/۶) طبع: ایضاً

(لان شرطت) (الوکالۃ) (فی عقد الرهن لم یغزل بعزلہ) للزومها بلزوم العقد لہی

تخلف الوكالة المفردة من وجوه أحدها هذا.

(قولہ للزومها بلزوم العقد) لانها لما شرطت في ضمن عقد الرهن صارت وصفاً من أوصافه وحقا من حقوقه الا ترى أن عقد الوكالة لزيادة الوثيقة فيلزم بلزوم اصله.

ولما في ملتح القدير: (۱۶/۱۰ مطبع رشیدیہ)

اذا باع المرتهن الرهن باذن الراهن يرد ماذا على الدين من ثمنه الى الراهن.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: تنویر الرحمن غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۳۶۰۳

۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

﴿مرہونہ چیز کو بیچنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میں نے کسی آدمی سے قرض لیا اور اپنی گھڑی رہن میں رکھ دی پھر اس شخص سے وہ گھڑی لیکر بیچ دی، میرا اس گھڑی کو بیچنا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ رہن سے راہن کی ملکیت زائل نہیں ہوتی لیکن مرتہن کے حقوق متعلق ہوتے ہیں اگر راہن اس گھڑی کو فروخت کرتا ہے تو وہ مرتہن کی اجازت پر موقوف رہے گی اگر مرتہن اجازت دے تو بیع نافذ ہو جائے گی، یا مرتہن کا قرضہ ادا کیا جائے تاکہ مرہونہ چیز پر اس کا حق نہ رہے۔

لما فی شرح المجلة (۱۸۱/۲) مطبع رشیدیہ کوئٹہ

لرباع الراهن الرهن بدون رضی المرتهن لا یتذالبيع ولا یطرأخلل علی حق حبس المرتهن ولكن اذا ولى الراهن الدين او اجاز المرتهن البيع يكون ذلك البيع نافذا.

وكذا فی الهندیہ: (۲۱۲/۵) مطبع رشیدیہ

ولما فی تنویر الابصار: (۵۰۸/۶) مطبع سعید

(توقف بیع الراهن رهنه علی اجازة مرتهنه او قضاء دينه بان وجد احدهما نفذ وصار

ثمنه رهنا وان لم یجز وفسخ)

واللہ اعلم: عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر:

۱۳۳۸ھ

﴿کیا مرتہن راہن کی اجازت سے مرہونہ چیز سے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ قاضی الطاف حسین کا مکان نمبر 286 سوکھیہ گوٹھ میں واقع ہے، آپ نے ایک کمرہ گروی ضمانت دیکر 25000 روپے محمد عبدالعزیز سے لئے، اس کمرہ کا ماہانہ کرایہ 1000 روپے ہے جو قاضی الطاف حسین ہر ماہ کی 15 تاریخ کو محمد عبد

العزیز کو ادا کریگا جب تک پچیس ہزار روپے واپس نہیں کر سکتا اس وقت تک ہزار روپے ماہانہ کرایہ بھائی محمد عبدالعزیز لیتا رہے گا اور جب 25000 روپے وصول کریں تو اسی دن سے یہ لین دین ختم ہو جائیگا، پوچھنا یہ ہے کہ اس طرح لین دین کرنا کیا جائز ہے؟ مستفی: الطاف حسین ﴿مجموع﴾ آج کل معاشرے میں ایسے عقود نے جنم لیا ہے جو شریعت کی رو سے ناجائز ہیں، ان میں ایک قسم یہ بھی ہے جن کا ذکر سائل نے کیا ہے کہ قرض لینے والا اپنے کسی مکان یا کمرے کو قرض دینے والے کے پاس بطور رہن (ضمانت) کے رکھتا ہے اور وہ شخص دوسرے کو کرایہ پر دے دیتا ہے کرایہ وصول کرتا رہتا ہے اور قرض کی رقم بدستور قرض خواہ کے ذمہ ہوتی ہے جب تک وہ مکمل قرض کو واپس نہیں کر سکتا، اس وقت تک قرض دینے والا مکان سے فائدہ اٹھاتا رہتا ہے۔

شریعت کی رو سے لین دین کا یہ طریقہ غلط اور ناجائز ہے کیونکہ رہن میں رکھی جانی والی چیز ایک ضمانت کی حیثیت رکھتی ہے جو رکھنے کے بعد بھی اصل مالک کی ملکیت میں ہوتی ہے، اسی کو مرہونہ چیز سے نفع اٹھانے کا حق حاصل ہے اور مرتہن جس کے پاس مرہونہ چیز رکھی جاتی ہے کو نفع اٹھانے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ قرض کے بدلے بلا عوض نفع اٹھانے سے احادیث میں ممانعت آئی ہے: مکمل قرض جرم منفعہ لہو رہا۔ مصنف ابن ابی شیبہ: (۳/۳۲۸، طبع بیروت)

لہذا عبدالعزیز صاحب نے جتنا کرایہ وصول کیا ہے اس کو چاہیے کہ مالک مکان کو واپس کر دیں یا پھر جتنا کرایہ وصول کیا ہے اور وصول کر رہا ہے اس کو قرض خواہ کی طرف سے قرض میں شمار کرتا جائے یہاں تک کہ مکمل قرض وصول کر لیں ورنہ سود کھانے والا متصور ہوگا۔

لما فی اعلاء السنن (۱۸/۴۲، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

قال العبد الضعیف قال السرفیق فی المعنی لا ینتفع المرتہن من الرهن بشئ، ای مالا یحتاج الی موتۃ کالدار، والسقاع ونحوہ فلا یجوز للمرتہن الانتفاع بہ بغیر اذن الراهن بحال لانعلم فی هذا خلافا لان الرهن ملک الراهن، ملکذک نساؤہ ومنازلہ یطہس لغيرہ اخذھا بغیر اذنه فان اذن الراهن للمرتہن فی الانتفاع بغیر عوض وکان دین الرهن من قرض لم یجز، لانه قرض یجر منفعۃ وذلک حرام.

لما فی الشامی: (۶/۲۸۲، طبع ایچ ایم سعید)

(قولہ وقیل لا یحل للمرتہن) قال فی المنح وعن عبد اللہ محمد بن اسلم المشرقندی وکان من کبار علماء سرقندانیہ لا یحل لہ ان ینتفع بشئ، منه بوجہ من الوجوہ وان اذن لہ الراهن، لانه اذن لہ فی الربا لانه یستولی دینہ کاملا فبقی لہ المتبقی فضلا

فہو کون رہا، و هذا امر عظیم قال ط قلت والغالب من احوال الناس انهم يريدون عند
الدفع الانتفاع، ولولاہ لما اعطاه الدراہم و هذا بمنزلة الشرط، لان المعروف كالشرط
و هو مدہ من المنع ا

واللہ اعلم بالصواب: رشید عالم مروت

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

لتوی نمبر: ۷۰۸

۲۱ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ

﴿راہن سے نفع کی ایک خاص صورت کا بیان﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے علاقہ میں یہ رواج ہے
کہ لوگ جب کسی سے قرض لینے کی وجہ سے اپنی زمین اس کے پاس رہن رکھتے ہیں تو مرہن یہ
کرتا ہے کہ اس زمین کو زراعت کے لیے ٹکٹ یا ریلج کی بنیاد پر آباد کر لیتا ہے اور جب فصل
حاصل ہوتی ہے تو متعینہ حصہ راہن کو دے دیتا ہے شرعاً مرہن کا اس زمین سے انتفاع بقصد
زراعت کیسا ہے قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟ مستفتی: عبدالحق انکی

﴿جواب﴾ رہن سے متعلق اصل حکم یہ ہے کہ مرہن اس چیز سے کوئی نفع حاصل نہ کرے
اس لیے کہ یہ قرض کی بنیاد پر نفع حاصل کرنا ہوگا جس کو آپ علیہ السلام نے منع فرمایا لیکن مذکورہ
صورت میں مرہن اپنی محنت کا حصہ اس زمین کی آمد سے لے رہا ہے جس کی گنجائش معلوم ہو رہی
ہے جب کہ اس علاقہ میں مزارعت پر زمین لینا دینا عام ہو اور مرہن رائج نسبت سے زیادہ محتانہ
نہ لیتا ہو البتہ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ مرہن در راہن باہمی رضامندی یہ زمین کسی تیسرے شخص
کو مزارعت پر دیں جس کی آمد راہن اور تیسرے شخص کے درمیان تقسیم ہو مرہن صرف قبضہ رکھے
اس زمین سے کچھ نفع حاصل نہ کرے۔

(لما فی مصنف ابن ابی شیبہ ۸۰/۵ مکتبہ امدادیہ)

عن الحکم عن ابراہیم قال کل قرض جر منفعة فهو ربا

(ولما فی التلویہ والدر ۲۸۲/۱ طبع سعید)

(لا انتفاع به مطلقاً) لا باستخدام ولا سکنی ولا لبس ولا اجارة ولا اعارة سواء کان

مرتهن اور راہن (الا باذن) کل للآخر وقیل لا یحل للمرتهن لانه ربا

(ولما فی الرد المحتار ۲۸۲/۱ طبع سعید)

(قوله وقیل لا یحل للمرتهن) قال فی المنع وعن عبد اللہ محمد بن اسلم السرقندی

وکان من کبار علماء سرقند انه لا یحل له ان ینتفع بشئ منه بوجه من الوجوه وان

اذن له الراهن لانه اذن له في الربا لانه يستوفى دينه كاملا فتبقى له المنفعة فضلا
فيكون ربا. وبعد اسطر قال. قلت والغالب من احوال الناس انهم انما يهدون عند
الدفع الانتفاع ولو لاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط
وها ما يعين المنع والله اعلم

(ولما في التبيين الحقائق ۱۲۷/۷ طبع سعيد)

قال رحمه الله: (ولا ينتفع المرتهن بالرهن استخداما ولا سكنى ولبسا واجارة
واعارة) لان الرهن يقتضي الحبس الى ان يستوفى دينه دون الانتفاع فلا يجوز له
الانتفاع الا بتسليط منه وان فعل كان متعديا ولا يبطل الرهن بالتعدي.

الجواب صحیح: عبدالرحمن مبنی اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق انکی

توی نبر:

۲۱ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ

﴿مرتبہن گروی چیز سے استفادہ نہیں کر سکتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے
گھر کے متصل پشت پر ایک آدمی کی زمین ہے وہ اسکو دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا
ہے جبکہ حق شفعہ میرا ہے، نیز دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کی صورت میں مجھے بہت ساری
دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا، اس لیے میرا مطالبہ یہ ہے کہ واقعتاً فروخت کرنا ہے تو میرے
ہاتھوں فروخت کر لیں لیکن وہ انکار کر رہے ہیں۔

البتہ ان کو پیسوں کی ضرورت تھی تو میں نے ان کو پچیس ہزار روپے دے دیئے اور زمین ان
سے گروی رکھ دی، اب جو منافع آتے ہیں تو میں اس کو اپنے استعمال میں لاتا ہوں، اس زمین
سے تقریباً چودہ من گندم حاصل ہو جاتی ہے تو میں اپنے آپ کو گناہ سے بچانے کے لیے دو من
گندم ان کو دیتا ہوں، اب پوچھنا یہ ہے کہ اس طرح معاملہ کرنا اور زمین کے منافع سے استفادہ
کرنا شرعاً میرے لیے جائز ہے؟ مستقی: جیب الرحمن باجوز

﴿جواب﴾ آپ کے لئے اس زمین سے منافع حاصل کرنا خواہ مالک کی اجازت سے ہو
جائز نہیں ہے، زمین سے حاصل شدہ چودہ من گندم میں سے صرف دو من گندم مالک کو دینے سے
بھی آپ کی خلاصی نہیں ہو سکتی، البتہ آپ کے علاقہ میں ایسی زمین کا کرایہ صرف دو من گندم ہی عام اگر
راج ہے تو گنجائش معلوم ہو رہی ہے۔

بہتر یہ ہے کہ آپ زمین بے شک قبضے میں رکھیں لیکن کاشت کے لیے کسی دوسرے کو دیں اور حاصل شدہ غلہ مالک اور مزارع علاقہ میں رائج ترتیب کے مطابق تقسیم کرتے رہیں، آپ غلہ میں سے کوئی حصہ نہ لیں۔

ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ زمین کا معاملہ ختم کر دیں اور زمین کا کرایہ طے کر لیں اور کئی سالوں کا کرایہ ایک ساتھ انگویدیں اس طرح وہ اس رقم سے اپنی ضرورت پوری کر لیا اور زمین بھی واپس اپنے قبضے میں لے لے گا۔

لما فی الشامی: (۶/۲۸۲، طبع سعید)

(قوله وقيل لا يحل للمرتهن) قال فی المنع عن عبدالله محمد بن اسلم السرقندی وكان من كبار علماء سرقندانه لا يحل له ان ينفع منه بوجه من الوجوه وان اذن له الراهن، لانه لئن له فی الربا لانه يستوفى دينه كاملا فبقي له المنفعة فضلا فيكون ربا، وهذا امر عظيم قلت: وهذا مخالف لعامة المعتمرات من أنه يحل بالاذن الا انه يحل على الديانة، ومافی المعتمرات على الحكم ثم رأيت فی جواهر الفتاوى: اذا كان مشروطا صار قرضا فيه منفعة وهو ربا والا فلا بأس بان ما كان ربا لا يظهر فيه فرق بين الديانة والتضاء على انه لا حاجة الى التوفيق بعدان الفتوى على ما تقدم: ای من أنه يباح.

ولما فی الهداية: (۴/۵۲۴، طبع رحمانیہ)

وليس للمرتهن ان ينتفع بالرهن لا باستخدام ولا سكنى ولا لبس الا ان ياذن له المالك لان له حق الحبس دون الانتفاع.

ولما فی البحر الرائق: (۸/۲۳۸، طبع سعید)

(ولا ينتفع المرتهن بالرهن استخداما وسكنى ولبسا واجارة واعارة) لان الرهن يقتضى الحبس الى انه يستوفى دينه دون الانتفاع فلا يجوز الانتفاع بالقبض عليه منه وان فعل كان متعديا ولا يبطل الرهن بالتعدي قال فی المبسوط وليس للمرتهن ان ينتفع بالرهون الا باذن الراهن فاذا اذن له جاز ان يفعل ما اذن له فيه.

والله اعلم بالصواب: محمد وارث خان

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۱۳۱۹

اریح الثانی ۱۳۲۹ھ

﴿گروہی زمین سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں﴾

﴿مولا﴾ زمین گروہی رکھ کر موسم موسم کے فصل حاصل کئے جاتے ہیں، مزید یہ کہ مرمت

وغیرہ پر توجہ بھی نہیں دی جاتی ہے، ہلاکت کی صورت میں نقصان ماننے کیلئے ہرگز تیار نہیں ہوتا،

گھر وغیرہ ہو تو خود مرتبہ اس میں سکونت اختیار کر لیتا ہے یا کرایہ وصول کر لیتا ہے، علاقہ کا عرف یہی چلا آ رہا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا تصریحات از روئے شرع کیا حکم رکھتے ہیں؟

﴿مجموع﴾ مرتبہ کے لئے گروی چیز کو ذاتی استعمال میں لانا، اس سے نفع حاصل کرنا، ہرگز جائز نہیں ہے، زمین ہو خواہ گھراپنے قرض کی وصولی تک قبضہ میں رکھ سکتا ہے، استعمال میں لانے کی صورت میں گناہ کے علاوہ نقصان وغیرہ کی تلانی بھی اسی کے ذمہ ہے اگرچہ اس کا عرف چلا آ رہا ہے، عرف کی وجہ سے شریعت کے اس طرح واضح حکم میں تبدیلی نہیں آتی۔

لسالی القنور مع الدر: (۱/۴۴۴ تا ۴۸۴ طبع سعید)

(هو الفقه حبس الشئ بوشرع الحبس شئ مالی ای جملہ محبوسا۔ (بحق یسكن استيفاء منه كالدين حقيقة او حكما)۔ (وهو مضنون اذاهلك بالاقفل من قيمته ومن الدين)۔ (لا انتفاع به مطلقا) لا بالاستخدام ولا سكنى ولا لبس ولا اجارة ولا اعارة۔ (لوجب) على المرتهن (ان يحفظه بنفسه وعياله) كفا في الوديعة۔ (واجرة بيت حفظه وحافظه) او ما روى الغنم (على المرتهن واجرة راعيه) لو حيوانا۔ (والاصل فيه ان كل ما يحتاج اليه لمصلحة الرهن بنفسه وتبليته فعلى الراهن لانه ملكه بركن ما كان لحفظه فعلى المرتهن لان حبسه له۔

ولسالی الشامي: (۱/۴۴۴ طبع سعید) هو مشروع لقوله تعالى: فرهان متبرضة۔

ولسالی الشامي: (۱/۴۸۲ طبع سعید)

(قوله وقيل لا يحل للمرتهن) قال في المنع: وعن عبدالله محمد بن اسلم السمرقندی وكان من كبار علماء سمرقند انه لا يحل له أن ينقطع بشئ منه بوجه من الوجوه وان اذن له الراهن، لانه اذن له في الربا لانه يستوفي دينه كاملا فيبقى له المنفعة فضلا فيكون ربا وهذا أمر عظيم قلت: وهذا مخالف لعامة للمعتبرات من انه يحل بالاذن الا ان يحصل على النيابة۔ قال ط: قلت والغالب من احوال الناس أنهم انما يريدون عند الدفع الانتفاع ولو لاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالشروط وهو ما يمين المنع۔ ۸۱۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

والله اعلم بالصواب: تقيہ احمد شمس

فتویٰ نمبر: ۱۵۳۲

۲ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ

﴿زیورات گروی رکھ کر قرض لینا جائز ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارا سونے کا کاروبار بعض اوقات کوئی قریبی دوست ہم سے کچھ پیسے لیکر جاتا ہے اور اس کے بدلے میں اپنے

زیورات رکھوا دیتا ہے، اس شرط پر کہ جب میں پیسے واپس کروں گا تو اپنے زیورات لے کر جاؤں گا، چونکہ مجبوری اور تعلقات کی وجہ سے ہم منع بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ شرعیہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو اگر خدا نخواستہ کسی وقت اس کے زیورات گم ہو گئے تو کیا اس کا ضمان بھرنا لازمی ہوگا؟

مستفتی: بھائی شفیق الرحمن

﴿محرر﴾ مذکورہ معاملے کو شریعت کی اصطلاح میں "رحمن" کہا جاتا ہے اور یہ جائز ہے البتہ ضائع یا گم ہو جانے کی صورت میں تاوان آپ کے ذمہ ہوگا۔ یعنی وہ زیورات مالیت میں آپ کے پیسوں کے برابر اگر تھے تو اس کے زیورات ضائع ہو گئے اور آپ کو قرض کی واپسی کے مطالبہ کا حق حاصل نہیں رہے گا اور اگر مالیت میں زیادہ تھے تو زائد تاوان آپ کے ذمے ہوگا اور مالیت میں زیورات قرضہ سے اگر کم تھے تو زائد رقم کا آپ مطالبہ کر سکیں گے۔

لما فی الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجنید: (۱۱/۲۴۲ مدار القلم دمشق)

وصح الرهن بالدين ولم يوعودا بان رهن ليقرضه كذا كالف مثاقيل دفع به بعض ما وعده به موامتنع عن دفع الباقي لا يجبر عليه فالرهن بالدين الموعود مقبوض على سوم الرهن، والجنيد يأنذركم أن الرهن الموعود لا يلزم الوفاء به، فاذا ملك هذا الرهن في يد المرتهن كان مضمونا عنده بدفع من الدين.

ولما فی الهدایہ: (۱۱/۵۱۰، ۵۱۱ مطبع رحمانیہ لاہور)

ولا يصح الرهن الا بدين مضمون لان حكمه ثبوت يد الاستيفاء والاستيفاء يتلوا الوجوب وهو مضمون بالاقل من قبضته ومن الدين فاذا ملك في يد المرتهن وقبضته والدين سواء صار المرتهن مستوفيا بالدين وان كانت قيمة الرهن اكثر فالفضل امانة فان كانت اقل سقط من الدين بقرره رجع المرتهن بالفضل لان الاستيفاء بقره المالیه.

ولما فی البرزانی علی الہندیہ: (۵۵/۱۶ مطبع رشیدیہ)

قال للبائع امسك هذا الثوب حتى اعطيك الثمن فهو عندنا رهن ولو قال امسكه بمالك حتى اعطيك كان رهنا بلا خلاف لان الامساك بالمال تفسير الرهن.

ولما فی التذریع مع الدر: (۲۹۶/۱۶ مطبع سعید کراچی)

لو ان قال المشتري (لبائع) وقد اعطاه شيئا غير مبيعته (امسك هذا حتى اعطيك الثمن فهو رهن) لتاغلط به ما يلزم الرهن، والعبرة بالمعاني—وفى الشامية بخلاف ما اذا قال امسكه بدينك او مالك، لانه لما قابل به بالدين فقد عين جهة الرهن، قلنا السامد الى وقت الاعطاء علم ان مراده الرهن.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن علی اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۲۱۸۷

۱۵ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ

(اشیاء منقولہ کے رهن کا طریقہ و حکم)

﴿مسلو﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ زید نے ایک گاڑی شوروم والے سے قسطوں پر لی اور گاڑی مانگنے پر اسی گاڑی کے کاغذات بطور رهن کے شوروم والے کے پاس رکھوا دیئے جبکہ گاڑی راہن (زید) کے قبضے میں ہے اور ان دونوں کے درمیان یہ بات بھی طے ہو چکی ہے کہ اگر گاڑی والے نے قسطیں وقت پر جمع نہ کروائیں تو شوروم والے کو گاڑی بیچ کر اپنا قرضہ وصول کرنے کا اختیار ہوگا، آیا یہ معاملہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو درست صورت بتلائیں، نیز یہ بھی بتلائیں کہ زید گاڑی آگے بیچ سکتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: اسلام علی

﴿مجبور﴾ صورت مسئلہ میں مذکورہ معاملہ درست نہیں ہے، اس لئے کے نقطہ کاغذات پر قبضہ گاڑی پر قبضہ نہیں ہے۔ البتہ اس کی درست صورت ایک یہ ہو سکتی ہے کہ گاڑی کا قسطوں پر سودا کرنے خریدار گاڑی اور کاغذات پر ایک بار قبضہ کرے پھر دوبارہ شوروم والے کے پاس گاڑی کاغذات سمیت بطور رهن رکھیں تو یہ رهن صحیح ہوگا، اب شوروم والا اگر چاہے تو زید کو ترمعاً گاڑی استعمال کے لئے دے سکتا ہے اور مقررہ وقت پر رقم نہ ملنے کی صورت میں شوروم والے کو چاہیے کہ عدالت میں رجوع کرے، قاضی معاملے کی تحقیق کر کے زید کو رقم ادا کرنے کا حکم کرے گا، ورنہ کر سکے تو گاڑی بیچنے کا حکم دے گا اگر زید انکار کرے تو قاضی خود گاڑی فروخت کر کے باقی رقم زید کو دے گا اور گاڑی جب تک رهن میں ہے، اسکی بیع مرتہن کی اجازت پر موقوف ہے۔

ولمافی التلخیص مع الدرر (۱/۲۱۴، طبع سعید)

ولیکان ذلک الشئ الذی قال له أمسکه هو (المبیع) الذی اشتراه بعینہ لو (بعت قبضہ) لأنه حیثین یصلح أن یکون رهنا بکونه (ولو قبله لا) یکون رهنا، لأنه محبوس بالثمن کاسر. وفي الشامیه: (قوله لأنه حیثین یصلح) ای لتعین ملکہ فیہ حتی لو ملک بئذک علی المشتري ولا یمنسوخ العقد (قوله لأنه محبوس بالثمن) ای ضمانہ یخالف ضمان الرهن فلا یکون مضموناً بزمانین مختلفین لاستحالة اجتماعهما حتی لو أمسک المبیع حتی أعطیک الثمن قبل القبض لہلک انتسخ العقد ینقض.

ولمافی التلخیص مع الدرر (۱/۱۵۰، طبع سعید)

(۱) انقاضی بحسب الشرع المجنون لہبیع ماله لدینہ وقضی دراهم دینہ من دراهمہ — (۲) بیع القاضی (عرضہ ولا عتارہ) للذین (خلا لالہما وہ) ای بئولہما ببیعہما للذین (یعنی) ولما فی التلخیص (ص ۱، طبع رشیدیہ)

وانباع الرهن بغير إذن المرتن لالمبیع موقوف فان أجازہ المرتن جازان قضاء

الرهن دینہ جار ایضا۔

ولمالی الهدایة: (۲/۱۴۲، مطبع رحمانیہ)

واذا ثبت الحق عند القاضی وطلد صاحب الحق غریبه لم يجعل بحیثه الخ۔

والله اعلم بالصواب: ثار احمد غفر له ولوالديه

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۳۰۶۲

۲۹ صفر الحیر ۱۴۳۲ھ

﴿رہن میں مرہونہ چیز کے مالک بننے کی شرط لگانے سے معاملہ فاسد ہو جاتا ہے﴾
 ﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میرے ایک جاننے والے کو پانچ ہزار روپے کی ضرورت پیش آئی، اس نے مجھ سے اس رقم کا مطالبہ کیا، میں نے اس کا ذاتی موبائل فون رکھ کر اس سے کہا کہ میں پانچ ہزار روپے تمہیں اس شرط پر دیتا ہوں کہ اگر فلاں تاریخ تک تم نے مجھے میرے پیسے واپس نہ کیے تو تمہارا یہ موبائل میرا ہو جائیگا، پوچھنا یہ ہے کہ اس شخص کے مقررہ دن تک پیسے ادا نہ کرنے کی صورت میں میرا اس کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
 ﴿جواب﴾ صورت مؤولہ میں آپ کے جاننے والے کا آپ کے پاس موبائل فون رکھنا گروی ہے اور جس کے پاس گروی رکھی جاتی ہے اس کو شرعاً اس وقت تک گروی پر قبضہ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے جب تک کہ وہ اپنا قرض یا دین وصول نہ کر لے شرعاً اس کو مالک بننے کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

سوال میں ذکر کردہ صورت کے بارے میں فقہاء کرام کی عبارات میں صراحت ملتی ہے کہ اس طرح کے معاملات زمانہ جاہلیت میں ہوتے تھے اور اسلام نے اس قسم کے معاملات سے منع کیا ہے اور شرعی اعتبار سے چونکہ یہ معاملہ فاسد ہے، لہذا آپ کو چاہیے کہ جلد از جلد اس معاملہ کو ختم کریں اور اپنے قرض کی وصولی پر موبائل اس کے مالک کو واپس لوٹا دیں۔

لمالی الهدایة: (۲/۱۴۲، رحمانیہ)

الکتابۃ والجارۃ والرهن بمنزلة البیع تبطل بشروط الفاسدة۔

ولمالی المبسوط: (الجزء ۲۱/ص ۶۶، مطبع دار المعرفۃ بیروت)

لا یخلق الرهن فان احدا من اهل اللغة لا یفهم منه هذا اللفظ بقی الضمان علی المرتہن

وذكر الکرخی ان اهل العلم من السلف رحمهم الله کطاروس و ابراهيم وغيرهما اتفقوا:

ان المراد لا یحبس الرهن عند المرتہن احتباساً لا یسکن لکاکہ بان یصیر مملوکاً.....

والدلیل علیہ ما روی عن الزہری قال: کانوا فی الجاهلیۃ یرتہنون ویشترون علی

الرهن ان لم يقض الدين الى وقت كذا فالرهن مملوك للمرتهن فباطل رسول الله ﷺ
 ذلك بقوله لا يخلق الرهن وسفل عن سعيد بن المسيب عن معنى هذا اللفظ
 لقبيل بامر قول الرجل ان لم يات بالدين الى وقت كذا فالرهن بيع لي لي الدين فقال
 نعم هكذا ايضا في الكفاية على شرح الهداية: (۳۸/۱۰، طبع رشديه) وايضا في مجمع
 الانير: (۲/۲، طبع المنار) وهكذا ايضا في بداية المجتهد: (ص ۵۶۶، طبع رشديه)
 ولما في بدائع الصنائع: (۱/۱۶۱، طبع ايج ايم سعيد)

(وجه) قولنا ان جعل الرهن بالدين حال قيامه من اعمال الجاهلية جاء الاسلام وابطله الخ.
 ولما في التلويح مع الدرر: (۵۶۱/۱، طبع سعيد)

(كل حكم) عرف (في الرهن الصحيح فهو الحكم في الرهن الناسد) كما في العاصية،
 قال بذكر الكرخي ان المتبوض بعكم الرهن الناسد يتعلق به الضمان وفيها ايضا (وفي
 كل موضع كان الرهن مالا والمتبادل به مضمونا الا انه فقد بعض شرائط الجواز) كره
 المشايخ (يفتد الرهن) لوجود شرط الاعتقاد ولكن (بصلة النساد) كالناسد من البيوع.

الجواب صحح عبدالرحمن عفا الله عنه والحمد اعلم بالصواب: نعيم اقبال عفا الله عنه

فتوى نمبر: ۲۶۲۳

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

﴿اگر رهن کو تیسرا آدمی حلاک کرے تو کیا حکم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک آدمی نے دوسرے سے
 دس ہزار قرض لیا، اور اپنی سائیکل بطور رهن دائن کے پاس رکھی بعد میں کسی آدمی نے سائیکل کو
 خراب کر دیا، تو اب رهن کی سائیکل کا کون ذمہ دار ہے مرتھن یا تیسرا آدمی جس نے سائیکل
 خراب کی ہے، اگر سائیکل کی قیمت میں کمی آگئی ہو تو کیا دین پر اثر پڑے گا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مرتھن کو چاہیے کہ اس تیسرے آدمی سے ضمان لے اور ضمان میں حلاک اور
 خراب کرنے والے دن کا اعتبار ہوگا پھر یہ قیمت اس مرحونہ چیز کی جگہ رهن ہوگی،

البتہ اگر اس مرحونہ چیز کی قیمت میں فرق آگیا ہو، مثلاً جب رهن رکھی تھی اس وقت سائیکل
 کی قیمت سات ہزار تھی اور اب ہلاک یا خراب ہونے والے دن پانچ ہزار قیمت ہے، تو مرتھن
 پانچ ہزار کا ضمان لے گا اور دو ہزار کا نقصان دین سے پورا کیا
 جائیگا، کیونکہ رهن مرتھن کے پاس جو مضمون ہوتا ہے وہ اسی قیمت کے ساتھ مضمون ہوتا ہے، جو
 اس کے قبضہ والے دن ہوتی ہے۔

ولما في القنور مع الدر: (٥١٠/٦) طبع: سعيد

(ار) الرهن (ان اتلفه اجنبى) اى غير الراهن (فالمرتتهن يضمنه) اى الملتف (قيمه يوم
هلك وتكون) القيمة (رهنا عنده) لما مر

ولما في الرد المحتار: (٥١٠/٦) طبع: سعيد

(قوله فالمرتتهن يضمنه) اشار الى ان المرتتهن الخصم فى تضمنه كما فى الهداية
(قوله قيمته يوم هلك) فلو كانت قيمته يوم خصص مائة وقد كانت يوم الرهن الف
كالدين ضمن خمسمائة وصارت رهنا وسقط من الدين خمسمائة كانها هلكت باقة

ولما فى البحر الرائق: (٢٦٤/٨) طبع: سعيد

وان اتلفه اجنبى فالمرتتهن يضمنه قيمته وتكون (رهنا عنده) يعنى ان المرتتهن هو
الخصم فى تضمنه قيمته فتكون رهنا عنده لانه احق بعين الرهن حال قيامه فكذا
فى استرداد ما قام مقامه والواجب فى هذا المستهلك قيمته يوم هلك باستهلاكه
بخلاف ضمان المرتتهن وقد تقدم ببانه حتى لو كانت قيمته يوم الاستهلاك
خمسمائة ويوم الارتهان الفاغرم خمسمائة وكانت رهنا وسقط من الدين خمسمائة لان
المعتبر فى ضمان المرتتهن الرهن يوم قبضه

ولما فى تبين العقائق: (١٨٦/٤) طبع: سعيد

قال رحمه الله تعالى (وان اتلفه اجنبى فالمرتتهن يضمنه قيمته ويكون رهنا عنده) اى
المرتتهن هو الخصم فى تضمنه قيمته ثم تكون القيمة رهنا عنده لانه احق بعين
الرهن حال قيامه، فكذا فى استرداد ما قام مقامه، والواجب فى هذا المستهلك
وقيمه يوم هلك باستهلاكه بخلاف ضمانه على المرتتهن فانه يعتبر قيمته يوم
القبض حتى لو كانت قيمته يوم الاستهلاك خمسمائة ويوم الارتهان الفاغرم
خمسمائة وكانت رهنا وسقط من الدين خمسمائة لان المعتبر فى ضمان الرهن يوم
قبضه لانه دخل به فى ضمانه لانه قبض استيفاء الا انه يتقرر عند الهلاك

والله اعلم بالصواب: فناء الحق انكى

الجواب صح: عبد الرحمن عفا الله عنه

فتوى نمبر: ٣٢٤٣

٢٤ جمادى الثانية ١٣٣٣ هـ

﴿ کتاب الشفعة ﴾

﴿ حق شفعہ کی شرائط ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر والدین اپنی زمین فروخت کریں تو اولاد کو حق شفعہ حاصل ہوگا یا نہیں؟ نیز حق شفعہ کب حاصل ہوتا ہے؟ اور اس کی شرائط کیا ہیں؟ مستفی: خالد ﴿جواب﴾ حق شفعہ محض قرابت اور رشتہ داری کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ حق اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو بائع کے ساتھ نفس مبیع یا حق مبیع مثلاً راستہ اور پانی وغیرہ میں شریک ہو یا اس کی ملک کا بائع کی ملکیت (مبیع) کے ساتھ اتصال ہو، حق شفعہ کی اہم شرائط درج ذیل ہیں:

- (۱) شفعہ وہی قیمت ادا کرنے پر راضی ہو جس میں مالک نے اپنی جائیداد فروخت کی ہو۔
- (۲) حق شفعہ غیر منقولہ جائیداد میں حاصل ہوتا ہے۔ (۳) جس جائیداد پر شفعہ کیا جا رہا ہو وہ بائع کی ملک ہو۔ (۴) بائع نے شفعہ کے علاوہ وہ جائیداد کسی اور کو مالی معاوضہ کے عوض فروخت کی ہو۔ (۵) بائع کا حق اور ملکیت کلی طور پر مبیع سے زائل ہو۔ (۶) جس ملک کے ذریعے شفعہ حق شفعہ دائر کرے وہ بیع کے وقت شفعہ کی ملک ہو۔ (۷) بیع پر شفعہ راضی بھی نہ ہو۔ (۸) بیع کا علم ہوتے ہی شفعہ نے شفعہ کا مطالبہ کیا ہو اور قاضی کے فیصلہ تک مطالبہ پر قائم ہو۔

لما فی التَّنْوِیْر مَعَ الدَّر: (۱/۲۱۶) مطبع ایچ اہم سعید

(م) تملیک البقعة جبرا علی المشتري بما قام علیه كمثل له لو مثلها بالابتیته (و سببها اتصال ملك الشفع بالمشتری) بشرکة او جوار (و شرطها ان يكون المحل عقارا) وفي الشامية: (قوله بشرکة او جوار) متعلق باتصال و شمل الشركة فی البقعة والشركة فی الحقوق۔ (قوله و شرطها الخ) المراد بالعقار هنا غیر المستقل۔۔۔ و يشترط كونه مملوكا۔۔۔ و كون العقد معاوضة، و زوال ملك البائع عن المبيع فلا شفعة فی البیع بخیار، و زوال حق البائع فلا شفعة فی شراء فاسد، و ملك الشفع لما يشفع به وقت الشراء و عدم الرضاء من الشفع بالمبيع ولو دلالة.

ولما فی التَّنْوِیْر مَعَ الدَّر: (۱/۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶) مطبع سعید

(و یطلبها الشفع فی مجلس علمه بالمبيع) وان امتد المجلس كالمنخيرة هو الاصح دررو علیه المتون، خلافا لما فی جواهر الفتاوی انه علی الفور و علیه الفتوی۔ (ثم) يشهد (علی البائع لو) العقار (فی يده او علی المشتري وان) لم يكن ذابدا لانه مالك او عند العقار۔ ثم بعد هذين الطلبين يطلب عند قاض۔۔۔ (و هو) بمسمى (طلب تملك و خصومة و بتاخير مطلقا) بعد و بغيره شهر الاكثر (لا تبطل الشفعة) حتى يسقطها

بلسانہ (بہ ہفتی) و هو ظاهر المذهب، و قيل يفتى بقول محمدان اخره شهراً بلا عذر بطلت
كذالكي الملتقى، يعنى دفعاً للضرر (قوله يعنى دفعاً للضرر) بيان لوجه الفتوى بقول
محمد قال فى شرح المجمع: وفى جامع الغنائى: الفتوى اليوم على قول محمد لتغير
احوال الناس فى قصد الاضرار به، وبه ظهر ان الفتاء هم بخلاف ظاهر الرواية لتغير
الزمان فلا يرجح ظاهر الرواية عليه وان كان مصححاً ايضاً كما مر فى الفصص على
مسئلة صبغ الثوب بالسواد.

والله اعلم بالصواب: محمد بن عبد الله بن محمد بن

الجواب مجمع: محمد بن عبد الرحمن عفا الله عنه

فتوى نمبر: ۲۶۳۶

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

﴿شفیع مشتری سے تعمیر وغیرہ اکھاڑنے کا مطالبہ کر سکتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ ایک آدمی نے اپنی زمین بچی
اور مشتری نے زمین میں تعمیر کر لی، درخت اور کھیتی بھی لگا دی، اس کے بعد ایک آدمی نے شفعہ کا
دعویٰ کر دیا تو اب مشتری کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ شفیع اس سے تعمیر اور کھیتی وغیرہ کے اکھاڑنے
کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں؟ مستفتی: مدثر فاروق

﴿جواب﴾ شفیع کو اس سودا کا اگر علم تھا اس کے باوجود دعویٰ کرنے میں اس نے تاخیر کی تو
اس کا حق شفعہ باطل ہو گیا، اب حج اگرچہ اس کے حق میں فیصلہ کر دے شریعت کی رو سے اس کا
کوئی حق نہیں بنتا، البتہ شفیع کو بعد میں اگر سودا کا علم ہوا ہے اور حج نے بھی اس کے حق میں فیصلہ
دے دیا ہے تو ایسی صورت میں وہ مشتری سے مطالبہ کر سکتا ہے کہ تعمیر اور درخت وغیرہ اکھاڑ لو اور
زمین میرے حوالے کرو البتہ تعمیر اور درخت اکھاڑنے سے زمین کو اگر نقصان پہنچتا ہو تو شفیع کو اختیار
رہے چاہے تو زمین کو اس کی قیمت اور تعمیر و درخت کو اکھڑے ہوئے ہونے کی حالت میں جو ان کی
قیمت بنتی ہے اس کے حساب سے لے لے اور چاہے تو مشتری کو تعمیر و درخت اکھاڑنے پر مجبور کر
دے، اور زمین کا نقصان قبول کر لے، البتہ اگر مشتری نے زمین میں کھیتی لگا دی ہے تو اس صورت
میں کھیتی تیار ہونے تک شفیع کو انتظار کرنا پڑیگا، مشتری کو کھیتی اکھاڑنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا، اور فصل
تیار ہونے تک جو اضافی مدت درکار ہوگی، مشتری سے اس کا کوئی تاوان یا اجرت نہیں لی جائیگی۔

لما فی التنبیہ والدرد: (۲۲۲/۶، طبع: سعید)

(وطلبها الشفیع فی مجلس علمه) من مشتر او رسولہ او عدل او عدد (بالبيع) وان
امتد المجلس كالمغيرة هو الاصح..... (وهذا) الطلب لا بد منه حتى لو تمكن ولو

بکتاب او رسول ولم يشهد بطلت شفعته (وان لم يتمكن) منه (لا تبطل

ولما في التنوير والدر: ۲۳۲/۶ طبع: سعيد)

(وکیما خذ الشلیع (بالثمن وقيمة البناء والغرس) مستحق القلع كما مر فی الغصب (لو
بنی المشتري او غرس او كلف الشلیع) (المشتري قلعها) الا اذا كان فی القلع نقصان
الارض فان الشلیع له ان ياخذها مع قيمة البناء والغرس مقلوعة غير ثابتة قهستاني
ولما فی الهدية: ۲۲۳/۵ طبع: قديمی كتب خانة)

ان بنی المشتري لو غرس او زرع ثم حضر الشلیع يتضى له بالشفعة ويجبر المشتري
على قلع البناء والغرس فی تسليم المساحة الى الشلیع الا اذا كان فی القلع نقصان
بالارض فللشلیع الخيار ان شاء اخذ الارض بالثمن والبناء والغرس بقيمته مقلوعاً
وان شاء اجبر المشتري على القلع وهذا جواب ظاهر الرواية واجمعوا ان المشتري لو
زرع فی الارض ثم حضر الشلیع انه لا يجبر المشتري على قلعه ولكن ينتظر ادراك
الزراع ثم يتضى له بالشفعة لياخذ الارض بجميع الثمن كذا فی البدائع، ثم اذا ترك
الارض فی يد المشتري يترك بغير اجر.

والله اعلم بالصواب: ضیاء الحق انکلی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۳۲۹۶

۲۷ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ

﴿دھوکہ دہی سے حق شفیعہ ساقط نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ ہمارے گھر کے متصل ایک گھر فروخت ہو رہا تھا، ہم اسکو لینا چاہتے تھے لیکن
بائع نے کسی اور کو فروخت کر دیا اور لینے والے نے یہ ظاہر کر دیا کہ میں اس میں مدرسہ بنانا چاہتا
ہوں اور اس نے ایک سال تک اس میں حفظ و ناظرہ کی کلاس بھی لگائی، ہم مدرسہ بنانے پر خوش
ہوئے اور اس وجہ سے شفیعہ نہیں کیا لیکن ایک سال بعد اس نے مدرسہ ختم کیا اور خود اس میں
رہائش اختیار کی، مدرسہ صرف دکھلانے کیلئے قائم کیا تھا کہ شفیعہ کرنے والوں کو مدرسہ پسند ہے،
اس وجہ سے شفیعہ نہیں کریں گے اور ہم نے اس وقت صرف اسی وجہ سے شفیعہ کیا بھی نہیں لیکن
مشتري نے دھوکہ دہی سے کام لیا تو کیا ہم کو اب حق شفیعہ حاصل ہے یا نہیں؟ مستقی رضوان اللہ

﴿جواب﴾ شریعت نے پڑوسی کو شفیعہ کا حق اس لئے دیا ہے تاکہ اسے اپنے پسند کے
مطابق پڑوسی ملے اور ایذا و رساں پڑوسی سے واسطہ نہ پڑے مذکورہ صورت میں خریدار نے شروع
میں یہ دکھایا کہ وہ خود رہائش پذیر نہیں ہوگا، مدرسہ قائم کرنا چاہتا ہے اور آپ نے اسی بنیاد پر شفیعہ
کا دعویٰ نہیں کیا کہ آپ کے پڑوس میں دینی ادارہ قائم ہوگا لیکن بعد میں وہ شخص خود آپ کا پڑوسی

بننے کی کوشش کرتا ہے، آپ اس کے پڑوسی ہونے پر راضی نہیں ہیں، اس لئے آپ کا حق شفعہ باقی ہے، آپ شفعہ کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

ولمافی البحر الرائق: (۱۴۴/۸، طبع سعید)

لو ان قبل له ان المشتري فلان فسلم ثم ظهر انه غيره فله الشفعة لالتقائات الناس في الاخلاق فممنهم من يرغب في معاشرته ومنهم من يجتنب مخالطة شره فالتسليم في حق البعض لا يكون في حق غيره۔۔۔ قال محمّد في الجامع الصغير ولو قال الشفيع سلمت الشفعة في هذه الدار ان كنت اشتريتها لتسك وقد اشتراها لغيره فبنا ليس بتسليم وذلك لان الشفيع علق التسليم بشرط وصح هذا التعليق۔

ولمافی بدائع الصنائع: (۲۰/۵، طبع سعید)

ولو اخبر ان المشتري زيد فسلم ثم تبين انه عمروفهو على شفعته لان التسليم للامن عن الضرر والامن عن ضرر زيد لا يندل على الامن عن ضرر عمروفه ولتقائات الناس في الجوار۔

ولمافی الھندیة: (۱۸۲/۵، طبع رشیدیہ)

واذا قبل له ان المشتري فلان فسلم ثم علم انه غيره فله الشفعة۔

ولمافی فقه الاسلامی وفتاویٰ: (۲۱۲/۱، طبع رشیدیہ)

لكن بشرط لستوط هذا الحق ان لا يكون هناك تلبس او خدعة للشفيع لامتاط الشفعة۔ من طريق المشتري، او التمس، او قدر المبيع فاذا اخبر ان المشتري فلان۔۔۔ فسلم الشفعة اى اعرض عنها ثم تبين الحقیقة والواقع، بقى حقه، وكان له الشفعة؛ لانه انما تركها لغرض بان خلا له ولم يتركه رغبة عنه۔

واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ وغفرہ اللہ

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۹۳۳

کیم جنوری الثانی ۱۳۲۸ھ

﴿وقف شدہ زمین پر شفعہ کا دعویٰ کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنی ایک زمین یہاں مقامی مدرسہ کے لئے وقف کر دی لیکن میرے ایک پڑوسی نے اس پر شفعہ کا دعویٰ کیا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ وقف شدہ زمین پر کسی کو شفعہ کا حق حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ حق شفعہ کے ثبوت کے لئے مالی معاوضہ کا ہونا بنیادی شرائط میں سے ہے اور وقف میں یہ حقیقت مفقود ہوتی ہے اس میں واقف کا اصل مقصد اللہ کی رضا مندی اور خوشنودی ہوتی ہے، لہذا مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف شدہ زمین میں کسی کو شفعہ کا حق حاصل نہیں۔

لما فی تنقیح الحامدۃ: (۱/۱۸۲ مطبع حقانیہ)

ولم یلتجئ بدلا شفعۃ فی الوقف ولا بجوارہ شرح المجمع لابن ملک من الشفعۃ ومثله فی المنقویہ
ولما فی تنقیر الابصار: (۱/۲۱۶ مطبع سعید)

(میں تمہیں حق شفعہ جبراً علی مشتری بمقام علیہ..... ولا شفعۃ فی الوقف ولا بجوارہ)
الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز عفی عنہ
ار جب المرجب ۱۴۲۸ھ
فتویٰ نمبر: ۱۰۶۱

﴿شفعہ کا حق غیر مسلم کو بھی حاصل ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے محلہ میں ایک شخص نے اپنا مکان فروخت کر دیا، اس کے پڑوس میں غیر مسلم عیسائی کا مکان ہے اس نے مکان پر شفعہ کا دعویٰ کر دیا، سوال یہ ہے کہ کیا غیر مسلم کو حق شفعہ حاصل ہے یا یہ صرف مسلمان پڑوسی کا حق ہے؟ مستفتی: جمیل احمد ﴿جواب﴾ حق شفعہ جس طرح ایک مسلمان پڑوسی کو حاصل ہے، اسی طرح غیر مسلم کو بھی قرب وجوار میں ہونے کی وجہ سے برابر یہ حق حاصل ہے۔ لہذا صورت مسئلہ میں اس عیسائی شخص کا شفعہ کا دعویٰ کرنا درست ہے۔

لما فی بدائع الصنائع: (۵/۱۶ مطبع سعید)

واما اسلام الشفیع فلیس بشرط لوجوب الشفعۃ فتجب لاهل الذمۃ فیما بینہم وللذمی علی المسلم لان هذا حق التملک علی مشتری بمنزلۃ الشراء منه والکافر والمسلم فی ذلک سواء لانه من الامور الدنیویۃ وروی عن شریح انه قضی بالشفعۃ لذمی علی مسلم فکتب الی سیدنا عمر فاچاره وكان ذلک بحضور الصعابۃ فیکون ذلک اجماعاً
ولما فی قاضیخان علی هامش الہندیۃ: (۳/۵۳۶ مطبع رشیدیہ)

والمسلم والکافر والصغیر والذکر والانثی فی الشفعۃ لہم وعلیہم سواء
الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق غفرلہ
۷ ار جب المرجب ۱۴۲۹ھ
فتویٰ نمبر: ۱۷۲۳

﴿زمین کے بدلے زمین خریدے تو شفعہ پر زمین کی قیمت لازم ہوگی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص زمین کے بدلے زمین خریدے اور کوئی اس پر شفعہ کرے تو شفعہ کے ذمہ زمین کی قیمت لازم ہوگی یا وہ بھی بدلے میں زمین دے گا؟

مستفتی: وقار احمد مردان

﴿جواب﴾ زمین چونکہ ذات القیم میں سے ہے لہذا صورت مسئلہ میں شفعہ کے ذمہ زمین

کی قیمت ادا کرنا لازم ہوگا۔

لما فی جوہرۃ النہر: (۲۶۲/۱)

قوله واذا باع عقاراً بعقار اخذ الشفیع کل واحد منهما بقیمة الآخر هذا اذا كان شفیعا لهما جمیعاً اما اذا كان شفیعا لواحد منهما اخذه بقیمة الآخر.

ولما فی القنور مع الدر: (۲۳۱/۱) مطبع سعید

وفی الشراء یثلی یاخذ بمثله ولی القهی بالقیمة فلی بیع عقار بعقار یاخذ الشفیع کلاً من العقارین بقیمة الآخر.

ولما فی الہدایة: (۴۴۰/۴) کتاب الشفعة

وان باع عقار بعقار اخذ الشفیع کل واحد منهما بقیمة الآخر لانه بدله وهو من ذوات القیم فیأخذه بقیمته.

واللہ اعلم بالصواب: محمد بن محمد بن عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۸۰۰

۳۰ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ

﴿ زمین کے بدلے زمین کی بیع میں بھی حق شفعہ ثابت ہوتا ہے ﴾

﴿ سوال ﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر زمین کا تبادلہ زمین کے ساتھ کیا جائے تو کیا اس صورت میں بھی شفعہ کو شفعہ کا حق حاصل ہوگا جس طرح فروخت کرنے میں حاصل ہوتا ہے یا کہ نہیں؟ برائے کرم وضاحت فرمائیں۔

﴿ جواب ﴾ زمین کے بدلے زمین لینا بھی بیع ہے۔ ایسے معاملہ میں ہر دونوں عوض شمن اور بیع قرار دیئے جاسکتے ہیں، سودا کی ایسی صورت اختیار کرنے سے شفعہ کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ البتہ تبادلہ میں جس زمین کی بات ہوئی ہے اسکی مارکیٹ میں جو بھی قیمت بنتی ہے اتنی رقم شفعہ کو ادا کرنا ہوگا۔

لما فی القنور مع الدر (۲۳۱/۱) مطبع سعید

(فلی بیع عقار بعقار یاخذ الشفیع (کلاً) من العقارین (بقیمة الآخر))

ولما فی الہدایة (۴۰۰/۴) مطبع رحمانیة

وان باع عقاراً بعقاراً اخذ الشفیع کل واحد منهما بقیمة الآخر لانه بدله وهو من ذوات القیم

فیأخذه بقیمته. وكذا فی الہدایة (۲۰/۱۴) مطبع حقانیة

واللہ اعلم بالصواب: دوست محمد روحانی

الجواب صحیح مفتی عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۴۱۳۰

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ

﴿حق شفعہ کے بدلے عوض لینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شفعہ کا حق دار مشتری سے شفعہ کا عوض لیکر دستبرداز ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔ مستقی: عالم زیب صاحب چارسدوی

﴿جواب﴾ شفعہ ایک مجرد حق ہے جس کو شریعت نے شفع کے دفع مغفرت کے لئے جائز قرار دیا ہے، اب اگر شفع اس حق شفعہ کے بدلے عوض لیکر نفع حاصل کرنا چاہے تو یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ رشوت ہے اور رشوت حرام ہے، کسی نے غلطی سے اگر عوض لیا ہو تو واپس کر دینا ضروری ہے اور شرعاً اس کا حق شفعہ بھی باقی نہ رہا۔

لما فی التنبیہ مع الدر: (۲۵۱/۱، طبع امدادیہ)

(و) یبطلها (صلحہ منها علی عوض) کی غیر المستلوع لمایاتی (وعلیه رد ما لانه رشود و فی الشامیہ: قلعه و یبطلها صلحہ منها علی عوض الخ) لانها لیست بحق مقرر فی المحل بل مجرد حق التسلک فلا یصح الاعتراض عنه، ولا یعلق.... ویصح الاستیفاء عداۃ.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمن چارسدوی

فتویٰ نمبر: ۱۳۳۵

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

﴿شفعہ سے بچنے کے لئے حیلہ کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے ایک مکان بیچا، جس کی اصل قیمت متعاقبین کے درمیان بارہ (1200000) لاکھ روپیہ طے ہوئی لیکن شفعہ سے بچنے کے لئے انھوں نے حیلہ یہ اختیار کیا کہ بائع نے مشتری سے اصل قیمت کے ساتھ موبائل بھی لیا اور اس موبائل کی قیمت تین (300000) لاکھ روپیہ مقرر ہوئی گویا کہ یہ ظاہر کیا کہ مکان پندرہ (1500000) لاکھ روپیہ میں فروخت ہوا ہے جبکہ یہ بات واضح ہے کہ موبائل کی قیمت تین (300000) لاکھ روپیہ نہیں ہو سکتی۔

اب شفعہ کے بعد شفع کے حق میں فیصلہ ہو جانے کی صورت میں کیا شفع کو پورے پندرہ لاکھ روپیہ ادا کرنے ہو گئے یا صرف اصل قیمت ادا کرے گا؟ بینوا تو جروا۔

﴿جواب﴾ شفعہ سے بچنے کیلئے حیلہ کرنا خفیہ کے نزدیک جائز تو ہے مگر دو شرائط کے ساتھ: (۱) پڑوسی کو بیع کی ضرورت نہ ہو۔ (۲) حیلہ ثبوت شفعہ سے پہلے کیا گیا ہو، ثبوت شفعہ کے

بعد جیلہ کرنا مکروہ ہے، چنانچہ صورت مسئلہ میں اگر پڑوسی کو مکان کی ضرورت نہیں ہے اور جیلہ بھی ثبوت شفعہ سے پہلے کیا گیا ہے تو شفعہ کے حق میں فیصلہ ہو جانے کی صورت میں شفعہ کو مکان کی طے شدہ قیمت ادا کرنا پڑے گی۔

لما فی المبسوط: (۱۴/۱۴۱، طبع دار المعرفۃ بیروت)

(وهذا نوع حيلة) لتقليل رغبة الشئ في الأخذ بسبب كثرة الثمن ومن ذلك ان يشتري الدار بالدين ثم يعطيه بها خمسين ديناراً ويعطيه الف درهم وثوباً لا يساوي ألف فلا يمكن الشئ من أخذها إلا بالدين وقل ما يرغب في ذلك اذا كان ثمنها ألف درهم والاشتغال بهذه الحيلة لا يبطال حق الشئ لأبأس به. اما قبل وجوب الشفعة فلا إشكال فيه وكذلك بعد الوجوب اذا لم يكن قصد المشتري الأجزاء به. وانما كان قصده الدفع عن ملك نفسه وقيل هذا قول أبي يوسف فاما عند محمد فكره ذلك.

ولما في التنوير مع الدر: (۲۴۶/۶، طبع سعيد)

(تكره الحيلة لاسقاط الشفعة بعد ثبوتها وفاقاً).... واما الحيلة لدفع ثبوتها ابتداءً، فعند أبي يوسف لا تكره، وعند محمد تكره، يرفقني بقول أبي يوسف في الشفعة قبله في السراجية بما اذا كان الجار غير محتاج اليه، واستحسنه محشي الاشباه.

الجواب صحیح: عبدالرحمن مغل اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد کاشف عزیز

فتویٰ نمبر: ۲۲۸۴

۱۱ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

﴿شفعہ میں شفعہ پر وہی قیمت لازم ہوتی ہے جس پر پہلے سودا ہو چکا ہو﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کہ بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں ایک

کنال زمین کی قیمت عام طور پر ایک لاکھ روپے ہے، ہمارے گاؤں والے علاقہ غیر سے آنے

والوں کو زمین نہیں بیچتے جس کی وجہ سے وہ لوگ مجبوراً زیادہ قیمت پر خرید لیتے ہیں، اب حال ہی

میں میری زمین کے بالکل متصل زمین علاقہ غیر والے کو بیچی جا رہی تھی کہ میں نے ان پر شفعہ کیا۔

اب معلوم یہ کرنا ہے کہ میں اس زمین کو اسی قیمت سے خریدوں جو مشتری اور بائع نے باہمی

رضامندی سے مقرر کی تھی یا جو عام قیمت ہے وہ ادا کروں (نوٹ) گاؤں والوں کے درمیان

کوئی ایسا معاہدہ بھی نہیں ہوا ہے کہ ہم زمینیں علاقہ غیر والوں کو نہیں بیچے گے۔ مستحق شاہ فیصل

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ شریعت نے بائع اور مشتری کو باہمی رضامندی سے قیمت طے

کرنے کا اختیار دیا ہے، سودا ہونے کے بعد خریدار اسی قیمت کا پابند ہے اور زمین کے سودا میں

شریعت میں اصل مشتری کے بجائے شفیع کو زمین وصول کرنے میں زیادہ حقدار قرار دیا ہے لیکن شفیع وہی قیمت ادا کرنے کا پابند ہوگا جو بائع اور مشتری میں طے پائی تھی۔

لسالی القنوبر مع الدر: (۱/۳۱۶، طبع امدادیہ)
و شرعاً: (تملیک البقعة جبراً علی المشتري بما قام عليه) بمثله لو مثلباً، و الا لبتیته.
و لسانی البحر الرائق: (۸/۱۲۵، طبع سعید)
(می تملک البقعة جبراً علی المشتري بما قام عليه) عذافی الشرع.
و لسانی فقه الحنفی: (۲/۴۴، طبع دار الکلم الطیب بیروت)
و الشفعة واجبة فی العقار اذا ملک بعرض هو مال، لأنها تملک بمثل ما تملک به المشتري.

والله اعلم بالصواب: سلمان احمد

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۱۸۹۱

۱۲ صفر الحرام ۱۴۳۳ھ

﴿شفعہ کرنے والے کئی ہوں تو ہر ایک مستحق ہوگا﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! میری زمین کے ساتھ میرے چچا زاد بھائی عبدالرحمن اور اسکی بہن کی زمین ملی ہوئی ہے، میں اپنی زمین عبدالرحمن کی بہن کو بیچنا چاہتا ہوں لیکن عبدالرحمن کا کہنا ہے کہ اگر تم نے اپنی زمین میری بہن کو فروخت کی تو میں جرگہ میں شفیعہ کا دعویٰ دائر کروں گا جبکہ اس کی بہن کا بھی یہی کہنا ہے، اب وہ زمین میں نے عبدالرحمن کی بہن کو بیچ دی ہے اور اس نے شفیعہ بھی دائر کر دیا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس کا شفیعہ کا دعویٰ دائر کرنا درست ہے؟

﴿جواب﴾ عبدالرحمن اور اسکی بہن دونوں آپکی زمین میں شرعاً اگر شفیعہ کے حقدار ہیں اور اب آپ کے بیچنے کے بعد دونوں نے شفیعہ کا مطالبہ بھی کر لیا ہے تو یہ زمین عبدالرحمن اور اسکی بہن کے درمیان برابر تقسیم ہوگی اور ہر ایک کے ذمہ زمین کی آدمی قیمت ادا کرنا لازم ہوگی۔

لسالی الفقه الاسلامی: (۱/۳۱۰، طبع رشیدیہ)

وان كان الشفعة من مرتبة واحدة كالشركة في المبيع، قسم العقار المشروع فيه بين الطالبين جميعاً بالتساوي بحسب عدد الروس لا بقدر الملك أو السهام عند الحنفية، لا استواء هم في سبب استحقاق الشفعة وهو الاتصال بالشركة أو الجور فأى لأنهم متساوون في أصل الملك.

و لسانی الشامی: (۱/۳۲۰، طبع امدادیہ)

(قوله بقدر رؤس الشفعة) لا استواء هم في استحقاق الكل لوجود علته فيجب الاستواء في الحكم بوشمل مالو كان المشتري أحدهم وطلب معهم فيحسب واحدا منهم وبقسم

المبیع بینہم کمالی الوہانیت و شروہا.
ولمافی الہندیۃ: (۱۴۸/۵، طبع رشیدیہ)

(الباب السادس فی الدار اذا بیعت ولہا شعفاء) ولوان رجلا اشتری دارا و هو شلیعہا لم
جاء شلیع مٹلہ، قضی القاضی بنصلہا.

واللہ اعلم بالصواب: منزل شاہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۲۳۸

۱۸ جمادی الاول ۱۴۳۰ھ

﴿باب احياء الموات﴾

﴿غیر آباد زمین کو آباد کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ہمارے علاقے میں بعض لوگوں کی ذاتی زمین کے ساتھ ملی ہوئی، ایک زمین غیر آباد ہوتی ہے جس میں لوگ پودے وغیرہ لگا کر تصرف کرتے ہیں اور یہ عرصہ دراز سے رواج ہے، یہ غیر آباد زمین عوام کی سمجھی جاتی ہے اور حکومت پاکستان کی باضابطہ قانونی تحویل میں بھی نہیں ہے اگرچہ یہ زمین عوام کی سمجھی جاتی ہے لیکن اس سے عوام کو خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا لہذا یہ کہ کوئی اس کو آباد کرے، اس کو آباد کرنے سے عوام کو کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا، اس لئے آج تک کسی جرگہ نے اس کام کے خلاف فیصلہ نہیں کیا ہے۔ براہ کرم بتادیا جائے کہ کیا ایسی صورت میں مذکورہ زمین میں تصرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ غیر آباد زمین میں اگر کوئی تصرف کرے حکومت وقت کی اجازت سے تو جائز ہے مثلاً پودا وغیرہ کسی نے لگایا یا اور کسی طرح سے اُس کو آباد کیا تو حکومت کی اجازت سے ایسا کرنا جائز ہوگا، حکومت منع کرے تو جائز نہ ہوگا۔

لمافی تہذیر الابصار: (۳/۱۰، طبع امدادیہ)

(اذا احیا مسلم ارضی ارضا غیر منتقع بہا ولیست بمسلوكة لمسلم ولا ذمی لا یسع بہا
صوتہ ملکھا عندابی یوسف ان اذن لہ الامام فی ذلک)

ولمافی بدائع الصنائع: (۱۹۴/۶، طبع سعید)

فالارض السموات می ارض خارج البلد لم تکن ملکا لاحد ولا حقالة خاصا فلا یكون
داخل البلد مواتا اصلا وبعد اسطر قال وهل یشرط ان یكون بعدا من العمران شرطه
الطحاوی انه قال وما قرب من العمر فلیس بموات وكذا روی عن ابی یوسف ان ارض
السموات بقعة لم یوقف علی ادناھا من العمر رجل، فنادی باعلی صوتہ لم یسعه من
العمر و فی ظاہر الروایة لان السموات اسم لحد لا ینتفع بہ فاذا لم یکن ملکا لاحد

ولا حقا خاصا لم يكن منتقاه به كان بعيدا عن البلدة او قريبا منها.

واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۹۳

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿لا يجوز احياء ارض فيها حاجة المسلمين﴾

﴿سوال﴾ کان مرعانا لاناخذہ رجل باعطاء الرشوة للرؤساء وقد ضاق علينا

الامر فهل يجوز لنا ان نرعى فيها دوابنا بدون اذلهم او جبرا وفيها ذرعهم ؟

﴿جواب﴾ الاحياء المايكون في الاراضى التى لا ينتفع بهالدا لايجوز احياء

ارض فيها حاجة المسلمين ولا يملكها بهذه الطريقة فيجوز لكم الانشاع بهذه المرعى وماذرعوا فيها حقهم فان رضوا باخذ ما انفقوا في الذرع فاللرع لكم والا فلكم قلع ذرعهم والمقلوع لهم.

لما في الهداية: (۲/۲۸۶ طبع رحمانيه)

ولايجوز احياء ما قرب من العامر ويترك مرعى لاهل القرية ومطرها المعصانهم.

ولما في شرح المجلة: (۱/۳۶-۳۷ طبع ماجديه)

في المادة ۱۹: لا ضرر ولا ضرار..... وكذا في المادة ۲۰: الضرر يزال.

واللہ اعلم بالصواب: محمد غفرلہ ولوالديه

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۳۱۷

۱۶ جمادی الاول ۱۴۳۰ھ

﴿غير آباد زمین کے ارد گرد پتھر رکھنے سے ملکیت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے علاقہ میں لوگ

غیر آباد زمین کو اپنی ملکیت میں لانے کے لئے اسکے ارد گرد پتھر رکھ دیتے ہیں اور پھر کئی سالوں تک وہ جگہ ویسی ہی رہتی ہے نہ خود تعمیر کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو اجازت دیتے ہیں، کیا صرف پتھر وغیرہ رکھنے سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ غیر آباد زمین کو آباد کرنے کے لئے حکومت کی اجازت ضروری ہے یا حکومت کی اجازت کے بغیر بھی ملکیت ثابت ہوگی؟

﴿جواب﴾ غیر آباد زمین کو آباد کرنے کے لئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حکومت کی

اجازت ضروری ہے لیکن صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک حکومت کی اجازت شرط نہیں اگرچہ اس

میں رائے قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے تاہم جہاں امام نہ ہو اور غریب کے لئے اہا حق و وصول کرے مشکل ہو تو وہاں صاحبین کے مذہب پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور ظاہر حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے لیکن صرف بطور غلامت پتھر وغیرہ رکھنے سے ملکیت ثابت نہ ہوگی۔

ملکیت میں لانے کے لئے ضروری ہے کہ اس زمین کو قے بل کاشت بنائے یا پھر اس پر کوئی تعمیر وغیرہ کر دے اور قبضہ کی حیثیت تین سال تک رہتی ہے یعنی تین سال کے گزرنے کے باوجود وہ آباد نہ کرے تو حکومت والے یہ زمین کسی دوسرے کو بھی دے سکتے ہیں۔

لما فی جامع شرمذی: (۱/۱۹۶-۱۹۷) طبع فاروقی ملتان

قال انشئ منی ثلث عتبه وسم من احب ارضا میتہ فبی لہ

ولما فی شتر المختار: (۲۳/۱) طبع سعید

وقول الامام مولانا رشتہ فی المختار شتر کذا تنبہا وہ یختلط عاری وعلیہ قسرت

ولما فی تنبہ الحقائق: (۴/۷) طبع سعید

قال رحمه الله لو من احب باذن الامام ملكه لم يفسد عتبه ابي حنيفة رحمه الله

وقد لا يملك من احب ولا يشترط فيه اذن الامام لقوله عليه السلام من عمر ارضا

ليست لاحد فبغير اذن جابر احدث والبخاري وقال عليه السلام من احب ارضا مية

فبي له رواء احدث وشرمذی وصححه ولأنه مباح سبقت بذه الله فكان الحق به الخ

ولما فی التہتية: (۵/۳۸۰) طبع رشیدیہ

وانسلک فی السموات یثبت بالاحیاء باذن الامام عتہ ابي حنيفة رحمه الله وعتہ ابي

یوسف ومحمد رحمہم للہ یثبت بقتل الاحیاء— ومن احب ارضا مية بغير اذن

الامام لا یسلکها عتہ ابي حنيفة وقال صاحبہا یسلکها.

ولما فی التتویر مع الدر: (۱/۲۲۲) طبع سعید

لو من احب ارضا— ومن حبر ارضا ای منع غیرہ منها (بوضع علامۃ من حبر او غیرہ

ثم اصلها ثلاث سنين دفعت الی غیرہ وقبلها هو الحق بها وان لم یسلکها) لانه انما

یسلکها بالاحیاء والتعمیر لا بمجرد التعمیر.

ولما فی الہندیة: (۲/۳۸۱) طبع رشیدیہ

ومن حبر ارضا لا یسلکها لانه ليس باحياء في الصحيح لان الاحياء جعلها ماله للزراعة

والتعمير ووضع علامۃ من حبر لو بمصايد ما فيها من الحبش والشوك وتلقية عشبها وجمله

حولها او باحراق ما فيها من الشوك وكل ذلك لا يثبت الملك لكنه هو لولي بها فلا تؤخذ في

ثلاث سنين وهذا من طريق النباهة ولما فی الحكم فانما لحياءا غيره قبل مضيا ملكها.

الجواب مح: عبد الرحمن عفا الله عنه

والله اعلم: عبد الوهاب الغمالي عفا الله عنه

تقریر نمبر: ۲۶۳۱

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

﴿ کتاب الصيد والذبائح والاضحية والعقيقة ﴾

﴿ کیا عید کے دنوں میں شکار کرنا جائز نہیں ہے؟ ﴾

﴿ سوال ﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام درجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ عید کے دنوں میں ہماری چھٹیاں ہوتی ہیں۔ ان دنوں میں ہم پرندوں اور مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں۔ ہمارے علاقے کے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ عید کے دنوں میں شکار کرنا جائز نہیں، اسلئے کہ ان کی بھی عید ہوتی ہے۔ آپ حضرات شریعت کی رو سے جواب دیکر ممنون فرمائیں کہ ان لوگوں کا کہنا کہاں تک درست ہے؟ مستفتی: شریف اللہ خان سواتی

﴿ جواب ﴾ شکار کرنا ضرورت کی غرض سے ہر وقت جائز ہے۔ ہاں حالت احرام میں اسی طرح حرم میں شکار کی ممانعت ہے۔ لیکن مچھلی کا شکار حالت احرام میں بھی جائز ہے۔ لہذا یہ غلط سوچ ہے کہ عید کے دنوں میں شکار منع ہے۔

لما فی تفسیر المظہری (۴/۵۵۵ طبع رشیدیہ)

تحت قوله غير محلي الصيد، يحتمل المصدر والمنعول (وبعد اسطر) ويرد عليه ان حل الانعام غير متبذ بحالة الاحرام، بحالة الامتناع عن الصيد بل حل في جميع الاحوال، وكذا في تفسیر روح المعاني مع تغيير يسير، على صلیح (۲۰۱) ولقوله تعالى واذا حللتم فاصطادوا،

ولما فی المحيط (۸/۲۲۲، طبع ادارة القرآن)

وهذا الفصل لبيان الشرائط في الصائد، فيقول: ينبغي أن يكون للصائد من اهل الذكاة (وبعد اسطر) ويشترط مع ذلك ان لا يكون محرما وان لا يكون في الحرم. ولما فی التلويح مع الدر (۱/۲۱۱، ۲۱۲ طبع سعید)

(هو مباح) بخمسة عشر شرطا مبسوطة في العناية وسنقره في اثناء المسائل (الا) لمعرم في غير الحرم (قوله في غير الحرم، الاولى ان يقول او في الحرم ليشمل الصور الثلاث وهي ضد المعرم في الحل أو الحرم أو الحلال في الحرم. أيضا وحيث كان الاصطبا د نوعا منها دل على اباحة اتخاذه حرفة ولا سيما مع اطلاق الأدلة. ولما فی تفسیر المظہری (۳/۱۸۵ طبع رشیدیہ)

أحل لكم صيد البحر أي الاصطبا د من البحر وأيضاً على صلیح (۱۸۶) وحرم عليكم صيد البر ما دمنتم حرماً قبل معنى الآية حرم صيد البر مطلقاً على الحرم وان اصطاده حلال من غير امر المعرم

ولما فی الدر: (۳/۱) طبع سعید کتاب الحظر

والسباح ما أجزى للمكلفين فعله وتركه بلا استحقاق ثواب وعقاب.

ولما فی النسانی: (۲۰۰) طبع قندیسی

عن عبد اللہ بن عمرو أن رسول اللہ ﷺ قال ما من انسان قتل عصفورا لما فرقتها
بغير حقها الا ساله الله عزوجل عنها، قبل يارسول الله وماحقها قال يذبحها فياكلها
ولا يقطع راسها يرمى بها،

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن صاحب عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق سواتی

فتویٰ نمبر: ۳۸۷۷

۸ صفر ۱۴۳۵ھ

﴿سداھائے ہوئے کتے کے شکار کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں ”امام فخر الدین رازی“
لکھتے ہیں فقہ مالکی کے سوا دیگر تینوں فقہی مذاہب کی رو سے کتا نجس ہے۔ لیکن کتا معلم ہو، یعنی
اسے شکار کرنے اور بکریوں کی رکھوالی کرنے کی تعلیم و تربیت دی گئی ہو تو اس کے احکام بدل
جائیں گے؟ کیا علم حاصل کرنے کے بعد کتے کی ہیئت تبدیل ہو جاتی ہے۔ برائے کرم تفصیل
سے بتائیں کہ اگر یہ ٹھیک ہے تو کیا اس کتے کے منہ میں پکڑے شکار کو کھانا حلال ہوگا؟ کیا یہ معلم
کتا نجاست سے نجات حاصل کر لیتا ہے مزید یہ کہ کیا معلم کتا برتن یا پانی میں منہ ڈال دے تو اس
کے لعاب کی وجہ سے برتن یا پانی ناپاک ہو جائیگا؟
مستفتی: نصیر احمد برخوداریہ

﴿جواب﴾ کتا تربیت یافتہ ہو یا غیر تربیت یافتہ اس کا لعاب بلاشبہ نجس ہے۔ تربیت
و تعلیم کی وجہ سے لعاب کی نجاست کا حکم نہیں بدلتا تعلیم و تربیت کی وجہ سے کتے کے حکم میں صرف
اتما فرق ہو جاتا ہے کہ وہ اگر شکار پر بسم اللہ کے ساتھ چھوڑا جائے پھر وہ شکار کو زخمی کر کے مالک
تک پہنچا دے اور مالک کو ذبح کرنے کا موقع ملنے سے پہلے وہ شکار مر جائے تو مردار نہیں ہو
گا۔ تربیت یافتہ کتے کا زخمی کرنا ذبح اضطراری کے حکم میں ہے، اور غیر تربیت یافتہ کتا اگر پکڑ لے
اور شکار مر جائے تو مردار ہوگا اس کا کھانا جائز نہیں ہوگا۔ اس کا پکڑنا، زخمی کرنا ذبح اضطراری کے
حکم میں نہیں ہے۔ باقی شکار کے گوشت کو کتے کے لعاب سے پاک کرنا، دھونا اور اس کی آلائش کو
دور کرنا اپنی جگہ ضروری ہے اسی طرح کسی برتن میں منہ ڈال دے کتا معلم ہو یا غیر معلم تو اس کا
دھونا بہر حال ضروری ہے۔

لما فی المشکوۃ (ص ۳۸۵) طبع۔ قدیمی

عن ابی طلحة رضی اللہ عنہ قال لما قال النبی ﷺ لا تغفل الملائکۃ بہتالیہ کلب ولا تصاور
لما فی البخاری (۳۳۸/۲) طبع سعید

عن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ قال سألت رسول اللہ ﷺ قلت انا قوم نصید بہذہ
الکلاب فقال اذا ارسلت کلابک الملعۃ و ذکرک اسم اللہ فکل مما امسک علیک
وان قتلن الا ان یاکل الکلب فانی لخاف ان یكون انما امسک علی نفسه وان خالطها
کلاب من غیرہا فلا تأکل۔

لما فی فتح القدیر (۱۱۲/۱) طبع رشیدیہ

(سور الکلب نجم) و یغسل الاناء من ولوغہ ثلاثا لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام " یغسل
الاناء من ولوغ الکلب ثلاثا "

ولما فی فتح القدیر (۱۳۵/۱۰) طبع۔ رشیدیہ۔

ولو ترکہ ناسیا حل ایضا علی ما بینہا بوجہ متروک التمسبۃ عامدا فی الذبائح ولا بد
من الجرح فی ظاہر الروایۃ لیتحقق الزکاء الا اضطراری وهو الجرح لی ای موضع کان
من البدن بانتساب ما وجد من الآلۃ الیہ بالاستعمال (فناظر الروایۃ) یرید روایۃ
الزیادات فان قال یلو قتل الکلب او البازی الصيد من غیر جرح لا یحل یو اشار فی
الاصل الی انہ یحل یو القوی علی ظاہر الروایۃ۔

ولما فی حللی الکبیر (ص ۱۹۲) سہیل اکیلمی

(الکلب اذا اکل بعض عقود المعنب یغسل ما اصاب فہ ثلاثا) لتجنسہ بلعابہ کما
یغسل الاناء من ولوغہ ثلاثا۔

ولما فی بحر الرائق (۱۰۳/۱۲) طبع سعید (و اما اذا اکل (الکلب) من شلی یغسل ثلاثا و یوکل

الجواب صحیح: عبد الرحمن مفاہدہ واللہ اعلم بالصواب: محمد حامد یاسین، بحکر

فتویٰ نمبر: ۳۶۹۳

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

﴿کتاب﴾ کسی بکری پر حملہ کر کے اس کا گوشت کھائے تو اس بکری کے گوشت کا حکم ﴿

سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کتابسی بکری پر حملہ

کر کے اس کو زخمی کر دے اور اس کا گوشت بھی کھالے لیکن بکری زندہ ہو اور بکری کا مالک اس
کو ذبح کر لے تو کیا اس کا گوشت کھانا جائز ہوگا؟ بینا تو جروا۔ مستفتی: مصور رشید کرک

﴿مواہب﴾ صورت مسئلہ میں اگر بکری زندہ پائی گئی اور اس کو شرعی طریقے سے ذبح

کیا گیا تو بکری کا گوشت کھانا جائز ہوگا، لیکن جس حصہ پر کتے نے کانا ہوا یا زخمی کیا ہو اس جگہ

کوکاٹ کر پھینک دیا جائے گا اس لئے کہ کتے کا لعاب نجس بلکہ خطرناک زہر ہے۔

لما فی التنویر مع الدر: (۲۰۸/۶، طبع: سعید)

” (ذبح) مریضۃ (مقترکت اوخرج الدم حلت والا لان لم تدر حیاته) عند الذبح وان علم حیاته (حلت مطلقا) وان لم تتحرك ولم يخرج الدم وهذا تاتی فی منخقة ومرتدة ونطیعة والتي لقر الذنب بطنها فذکاء هذه الاشياء تحلل وان كانت حیاتها خفیة وعلیه الفتوی لقوله تعالیٰ — الا ما ذکبتم — من غیر فصل —“

ولما فی العالمگیریہ: (۲۹۱/۵، طبع: رشیدیہ)

”ولو انتزع الذنب راس الشاة وهی حية تحل بالذبح بین اللبۃ واللحیین قطع الذنب من الیۃ الشاة قطعة لا یزک من المبان“

ولما فی التنویر مع الدر: (۲۲۲/۱، طبع: سعید)

” (لو یعتبر سؤر بمسنر) اسم فاعل من اسار: ای ابقی لا اختلاطه بلعابه — (و) سؤر (خنزیر وکلب وسماع بہائم وشارب خمر فور شربہا وهرۃ فور اکل قارۃ نجس) مغلظ —“

واللہ اعلم بالصواب: محمد شعیب پشوری

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۹۶۱

۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿بارود کے ذریعہ شکار کردہ مچھلیاں حلال ہیں﴾

﴿سوال﴾ ہمارے علاقے میں عموماً لوگ مچھلیوں کے شکار کے لئے دریا میں بارود استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے کافی ساری مچھلیاں دھماکے کے سبب بے ہوش ہو کر دریا کے اوپر آجاتی ہیں جو کہ لٹی ہوئی ہوتی ہیں پھر ایک شکاری کتا ان کو پکڑ کر نکالتا ہے یا آدمی خود جا کر نکالتا ہے، کیا شکار کا یہ طریقہ شرعاً درست ہے؟ واضح رہے کہ دھماکے سے مچھلیاں چند لمحوں کے لئے بے ہوش ہوتی ہیں، نیز بارود کے قریب مچھلیاں مر بھی جاتی ہیں۔

﴿جواب﴾ مذکورہ طریقے سے شکار کی ہوئی مچھلیاں حلال ہیں کیونکہ ایک آفت کے سبب ان کی موت واقع ہوئی ہے۔

لما فی التنویر مع الدر: (۲۲۲/۱-۲۲۵، طبع: امدادیہ)

(ولا یحمل) حیوان مانی الا السمک (الذی مات بافتق ولو مقلد فی ماء نجس ولو طافیہ مجروحۃ، وہبانیۃ) غیر الطافی (علی وجه الماء الذی مات حلف انہ وهو ما بطنہ من فوق، فلو ظهرہ من فوق فلیس بطاف فلو کل کما ہو کل ما فی بطن الطافی یوم مات بحر الماء او برده ویربطہ فیہ او القاء شیء فموتہ بالۃ وہبانیۃ۔

وفى الشامية: (وامات بحر الماء او برده) وهو قول عامة المشايخ وهو اظهر وارفق.
تجنيس وبه يلتقى شره لالية عن منية الملقى.

ولما فى الهندية: (۵/ ۵۱۳، مطبع قديمى)

وامات من حرارة الماء او برودته او كدورته لفيه روايتان روى عن ابى حنيفة وابى يوسف رحمهما الله تعالى لا يوكل لان المسك لا يموت بسبب برودة الماء وحرارته غالباً فبكون ميتاً بغير آفة ظاهر اذ لا يعمل كالطافى وروى عن محمد رحمه الله تعالى يوكل لانه مات بافة لانه قد يموت بسبب برودة الماء وكدورته فبمحال بالموت عليه وهذا رفق بالناس، كذا فى محيط المرخسى وعليه الفتوى، كذا فى جواهر الاخلاطى.

والله اعلم بالصواب: محمد عزيز جرائى

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

فتوى نمبر:

۱۴۲۷ھ

﴿بوجہ مجبوری بائیں ہاتھ سے ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بچپن سے میرا بایاں ہاتھ زیادہ چلا ہے جس کی وجہ سے دائیں ہاتھ سے صحیح کام نہیں کر سکتا بلکہ خراب ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے، جانور کو ذبح کرنا ہو تو بھی بائیں ہاتھ سے ذبح کرتا ہوں، پوچھنا یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں بائیں ہاتھ سے ذبح کرنا ممنوع تو نہیں؟
مستفی: عزت خان جتنی پشاور

﴿جواب﴾ دائیں اور بائیں ہاتھ کی پہچان کرنا اور ہر ایک ہاتھ کے لائق کاموں کی عادت ڈالنا بچوں کی تربیت کا حصہ ہے جو کہ والدین کی ذمہ داری ہے، والدین نے اگر غفلت کی ہے اور موقع پر تربیت نہیں کی ہے تو اب آپ عاقل بالغ ہیں، لہذا خود اسکی عادت ڈالنے کی کوشش کرتے رہیں امید ہے دائیں ہاتھ میں بھی تیزی آ جائیگی، البتہ ذبح چونکہ نازک کام ہے اور ابھی تک آپ نے دائیں ہاتھ چلانے کی عادت نہیں بنائی تو بائیں ہاتھ سے ذبح کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

لما فى صحيح البخارى: (۱/ ۱۱، مطبع قديمى)

حدثنا سليمان بن حرب قال حدثنا شعبة عن الاشعث بن سليم عن ابيه عن مسروق عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت كان النبی ﷺ يحب التيمم ما استطاع فى شانه كله فى طهوره وترجله وتنعله.

وفى حاشيته: على ما استطاع (أى) ما استطاع ما امكن وصول له وبذل التيمم واما بمعنى مادام وبه احتراز عما لا يستطيع فيه التيمم..... الخ.

ولمافی فتح القدیر (۵۰۶/۱) مطبع رشیدیہ

لقوله عليه السلام ان الله تعالى كتب الاحسان على كل شئ فاذا قتلتم فاحسنوا
القتل واذا ذبحتم فاحسنوا الذبحة وليحد احدكم شفرته وليرح ذبيحته.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد شا کر اللہ

۱۹ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

فتویٰ نمبر: ۱۷۳۳

﴿بے ہوشی کی حالت میں ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت حلال ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی جانور سر پر چوٹ

لگ جانے کی وجہ سے یا کسی دوائی وغیرہ کی وجہ سے بے ہوش ہو جائے اور اسی بے ہوشی کی حالت
میں اسے ذبح کر دیا جائے تو کیا ایسے جانور کا گوشت کھانا جائز ہوگا؟ مستفتی: مظفر زمان

﴿جواب﴾ بے ہوشی کی حالت میں حرکت اور چستی اگرچہ نہیں ہوتی لیکن حیات باقی ہوتی

ہے اور ذبح کے وقت حیات خواہ تھوڑی سی ہی کیوں نہ ہو اگر باقی ہو تو حلال ہے اور اس کا گوشت
کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ولمافی البحر: (۸/۷۳) مطبع سعید

ان علم حیاته حل وان لم تتحرك ولم يخرج الدم یعنی اذا علم حیاته لثاء وقت الذبح
حلت بالذکاة تتحرك ولا يخرج منها دم او لا کذالی المحيط.

ولمافی التنبیہ مع الدر: (۱/۲۲۷) مطبع امدادیہ

(ذبح شاة) مریضۃ (لم تتحرك) او خرج الدم حلت والا لان لم تدر حیاته (اعتدل ذبح وان علم
حیاته (حلت) مطلقا) وان لم تتحرك ولم يخرج الدم (و هذا یقتل فی منخبت مترددة
ونظیة) والی فقر الذنب بطنها فذکاة هذه الاشياء تحلل وان كانت حیاتها خفیة و علیہ الفتوی.

ولمافی البدائع: (۵/۵۰) مطبع سعید

قیام اصل الحیاء فی المستامن وقت الذبح قلت او کثرت لی قول ابی حنیفة و عند ابی
ہریرة و محمد لا یکتفی بقیام اصل الحیاء بل معتبر حیاء مقدرة كالشاءة الریضة
والوقیضة والنظیة و جرحه السبع اذا لم یبق فیها الا حیاء قليلة عرف ذلک بالصباح او
بتحریر الذنب او طرف العین لو تنفس..... فاذا ذبحها و فیها قليل حیاء علی الوجه
الذی ذکرنا توکل عند ابی حنیفة.

واللہ اعلم بالصواب: الفقیر احمد کلثی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۹۶۹

۲۶/۲/۱۴۳۰ھ

﴿کسی شکار کا سر ہاتھ میں پکڑ کر تن سے جدا کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں چھوٹے بچے شکار کرتے ہیں اور ذبح اس طریقے سے کرتے ہیں کہ پرندے وغیرہ کا سر ایک ہاتھ میں اور دھڑ دوسرے ہاتھ میں پکڑ کر سر کو کھینچ کر جدا کر دیتے ہیں جس سے خون بھی نکل جاتا ہے، کیا اس طرح ذبح کرنا صحیح ہے کیونکہ چھوٹے بچوں کے ساتھ بڑے بھی اس شکار کو کھاتے ہیں۔

﴿جواب﴾ زندہ شکار ہاتھ میں آنے کے بعد ذبح کرنا ضروری ہے، ہاتھ سے سر کھینچ کر جدا کرنا کوئی ذبح نہیں ہے، اس طرح کرنے سے شکار مردار ہو جاتا ہے جس کا کھانا حرام ہے۔ اور ظلم کا گناہ الگ ہے۔

لما فی الہندیہ: (۵/۵۰۵، طبع رشیدیہ)

یمنعی ان یكون الصیاد من اهل الذکاء وذلک بان یقتل الذبح والتسیة حتی لا یزکک صید الصبی والمجنون اذ کان لا یعقلان الذبح والتسیة.

ولما فی التتویر مع الدر: (۶/۲۶۸، طبع سعید)

(لو اذأدرک) السرسل او الرامی (الصیدحیا) بعبادۃ فوق مافی المذبح (ذکاء) وجوباً (وشرط لعلہ بالرمی التسیة)

ولما فی التتویر مع الدر: (۶/۲۶۵-۲۶۶، طبع سعید)

(و) حل الذبح (بکمل ما أفری الأوداج) أراد بالاولاد ج کل الاربعة تغلیباً الواسع الدم ای أسالہ (ولو) بنار او (بلیطة) ای قشر قصب (او مروء) می حجر ابیض کالسکین یذبح بها (الاسناد) ظہر اقامین ولو کان منزوعین حل (عندنا) مع الکراهة (لما فیہ من الضرر بالعبوان کذبہ بشرط کليلة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: فتاویٰ محمود کوہاٹی عفی عنہ

۱۷ جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ

فتویٰ نمبر: ۲۳۰۵

﴿خلیل یا بندوق سے شکار کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خلیل یا بندوق سے شکار کرتے ہوئے کبھی کبھار پرندے کا سر گردن سمیت اڑ جاتا ہے، اس صورت میں جانور کے کسی دوسرے عضو کو ذبح کرنے سے حلال ہوگا یا نہیں؟ جبکہ ہمارے علاقے میں یہ بات مشہور ہے کہ پرندے کی دائیں ٹانگ یا پر کاٹنے سے بھی ذبح شمار ہوتا ہے، ٹانگ یا پر کاٹنے سے وہ حلال

مستقی: عزیز الرحمن

ہو جائے گا، یہ بات کہاں تک درست ہے؟

﴿جواب﴾ چونکہ پرندے کا سر گردن سمیت اڑ جانے کی بناء پر محل ذبح باقی نہیں رہتا، اس لئے کسی دوسرے عضو کو ذبح کرنے سے وہ حلال نہ ہوگا، لہذا مذکورہ رواج (دائیں ٹانگ یا پر میں ذبح کرنے کا) درست نہیں ہے۔ اس سے پرندہ حلال نہیں ہوتا۔

ولسالی الہندیہ: (۲۸۴/۵، طبع رشیدیہ)

سنور قطع رأس دجاجة فانه لا يحل بالذبح وان كان يتحرك كذا في الملتقط

ولسالی الہندیہ: (۲۹۱/۵، طبع رشیدیہ)

شاة قطع الذنب أو داجها وهي حية لا تذكي لغوات محل الذبح كذا في الوجيز لكردي.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

فتویٰ نمبر: ۵۲۸

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿شکار کے لئے کانٹے میں زندہ مچھلی لگانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارا مشغلہ مچھلیوں کا شکار کرنا ہے، ہم بڑی مچھلی کو شکار کرنے کیلئے کانٹے میں زندہ چھوٹی مچھلی لگا دیتے ہیں، از روئے شرع یہ درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ بڑی مچھلی کے شکار کے لئے کانٹے میں زندہ چھوٹی مچھلی لگانا چونکہ ذی روح مچھلی کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے جو کہ کراہت سے خالی نہیں ہے، مناسب یہ ہے کہ جب مچھلی بے جان ہو جائے تو اس وقت کانٹے میں لگا دے۔

ولسالی الفتاویٰ الہندیہ: (۴۱۲/۵، طبع رشیدیہ کوئٹہ)

ویکروہ تعلیم البازی بالطیر الحی یاخذہ ویعذبہ ولا بأس بان یعلم بالمذبوح کذا فی المحيط السرخسی.

ولسالی التصریح مع الدر: (۲۴۳/۱)، طبع سعید لا یکرہ تعلیم البازی بالطیر الحی للتعذبہ.

واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد کانی غفر عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۵۶۶

۲ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

﴿کوئے کی حلت و حرمت کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کافی عرصہ سے یہ بات مشہور ہو رہی ہے کہ کوا حلال ہے حالانکہ بعض فقہی عبارات سے کوئے کی متعدد قسموں کا پتہ چلتا ہے اور جس کوئے کی حلت کا ذکر ہے، اس سے کوئی

قسم کا کو امراد ہے؟ آیا موجودہ قسم کا کو امراد ہے یا دوسری قسم کا؟ نیز ان کے درمیان باسانی فرق کیسے کیا جاسکے گا؟ تاکہ معلوم ہو کہ فلاں قسم حلال ہے اور دوسری قسم حرام۔ مستفی: ابوہریرہؓ سلام آباد ﴿مجموع﴾ شہری کو امراد بھی کھاتا ہے اور دوسرے پرندوں کا شکار بھی کرتا ہے اگرچہ شاہین یا چیل کی طرح نہیں ہے لیکن چوزوں کو اٹھانا اور دیگر پرندوں کے چھوٹے بچوں کو اٹھانا اس سے مشابہہ ہے، اس لئے یہ کو احوال نہیں ہے، عربی میں ”غراب“ تین طرح کا ہوتا ہے اور تینوں کے حکموں کو الگ بیان کیا ہے لیکن اردو میں لفظ ”کوتا“ سن کر صرف شہری کو اسی مراد ہوتا ہے، دیگر کوے ہم نے نہیں دیکھے یا ہم نہیں جانتے، البتہ ”غراب“ جنگلی بھی ہے، اس کی نشانی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ مردار بالکل نہیں کھاتا، نہ دوسرے پرندوں کو شکار کرتا ہے، وہ حلال ہے اور ایک تیسری قسم بھی ”غراب“ کی بتائی گئی ہے کہ وہ دانہ کھاتا ہے کبھی کبھار مردار بھی کھا لیتا ہے لیکن دوسرے پرندوں کا شکار نہیں کرتا، اس کے بارے میں روایات مختلف ہیں لیکن احتیاط نہ کھانے میں ہی ہے، مزید یہ کہ عربی میں تو تینوں کا نام غراب ہے، کیا مذکورہ تینوں قسموں کو اردو میں کو کہا جاتا ہے؟ ہمیں اس کی تحقیق نہیں ہے۔

لسالی الہندیہ: (۲/۴۳۱-۴۴۰ مطبع رحمانیہ)

قال ولا بأس بغراب الزرع لانه يأكل الحب ولا يأكل الجيف وليس من سباع الطير قال ولا يأكل الا بقع الذي يأكل للجيف وكذا الغداف قال ابو حنيفة لا بأس بأكل العفق لانه يخلط لما شبه النجاسة عن ابي يوسف انه يكره لان الغالب أكله الجيف.

ولسالی القنوری: (ص ۲۲۰ مطبع قدیمی)

ولا بأس بأكل غراب الزرع ولا يبركل الا بقع الذي يأكل الجيف..... وفي حاشيته تحت (قوله ولا يبركل) ولا يأكل الا بقع أي الغراب الا بقع وهو الذي فيه بياض وسواد كذا في القهستاني وفي المعاني والغراب ثلاث انواع نوع يلتقط الحب ولا يأكل الجيف وليس بمكروه ونوع لا يأكل الا الجيف وهو الذي ساء المصنف الا بقع وانه مكروه ونوع يخلط بأكل الحب مرة والجيف اخرى ولم يذكره في الكتاب وهو غير مكروه عنده مكروه عند ابي يوسف اعلم ان الغراب الذي يقال له ”كوتا“ في الہندیہ وکان فی السندیة ”لنص“ علی حرمتہ رأس المحتبئ المغدوم معناه شمس السندی القنوی فی رسالته فأكهة البستان.

ولسالی کنز الدقائق: (ص ۲۱۱ مطبع قدیمی)

رحل غراب الزرع لا الا بقع الذي يأكل للجيف..... وفي حاشيته تحت غراب الزرع آه لانه يأكل الحب وليس من سباع الطير ولا من الخبائث لا الا بقع الذي لا يبركل لانه يأكل

لجیف فصار کساح نظیر ذلک منع بدتخانت لان لحمه ہنت من لحرام واعلم
ان لغراف ثلاثہ انواع منع پاکن الجیف فحمت فانه لا یؤکل ونوع پاکن الجیف فحمت
فانه یؤکل ونوع یغلف بجنبہ او ہو ایضا پاکن عسلا امام وهو منعق ذلک پاکن فنداج
وعن امیر یوسف کہ بکرہ اکلہ ذلک غتب اکلہ الجیف والاول اصح

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان

توی نمبر: ۱۳۲۲

۵ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ

بچے حلال جانوروں میں سات چیزوں کے مکروہ تحریمی ہونے کے بارے میں بیان ہے
﴿موسلم﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حلال جانوروں میں کون
کونسی چیزیں مکروہ تحریمی یا حرام ہیں؟
﴿موسلم﴾ حلال جانوروں میں سات چیزیں حرام ہیں: بہتا ہوا خون، غدود، مثانہ، پتہ، زہر
اسی طرح: ادھر ایک کے پیشاب کا راستہ، کپورے۔

ولمافی التمامی (۱/۱) مطبع سعید

اتمتلما یحرم اکلہ من اجزاء الحیوان الماکول سبعة نلثم المنسوح والذکروالانثیان
والقبل والغنق والمثانیر والمرارة بنائی تمامہ ان شاء اللہ تعالیٰ آخر الکتاب
ولمافی التہذیب علی هامش التہذیب: (۱/۲۰۴ مطبع رشیدیہ)

وعن مجاہد عنہ لعلہ لا یحرم کرہ سبعة من لشیئ ذکروالانثیان والقبل
والمرارة والغنق والمرارة لعلہ لا یحرم لعلہ لا یحرم لعلہ لا یحرم لعلہ لا یحرم
ولمافی بنائع الصنائع: (۵/۱۱ مطبع سعید)

واما بیان ما یحرم اکلہ من اجزاء الحیوان الماکول لالذی یحرم اکلہ منہ سبعة نلثم المنسوح
والذکروالانثیان والقبل والغنق والمثانیر والمرارة لعلہ لا یحرم لعلہ لا یحرم لعلہ لا یحرم
علیہم الغنات ذلک منہ الاشیاء السبعة ما استخبلہ للطباع السلیمة فکانت محرمة

واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

توی نمبر: ۱۳۲۸

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ

بچے مار مای کے حلال اور حرام ہونے کا مسئلہ ہے

﴿موسلم﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ مار مای کو حرام
سمجھتے ہیں اور بعض لوگ ان کو حلال سمجھتے ہیں تو اب وضاحت فرمائیں کہ آیا مار مای حلال ہے یا

حرام؟ اور یہ بھی واضح کریں کہ مار مای مچھلی کی قسم ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مار مای حلال ہے اس لئے کہ یہ بھی مچھلی کی ایک قسم ہے اور مچھلی کی تمام اقسام حلال ہیں، اس کی ظاہری شکل و صورت اگر چہ سانپ کی طرح ہے لیکن یہ سانپ نہیں ہے۔

لما فی الفتاویٰ الولوالجیہ: (۵۸/۳، مطبع فاروقیہ پشاور)

وکنک المارماہی وسانراجناس السمک یحمل، لان هذا نوع من السمک.

ولما فی مختصر الفتاویٰ: (ص ۲۲۰، مطبع قدیمی)، ولا بأس باکل الجریث والمارماہی.

ولما فی القنویومع الدر: (۳۰۶/۱-۳۰۷، مطبع سعید)

(ولا یحمل) حیوان مائی الا السمک)..... (ولا) الجریث) سمک اسود (والمارماہی)

سمک فی صورة العیة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان

فتویٰ نمبر: ۱۲۵۰

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

﴿گھوڑے کی حلت و حرمت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ روس کی وہ آزاد ریاستیں جہاں مسلمان رہتے ہیں، وہ گھوڑے کو حلال سمجھتے ہیں اور کھاتے بھی ہیں جبکہ ہندو پاک کے لوگ ان کو حرام سمجھتے ہیں اور کھاتے بھی نہیں ہیں تو اس بارے میں وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: مدظلہ

﴿جواب﴾ گھوڑا چونکہ جہاد میں بہت کام آتا ہے اسلئے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اسکو مکروہ قرار دیا تھا تاکہ جہاد میں اسکی ضرورت پڑنے کی صورت میں اسکی کمی محسوس نہ ہو لیکن امام صاحبؒ سے رجوع بھی ثابت ہے، لہذا روس کی آزاد ریاستیں جو گھوڑے کو حلال سمجھتی ہیں وہ غلط نہیں ہے۔

لما فی صحیح المسلم: (۱۵۰/۲، مطبع قدیمی)

عن جابر بن عبد اللہ ان رسول اللہ ﷺ یوم خیبر عن لعموم العمار الاہلیہ واذن لی

لعموم الخیل..... قال أخبرنی أبو الزہر انہ سمع جابر بن عبد اللہ یقول اکلنا من

خیبر الخیل وحرر الوحش ونہانا النبی ﷺ عن العمار الاہلی.

ولما فی القنویومع الدر: (۳۰۵/۱، مطبع سعید)

(والخیل) وعندہما ابو الشافعی تحمل و قبل ان اباحنیہ ترجع عن حرمتہ قبل موته بثلاثہ

ایام وعلیہ الفتویٰ عادیہ ولا بأس بلبنہا علی الارجہ.

ولما فی القول المراجع: (۲۸۹/۲، مطبع دارالعلوم حقانیہ)

من قول صاحبین مع الکراہۃ القنویہ: قال العلامة العسکلی "والخیل وعندہما

الشافعی تحمل وقیل أن ابا حنيفة رجع عن حرمة قبل موته بثلاثة ايام وعليه الفتوى
ولسافي حاشية للطحطاوي على مراقي الفلاح: (ص ۱۵۵ باب الانجاس) - (طبع قديم)
كما ذكره فخر الاسلام في شرح الجامع الصغير ان الفرس ما كول اللحم في قولهم
جميعا يعني عند ابي حنيفة ايضا وانما كرهه للقتل في أي التهامي عن قطع مادة الجهاد،
والكرامة لا تمنع الاباحة... انه روى انه نهى عن لحوم الخيل، والبغال، وروى انه
عليه الصلاة والسلام اذن في لحم الخيل.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

فتویٰ نمبر: ۱۲۷۹

۵ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ

﴿پرنڈے اگر جال (دام) میں مرے ہوئے ملیں تو حلال نہیں﴾

﴿سوال﴾ ہمارے علاقے میں لوگ جال بچھاتے ہیں یعنی دام رکھتے ہیں پرنڈے وغیرہ کو
پکڑنے کے لئے بسا اوقات دام رکھ کر کافی دیر بعد ہم جا کر دیکھتے ہیں تو پرنڈہ مرا ہوا ملتا ہے، کیا
ایسی صورت میں یہ حلال ہوگا؟ حالانکہ ہم دام رکھتے وقت بسم اللہ پڑھتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں
کہ حلال ہے، جواب حوالہ کیساتھ مطلوب ہے۔ بیوا تو جروا۔

﴿جواب﴾ ایسی صورت میں حلال نہیں ہے بلکہ مردار ہے، تاہم اگر زندہ مل جائے تو بسم
اللہ پڑھ کر ذبح کریں، اس سے حلال ہو جائے گا، بسم اللہ اسی وقت یعنی ذبح کے وقت کی
مستتر ہے نہ کہ دام رکھنے کے وقت کی۔

لسافی التنویر مع الدر: (۶/۴۹، طبع سعید)

(وضع منجلا فی الصحراء لیصیدہ حمار وحش وسمی علیہ فجاء فی اليوم الثانی)
فہذا اتفاقا اذ لو وجدہ میقام من ساعته لم یحل ریلمی (ووجد الحمار مجروحاً میقاماً ہوکل)
لأن الشرط أن یذبحہ انسان او یجرحہ، والافہو کالنطیحة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر:

۱۳۲۹ھ

﴿غیر مملوکہ زمین کو محبوس کر کے شکار سے منع کرنا﴾

﴿سوال﴾ ہمارے علاقے کے بعض لوگ دریاؤں کے کنارے جو غیر قابل انتفاع رقبہ
زمین ہوتی ہے، اس میں مرغابیوں اور بطخوں کے شکار کے لیے تالاب بناتے ہیں، جس میں کافی

حد تک خرچہ بھی برداشت کرتے ہیں پھر دوسروں کو اس میں شکار کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی، اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا دوسروں کو اُس میں شکار کرنے سے روکنا درست ہے؟ کیا مذکورہ شکار گاہ (تالاب) بنانے والوں کی ملکیت میں آ جاتا ہے؟

﴿محولہ﴾ مسئلہ صورت کے مطابق دریا کے کنارے پر واقع زمین میں جو تالاب بنانے کا ذکر ہے چونکہ وہ زمین غیر قابل انتفاع ہے اور علاقے کے لوگوں کے مفادات بھی اس سے وابستہ نہیں ہیں تو ایسی زمین پر تالاب بنانا ایسا ہے جیسا کہ کوئی پرندے وغیرہ شکار کرنے کے واسطے جال یا پھندا وغیرہ بچھا دے جسے اسکی ملکیت اور قبضہ سمجھا جاتا ہے۔

اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی تالاب بنانے والے کی عرف و شرع کی رو سے ملکیت سمجھی جاتی ہے قلیل مدت تک کیلئے، لہذا تالاب بنانے والے دوسروں کو روک سکتے ہیں شرعیہ انکا حق ہے۔

لما فی الدر مع الرد (۴۶/۱۰ طبع امدادیہ)

اعلم ان اسباب الملک ثلثہ — وهو الاستیلاء حقیقۃ — او حکما بالتہبۃ کنصب شبکۃ لصید و فی الشامیۃ: الاستیلاء، العکسی باستعمال ما هو موضع للاصطیاد حتی ان من نصب شبکۃ فلتعقل بہا صید ملکہ قصد بہا الاصطیاد اولاً.

ولما فی الہندیۃ: (۳۸۴/۵ طبع رشیدیہ)

لارض غرقت وصارت بحر اثم نضب الماء عنها والخریت بوجه آخر ثم جاء انسان وعمر ما قبل می للمالک القديم وقيل لمن احياها كذا فی القنیۃ.

الجواب صحیح: محمد الرحمن مفا اللہ عنہ واللہ اعلم: محمد شریف حسین چترالی عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۶۳

۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿خارپشت حلال ہے یا حرام؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سر (خارپشت یعنی جس کی پشت پر بڑے بڑے نوک دار کانٹے ہوتے ہیں) حلال جانور ہے یا حرام؟ ہمارے ہاں اس پر بڑا سخت اختلاف ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ اس میں او جڑی ہوتی ہے اس لئے یہ حلال ہے۔ براہ کرم جلد از جلد جواب دیکر ممنون فرمائیں۔ مستفتی: خالد الرحمن

﴿محولہ﴾ خارپشت (جسکو پشت میں ٹکڑے کہتے ہیں) خباثت میں سے ہے، اس لئے حرام ہے اور کسی جاندار کا خباثت میں سے ہونا نہ ہونا استقرائی امر ہے او جڑی حلت، حرمت کی کسوٹی نہیں ہے۔

لما فی الجوهرة المنيرة (۲/۳۹۱ طبع میر محمد)

(قوله ويكره أكل الضبع والضب والحشرات كلها.... قوله "والحشرات كلها" يعنى السامى والهرى كالضفدع وغيرها.... وكذا الفيران والارواغ والمضابة والقنائل والحيات.... لان هذه الاشياء مستخيلة قال الله تعالى (ويحرم عليهم الغبائث)

ولما فى فتاوى الفتاوى: (ص ۳۳۲، طبع حقانيه)

ويكره أكل الضب.... وكذا جميع الحشرات لانها من الغبائث.

ولما فى خلاصة الفتاوى: (۲/۳۰۴، الفصل الخامس فيما يوكى ولها لا يوكى كل طبع رشديه) وفى شرح الطحاوى ما لا يوكى كل ذى ناب من السباع وذى مغلب من الطيور بيانها الاسد والذئب.... وسباع الهوام ايضا بيانها الضب والهربروع—والهوام التى سكناها فى الارض بيانها الباردة والورغة والقنائل والحيات وجميع هوام الارض. وكذا فى الفتاوى الاسلامى وادلتها: (۲/۴۹۳، طبع رشديه)

ولما فى حياة الحيوان الكبرى: (۲/۳۶۰، مكتبه شامله)

(القنائل) بالذال الموحدة وبضم الفاء، وفتحها الهرى منه، كنيته لبروسليان وابوشوك — وهو صنفان: قنفلذ يكون بارض مصر قدر الفار، بلذل يكون بارض الشام والعراق فى قدر الكلب القلظى والفرق بينهما كالفرق بين الجرذ والفار هو لا يظهر الا ليلاً.... قال الشافعى: يحل أكل القنائلان العرب تستطيه.... وقال ابو حنيفة: الا امام احمد لا يحل.

ولما فيه ايضا: (۱/۴۶۰، مكتبه شامله)

(البلذل) عظيم القنائل.... وانما شبهته بالقنائل لانه اكثر ما يظهر فى الليل ولانه يخلى رأسه فى جسده ما استطاع وقال الجاحظ: الفرق بين البلذل والقنائل كالفرق بين البقر والجواميس.... والجرذ والفار.... وانراى ما يكرهه للقبض فيخرج منه شوك كالسمال يجرح من اصابعه والشوك الذى على ظهره نحو الفراع.... نص للشافعى على حله.... وقال الرافعى: قطع الشيخ ابو محمد بخرمه فى الوسيط لانه كان يعضه من الغبائث.

والله اعلم: خالد الرحمن كركى ملى عنه

الجواب صح: عبدالرحمن مفا الله عنه

فتوى نمبر: ۳۳۸۹

۲۷ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

﴿ہد ہد حلال ہے یا حرام؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ ہد ہد حلال پرندہ ہے یا حرام؟ جبکہ دیرنی نے حیات الحیوان میں اسکو حرام قرار دیا ہے بعض کتابوں میں حلال لکھا گیا ہے، احناف کے ہاں صحیح قول کیا ہے؟ اگر حلال ہے تو پھر حیات الحیوان میں حرمت کا کیا جواب ہے؟ مستقی: محمد سہیل نوشہرہ

﴿جواب﴾ احادیث میں تمام ایسے پرندوں کے کھانے کو منع فرمایا ہے جو دوسری جاندار

چیزوں کا شکار کرتے ہوں یا جن کی خوراک عموماً مردار اور گند کی ہو، ہر بد بظاہر مذکورہ خاصیتوں کا پرندہ نہیں ہے، اس لئے حرام قرار دینے کے لئے مضبوط دلیل نہیں ہے۔

حیات النہو ان علامہ دیرئی کی تالیف ہے آپ شافعی المذہب تھے امام شافعیؒ کے دلائل ہمارے سامنے نہیں ہیں لیکن شوافع کے علاوہ علماء احناف کے بعض معتبر فقہاء میں بھی اسکو مکروہ لکھا ہے جبکہ بعض دیگر معتبر فقہاء میں ہر بد کو مطلقاً حلال قرار دیا ہے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ اس کے کھانے سے گریز کیا جائے۔

لحمی الصبیح لمسلم: (۲/۱۴۷ طبع قدیمی)

عن ابن عباس قال نہی رسول اللہ ﷺ عن کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر۔

ولحمی خلاصۃ الفتاوی: (۲/۴۰۲ طبع رشیدیہ)

وفی فتاوی الولوالجی اکل الہدھد لا بأس بہ لانہ لیس بذی مخلب من الطیور۔

ولحمی الجوہرۃ الخیرۃ: (۲/۲۴۸ طبع مہر محمد)

ولا بأس باکل المتعق والہدھد والحمام والعصافیر لان عامۃ اکلہا الحب الشرار۔

ولحمی فتاوی الخوالد: (ص ۳۳۲ طبع حقانیہ)

لا بأس باکل المتعق عندابی حنیۃ، وكذا الہدھد۔

ولحمی الہندیۃ: (۵/۲۱۰ طبع رشیدیہ)

اکل الخطاف والصیقل والہدھد لا بأس بہ لانہا لیست من الطیور التی ہی نرات

مخلب کذا فی الظہیرۃ۔

ولحمی الشامی: (۶/۳۰۶ طبع سعیدی)

ویکرہ الصرد والہدھد، وكذا فی البحر الرائق: (۸/۱۷۱-۱۷۲ طبع سعیدی)

ولحمی اعلاء السنن: (ج ۱ ص ۱۷۲ طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

عن غرر الافکار عننا..... ویکرہ الصرد والہدھد..... وحرم الشافعی الخطاف والہبۃ والطوس والہدھد

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: خالدا الرحمن کرکی عفی عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۱۶۰

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

﴿نخواست کو ختم کرنے کے لئے ذبح کی ہوئی مرغی حلال ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے علاقے میں لوگ میت کو گاڑی میں کہیں

لے جاتے ہیں تو پھر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ گاڑی بھاری ہوگئی ہے، اب کوئی بھی حادثہ ہو سکتا ہے تو وہ

اس گاڑی میں مرغی ذبح کرتے ہیں تاکہ اس کا خون گاڑی کے کسی حصے پر لگ جائے، ایسی مرغی کے گوشت کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟
مستفی: محمد عظیم عبدل خیل

﴿جواب﴾ اس جانور کا گوشت کھانا حرام ہے جس پر جان بوجھ کر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو یا اللہ کا نام تو لیا گیا ہو لیکن اس کو تقرب لغیر اللہ کیلئے ذبح کیا گیا ہو اور مذکورہ صورت میں تقرب لغیر اللہ مقصود نہیں ہے، محض ایک خیال فاسد کی وجہ سے ذبح کیا گیا ہے، اس لئے ایسی ذبح شدہ مرغی کا گوشت حلال ہے، عمل اگرچہ غلط ہے اور جہالت پر مبنی ہے، تاہم اس سے جانور کا گوشت حرام نہیں ہوتا۔

ولمافی قوله تعالى: (سورة البقرة، آیت ۱۷۳)

انما حرم علیکم الميتة والدم ولحم الخنزیر وما اهل به لغیر اللہ..... الآية.

ولمافی قوله تعالى: (سورة الانعام، آیت ۱۳۵)

قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان یشکون میتة او دما مسلوحا او لحم خنزیر فانه رجس او فسقا اهل لغیر اللہ به..... الآية.

ولمافی الشامی: (۲۴۳/۹، طبع امدادیہ)

(قل لا اجد الانعام: ۱۳۵) الآية. ولقوله علیه الصلوٰۃ والسلام: "ما سکت اللہ عنه فهو ما عفا اللہ عنه".

ولمافی اعلاء السنن: (۹۸/۱۷-۹۹، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

قال القاضی: ما ذبحہ الکتابی لعیده، أو نجم، أو صنم، أو نبتی، فسماء علی ذبیحۃ حرم لقوله تعالى: (وما اهل به لغیر اللہ)..... وعلى هذا المذنب لغیر اللہ مقربا به الیہ لحرم، وان قال فیہ: بسم اللہ.

واللہ اعلم بالصواب: شاہد محمود عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۲۰۱

۱۰ صفر ۱۴۲۹ھ

﴿احکام الذبیحة﴾

﴿ذبح سے متعلق کچھ احکام﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! میں ایک قصائی آدمی ہوں براہ کرم مندرجہ ذیل مسائل کا

صحیح جواب عنایت فرمائیں: (۱) جانور ذبح کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ (۲) حلال جانور کے

اندر کئی چیزیں حرام ہیں اور وہ کیا کیا ہیں؟ (۳) ذبح کرتے وقت اگر گردن بھی کٹ جائے تو ایسے جانور کے گوشت کا کیا حکم ہے؟

﴿مجموع﴾ (۱) جانور ذبح کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جانور کو بائیں پہلو پر قبلہ رخ لٹا کر تیز چھری دائیں ہاتھ میں لے کر قبلہ رخ ہو کر ”بسم اللہ اللہ اکبر“ کہہ کر گلے پر چلائی جائے یہاں تک کہ گلے کی چاروں رگیں کٹ جائیں، ایک زخروہ جس سے جانور سانس لیتا ہے، دوسری نالی جس سے دانہ پانی جاتا ہے اور دوشہ رگیں جو زخروہ کے دائیں بائیں ہوتی ہیں اگر ان چار رگوں میں سے تین کٹ جائیں تو بھی ذبح درست ہے اور اس کا کھانا حلال ہے۔
البتہ اگر دوسری رگیں کٹیں تو جانور مردار ہوگا اور اس کا کھانا جائز نہ ہوگا۔

لما فی الہدایۃ: (۲/۳۶۶ طبع رحمانیہ)

(والعروق التي تقطع فی الذکاة أربعة الحلقوم المرئی والودجان) لقوله عليه السلام "المری الاوداج بما شئت" وهي اسم جمع واقلة للثلث فيقتارل المرئی والوجین وهو حجة على الشافعی فی الاکتفاء بالحلقوم المرئی الا انه لا يمكن قطع هذه الثلثة الا بتقطع الحلقوم فثبت قطع الحلقوم باقتضائه الى أن قال ويستحب ان يحد الذابح شفرته لقوله عليه السلام ان الله كتب الاحسان على كل شئ فاذ اقتلتم فاحسنوا القتل واذا ذبحتم فاحسنوا الذبح وليحد احدكم شفرته وليرح ذبيحته.

ولما فی التذکرۃ مع الدر: (۱/۴۲۴ تا ۴۲۵ طبع لمدنیہ ملتان)

(و) ذکاة (الاختیار ذبح بین الحلق واللبة)۔ (وعروقه الحلقوم) کله وسطه او اعلاه لو سئل وهو مجری النفس على الصحيح (والمرئی) هو مجری الطعام والشراب (والودجان) مجری الدم (وحل) المذبح (يقطع ای ثلاث منها) اذ لا کثر حکم الكل۔ (ونذب احد اذ شفرته قبل الاضجاع)۔ (و) کره کل تعذیب بلا فائدة مثل (قطع الرأس والسلخ قبل ان تبردا) ای تسکن عن الاضطراب وهو تفسیر باللازم کما لا یخفى (و) کره (ترك التوجه الى القبلة) لمخالفتها للمستوی کذا فی الہندیہ: (۵/۲۸۷ طبع رشیدیہ) (و) کذا فی فتاویٰ اللؤلؤ العجیہ: (۳/۷۰ طبع فاروقیہ پشاور)

(۲) حلال جانور کے اندر سات چیزیں حرام ہیں: (۱) بہتا خون (۲-۳) زروادہ کے

پیشاب کا راستہ (۳) کپورے (۵) غدود (۶) مثانہ (۷) پتہ۔

لما فی بدائع الصنائع: (۵/۱۱ طبع سعید)

فصل بامایان ما یحرم اكله من اجزله الحيوان المأكول فالذي یحرم اكله منه مہمة: الدم المسفوح والذکرو الانثیثان والقیل والغدة والمثانة والمرارة الخ.

(۳) ذبح کرتے وقت جانور کا سر اگر تن سے جدا ہو جائے تو اس سے ذبح پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس کا گوشت حلال اور کھانے کے قابل ہے، تاہم جانور کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کا سر کاٹنا غیر ضروری عذاب دینے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

لسالی الہدایۃ: (۲/۴۲۷، طبع رحمانیہ)

ومن بلغ بالسکین النخاع أو قطع الرأس کره له ذلک وتوکل ذبیحہ.

ولسالی التنبیہ مع الدرر: (۱/۲۹۶، طبع سمیع)

(نو) کرہ کل تعذیب بلا فائدہ مثل (قطع الرأس والسلخ قبل ان تبردا) ای تسکن عن الاضطراب وهو تنسیر باللازم کما لا یغنی.

واللہ اعلم: صلاح الدین ڈیوی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۹۷

۷ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿ذبح کے وقت زندہ ہونے کا یقین کافی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کل میرے ساتھ عجیب کام ہوا وہ یہ کہ زندہ بکری تھی جب میں نے ذبح کیا تو ذبح کرنے کے بعد نہ کوئی خون نکلا اور نہ کوئی حرکت کی جیسا کہ عموماً ہوتی ہے میں کافی الجھن کا شکار رہا تو اسی وقت ایک صاحب سے میں نے پوچھا کہ اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں تو اس صاحب نے کہاں کہ حرام ہے کیونکہ خون نہیں نکلا تو کیا اس صاحب کا یہ جواب درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اگر ذبح کرتے وقت آپکڑ مزہ ہونے کا پورا یقین تھا تو یہ حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے اور اس صاحب کا یہ کہنا کہ حرام ہے درست نہیں۔

لسالی الشامی: (۱/۴۰۸، طبع سمیع)

وان علم حیاتہ (حلت) مطلقاً (وان لم تتحرك ولم یخرج الدم) وهذا ینتفی فی منخقة ومتردۃ ونطیحة، والقی فقر الذنب بطنها فذکاء هذه الاشیاء تحلل، وان کانت حیاتها خفیلة وعلیہ القوی لقوله تعالی الا ما ذکبتم... من غیر فصل

ولسالی خلاصۃ الفتاوی: (۲/۱، طبع ترشیدیہ)

ولم یتحرك ولم یخرج الدم لا یحل هذا اذا لم یعلم حیوۃ وقت الذبح فان علست حلت وان لم یتحرك ولم یخرج الدم.

ولسالی البحر الرائق: (۱/۱۷۳، طبع سمیع)

(وان علم حیوۃ حل وان لم تتحرك ولم یخرج) یعنی اذا علم حیاء النکاء وقت الذبح

حلت بذاکاء تمرکت لو لا خلع منها دم او لا کذا فی المحيط
الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید
۱۵ سطر الخیر ۱۴۳۲ھ
فتویٰ نمبر: ۳۳۳۳

﴿ذبح کے وقت جانور کے سر کا کٹ جانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر جانور کو ذبح کرتے وقت اس کا سر کٹ جائے تو اس سے ذبیحہ پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: اختر حسین
﴿جواب﴾ جانور کو ذبح کرتے وقت سر کے کٹ جانے سے ذبیحہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس کا گوشت حلال اور کھانے کے قابل ہے لیکن جانور کے ٹخنہ اہونے سے پہلے سر کا کاٹنا بیجا غیر ضروری تعذیب کے کراہت سے خالی نہیں۔

لما فی الہدایۃ: (۲/۳۴۷ طبع رحمانیہ)

ومن بلغ بالسکین النخاع أو قطع الرأس کرہ لہ ذلک وتوکل ذبیحہ..... وفی قطع الرأس زیادۃ تعذیب الحيوان بلا فائدۃ وہی منہی عنہ.
ولما فی التذکرۃ مع الدر: (۱/۲۹۶ طبع سعید)
(و) کرہ کل تعذیب بلا فائدۃ مثل (قطع الرأس والمسلخ قبل ان تبرد) ای تسکن عن الاضطراب وهو تفسیر باللازم کما لا یغنی.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز
۱۶ جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ
فتویٰ نمبر: ۹۹۲

﴿ذبح کے بعد گوشت کا دھونا ضروری ہے یا نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ذبح کے بعد جو گوشت جانور سے علیحدہ کیا جاتا ہے، پکانے کے وقت اس کا دھونا ضروری ہے یا نہیں؟ مستفتی: زبیر سید صاحب
﴿جواب﴾ دھونا ضروری نہیں ہے، البتہ دھولیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

لما فی حاشیۃ الطحطاوی: (ص ۸۳ طبع قدیمی)

(والباقی فی اللحم) لانہ لیس بمسلوح ولمشقة الاحتراز عنہ.
ولما فی الخانیۃ علی هامش الہندیۃ: (۱/۱۹ طبع رشیدیہ)

وما یبقی من الدم فی عروق المزکاة بعد الذبح لا یفسد الثوب وان لم یحش وعن ابی یوسف رحمہ اللہ یفسد الثوب اذا لم یحش ولا یفسد الدر.

ولمالی الدر المختار: (۱/۲۱۹، طبع سعید)

(ودم) مسلوح من سائر الحیوانات الا دم شہید مادام علیہ، وما بقی فی لحم مہزول
وعروق وکبد وطحال وقلب ومالم یسل.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ عفا اللہ عنہ

۳۰ جمادی الثانی ۱۳۲۸ھ

فتویٰ نمبر: ۱۰۲۸

﴿حالت جنابت کا ذبیحہ حلال ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حالت
جنابت میں ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے یا حرام؟ مستفی: افتخار احمد غل باغی

﴿جواب﴾ حالت جنابت میں ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے، ذبح کیلئے حدیث اکبر یا اصغر
سے طہارت شرط نہیں ہے۔

ولمالی اعلاء السنن: (۱۴/۲۲۱، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)

وتباح ذبیحة الجنب فیسی، ویذبح تجوز له التسمیة ولا یمنع منها لانه انما یمنع من
القرآن لا من الذکر ولہذا تشرع له التسمیة عند اغتسالہ ولیست الجنابة اعظم من الکفر
والکافر یسعی ویذبح فمن رخص فی ذبح الجنب۔۔۔ ولا علم احدا منع من ذلک وتباح
ذبیحة العائض لانہا فی معنی الجنب۔۔۔ قلت وكذلك التمسار

ولمالی تنویر الابصار: (۶/۲۹۶-۲۹۷، طبع سعید)

(وشرط کون الذابح مسلما حلالا خارج الحرم ان کان صیدا و کتابیا ذمیا)

ولمالی کنز الدقائق: (ص ۲۱۶، طبع قدیمی)

وحل ذبیحة مسلم وکتابی وصبی وامرأة وخرس واقلف.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان

۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ

فتویٰ نمبر: ۱۳۷

﴿ذبحی جانور کے حلال ہونے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام و مفتیان شرع دین متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں
مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے علاقہ میں ایک ہل پہاڑ کی بلندی سے نیچے وادی میں جا کر گر گیا، میں نے
فوراً بھاگ کر جانور کو ایک تیز دھار آکے کی مدد سے ذبح کیا، جبکہ جانور کی حیات کا کچھ پتہ نہیں چل
رہا تھا کہ آیا جانور زندہ ہے کہ نہیں لیکن ذبح کے وقت جانور نے کوئی حرکت نہیں کی اور خون بہت

زیادہ نکلا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ آیا صرف جانور سے خون کا نکلتا جانور کا گوشت حلال کرنے کیلئے کافی ہے، یا یہ ہے کہ جانور کا حرکت کرنا بھی حلت جانور کیلئے شرط ہے، براہ کرم وضاحت فرمائیں۔

﴿موجز﴾ جس جانور کی حیات کا علم نہ ہو اگر بوقت ذبح اس سے صرف خون نکل جائے یا صرف حرکت کر لے تو اس سے جانور کا گوشت حلال ہو جاتا ہے اگر ان دونوں صورتوں میں سے کوئی ایک صورت بوقت ذبح جانور میں نہ پائی جائے تو جانور کا گوشت شریعت کی رو سے حلال نہیں ہے لہذا اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ خروج دم میں کچھ تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ جانور سے ذبح کے وقت اگر خون دھار کی طرح تیزی سے نکلا ہے جس طرح زعمہ جانور سے نکلتا ہے تو اس صورت میں جانور کا گوشت بالاتفاق حلال ہے اگر خون بغیر دھار کے نکلا ہے اور اس میں تیزی کچھ نہ تھی تو اس طرح خون کا نکلتا حیات کی دلیل نہیں ہے کہ جسکی وجہ سے جانور پر حلت کا حکم لگایا جاسکے بلکہ یہ جانور کے مردہ ہونے کی علامت ہے لہذا اس کا گوشت کھانا از روئے شرع جائز نہیں ہے۔

ولمالی الدر مع الرد: ۲۰۸/۱ (طبع سعید)

نبیح شلة مريضه تلتحرك أو خرج الدم حلت والا لان لم تتر حياته عند الذبح سرفى الشامية
خروج الدم لا يدل على الحيوات الا اذا كان يخرج كما يخرج من الحي عند الامام وهو ظاهر الرواية
ولمالي الهنتية: ۲۸۱/۵ (طبع رشديه)

وذكر فى بعض الفتاوى أنه لابد من أحد الشينين اما التحرك واما خروج الدم فان لم
يوجد لا يحل كذا فى البدائع وان نبیح شاء أوبقرة فخرج منها دم ولم تتحرك وخروجه
مثل ما يخرج من الحي أكلت عند ابى حنيفة وبه ناخذ،
ولمالي خلاصة الفتاوى: ۳۰۶/۴ (طبع حقانيه)

رجل نبیح شلة أوبقرة وتحركت بعد الذبح وخرج منها دم مسفوح تحل وكذا ان تحركت
ولم يخرج الدم أو خرج الدم ولم يتحرك سرفى شرح الطحاوى وخروج الدم لا يدل على
الحيوة الا اذا كان يخرج كما يخرج من الحي وهذا عند ابى حنيفة وهو ظاهر الرواية،

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: فضل حق زیداروی

فتویٰ نمبر: ۳۹۰۱

۱۳ صفر الحرام ۱۴۳۵ھ

﴿موجز﴾ دوران ذبح یا بعد میں جانور حرکت کرے تو حلال ہے ﴿مؤید﴾

﴿مؤید﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی جانور میں بظاہر

زہدگی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے لیکن ذبح کرنے کے بعد اس سے خون نکل آئے یا وہ حرکت کرے تو کیا وہ جانور حلال تصور ہوگا یا نہیں؟ مستقیب: تب نہ

﴿محولہ﴾ ذبح کرنے سے پہلے جانور کی حیات کی علامات اگرچہ نظر نہ آتی ہوں لیکن ذبح کرنے کے بعد حرکت کر لے یا عام جانور کی طرح تیزی کے ساتھ خون کی دھار نکلے تو حلال ہونے کے لئے یہی کافی ہے، البتہ خون تیزی اور دھار کے بغیر صرف بہ نکلے اور کوئی حرکت بھی نہ کرے تو جانور مردار شمار ہوگا، کھانا حلال نہیں ہوگا۔

لما فی التنبیہ مع شری (۱/۸۰۸ مضیع معین)

(شیخ شافعی) مریضہ/فتحرکت أو خرج منه حنت ولا ذوات لم تخرج منه حنت شیخ
وفی انشاء (قوله) أو خرج منه أي كذا يخرج من شئ فتن في التنبیہ وفی شرح
لنصحاوی بخروج منه لا یحل شئ من شئ ولا ذوات یخرج كذا یخرج من شئ عتلا دام
وهو ظاهر الروایة وكذا فی التنبیہ مع شری (۱/۸۰۸ مضیع رشیدیہ)

ولما فی خلاصة التنبی (۱/۸۰۸ مضیع رشیدیہ)

رجل شیخ شافعی یقرق فتحرکت بعد الذبح وخرج منه حنت فتن وكنه تن تحركت ولم
یخرج منه أو خرج منه ولم یتحرك.

والله اعلم بالصواب رضوان الله جلانی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

نوی نمبر: ۲۰۹۸

۲۵ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

﴿عورت کے ذبیحہ میں شرعاً کوئی قباحت نہیں﴾

﴿محولہ﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے کہ اگر عورت کسی جانور کو ذبح کرے تو خود اس عورت کے لئے اس جانور کا گوشت کھانا جائز ہے لیکن دوسرے لوگوں کو اس گوشت کا کھانا درست نہیں، سوال یہ ہے کہ آیا یہ رواج درست ہے یا نہیں؟ اور عورت کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے یا نہیں؟ اگر حلال ہے تو کیا خود اس عورت کے لئے ہے یا سب لوگوں کے لئے بھی؟ اگر حلال نہیں تو کیوں؟ مستقیب: رحمت دلی

﴿محولہ﴾ علاقے کا یہ رواج درست نہیں ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور عورت کا ذبح کیا ہوا جانور خود اس عورت کے لئے بھی حلال ہے اور عام لوگوں (مردوں، عورتوں، بچوں) سب کے لئے حلال ہے، البتہ اس عورت کو ذبح کرنے کے طریقے سے واقف ہونا چاہیے۔

لسافی الہندیہ: (۵۲/۱) مطبع رشیدیہ (المرأة المسلمة والکتابیۃ فی الذبح کالرجل۔

ولسافی الہدایۃ: (۲۳۳/۲) مطبع رحمانیہ)

ويعمل اذا كان يعقل التسمية والذبيحة يضبط وان كان صبيها او مجنوناً او امرأة۔

واللہ اعلم: صلاح الدین چڑال

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۴۱

۷ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

﴿عورت کا ذبیحہ حلال ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں، علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ عورت کا ذبیحہ درست نہیں ہے، بعض اوقات گھر میں کوئی مہمان آجاتا ہے اور ذبح کرنے کے لئے کوئی مرد گھر میں نہیں ہوتا تو ہم بچے کو چھری اور مرغی دیکر باہر بھیجتے ہیں تاکہ کوئی مرد مرغی کو ذبح کر دے، اب سوال یہ ہے کہ عورت کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ عورت کا ذبیحہ درست ہے، اس کے ذبح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ صحیح طریقہ سے ذبح کر سکتی ہو۔

لسافی البحر الرائق: (۱۶۸/۸) مطبع سعید

(لوحل ذبیحة مسلم وکتابی، و امرأه أو أخرس و اقلف، یعنی تحمل ذبیحة هولاء۔

ولسافی التنبیہ مع الدرر: (۲۹۶/۱-۲۹۷) مطبع سعید

(و شرط کون الذابح مسلماً حلالاً خارج الحرام۔ ولو الذابح مجنوناً أو امرأة أو صبیاً یعقل التسمية والذبح) کو بقدر۔

ولسافی الہدایۃ: (۲۳۳/۲) مطبع رحمانیہ)

و ذبیحة المسلم و کتابی حلال۔۔۔ وان کان صبیاً او مجنوناً او امرأة۔

واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۳۸۲

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ

﴿ذبح کرتے ہوئے قبلہ رخ ہونا سنت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل جتنی بھی قاری مرغیوں کی دکانیں ہیں ان میں اکثر بغیر قبلہ رخ کھڑے ہو کر مرغی ذبح کرتے ہیں، کیا اس طرح ذبح کرنا صحیح ہے؟ اور گوشت کا کیا حکم ہے؟ نیز مذکورہ جانور میں کل کتنی چیزیں حرام ہیں؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں ذبیحہ حلال ہے اور گوشت کھانا بھی جائز ہے، البتہ ذبح کرتے ہوئے

قبلہ رو نہ ہونا خلاف سنت ہے، بلا عذر سنت کا چھوڑنا اچھا نہیں ہے، مذکورہ حلال جانور میں کس سنت چیزیں حرام ہیں: (۱) بہت خون (۲-۳) مذکورہ مؤنث جانور کے پیشاب کا رستہ (۴) پیرے (۵) ٹخمدار یعنی ٹھنیاں (۶) مٹنہ یعنی جہیں پیشاب جمع ہوتا ہے (۷) پتہ حرام ہیں۔

لحمی المیتة: (۵/۲۱۰ مطبع رشتہ)

واما بيان ما يحرم آكله من أجزاله الحيوان سبعة اللحم المسفوح والذكروا الذنبيان وتقتل والغدة والمثانة والحرارة.

ولحمی بدائع الصنائع: (۵/۱۱ مطبع سعید)

واما بيان ما يحرم آكله من أجزاله الحيوان المأكول فتقتل يحرم آكله من سبعة من المسفوح والذكروا الذنبيان وتقتل والغدة والمثانة والحرارة.

ولحمی التنوير مع الشرح: (۱/۲۱۱ مطبع سعید لاؤ) (ترك لتوجه مني لمقتبة كمد ختفه شمسه الجواب مجمع عبد الرحمن عفا الله عنه والله اعلم بالصواب: نشر محمود دہلوی خیر آباد دہلی)

فتویٰ نمبر: ۳۳۵

ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ

﴿حکم ذبیحۃ الشیعہ و نکاح نسائہم﴾

﴿شیعہ کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح﴾

﴿سوال﴾ محل بجوز اکل ذبیحۃ الشیعہ و نکاح نسائہم؟

﴿جواب﴾ اعلم انہ یؤکل ذبیحۃ المسلم لا الکافر و کذا النکاح. والشیعۃ ان

اعتلما یوجب الکفر فلا یجوز اکل ذبیحۃ نسائہم و لانکاح نسائہم وان لم یعتقد ما یوجب

الکفر فلا یباس بنکاح نسائہم و اکل ذبیحۃ نسائہم.

لحمی الشامی: (۲/۲۱۱ مطبع سعید)

وبہناظہر ان الرافضی ان کان من معتزلات الوعیفی علی قولن جبریل غطفی لوجہ قولن بنکر صاحبہ المینیق اویتلف المسنة المینیق کافر لمختلفہ فتواضع للمعوم من نسائہم بالضرور بخلاف ما لنا کان بفضل علیا یوجب المصاہبۃ مہتہ لا تکفر کہ توضیحہ

الجواب مجمع عبد الرحمن عفا الله عنه والله اعلم بالصواب: محمد سر

الجواب مجمع عبد الرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۳۳۵

۱۸ جمادی الاول ۱۳۳۰ھ

﴿موجودہ اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے اکثر یورپ ممالک

میں جانا ہوتا ہے اور وہاں پر ہوٹلوں میں جو گوشت کھانے کیلئے ملتا ہے یا تو وہ عیسائیوں کے ذبیحہ کا ہوتا ہے یا یہودیوں کے ذبیحہ کا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا موجودہ دور کے عیسائیوں اور یہودیوں کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں؟ برائے کرم جواب عنایت فرمائیں

﴿موسس﴾ عیسائی اور یہودی چونکہ اہل کتاب ہیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے۔ اس لئے کہ ذبیحہ کے حلال ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا یا تو ہیئتاً ملت توحید پر ہو جیسا کہ مسلمان یا صرف دعویٰ کے اعتبار سے ملت توحید پر ہو جیسا کہ کتابی یعنی یہود و نصاریٰ اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں میں سے کسی کتاب پر یقین بھی رکھتا ہو اور ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام ذبیحہ پر نہ لیتے ہوں مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کا نام یا عزیر علیہ السلام کا نام اور اگر وہ غیر اللہ کا نام ذبح کرتے وقت لیتے ہوں تب بھی انکا ذبیحہ حلال نہ ہوگا بلکہ مردار ہوگا۔ موجودہ عیسائی اور یہودی اگر ان امور کا لحاظ رکھتے ہیں تو ان کا ذبیحہ حلال ہے ورنہ مردار ہے۔ بہر حال تقویٰ اور احتیاط کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان کے ہوٹلوں میں کھانا نہ کھائیں اس لئے کہ گوشت کے علاوہ دال بھری بھی اگر کھائیں گے تو وہ لوگ ہماری معاملات کے مطابق خنزیر کی چربی میں عموماً کھانے پکاتے ہیں۔ البتہ آپ کے کہنے پر وہ لوگ اگر برتن کو صاف کر کے دیگر پکانے کے تیل میں آپ کیلئے دال بھری پکائیں تو کوئی قباحت نہیں ہے۔

لما فی البحر (۱/۱۸۸ ص ۶۱)

(روح ذبیحہ مسلم و کتابی لقولہ تعالیٰ و طعام الذین اتوا الکتاب حل لکم والراد بہ ذہابہم لان مطلق الطعام غیر المذکی یحل من ای کافرو لا یشرط ان یکون من اهل الکتاب ولا یفرق فی الکتابی بین ان یکون ذمیاً و حربیاً و یشرط ان لا یدکر فیہ غیر اللہ تعالیٰ حتی لو ذکر الکتابی المسیح او عزیر الایحل لقولہ تعالیٰ و ما اهل بہ لغیر اللہ و هو کالمسلم فی ذلک فانه لو اهل بہ لغیر اللہ لا یحل،

ولما فی الدر مع الرد (۱/۲۹۶، ۲۹۷ ص ۶۱)

(و شرط کون الذبیح مسلماً۔۔۔ لو کتابیاً ذمیاً و حربیاً) الا ان یسبح منہ عند الذبح ذکر المسیح (المحل ذبیحتهما) لقولہ الا ان یسبح منہ عند الذبح ذکر المسیح (للو سبوح منہ ذکر اللہ تعالیٰ لکنہ عنی بہ المسیح قالوا یوکل الا ان یصل لقال باسم اللہ الذی هو ثالث ثلاثہ متبہ و المادۃ یوکل لاجاء بہ مذہباً عنائہ، کما ان الذبیح بالحضور و ذکر اسم اللہ تعالیٰ وحده

ولما فی الہندیہ (۲۵۴/۵ ج ۲)

ثم انما یوکل ذبیحہ الکتابی اذا لم یشهد ذبیحہ ولم یسبح منہ شئی او شهد و سبوح منہ

تسمیۃ اللہ تعالیٰ وحدہ لانہ اذالم یسمع منہ شیئاً یحمل علی انہ قد سئى اللہ تعالیٰ تحسیناً للظن بہ کما ہا المسلم ولو سمع منہ ذکر اسم اللہ تعالیٰ لکنہ عنہ باللہ عزوجل المسیح علیہ السلام قالوا یتوکل الا اذا نصح لقال : بسم اللہ الذی ہو ثالث ثلاثہ فلا تعجل ، فاما اذا سمع منہ انہ سئى المسیح علیہ السلام وحدہ او سئى اللہ سبحانہ وسمى المسیح لا توکل ذبیحہ ،
ولما فی الہدایہ (۲/۳۳۳ رحمانیہ)

ومن شرطہ ان یکون الذابح صاحب ملة التوحید اما اعتقادا کا لمسلم او دعویٰ کالکتابی قال وذبیحة المسلم والکتابی حلال لما تلونا ولقولہ تعالیٰ وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم
ویحل اذا کان یعقل التسمیۃ والذبیحة یضبط اما اذا کان لا یضبط ولا یعقل التسمیۃ والذبیحة لا تعجل لان التسمیۃ علی الذبیحة شرط بالنص .

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: دوست محمد روحانی

فتویٰ نمبر ۴۱۷۳

اجمادی الثانی ۱۴۳۵ھ

﴿ ذبح کرتے وقت جانور کا سر الگ کرنا مکروہ ہے ﴾

﴿ سوال ﴾ بعض لوگ جانور کو ذبح کرنے کے فوراً بعد اس کا سر جدا کر دیتے ہیں ایسے ذبیحہ کے بارے میں کیا حکم ہے کیا یہ حلال ہوگا ؟

﴿ جواب ﴾ ٹھنڈا ہونے سے قبل مذبوح جانور کا سر علیحدہ کرنا مکروہ ہے، مگر ذبیحہ حلال ہو

جاتا ہے۔

لما فی التکوہ مع الدرر الدرد: (۱/۲۱۶، طبع سعید)

(و) کرہ کل تعذیب بلا فائدة مثل (قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد) أي تسکن عن الاضطراب وهو تفسیر باللازم کما لا یخفی سلفی الشامی: (قوله وکرہ الخ) هذا هو الاصل الجامع فی المسألة معنی الکراهة عنایة (قوله أي تسکن عن الاضطراب) کذا المسرہ فی الہدایہ (قوله وهو تفسیر باللازم) لانہ یلزم من برودتها سکوئتها بلا عکس الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۵۵

اجمادی الثانی ۱۴۳۷ھ

﴿ ذبح میں مدد کرنے والے کا تسمیہ کہنا واجب نہیں ﴾

﴿ سوال ﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں سعودی عرب

میں ایک کہنی میں کام کرتا ہوں ہمارے ساتھ چند غیر مسلم (ہندو) بھی ہیں، ایک مرتبہ ہم مسلمان اپنے لیے ایک دنبہ ذبح کر رہے تھے ذبح کرتے وقت دنبہ ہاتھ پاؤں مارنے لگا تو ایک ہندو آیا اور دنبے کے پیروں کو پکڑ لیا اور میں نے بسم اللہ پڑھ کر چھری پھیر دی لیکن ہندو نے بسم اللہ نہیں پڑھی، تو کیا ہندو کے پیر پکڑنے اور بسم اللہ نہ پڑھنے سے جانور کے حلال ہونے میں کوئی فرق تو نہیں آئے گا؟

مستفتی: محمد کامران فیصل

﴿مجموعہ﴾ جانور ذبح کرتے وقت جو شخص محض جانور کا ہاتھ پاؤں، سینک وغیرہ پکڑ کر معین و مددگار بنتا ہے اس پر ”بسم اللہ“ پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ صرف ذبح کرنے والے کا ”بسم اللہ“ پڑھنا کافی ہے، البتہ جو آدمی قصاب یا ذبح کرنے والے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے یا چھری چلانے میں مددگار بنتا ہے اس پر ”بسم اللہ“ پڑھنا ضروری ہوتا ہے دونوں میں سے ایک بھی چھوڑے گا تو جانور حلال نہیں ہوگا، لہذا مذکورہ صورت میں جب ذبح کرنے والے یعنی آپ نے ”بسم اللہ“ پڑھ کر جانور ذبح کیا ہے تو یہ جانور حلال ہے اور اس کا کھانا بلاشبہ جائز ہے ہندو کے ”بسم اللہ“ پڑھنے یا نہ پڑھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لما فی قوله تعالى: (سورة المائدة الآية ۴)

فكلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم الله علیہ.

ولما فی اللغه العتقی وأدلتہ: (۲۰۱/۳ طبع دار الکلم الطیب بیروت)

”الشرط للذابی: کون الذابح مسلماً او کتاباً.

ولما فی الدر المختار: (۲۴۷/۱ طبع امدادیہ) وشرط کون الذابح مسلماً حلالاً.

ولہ ایشا ص ۲۸۲

ولہا اراد التضعیہ فوضع یدہ مع ید القصاب فی الذبح وأعانہ علی الذبح سی کل وجوباً، فلترکہا اذہما او ظن أن تسمیة اذہما تکفی حرمت.

ولما فی فتاویٰ قاضیخان علی هامش المہندیہ: (۳۵۵/۳ طبع رشیدیہ)

رجل اراد ان یضعی فوضع صاحب الشاة یدہ مع ید القصاب فی الذبح وأعانہ علی الذبح حتی صار ذابحاً مع القصاب قال الشیخ رحمہ اللہ یجب علی کل واحد منهما التسمیة حتی لو ترک اذہما التسمیة لا تعل الذبیحة.

ولما فی مجموعۃ الفتاوی: (۲۱۳/۳)

تسمیة معین ذابح ہم ضرورست، ومعین ذابح آن ست کہ دست خود بر آلہ ذبح نہد.

ولما فی اعداد الاحکام (۲۱۳/۴)

”بیر پکڑنے والا معین ذائع نہیں ہے بلکہ معین ذائع سے مراد وہ ہے جو ذائع کر لے اور لے کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے۔“

واللہ اعلم بالصواب: محمد توفیق رحمہ اللہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

توی نمبر: ۲۷۲۰

۳ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ

﴿جھٹکے اور سستی کی وجہ سے متروک التسمیہ ذبیحہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس مرغی کو جھٹکے کے ساتھ ذبح کیا جائے اس کا کیا حکم ہے، یا کاہلی کی وجہ سے بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ مرغی کو جھٹکے سے ذبح کرنے کی تفصیل استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اپنی کتاب ”بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرہ“ میں بتائی ہے، چونکہ اس میں شرعی طریقہ سے ذبح کرنے کی رعایت نہیں کی جاتی اس لئے اس کا کھانا جائز نہیں ہے، اسی طرح کاہلی اور سستی کی وجہ سے ذبح کے وقت کوئی تسمیہ چھوڑ دے تو اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔

فی قوله تعالى (الانعام، آیت ۱۲۱) ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ

لِمَا فِي السَّحِيطِ الْمَرْهَانِ﴾: (۸/۲۵۶، کتاب الذبائح، الفصل ۴، مطبع بھروت)

واذا اراد ان يذبح عددا من الذبائح لم تجزئه التسمية الاولى عما بعدها.

لما فی الشامیہ: (۶/۲۹۹، کتاب الذبائح، مطبع سعید)

اقول: يمكن ان يذبح بغير العالم بالشرطية اصلا و بين العالم بها بالجملة فلهذا الاول دون الثاني لوجود علمه باصل الشرطية، على ان الشرط في التسمية الفور كما ياتي و يذبح الاول انتطع الفور في الثانية مع علمه بالشرطية تامل، لكن ذكر في الهدايه انه لم يجعل ظنه الاجزاء عن الثانية عذرا كالنسيان لانه من باب الجهل بحكم الشرع و ذلك ليس بعذر بخلاف النسيان كمن ظن ان الاكل لا يفسد الصائم فلهذا تامل.

لما فی بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرہ: (ص ۲۴۳-۲۴۴، مطبع مکتبہ معروفیہ)

ان الطرق الالیه للذبح فی الدجاج علیها عدة ماخذ من الناحية الشرعية:

(ا) غمس الدجاج قبل ذبحه فی الماء البارد الذی فیہ تبار من الکهرباء فانه لا یومن منه

ان يموت الدجاج بالكهرباء

(ب) تعذر التسمية على ما يذبح عن طريق السکون الدوار.

(ج) الشبهة فی قطع العروق فی بعض الحالات.

و ان ما نقلنا من تقارير المندوبين لهيئة كبار العلماء و توصيات اللجنة الدائمة للبحوث والافتاء يكتفى لاثبات ان معظم الشهادات المكتوبة على علب اللحوم المستوردة من كونها مذكاة بالطريقة الشرعية لا يولق بها اطلاقاً و على هذا فلا يجوز اكلها ما لم يثبت بطريق موثوق انه مذبوح بالطريقة الشرع

الجواب صحیح: عبدالرحمن حفظہ اللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: جلال الدین خرسند

فتویٰ نمبر: ۳۵۹۸

۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿حلق کے گره سے اوپر اگر ذبح ہوا تب بھی جانور حلال ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں۔ کہ ذبح فوق العقدہ کا شریعت میں کیا حکم ہے اور اس سے جانور کی حلت و حرمت پر کیا اثرات مرتب ہو گئے۔ بعض لوگ ایسے جانور کو حرام سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

﴿جواب﴾ ذبح میں چار چیزوں کا کاٹنا ہوتا ہے حلق کے دائیں بائیں جانب دو رگیں جن سے دباغ کی طرف خون کی سپلائی ہوتی ہے اور سانس و خوراک کی نالی عقدہ (گرہ) سے نیچے یہ چاروں چیزیں چونکہ الگ الگ ہوتی ہیں اس لئے کوشش یہ ہو کہ عقدہ (گرہ) کے ساتھ ہی نیچے ذبح کیا جائے تاکہ چاروں چیزوں کا یقینی طور پر الگ الگ کاٹنا ثابت ہو۔ عقدہ (گرہ) کے اوپر چونکہ حلق کا حصہ شروع ہو جاتا ہے سانس اور خوراک کی دونوں نالیاں عقدہ (گرہ) پر آ کر حلق کا حصہ بن جاتے ہیں اس لئے عقدہ (گرہ) کے اوپر کاٹنے سے حلق کٹ جاتا ہے دونوں نالیوں کا الگ الگ کاٹنا ظاہر نہیں ہوتا لیکن دونوں یہاں آ کر حلق بن جاتے ہیں اس لئے حلق کے کاٹنے سے من وجہ نالیاں بھی کٹ جاتی ہیں اور رگوں کے کاٹنے میں کوئی اشتباہ نہیں ہے لہذا ذبح میں ایسی صورت پیش آجائے تو مفتی بہ قول کے مطابق جانور حلال ہے چنانچہ شیخ الحدیث والفقہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ ”میں نے خود اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ ذبح فوق العقدہ سے اکثر رگوں کا قطع حاصل ہو جاتا ہے اور یہ حلال ہے۔“

اس طرح حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امداد الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ حلت و حرمت دونوں قولوں میں اختلاف کا جہی صرف یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ میں حلقوم اور مری قطع ہو گئے یا نہیں۔ سو یہ امر مشاہدہ کے متعلق ہے۔ مشاہدہ کے بعد اس میں

اختلاف کی گنجائش نہیں اور چونکہ مشاہدہ قطع کار و ایات ثقات سے محقق ہو چکا اس لئے طلت کا حکم دیا جائے گا۔

لہذا عقدہ (گرہ) سے اوپر اگر ذبح ہو جائے تو جانور حلال ہے اس کا کھانا جائز ہے۔ حرام سمجھا غلط ہے۔

لصافی الشامی (۲/۲۱۵ طبع سعید)

اقول: والتحریر لل مقام: ان يقال: ان كان بالذبح فرق العقد حصل قطع ثلاثة من المروق فالحق ما قاله شراح الهداية تبعا للرسنغضي، والافالحق خلافا، ان لم يوجد شرط العمل باتفاق اهل المذهب، ويظهر ذلك بالمشاهدة او سوال اهل العبرة، لما غنم هذا القتال ودع عنك الجدل.

ولصافی الہندیہ (۲۸۷/۵ طبع رشیدیہ)

فان قطع كل الاربعه: حلت الذبيحة وان قطع اكثرها فكذلك عندنا، حنيفة رحمه الله تعالى. ولصافی الفقه الاسلامی وادلته (۲/۲۷۱ طبع رشیدیہ)

قال الحنلية وبعض المالكية: توكل، لانه لا يشترط قطع الحلقوم ذاته فان قطع فوق الجوزة مجاز لانه يشترط فقط قطع اكثر الاوداج وقد وجد.

ولصافی للبخاری علی هامش الہندیہ (۲۰۶/۱ طبع رشیدیہ)

وقد قال الامام: يكتمى بقطع الثلاث من الاربع اى ثلاث كان.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد رادو قادرقی ٹانگوی

توی نمبر: ۳۰۸۱

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

﴿ذبح کا مسنون طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ جانور کو ذبح کرتے وقت کس طرف

لٹانا چاہیے اور ذبح کا صحیح مسنون طریقہ کیا ہے؟ مستفتی: عہد احمد کیانی

﴿جواب﴾ ذبح کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جانور کو بائیں پہلو پر نرمی کیساتھ قبلہ رخ

لٹا کر ذبح کرنے والا خود بھی قبلہ رخ ہو "بسم اللہ اللہ اکبر" پڑھ کر جانور کے حلق پر تیز چھری

وغیرہ چلائیں یہاں تک کہ چار چیزیں یعنی دو بڑی رگیں جن کے ذریعہ دل سے سر کی جانب خون

کی سپلائی ہوتی ہے اور ایک خوراک کی نرم نالی اور ایک سانس کی پیچہ رنالی یہ چاروں چیزیں

کٹ جائیں مزید کاٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بعض قصائی زرخہ کرتے ہیں اور بعض زرخہ کی ہڈی کے جوڑوں کے اندر سے شررگ کاٹتے ہیں جس سے جانور کی حرکت مکمل ختم ہو جاتی ہے، یہ قلم ہے اس سے روکنا چاہیے اور اونٹ کے علاوہ باقی تمام جانوروں میں لٹا کر ذبح کرنا مسنون ہے اور اونٹ کو کھڑے ہونے کی حالت میں بائیں ہاتھ باندھ کر نحر کرنا مسنون ہے، نحر کا مطلب یہ ہے کہ سینہ کے قریب گردن کے نیچے حصے میں نرم جگہ ہے جہاں تمام رگیں ایک ساتھ ہیں کاٹنا چاہیے۔

لسالی الہندیہ: (۵/۲۸۷-۲۸۸، طبع رشیدیہ)

والسنة في البعير كل منها أن ينحر قاناً معقول اليد اليسرى والسنة في الشاة والبقرة أن ينبح كل منها مضجعا لأنه أمكن لقطع العروق ويستقبل القبلة في الجميع كذا في الجوهر النيرة المستعجب أن يكون الذبح بالنهار --- ومنها الترفيق في قطع الأوداج وبكره الاتكاء ويستعجب الذبح من قبل الحلقوم.

قال البقالي المستعجب أن يقول بسم الله الله أكبر يعني بدون الواو كذا في المحيط.

ولسالی البزازیة: (۱/۳۰۵-۳۰۷، طبع قدیمی)

ويستعجب الترجيه الى القبلة --- المستعجب أن يقول بسم الله الله أكبر الخ.

ولسالی تنوير الابصار: (۱/۳۳۷، طبع امدادیہ)

(والمستعجب أن يقول بسم الله الله أكبر بلا واو، وكره بها)

ولسالی التذہیر مع الدر: (۱/۳۳۹-۳۴۰، طبع امدادیہ)

(وحب) بالحاء (نحر الابل) في سفل العنق (وكره ذبحها، والحكم في غنم وبقرة عكسه) فندب ذبحها (وكره نحرها لترك السنة)

وفي الشامية: تو علم أن النعام والاور كالابل ينحر، والضابط كل ماله عنق طويل. أبو السعود عن شرح الكنز للابيارى: وفي المضمرات: السنة أن ينحر البعير قاناً أو تذبح الشاة أو البقر مضجعة. قهستانی.

ولسالی الفقه الاسلامی وأدلته: (۳/۲۶۱-۲۶۲، طبع دار الفکر بیروت)

السابع سنن التزكية (۱) التسمية --- والتكبير (۲) كون الذبح بالنهار (۳) توجيه الذابح والذبيحة نحو القبلة (۴) اضجاع الذبيحة على شقها الأيسر برفق (۵) نحر الابل قائنة معقولة الركبة اليسرى (۶) قطع الأوداج كلها والتذفيف أى الاسراع بالذبح (۷) احداث الشرقة (المسكين العظيمة قبل الاضجاع (۸) الترفيق بالبهيمة.

والجواب صح: عبدالرحمن عفا الله عنه
والله اعلم بالصواب: عبدالرحمن كوتوی

۹ صفر الحیر ۱۴۳۰ھ

فتویٰ نمبر: ۱۸۷۶

﴿جانوروں کو خسی کرنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا جانوروں کو خسی کرنا جائز ہے؟ بینواتو جروا۔

﴿جواب﴾ جانوروں کو منفعت کی غرض سے خسی کرنا جائز ہے بلا غرض خسی کرنا جائز نہیں۔

لسالی التنبیر مع الدر: (۱/۳۸۸، طبع سعید)

(و) جاز (خصاء البہائم) حتی الہرة، وأما خصاء الآدمی فحرام قبل والغرس وقيدوه بالمستفعة والأفحرام وفي الشامية: (قوله وجاز خصاء البہائم) عبر فی الهدایة بالاختصاص، والصراب ما هنا كما فی النهاية وهو نزاع الخصية، ويقال: خصى ومخصى (قوله قبل والغرس) ذكر شمس الأنة العلواني أنه لا بأس به عند أصحابنا، وذكر شيخ الاسلام أنه حرام. ط. (قوله وقيدوه) أي جواز خصاء البہائم بالمستفعة وهي ارادة سننها أو منعها عن المض بخلاف بنی آدم فإنه يراد به المعاصی فيحرم أفاده الاتقانی عن الطحاوی.

الجواب صحیح: محمد الرٹن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۸۸

۱۵ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿اوقات مکروہہ میں قربانی جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ زوال کے وقت قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ نماز کی طرح ”اوقات مکروہہ“ میں بھی قربانی ناجائز ہے۔ برائے مہربانی وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: عبدالسلام

﴿جواب﴾ زوال کے وقت قربانی کا جانور زبح کرنا کوئی مکروہہ نہیں ہے، بعض لوگوں کا اس طرح کہنا کہ ”نماز کی طرح اوقات مکروہہ میں قربانی بھی مکروہہ ہے۔“ یہ غلط اور بے بنیاد بات ہے۔

لسالی الہدایہ: (۲۴۵/۴، طبع رحمانیہ، لاہور)

وقت الاضحیۃ یدخل بطلوع الفجر من یوم النحر الا انہ لا یجوز لاهل الامصار الذبح حتی یصلی الامام العید فاما اهل السواد فیذبحون بعد الفجر وی جائزہ فی ثلاثۃ ایام یوم النحر ویومان بعده۔ یجوز الذبح فی لیلایہا الا انہ یکرہ لاحتمال الغلط فی ظلمۃ اللیل۔ ولسالی الہندیہ: (۲۹۵/۵، طبع ترشیدیہ، کوئٹہ)

وقت الاضحیۃ ثلاثۃ ایام العاشر والعادی عشر والثانی عشر اولها افضلها و آخرها دونها ویجوز فی نهارها ولیلہا بعد طلوع الفجر من یوم النحر الی غروب الشمس من یوم الثانی عشر الا انہ یکرہ الذبح فی اللیل۔

لسالی الخلاصۃ الفتاویٰ: (۲/۳۱۱، طبع ترشیدیہ، کوئٹہ)

فی الاصل ایام النحر ثلاثۃ اولها افضلها ویجوز التضعیۃ فی اللیلین المتخللتین

ویکمرہ اذا طلع النجیر الثاني من یوم النحر فلامل السواد ان یضمر او امل
المصر لا یضمر ان الابد صلوة العید.

ولسالی تبیین الحقائق (۲۷۸/۱ طبع: سمیع کراچی)

ویجوز الذبح فی لیلایہا الا انہ یکرہ لاحتمال الغلط فی الظلمة وایام النحر ثلاثة ایام ولایام
التشریق ایضا ثلاثة والکل لضمنی باربعة ایام اولہا نحر لا یمروا آخرہا تشریق لا یمروا.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدہ

توی نمبر: ۳۰۲۱

۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

﴿قربانی کے نصاب سے متعلق ایک اہم مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کے پاس
چار، پانچ تولہ سونا ہے، اب پوچھنا یہ ہے کہ اس عورت پر عید الاضحیٰ کی قربانی واجب ہے یا
نہیں؟ علاقے کے بعض علماء کہتے ہیں کہ اس عورت کے پاس جتنی نقدی رقم ہے اسے اپنے شوہر
کیلئے بہہ کر دے تو اس پر کوئی قربانی واجب نہیں ہوتی۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ جب تک سونا
ساڑھے سات تولہ تک پہنچا نہ ہو اس وقت تک کوئی قربانی واجب نہیں۔ مستفتی: ولی محمد عمر ترخیل

﴿جواب﴾ قربانی کے واجب ہونے کے لئے قربانی کے دنوں میں صاحب نصاب ہونا
شرط ہے، اور قربانی کا نصاب وہی ہے جو صدقۃ الفطر کا نصاب ہے یعنی ساڑھے سات تولہ سونا یا
ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر نقد روپے یا ضرورت اصلیہ سے زائد سامان چاہے
تجارت کا ہو یا تجارت کے علاوہ جسکی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی تک پہنچتی ہو کسی عاقل بالغ
مسلمان کی ذاتی ملکیت میں خاص قربانی کے دنوں موجود ہو، اسی طرح مذکورہ اشیاء میں سے
انفرادی طور پر بقدر نصاب اگر چہ نہ ہو لیکن مختلف چیزوں کو مثلاً سونا چاندی یا نقد روپے اور سونا یا
چاندی ملا کر بھی اگر بقدر نصاب ہو تب بھی یہ شخص صاحب نصاب کہلایگا اور قربانی اس پر واجب
ہوگی۔ لہذا قربانی کے دنوں میں کسی خاتون کے پاس چار، پانچ تولہ سونا اگر ہے اور اسکی ذاتی
ملکیت میں کچھ نقد روپے بھی ہیں تو اس پر قربانی واجب ہوگی، صرف سونا اگر ساڑھے سات تولہ
سے کم ہے اور نقدی روپے یا چاندی وغیرہ اسکی ذاتی ملکیت میں نہیں ہے تو اس پر قربانی واجب نہ
ہوگی، اس لئے کہ سونے کا نصاب شریعت نے ساڑھے سات تولہ مقرر کیا ہے، اور کوئی خاتون

قربانی کے ایام سے پہلے اپنی ملکیت میں صرف چار، پانچ تولہ سونا چھوڑ دے باقی نقد روپے یا چاندی وغیرہ اسکی ملکیت میں نہ رہے چاہے وہ خرچ کرے یا خیرات کرے تو وہ صاحب نصاب نہ رہیگی، اسی طرح اگر شوہر کو ہیہہ کر دیا تب بھی وہ صاحب نصاب نہ رہیگی بشرطیکہ واقعی اسکے قبضہ اور باقاعدہ ملکیت میں دیدیا ہو۔

ولما فی المصنف عبدالرزاق، ۱۰۷/۹ طبع المجلس العلمی

قال عن الثوری عن منصور عن ابراهیم قال: لا تجوز الهبة حتی تقبض والصدقة قبل ان تقبض. کذا فی نصب الراية: ۲/۲۹۹ قدیمی کتب خانہ

ولما فی الهدایة: ۲/۲۸۵، ۲۸۶ طبع رحمانیہ

الهبة عقد مشروع وتصح بالایجاب والقبول والقبض یقال بعد سطر "ولنا قوله عليه السلام لا يجوز الهبة الا مقبوضة."

ولما فی العالمگیریہ: ۵/۳۱۰ طبع قدیمی کتب خانہ

واما شرائط الوجوب: منها البسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكاة.

وكذا لهما (۲۱۱/۵) والمرسوفی ظاہر الروایة من له مائتا درهم او عشرون ديناراً او بشینى يبلغ ذالك سوى مسكنه ومتاع مسكنه ومركوبه وخادمه لى حاجته القى لا يستغنى عنها، فاما ما عدا ذالك من سائمة او رقيق او خيل او متاع للتجارة او غيرها فانه يمتد به من يسار.

ولما فی التنویر مع الدرر: ۲/۳۰۳ طبع سعید

وقبضة العرض تضم الى الثمنين ويضم الذمب الى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمة وقال بالاجزاء

ولما فی الشامی: ۲/۳۰۳ طبع سعید

(قوله ويضم الخ) أى عند اجتماع، اما عند انفراد احدهما فلا تعتبر القيمة اجزاء بذائع لان المعتبر وزنه اداء ووجوبها كما مرّوفى البذائع ايضاً ان ما ذكر من وجوب الضم اذا لم يكن كل واحد نصاباً بان كان أقل، فلو كان كل منهما نصاباً تاماً

بدون زيادة لا يجب الضم بل ينفي ان يؤدى من كل واحد منهما ركاته، فلو ضم حتى يؤدى كله من الذمب او الفضة فلا بأس به عندنا لکن يجب ان يكون التوہم بما هو اتمع للفقراء وواجباً والا يؤدى من كل منهما ربع عشرة.

ولما فی الفقه الحنفی وادلته، ۱/۲۳۵ دار الکلم الطہیب بیروت

وجب الزكاة فى مال المستفاد المجانس فى انشاء الحول مع الاصل لما للتقديان للذهب والفضة والاوراق النقدية وعروض التجارة جنس واحد لضم بعضها الى بعض.

ولما فی البدائع: ۲۵/۵ طبع سعید

وعلى هذا يخرج ما اذا لم يكن اهلا للوجوب في اول الوقت ثم صار اهلا في آخره بان كان كافرا او عبدا او فقيرا او مسافرا في اول الوقت ثم اسلم او اعتق او ايسر او اقام في آخره انه يجب عليه، ولو كان اهلا في اوله ثم لم يبق في آخره بان ارتد او اعسر او سافر في آخره لا يجب. هكذا في الهندية: ۳۱۲/۵ قدیمی کتب خانہ

ولما فی الهندية: ۳۱۱/۵ طبع قدیمی

ولو اشترى المورس شاة للاضحية لمضاعف حتى انتقض نصابه وصار فقيرا فجاءت ايام النحر فليس عليه ان يشتري شاة اخرى لان النصاب ناقص وقت الوجوب فلم يوجد شرط الوجوب وهو الغنى فلو انه وجدها وهو معسر وذلك في ايام النحر فليس عليه ان يضحي بها لانه معسر وقت الوجوب.

ولما فی البدائع: ۲۵/۵ طبع سعید

واما وقت الوجوب فایام النحر فلا تجب قبل دخول الوقت لان الموقلة لا تجب قبل لوقاتها كالصلوة والصوم ونحوها بایام النحر ثلاثة یوم الاضحی وهو الیوم العاشر من ذی الحجة والحادی عشر والثانی عشر وذلك بعد طلوع الفجر من الیوم الاول الى غروب الشمس من الثاني عشر.

والله اعلم بالصواب: محمد زبیر غفر له ولوالديه

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۳۳۷۵

یکم ذی الحجة ۱۴۳۳ھ

﴿قربانی کے نصاب کے بارے میں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ اگر

ایک آدمی کے پاس ایک تولہ سے کچھ کم سونا ہو اور بھیڑ، بکریاں بھی ہوں (جن سب کی قیمت لگا کر چاندی کے نصاب کو پہنچتا ہو) تو ایسے شخص پر قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟ بیّناتو جروا۔

﴿جواب﴾ نقدی روپے اور سونے کی مالیت دونوں ملا کر اگر چاندی کے نصاب تک پہنچے

یا گھریلو زائد سامان وغیرہ اتنا ہے کہ مالیت چاندی کے نصاب کے برابر ہو جاتی ہے تو اس پر قربانی واجب ہے ورنہ نہیں۔

(لما فی تنویر مع الدر: ۱/۱۱۲۴ طبع ماہچہ ایم۔ سعید)

کتاب الاضحية من ذکر الخاص بعد العام (هي) لفة اسم لما يذبح ايام الاضحية من تسمة الشئ باسم وقته. وشرعا (ذبح حيوان مخصص بنية القرية في وقت مخصوص وشرائطها: الاسلام والاقامة واليسار الذي يتعلق به) وجوب

(صدقة الفطر) كما مر (لا الذكورة فتجب على الانثى) غائبة.

(ولما في الهندية: ۲۱۲/۵، طبع برشيديه)

والموسر في ظاهر الرواية من له مائتا درهم او عشرون دينارا او شئ يبلغ ذلك سوى مسكنه ومتاع مسكنه ومركوبه وخادمه في حاجته التي لا يستغنى عنها فاما عدا ذلك من سائمة او رقيق او خيل او متاع لتجارة او غيرها فانه يعتد به من يساره.

(ولما في الرد: ۳۱۲/۶، طبع مايجهايم سعيد)

(قولہ واليسار النخ) بان ملك مائتي درهم او عرضا يساويها غير مسكنه وثياب اللبس او متاع يحتاجه الى ان يذبح الاضحية ولو له عتار يستغله فقل تلزم لو قيمته نصابا وقل لو يدخل منه قوت ستة تلزم وقل قوت شهر لمضى فضل نصاب تلزمه.

(ولما في قاضي خان: ۲۲۹/۳، طبع قديمي)

واما شرائطها فهي ثلاثة: اولها: الغنى والغنى فيها من له مائتا درهم او عرض يساوي مائتي درهم سوى مسكنه وخادمه وثيابه التي يلبسها واثاث البيت فالغنى فالاضحية ماهر الغنى في صدقة الفطر وقد ذكرنا.

(ولما في البرازيه: ۳۰۵/۲، طبع قديمي)

قال الامام رضى الله عنه من ملك مائتي درهم او عرضا يساويه غير مسكنه وثيابه الذي يلبسها والمتاع الذي يحتاج اليه الى ان يذبح الاضحية يجب عليه والغنى والفقر والولادة والموت انما تعتبر في آخر ايام الاضحية فلو كان نصاب في اول يوم للحر فهلك او نقص منه لا تلزم ولو كان فقيرا فملك نصابا في ايامها تلزمه.

(ولما في المحيط البرهاني: ۳۵۵/۸، طبع ادارة القرآن)

۱۰۷۷. قال القدوري في شرحه: الاضحية واجبة عند اصحابنا رحمهم الله تعالى الا في احدى الروايتين عن ابي يوسف لانهما سئمت وشرط وجوبها اليسار عند اصحابنا والموسر في "ظاهر الرواية" من له مائتا درهم او عشرون دينارا او شئ يبلغ ذلك سوى مسكنه ومتاعه ومركوبه وخادمه في حاجته التي لا يستغنى عنها فاما عدا ذلك من سائمة او رقيق او خيل او متاع لتجارة او غيرها فانه يعتد به في يساره.

(ولما في بدائع الصنائع: طبع دار الكتب العلمية)

ومنها الغنى لما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال "من وجد سعة فليضح" شرط (عليه الصلاة والسلام) السعة هي الغنى ولانا اوجبناها بطلاق المال ومن الجائز ان يستغرق الواجب جميع ماله فيؤدي الى الحرج فلا بد من اعتبار الغنى وهو ان يكون في ملكه مائتا درهم او عشرون دينارا او شئ تبلغ قيمته ذلك سوى مسكنه وما يتاثلث به وكسوته وخادمه وهرسه وسلاحه وما لا يستغنى عنه وهو نصاب صدقة الفطر وقد ذكرناه وما يتصل به من المسائل في صدقة الفطر:

(ولما في الهداية: ۳۲۴/۳، طبع رحمانيه)

واليسار لما روينا من اشتراط السعة ومقداره ما يجب به صدقة الفطر وقد مر في الصبر.

(ولما فی الغانية علی هامش للهندية: ۳۲۲/۳، طبع، رشیدیہ)

واما شرانطها فهي ثلثة — اولها الغنى والغنى فيها من له ما لنا درهم او عرض
يساوى مائتى درهم سوى مسكنه وخادمه وثيابه التى يلبسها واثاث البيت فالغنى
فى الاضحية ماهر الغنى فى صدقة الفطرو قد ذكرنا.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد سلمان غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر ۳۸۸۶

۸ صفر الخیر ۱۴۳۵ھ

﴿الگ الگ جمع پونجی رکھنے پر باپ، بیٹے دونوں پر قربانی واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین متین درپیش مسئلہ کے متعلق کہ باپ اور بیٹے دو

مختلف پیشوں سے وابستہ ہیں مثلاً ایک کی پرچون کی دوکان ہے، جبکہ دوسرا اسٹیٹ اینجنی سے
منسلک ہے۔ لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ دونوں کا خرچہ مشترک ہے اور گذران زندگی میں
درپیش مسائل وہ باہم تعاون سے حل کرتے ہیں، مگر ان میں سے ہر ایک اپنی دوکان سے حاصل
شدہ جمع پونجی کا حساب و کتاب الگ سے اپنے پاس ہی رکھتا ہے، جس کا دوسرے کو علم تک بھی نہیں
ہوتا۔ اب استفسار طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا ان دونوں پر قربانی واجب ہوگی یا صرف ایک قربانی
دونوں کی طرف سے کافی ہوگی؟ برائے مہربانی دلائل کی روشنی مکمل وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں باپ اور بیٹا ہر ایک آمدنی کا کچھ حصہ اپنے پاس الگ بھی اگر

رکھتے ہیں اور ہر ایک کی جمع پونجی اب نصاب کی مالیت کے برابر ہے تو باپ بیٹے ہر ایک پر الگ الگ
قربانی واجب ہے، ہاں اگر کسی ایک کے پاس بقدر نصاب مال اب تک جمع نہیں ہوا، اور اسی طرح
پرچون کی دوکان میں موجود مال تجارت بھی بقدر نصاب نہیں ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔

لسمالی الشامی: (۳۱۲/۶، طبع: ایچ، ایم، سعید کراچی)

وشرانطها الاسلام والاقامة واليسار الذى يتعلق به وجوب صدقة الفطر لا الذكورة فتجب على الانثى.

ولسمالی القدير: (۵۱۸/۴، طبع: رشیدیہ کوئٹہ)

اما شرائط الوجوب فاليسار الذى يتعلق به وجوب صدقة الفطر والاسلام والوقت وهو ايام النحر.

ولسمالی البحر الرائق: (۱۴۸/۸، طبع: ایچ، ایم، سعید کراچی)

تجب علی حر مسلم موسر مقیم عن نفسه لا عن طفله شاء سبع بدنة لغير يوم النحر فی آخر ایامہ.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر ۳۸۷۴

۲۸ ذی القعدہ ۱۴۳۳ھ

﴿آدمی امریکہ میں ہے اسکی قربانی پاکستان میں ہے کس وقت کریں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی امریکہ میں رہتا ہے لیکن اسکی قربانی پاکستان میں ہے اگر اسکی طرف سے قربانی کرنی ہو تو جب یہاں پاکستان میں قربانی کرنے کا ٹائم ہو جائے قربانی کرنا درست ہوگا یا وہاں کے ٹائم کا انتظار کرنا ہوگا جبکہ دونوں میں تقریباً بارہ گھنٹے کا فرق ہے کہ وہاں بارہ گھنٹے بعد عید ہے برائے کرم وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔
 مستفی: ایک سائل

﴿جواب﴾ قربانی میں جانور کے مکان کا اعتبار ہوتا ہے قربانی کرنے والے کے مکان اور وقت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ لہذا قربانی کا جانور اگر پاکستان میں ہے اور قربانی کی نیت سے ذبح ہو رہا ہے اور یہاں پاکستان میں قربانی کا وقت ہو چکا ہے تو اس شخص کی طرف سے قربانی کرنی صحیح ہے اگر چہ امریکہ میں ابھی تک وقت داخل ہونے میں کچھ دیر ہو۔ ہاں ایسے شخص کی قربانی دوسرے روز کی جائے تو احتیاط اسی میں ہے۔

لما فی الہندیہ ج ۳۱۶/۵ قدیمی کتب خانہ

ان الرجل اذا كان في مصر واهله في مصر آخر فكتب اليهم ليضعوا عنه فانه يعتبر مكان التضحية فينبغي ان يضعوا عنه بعد فراغ الامام من صلواته في المصر الذي يضعي عنه فيه ولما في البحر ۱۷۵/۸ /طبع ابيج بايم سعيد

والمعتبر في ذلك أي وقت الاضحية مكان الاضحية حتى لو كانت في السواد والمضحي في المصر يجوز كما انشق الفجر وفي العكس لا يجوز الا بعد الصلوة..... لان وقتها من طلوع الفجر وانما اخرت في حق المصر لما ذكرنا ولا انها تشبه الزكوة فيعتبر في الاداء مكان المحل وهو المال لا مكان الفاعل بخلاف صدقة الفطر حيث يعتبر فيها مكان الفاعل لانها تتعلق بالذمة والمال بمحل لها

ولما في المحيط البرهاني ۲۱۴/۸ /طبع ادارة القرآن

قال القدوري لموان رجلا من اهل السواد دخل المصر لصلوة الاضحية وامر اهله ان يضعوا عنه جاز ان يذبحوا عنه بعد طلوع الفجر قال محمد رحمه الله تعالى: ينظر في هذا الى موضع الذبح دون المذبح عنه ولو كان الرجل بالسواد واهله بالمصر لم يجز ذبح الاضحية عنه الا بعد صلوة الامام وهكذا روى عن ابي يوسف رحمه الله تعالى وروى عنهما ايضا: ان الرجل اذا كان في مصر واهله في مصر آخر فكتب اليهم ان يضعوا عنه فانه يعتبر مكان الذبحة فينبغي ان يضعوا بعد صلوة الامام في المصر الذي تذبح فيه

وروی عن الحسن انه قال: لا تجوز للتضعية حتى يوصلی فی المصرین جمیعاً احتیاطاً
الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: عاقل شاہ

فتویٰ نمبر: ۳۸۶۱

۸ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

﴿قربانی اور صاحب قربانی الگ الگ ہوں تو کس کا اعتبار ہوگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا بڑا بھائی شہر میں رہتا ہے، اور اس کا قربانی کا جانور گاؤں میں تھا اب عید کے دن صبح صادق کے بعد قربانی کے جانور کو ذبح کر دیا اور ابھی تک شہر میں عید کی نماز نہیں ہوئی تھی تو کیا میرے بھائی کی قربانی ادا ہوگی یا نہیں؟
﴿جواب﴾ آپ کے بھائی کی قربانی بلا کراہت صحیح ہو گئی ہے، عید کی نماز تک قربانی کو مؤخر کرنے کا حکم صرف شہر یا بڑے گاؤں والوں کے لئے ہے، جہاں عید کی نماز قائم کی جاتی ہے، دیہات میں نماز جمعہ عید قائم نہیں ہوتی وہاں صبح سویرے سویرے قربانی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

لما فی الشامی: (۱/۳۱۸، طبع: سعید)

(قوله والمعتبر مكان الاضحية) فلو كانت فی السواد والمضعی فی المصر جازت قبل الصلاة ولی العکس لم تجز.

ولما فی فتاویٰ قاضی خان: (۲/۲۳۰، طبع: قدیمی)

ولو كانت الاضحية فی السواد صاحبها فی المصر فامر امله بالتضعية لذبح الامل قبل صلاة العيد یجوز عندنا ویعتبر مكان المذبح لا مكان المالك.

ولما فی الہدایہ: (۲/۴۲۱، طبع: رحمانیہ)

ثم المعتبر فی ذلك مكان الاضحية حتی لو كانت فی السواد والمضعی فی المصر یجوز کما انشق الفجر ولو کان علی العکس لا یجوز الا بعد الصلاة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان ڈیروی

فتویٰ نمبر: ۳۲۵۷

۱۳ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ

﴿قربانی کی ایک خاص صورت کا بیان﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ سات آدمیوں نے ایک گائے قربانی کی نیت سے خریدی اور شرکاء میں ایک شریک غریب ہے شرعاً اس کے ذمے قربانی واجب نہیں ہے بعد میں جانور کے اندر ایسا عیب پیدا ہوا کہ قربانی سے مانع ہے اب چھ

شرکاء، جن پر قربانی واجب ہے، کیلئے دوسرا جانور تجویز کرنا ضروری ہے اور ایک غریب شریک کیلئے اسی جانور کی قربانی کرنا درست ہے اب ان شرکاء کو شرعاً کیا حکم ہے وضاحت کیجئے۔

﴿محول﴾ غریب آدمی قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدے تو اس کی قربانی اس پر واجب ہو جاتی ہے یعنی یہی جانور قربانی کیلئے متعین ہو جاتا ہے قربانی کے علاوہ کسی اور مقصد کیلئے استعمال میں لانا جائز نہیں ہوتا اور عیب پیدا ہونے کی صورت میں دوسرا بے عیب جانور خریدنا اس کے ذمے واجب نہیں ہوتا اسلئے کہ قربانی کی نیت سے خریدنے سے صرف اسی جانور کی قربانی واجب ہوتی ہے کوئی مستقل قربانی واجب نہیں ہوتی ہے، لیکن مذکورہ صورت میں اس فقیر نے جانور کا ایک حصہ خریدا ہے کوئی مستقل جانور نہیں خریدا اور مشترکہ جانور میں حصہ کی تعیین نہیں ہو سکتی حصہ اگرچہ ساتواں ہے لیکن پورے جانور میں شائع ہے عیب پیدا نہ ہوتا اور تمام شرکاء اس جانور کی قربانی کرتے تو فقیر کی قربانی بھی ہو جاتی لیکن عیب پیدا ہونے کی صورت میں مالدار لوگ اپنے حصے کو کم از کم بیچ سکتے ہیں ان پر صرف اسی جانور کی قربانی لازم نہیں تھی اب غریب آدمی کو اپنے ساتویں حصے کی قربانی کرنا ممکن نہیں رہا البتہ اپنے حصے کے بقدر صدقہ کرنے کا وجوب معلوم ہو رہا ہے یعنی پورے جانور کو تمام شرکاء فروخت کریں تو فقیر اپنے حصے کی رقم صدقہ کرے یا اس رقم سے دوسرے جانور میں حصہ ملا لے یعنی حصے کے بقدر اگر رقم مل جائے، اسلئے کہ فقیر کے حق میں قربانی کے وجوب کا حکم دراصل نذر کی بنیاد پر ہے۔

ولما فی تشریح البصار ۲۱/۶ طبع سعید

(وفقیہ) عطف علیہ (شرأھا لها) (لوجوبھا علیہ بذلک حتی یمنع علیہ بیعھا

(و) تصدق (بقیمتها غنی شرأھا او لا) لعلھا بذمتہ بشرأھا او لا

ولما فی الرد للمعتار ۲۱/۶ طبع سعید

(قولہ عطف علیہ) ای علی فاعل تصدق (قولہ شرأھا لها) (للو کانت فی ملکہ فنی ان

یضعی بها أو اشتراها لها ولم یمن الاضعیة وقت الشراء ثم نوى بعد ذلك لا یجب لأن

السنة لم تعارن للشراء فلا تعتبر بدائع (لوجوبھا علیہ بذلک) ای بالشراء وهذا ظاهر

الرواية لان شرائه لها یجرى مجرى الایجاب وهو للنذر بالتضعیة عرفا كما فی البدائع.

ولما فی تشریح البصار ۲۵/۶ طبع سعید

(لو اشتراها سليمة ثم تعیبت بعیب مانع) كما مر (فعلیہ القامة غیرھا مقامها ان كان

(غنیاً، وان كان فقیراً اجزاء ذلك) وبعد اسطر وكذا لو ماتت فعلى الفنى غیرھا لا للفقیر

(ولما فی الرد المحتار ۱/۲۵ طبع سعید)

(قوله وان كان فقيرا أجزأه ذلك) لانها انما تعينت بالشراء في حقه حتى لو اوجب اضحية على نفسه بغير عينها فاشترى ضحية ثم تعينت عنده فضحى بها لا يسقط عنه الواجب لوجوب الكاملة عليه كالموسر وبعد اسطر (قوله فعلى الفنى غيرها لا الفقير) أى ولو كانت الميتة منذورة بعينها كما فى البدائع ان المنذورة لو هلكت أو ضاعت تسقط الاضحية بسبب النذر ، غير انه ان كان موسرا تلزمه أخرى بايجاب الشرع ابتداء لا بالنذر.

(ولما فى العالم الكبير ۵/۲۹ قديمى كتب خانه)

ثم كل عيب يمنع الاضحية فلى حق الموسر يستوى ان يشتريها كذلك أو يشتريها وهي سليمة فصارت معيبة بذلك العيب لا تجوز على كل حال ولى حق المعسر تجوز على كل حال كذا فى المحيط ، ولو اشترى اضحية وهي سيئة لمعجلت عنده حتى صارت بعيب لو اشتراها على هذه الحالة لم تجزئه ان كان موسرا وان كان معسرا اجزأته اذ لا اضحية فى ذمته فان اشتراها للاضحية فقد تعينت الشاة للأضحية حتى لو كان الفقير أو جب على نفسه اضحية لا تجوز هذه.

(ولما فى المحيط البرهاني ۸/۴۵۹ ادارة القرآن)

وان كان المشتري فقيرا ذكر شيخ الاسلام خوهر زاده فى شرح كتاب الاضحية ان فى ظاهر الرواية لصاحبنا تصير واجبة الاضحية وبعد اسطر اما لذا صرح بلسان وقت الشراء انه اشتراها لفضحى بها فلقد ذكر شمس الانمة للحلوفنى انها تصير واجبة ، وفيه ايضا للفقير اذا اشترى اضحية فضلت فليس عليه ان يشتري مكانها أخرى لان للوجوب على الفقير بالشراء والشراء يتناول هذا العين لوجب للضحية بهذا العين فيسقط للوجوب بهلاكه.

الجواب صح: عبدالرحمن عفا الله عنه

والله اعلم بالصواب: ضياء الحق انكى

بكم مفر الخیر ۱۴۳۳ھ

فتوى نمبر: ۳۷۷۱

﴿ ایصال ثواب کی نیت سے قربانی کا جانور لینے سے قربانی واجب نہیں ﴾

﴿ سوال ﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی جو کہ خود

صاحب نصاب ہے اور اس پر اپنی قربانی واجب ہے اس نے اپنے مرحوم والد صاحب کی طرف

سے قربانی کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اس کیلئے اس نے جانور بھی خریدا تھا لیکن اب اس کا ارادہ تبدیل

ہوا اور وہ والد صاحب کی طرف سے قربانی نہیں کرنا چاہتا؛ پوچھنا یہ ہے کہ والد صاحب کی طرف

سے قربانی اس پر واجب ہوگئی یا نہیں؟ اگر کر لیا تو وہ قربانی والد صاحب کی شمار ہوگی یا قربانی تو اس

کی ہوگی لیکن والد کو صرف ثواب پہنچے گا؟ برائے کرم وضاحت فرمائیں۔ مستفیق: مولوی طاہر شاہ ﴿مجموع﴾ قربانی ایک سے زیادہ واجب نہیں ہوتی اس شخص پر اپنی قربانی واجب ہے والد صاحب کی طرف سے قربانی کی نیت سے جانور خریدنے سے مرحوم کو ثواب پہنچانا مقصود تھا اور یہ جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے لہذا یہ شخص تو اپنی قربانی کے ثواب میں والد کو شریک کرے چاہے تو والد مرحوم کی طرف سے مستقل جانور قربانی کر لے دونوں طرح جائز اور ثواب کا کام ہے کوئی ضروری نہیں۔

لما فی البحر ج ۸/۱۷۵

فلو قال کلاما لنفسه لله علی ان اضحی بهذا الشاة ولم يذكر بلسانه شينا فاشترى شاة بدنية الاضحية لن كان المشتري غنيا لاتصير واجبة باتفاق الروايات فله لن يبيها ويشترى غيرها. ولما فی المحيط البهانی ج ۸/۴۴ طبع ادارة القرآن

سئل نصر عن التضحية عن الميت قال: يصنع به كما يصنع بالاضحية يريد به انه يتناول من لحمه كما يتناول من لحم اضحيته فقبل له اتصير عن الميت؟ قال الاجر للميت والملک للمضحي وبه قال ابوسلمة وابن مقاتل وابن مطيع۔

ولما فی التلح الباری ج ۱۰/۱۲ (مکتبہ رشیدیہ)

عن ابی هريرة رضي الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم اذا اراد ان يضحي اشترى كبشين عظيمين سمينين اقرنين املعين موجهين فذبح احدهما عن محمد وال محمد والاخر عن امته من شهد لله بالتوحيد وله بالبلاغ۔

ولما فی مشکوٰۃ المصابيح ۱۲۷: ابج ۱۱۱۱۱۱۱۱

عن عائشة رضي الله عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم امر بكبش اقرن يطافى سواد ويبرك في سواد وينظر في سواد فاتي به ليضحي به قال يا عائشة هل في الهدية ثم قال اشعذبها بحجر فلعلت ثم اخذها واخذ الكبش فاضجعه ثم ذبحه ثم قال: اللهم تلبل من محمد وال محمد ومن امة محمد ﷺ ثم ضحي به فقال المحسن تلاق عن الطيبي المراد المشاركة في الثواب لان الغنم الواحد لا يكلى عن اثنين فصاعدا.

والله تعالى اعلم بالصواب: عاقل شاہ

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا الله عنه

توی نمبر: ۳۸۷۰

۳ صفر الخیر ۱۴۳۵ھ

﴿میت کی طرف سے کی ہوئی قربانی کے گوشت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر میت کی طرف سے

قربانی کی جائے تو قربانی کرنے والا خود گوشت استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: محمد حنیف

﴿جواب﴾ میت کی طرف سے قربانی عام طور پر ایصال ثواب کی غرض سے کی جاتی ہے ایسی قربانی ہو تو اس کا گوشت قربانی کرنے والا خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی دے سکتا ہے البتہ میت نے وصیت کی ہو اور قربانی میت کے ترکہ سے ہو تو ایسی صورت میں گوشت صرف غرباء اور مساکین کا حق ہے واجب الصدق ہے

لما فی الشامی: (۱/۳۶۱ طبع: ایچ ایم سعید)

من ضحی عن الميت یصنع کما یصنع فی اضحیة نفسه من التصدق والاکل والاجر للمیت والملک للذابح قال الصدر: والمختار لانه ان امر الميت لا یأکل منها والا یؤکل ولما فی در المختار: (۱/۳۳۵ طبع: ایچ ایم سعید)

وعن میت بالامر الزم تصدقا والاکل منها وهذا المخیّر

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید کو حالی

فتویٰ نمبر: ۳۱۳۳

۲۳ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

﴿جانور بھاگ جائے تو ذبح اضطراری کرنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قربانی کے دن بیل کو ذبح کر رہے تھے، کہ اچانک بیل بھاگ نکلا اور وہ بیل تقریباً دو کلومیٹر دور ایک تیار شدہ گنے کی فصل میں گھس گیا، اب فصل سے نکالنا مشکل ہو گیا جو بھی اس کے قریب جاتا وہ بیل ان کو قریب نہ آنے دیتا تو کوئی آدمی بھی اس کے قریب نہیں جاسکتا تھا اس کو پکڑے، وہاں ایک آدمی بظاہر مولوی نظر آتا تھا اس آدمی نے کہا کہ کیونکہ اب اس کا پکڑنا مشکل ہے، اب اس کا طریقہ یہ ہے کہ بندوق کی گولی سے اس کو زخمی کیا جائے پھر اس کو ذبح کر دیں، تو کیا شریعت کی روشنی میں ان لوگوں کا طریقہ درست ہے؟ مستفتی: عبداللہ تونسوی

﴿جواب﴾ ایسی صورت میں جانور پر قابو پانے کیلئے زخمی کر نیکی منجائش ہے تاکہ صحیح طریقہ سے پھر اس کو ذبح کر سکیں بلکہ ایسی صورت میں تو ذبح اضطراری کی بھی منجائش ہے لیکن ذبح اضطراری کے جواز کیلئے کچھ شرائط ہیں انکی رعایت کیے بغیر جائز نہیں ہے۔

لما فی اعلاء السنن: (۱۰۸/۱۴ طبع: بیروت)

عن عباة ان بعيرا من اهل الصدقة ند لعلہ، فلما اعیاهم ان یاخذوه رماہ رجل بسهم

فما صاب مفتته ففتته طحال قننی عن اكله فقال: ان لها اولين كذا وابتدعوا حش غانا
لمستقم منها شيئا من هذا فاصنعوا به كما صنعتهم بهنا ثم كنوه.

ولما في القشامي: (۲/۱۲) مطبع: سميد

اقوله وكفى جرح نعم النعم بفتح تحتين وقد يمكن فهمنا في طحال في الهذاه اطلق فيها
توحش من شمع يوعن محشان انشاء انا نت في النصارى فذا كاتيا انعم يوان نت
في النصارى لا يعمن بانعم لانها لا تنفع عن نفسها فيمكن لغضا في النصارى فلا
عجز يوانصرو غيره موه في انعم وانعم لانها لا تنفع عن نفسها فلا يقر عن لغضا
وان نت في النصارى لا تنفع جزه في النصارى.

ولما في الهذاه: (۲/۱۲)

(قوله لو يشفق لخصم انشاء وانشاء بطينة منوعة يرمي بها (قوله ولو كانت خليفة) بشير
اني ان قلتين لا تحل ان جرح.

ولما في القشامي: (۲/۱۲) مطبع: رشيد

والاضطرارية: الجرح في اي مريض كان من البنين عتد عجز عن النصارى كاتيا صيد
فتستعمل لضرورة في النصارى عتد من النصارى والانعام ما انشاء تستعمل
عتد النصارى غير النصارى في النصارى عتد من النصارى انشاء شرد ولم
يمكن النصارى عتد لان النصارى بحت نوس.

والله اعلم بالحوادث: شاه جهان ذروي

الجواب: محمد عبد الرحمن عن النصارى

نوی نمبر: ۳۳۱۰

۱۳ ربيع الثاني ۱۳۳۳

﴿قربانی کے تیل سے جفتی کرانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قربانی کے متعین تیل کو
جفتی کے لئے دینا جائز ہے؟ ہمارا قربانی کا تیل عید سے ایک دن پہلے ایک آدمی جفتی کے لئے
لے گیا اور کہا کہ میں نے مولوی صاحب سے پوچھا ہے، انہوں نے کہا جفتی کے لئے دینا جائز
ہے۔ براہ کرم بندہ کی رہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: قاری محمد اشفاق قریشی صاحب

﴿جواب﴾ قربانی کے جانور کو استعمال میں لانا منع ہے لیکن جفتی کے لئے دینا منع نہیں ہے،
اس عمل سے اگرچہ نسل بڑھ سکتی ہے، لیکن یہ جانور کا اپنا طبعی عمل ہے نفع حاصل کرنا نہیں ہوتا۔

لما في التنوير مع الدر: (۲/۱۲) مطبع: سميد

(لو كره جزوه لينا قبل النسخ) لبتنع به فان جزه تصدق به ولاير كبتها ولايحمل عليها شيئا
ولا يذرها فان فعل تصدق بالاجرة حاوى للتاوى لانه للقرم لقامة القرية بجميع اجزائها.

ولما فی البدائع (۵/ ۷۸، طبع سنہ ۱۲۸۰ھ)

فلا یحل الانتفاع بها دامت متعینة ولهذا لا یحل له اذا ذبحها قبل وقتها فان كان فی ضرعها اللبن وهو یخاف ان لم یحلبها ینضح ضرعها بالماء البارد حتی یتقلص اللبن

ولما فی الہندیہ: (۵/ ۳۷۱، طبع: قدیمی)

ولو اشترى شاة للأضحية بکرها ان یحلبها او یجز صوفها فینتفع به لانه عینہا للقربة فلا یحل له الانتفاع بجز من اجزئها قبل اقامة القربة بها کما لا یحل له الانتفاع بلحمها اذا ذبحها قبل وقتها.

واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان ڈیوی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۳۵۳

۷ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ

﴿قربانی کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ ایک آدمی قربانی سے چند روز قبل قربانی کیلئے کوئی جانور مثلاً گائے یا بکری وغیرہ خرید کر لایا تو کیا یہ آدمی قربانی سے قبل اس جانور کا دودھ اپنے استعمال میں لاسکتا ہے؟ اگر نہیں تو اس دودھ کا کیا کرے؟ بیوقوفانہ جواب۔

﴿جواب﴾ اگر قربانی کیلئے گائے، بکری وغیرہ خریدی ہے تو قربانی سے قبل اس کا دودھ نکالنا اور اس سے فائدہ اٹھانا مکروہ ہے اگر جانور کے تھنوں میں دودھ اتر آیا ہے تو اس کو ٹھنڈے پانی کے چھینے مارے اگر خشک ہو جائے تو فیماء اور نہ نکال کر صدقہ کر دے خود استعمال نہ کرے، واضح رہے دودھ سے جانور کو تکلیف ہو تو نکالا جائے ورنہ نہیں۔

لسان فی الہندیہ: (۵/ ۳۰۰-۳۰۱، طبع رشیدیہ)

ولو اشترى شاة للأضحية بکرها أن یحلبها أو یجز صوفها فینتفع به لأنه عینہا للقربة فلا یحل له الانتفاع بجز من اجزئها قبل اقامة القربة بها کما لا یحل له الانتفاع بلحمها اذا ذبحها قبل وقتها ومن المشایخ من قال هذا فی الشاة المنذورة بها بعینها من المعسر والموسر وفي الشاة المشتراة للأضحية من المعسر، فاما المشتراة من الموسر للأضحية فلا بأس ان یحلبها أو یجز صوفها کذا فی البدائع والصحيح أن الموسر والمعسر فی حلبها وجز صوفها سواء هکذا فی الغیاثیة. ولو حلب اللبن من الأضحية قبل الذبح أو جز صوفها یتصدق به ولا ینتفع به کذا فی الظہیریة. واذا ذبحها فی وقتها جاز له أن یحلب لبخها و یجز صوفها و ینتفع به لان القربة اقيمت بالذبح والانتفاع بعد اقامة القربة مطلق کالاکل کذا فی المحيط. وان كان فی ضرعها اللبن ویخاف ینضح ضرعها بالماء البارد فان تقلص والا حلب یتصدق.

ولمافی التنبؤ مع الدرر الرد (۱/۳۱۹ طبع سعید)

(ویکرہ الانتفاع بلبینہا قبلہ) کما فی الصرف ومنہم من اجازہما للفقہی لوجوبہما فی الذمۃ فلا تتعین زیلعی — فی الشامیہ: (قوله لوجوبہما فی الذمۃ فلا تتعین) والجواب أن المشترکۃ للأضحیۃ متعینۃ للقرۃ الی أن یقام غیرہا مقامہا فلا یحل لہ الانتفاع بہا مادامت متعینۃ ولہذا لا یحل لحماہا إذا ذبحہا قبل وقتہا بدائع ویأتی قریباً أنه یکرہ أن یبدل بہا غیرہا لیلید التعین أيضاً وبہ اندفع ما مر عن المنع لتدبر.

واللہ اعلم: شاہ اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۳۳

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿قربانی کی کھالوں کی قیمت کا مصرف﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قربانی کی کھالیں جب فروخت کر دی جائیں ان کی قیمت کس قسم کے صدقہ میں شمار ہوگا؟ اور مسجدوں کی تعمیر وغیرہ میں ان کا مصرف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: عادل دیروی

﴿جواب﴾ قربانی کی کھالوں کی قیمت صدقہ واجبہ میں شمار ہے اور چونکہ صدقات واجبہ میں تملیک (مالک بنادینا) شرط ہے، اس لئے ان کو مسجد کی تعمیر وغیرہ میں صرف کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مسجد کو دینے میں تملیک نہیں پائی جاتی۔

لمافی الہدایۃ: (۲/۴۵۱ طبع رحمانیہ)

ولرباع الجلد واللعیم بالدرہم او بالاینتقع بہ الا بعد استہلاکہ تصدق بثلثہ لان القرۃ انتقلت الی بدلہ.

ولمافی المعانیۃ علی هامش فتح القدیر: (۹/۵۴۴ طبع رشیدیہ)

(لان القرۃ انتقلت الی بدلہ) لان تملک البدل من حیث التسلول ساقط فلم یبق الا جهة القرۃ وسبیلہا التصدق.

ولمافی التنبؤ مع الدرر الرد: (۱/۳۲۸ طبع سعید)

(فان بیع اللحم لو الجلد بہ) ای یستہلک (او بدرہم تصدق بثلثہ)

ولمافی الشامی: (۲/۳۳۹ تا ۳۴۴ طبع سعید)

(قوله ای مصرف الزکاة والعشر) — وهو مصرف ایضاً الصدقۃ للطر و الکفارۃ والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبۃ کما فی التہستانی.

ولمافی التنبؤ مع الدرر الرد: (۲/۳۴۴ طبع سعید)

وبشرط ان یکون مصرف (تملیکاً) لا باحۃ کما مر (لا یصرف) (الی بناء) نحو

(مسجد) لا الی (کلن میت وقضاء دینہ)

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ عفا اللہ عنہ

۵ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ

فتویٰ نمبر: ۹۵۹

﴿قربانی کی کھال غنی کو بھی دی جاسکتی ہے﴾

﴿سوال﴾ میں ایک مسجد میں امام ہوں مسجد زیر تعمیر ہے اہل محلہ مسجد کی تعمیر میں مدد نہیں کرتے کیا میں قربانی کے چمڑے جمع کر کے انہیں سے مسجد تعمیر کر سکتا ہوں؟ بینواتو جروا۔

﴿جواب﴾ اہل محلہ کو چاہئے کہ مسجد کی تعمیر میں خوب حصہ لیں اور اخروی گھر بنانے کی کوشش کریں، قربانی کا گوشت اور چمڑا دونوں حکم میں برابر ہیں اپنے استعمال میں لانا چاہے تو جائز ہے، البتہ بیچ کر پیسہ استعمال کرنا جائز نہیں ہے، پیسہ واجب الصدق ہے۔ خود استعمال نہیں کرنا چاہے تو کسی کو بھی دے سکتا ہے خواہ لینے والا غنی ہو یا فقیر ہو پھر وہ چاہے تو بیچ کر پیسہ بھی استعمال کر سکتا ہے، مذکورہ صورت میں امام صاحب کو حرم قربانی لوگ دیتے ہیں اور وہ مسجد کی تعمیر میں صرف کرتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

لما فی الہدایہ: (۲/۴۵۰-۴۵۱، طبع رحمانیہ)

واللحم بمنزلة الجلود فی الصحيح ولو باع الجلد واللعن بالدرهم او بما لا یقتنع به الا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لان القرية انتقلت الی بدله۔ ویصدق بجلدها لانها جزء منها ویعمل منه التستعمل فی البیت۔

ولما فی الہندیہ: (۵/۳۰۱، طبع رشیدیہ)

ویهب منها (ای من الاضعیة) ما شاء للفقیر والمسلم والذمی۔

ولما فی الشامی: (۶/۲۲۸، طبع سعید)

(قولہ ویصدق بجلدها) وکذا بجلالہا وقلاندها فانہ یتستحب اذا وجب بقرۃ ان یجللہا ویقلدها واذ بھما تصدق بذلك کما فی التاتارخانیۃ۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: اسلام بادشاہ بمبئی

۹ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

فتویٰ نمبر: ۱۹۹۷

﴿قربانی کا جانور تبدیل کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ایک شخص نے ایک جانور بیت قربانی خریدا لیکن قربانی سے پہلے اس شخص کو

دوسرا جانور جو پہلے سے سنا تھا مٹا تو کیا وہ پہلے جانور کو بیچ یا چھوڑ کر دوسرے کی قربانی کر سکتا ہے یا نہیں؟
﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر یہ شخص صاحب نصاب ہے تو اس کے لئے قربانی کا جانور بدلنا جائز ہے اور اگر صاحب نصاب نہیں ہے اور اس نے نقلی قربانی کی نیت سے خریدا ہے تو اس کی حق میں یہ جانور متعین ہو جائے گا، لہذا بدلنا جائز نہ ہوگا اور اگر بدل لیا اور دوسرا جانور پہلے سے سنا ہوا تو دونوں جانوروں کی قیمتوں میں جو فرق ہوگا اس کا صدقہ کرنا واجب ہوگا اور غنی کے لئے بھی افضل اور احوط یہی ہے گوکہ واجب نہیں۔

لسافی التنبہ مع الدر والرد: (۲/۳۲۱، مطبع سعید)

(وفقیہ شراہا لہا) لوجوبہا علیہ بذلک حتی یمتنع علیہ بیعہا۔ وفی الشامیہ: قوله لوجوبہا علیہ بذلک ای بالشراء وهذا ظاهر الروایۃ لان شراءه لہا یجری مجری الایجاب وهو النذر بالتضحیۃ عرفا۔

مکذافی البدائع: (۲/۳۲۱، سعید)

ولسافی تقریرات الرافعی فی آخر الرد: (۶/۳۰۴، مطبع سعید)

(قوله ظاهر الروایۃ) وفی خزائن الاكمل انه المختار وعند الجمهور لا یدمع النیۃ ان یقول بلسانہ واضعی بہا ولو اشتراها الغنی بنیتہا لم تتمین باتفاق الروایات کسافی الخلاصۃ وان قال فی الاشباہ من القاعدة الاولى ان کان فقیر لو قد اشتراها بنیتہا تمینت فلیس لہ بیعہا وان کان غنیاً لم تتمین والصحیح انها تتمین مطلقاً لان المنقول فی الغنی عدم التمین باتفاق الروایات ۵۱۔

ولسافی للہندیۃ: (۵/۳۱۳، مطبع قدیمی)

ولو اشتری شاة للاضحیۃ ثم باعها واشتری اخرى فی ایام النحر فہذا علی وجہ ثلاثۃ۔ الاول اذا اشتری شاة یخوی الاضحیۃ والثانی ان یشتری بغیرنیۃ الاضحیۃ ثم نوى الاضحیۃ والثالث ان یشتری بغیرنیۃ الاضحیۃ ثم یوجب بلسانہ ان یضحی بہا۔ علی المرجح الاول فی ظاهر الروایۃ لا تصیر اضحیۃ مالم یوجبہا بلسانہ۔

ولسافی خلاصۃ الفتاوی: (۲/۹۱۳، مطبع رشیدیہ)

وفی الاصل اشتری اضحیۃ ثم باعها جاز فی ظاهر الروایۃ ولو اشتری مثلہا واضعی بہا ان كانت الثانی مثل الاولی او خیر امنہا جاز ولا یلزمہ شئی اخر وان کان دون الاولی تصدق بفضل التیمتین، قال الامام المصری رحمہ اللہ من اصعبنا من قال هذا اذا کان المشتري فقیرا فان کان غنیاً لیس علیہ ان یتصدق بفضل التیمۃ والاصح عندی ان الغنی والفقیر سواء لان الغنی ممکن من تعین الشاة۔

ولسافی الخلاصۃ: (۲/۳۱۸، مطبع رشیدیہ)

وبالشراء بدیۃ الاضحیۃ ان کان المشتري غنیاً لا یجب علیہ باتفاق الروایات حتی

لو باعها واشترى بثمنها اخرى والثانية دون الاولى جاز ولا يجب عليه شيء.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: مغیرہ شہاب غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۲۸۲۰

۲۷ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

﴿ایک جانور میں سات سے زیادہ آدمی شریک نہیں ہو سکتے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع متین در پیش مسئلہ کے بارے میں کہ آٹھ آدمیوں نے لکڑی قربانی کا ایک جانور خرید لیا ان کو یہ خیال نہیں رہا کہ ہم آٹھ ہیں یا سات ہیں۔ جب گوشت کی تقسیم کرنے کی باری آئی تو پتہ چلا کہ ہم آٹھ ہیں اس کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ہم فلاں فلاں سات ہیں اور فلاں آدمی کو نکال دیتے ہیں تاکہ ہم سات حصہ دار بنیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ اس صورت میں قربانی ہوئی یا نہیں ہوئی؟ مستفتی: عنایت اللہ کلاچوی

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں کسی ایک کی بھی قربانی نہیں ہوئی اس لئے کہ قربانی ایک مخصوص جانور کو مخصوص وقت میں قربانی کی نیت سے ذبح کرنے کا نام ہے اور ذبح کرتے وقت یہ آٹھ آدمی تھے اسی طرح ہر ایک کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہو گیا اس لئے قربانی نہیں ہوئی ایسی صورت میں قربانی کے ایام باقی ہوں تو دوبارہ قربانی کرنا ضروری ہوتا ہے اور قربانی کے دن گزر چکے ہوں تو جانور کی قیمت صدقہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

لما فی التتویر: (۳۱۲/۱) طبع سعید

وشرعا (ذبح حیوان مخصوص بنية القرية في وقت مخصوص)

ولما فی البدائع: (۲۶/۵) سعید) لأن الواجب تعلق بلأراقة

ولما فی الھندیۃ: (۲۹۷/۵) طبع رشیدیہ

ولا يجوز بعير واحد ولا بقرة واحدة عن أكثر من سبعة ويجوز ذلك عن سبعة وأقل من ذلك

ولما فی مشکوٰۃ المصابیح: (ص ۱۲۷) طبع سعید

وعن جابر رضي الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال: البقرة عن سبعة

والجزور عن سبعة رواه مسلم وأبو داود

ولما فی التتویر مع الدر: (۳۲۱/۱) طبع سعید

لو تصدق ببقمتها غنى شراها أولا لكتلتها بذمته بشرائها أولا: فالمراد بالقيمة شاة تجزى فيها

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق

۸ صفر الخیر ۱۴۳۵ھ

فتویٰ نمبر: ۲۸۷۸

﴿قربانی کے بڑے جانور میں سات سے کم شرکاء بھی ہو سکتے ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ قربانی کے بڑے جانور مثلاً گائے، بیل، اونٹ وغیرہ میں سات بندوں سے کم اشخاص شرکت کر سکتے ہیں مثلاً تین بندے ملکر ایک گائے خرید لیں اور تین ہی حصوں میں تقسیم کریں یا سات حصوں میں تقسیم کرنا ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ شریعت مقدسہ نے قربانی کے بڑے جانور میں سات شرکاء کی حد تک شرکت کو جائز قرار دیا ہے، اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے سات سے کم مثلاً تین چار ملکر ایک جانور کی قربانی کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں بشرطیکہ کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لما فی خلاصة الفتاویٰ: (۲/۴۱۵ طبع رشیدیہ)

والبعير والبقر يجزى عن سبعة اذا كانوا يريدون بهارجه الله تعالى اتحدت جهة القرية او اختلفت كالاضحية والقران والمتعة والتدبير بالسبع يمنع الزيادة كما يمنع التقصان حتى لو كانت الشركاء في البدنة او البقرة لثمانية لم يجزهم ولو كان اقل من ثمانية الا ان نصيب واحد منهم اقل من السبع لا يجوز ايضا.

ولما فی الہندیۃ: (۵/۳۰۴ طبع رشیدیہ)

يجب ان يعلم ان الشاة لا تجزى الا عن واحد وان كانت عظيمة والبقر والبعير يجزى عن سبعة اذا كانوا يريدون به وجه الله تعالى والتدبير بالسبع يمنع الزيادة ولا يمنع التقصان كذا في الخلاصة.

ولما فی البدائع: (۵/۷۱ طبع سعید)

ولاشك في جواز بدنة بقرعة عن اقل من سبعة بان اشترك اثنان او ثلاثا او اربعة او خمسة او ست على بدنة بقرعة لانه لما جاز السبع فالزيادة لولي وسواء اتفقت الانصاء في القولوا اختلفت بان يكون لاحدهم للنصف وللآخر الثلث وللآخر السدس بعد ان لا يتقص عن السبع.

والله اعلم بالصواب: حبيب الرحمن سواتی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

نوی نمبر: ۱۷۸۳

۱۸ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

﴿الاولیٰ ترک الاخل من الشعر والظفر فی عشر ذی الحجة لمن قصد ان يضحي﴾

﴿قربانی کرنے والے کیلئے ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں بال اور ناخن کو نہ کاٹنا بہتر ہے﴾

﴿سوال﴾ بمقال اذا دخل ذو الحجة لا يقلم ظفرو ولا يؤخذ شعرو من فعل ذلك

بناب ہل هذا ثابت وما الوجه فيه؟

﴿مجموع﴾ نعم لدور دلی الحدیث و ذکر الفقہاء ان الاولی لمن لصدان یضی ان لا یأخذ من شعره ولا یقلع ظفره فی عشر ذی الحجۃ حتی یضی و هذا اذا لم یستلزم ذلك التأخیر عن وقت الاباح و هو اربعین یوما فان ترک الاظفار الی وراء الاربعین لا یجوز.

لسالی الشامی: (۱۸۱/۲) مطبع سعید

فیكون مستحباً لأن استلزم الزيادة علی وقت اباحۃ التأخیر و نہایتہ ما ہون الاربعین فلا یباح لفرقہا.

ولسالی اللقہ الاسلامی و ادلتہ: (۲۸۴/۲) مطبع دار الفکر بیروت

و یتنب الامتناع عن تقليم الأظفار وخلق الرأس فی عشر ذی الحجۃ لما ورد فی صحیح لمسلم قال رسول اللہ ﷺ لا یدخل المشروک لبعضکم لن یضی فلا یأخذن شعرن ولا یقلعن ظفرن و اما السؤال عن الوجه منه و الحکمة: فلا ینبغی للمسلم ان یسئل عن حکمة کل مشروع مع أنه قد ذکر الفقہاء وجهہ.

لسالی مرقاۃ المفاتیح: (۵۱۱/۳) مطبع رشیدیہ

قال التوربشتی: ذهب بعضهم الى أن النهی عنهما للتشبه بجماع بیت اللہ الحرام المحرمین و الاولی أن یقال المضعی یرى نفسه مسترجعاً للعقاب و هو القتل ولم یؤذن فیہ لفداءها بالأضحية و صار کل جزء منها فداء کل جزء منه لذلك نهی عن مس الشعر و البشر لئلا یلقمن ذلك قسط ما عند تنزل الرحمة الخ.

واللہ اعلم بالصواب: محمد سلہ

الجواب صحیح عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۹۸۶

۲ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿جس جانور کے پیدائشی طور پر سینک یا دم نہ ہو اس کی قربانی جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایسا جانور جس کے پیدائشی طور پر سینک نہ ہوں اسکی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح وہ جانور جسکے سینک پیدائشی طور پر تو تھے لیکن زیبائش و آرائش کے واسطے جڑے ختم کر دیئے گئے ہوں؟ نیز ایسا جانور جسکی دم پیدائشی طور پر بہت زیادہ باریک اور اسقدر چھوٹی ہو گویا دم ہے ہی نہیں ایسے جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں؟ بیجا تو جروا۔

﴿مجموع﴾ (۱) پیدائشی طور پر اگر سینک نہ آئیں تو یہ جانور میں عیب شمار نہیں ہوتا، ایسے

جانور کی قربانی جائز ہے۔

لما فی الهدایہ: (۲/۲۴۸، طبع رحمانیہ)

و یجوز ان یضحی بالجسماء، وہی التي لا قرن لها لان القرن لا یتعلق به مقصود کذا مکسور تلفظن

(۲) ایسا جانور جسکے سینک ٹوٹ گئے ہوں یا کسی وجہ سے توڑے گئے ہوں اسکی قربانی کرنا جائز ہے بشرطیکہ جڑ سے نہ اکھڑے ہوں مسئلہ صورت میں سینک اگر جڑ سے کاٹ دئے ہوں یعنی سر کی ہڈی تک کاٹ دئے ہوں تو اسکی قربانی جائز نہیں ہوگی کچھ اوپر سے کاٹ دئے ہوں تو قربانی جائز ہوگی۔

لما فی الشامی: (۱/۲۶۷، طبع امدادیہ)

قوله: (و یضحی بالجسماء) ہی لا قرن لها خلقه، وكذا العظماء، التي ذهب بعض قرنھا بالكسر او غيره، فان بلغ الكسر الى المخ لم یجز القهستانی، وفي البدائع: ان بلغ الكسر المشاش لا یجزئ والمشاش رؤس العظام مثل الركبتين والمرفقين ۱۱۔

(۳) ایسا جانور جسکی دم پیدا اُشی طور پر نہ ہوا اسکی قربانی جائز نہیں۔

لما فی الهدایہ: (۲/۲۴۷، طبع رحمانیہ)

لا تجزئ مقطوعة الاذن والذنب اما الاذن فلقوله عليه السلام استشرفوا العین والاذن ای اطلبوا اسلا متھا واما الذنب فلانه عضو کامل مقصود فصار كالاذن۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: افتخار احمد کلکتی

فتویٰ نمبر: ۱۹۳۰

۱۲/۹/۱۳۲۹ھ

﴿جس پر قربانی واجب نہ ہو قربانی کرنے کے بعد گوشت کا حکم﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ جس شخص پر قربانی واجب نہ ہو اور قربانی کی نیت سے جانور خرید کر قربانی کرے تو کیا وہ قربانی کا گوشت خود استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ فقہاء نے جس شخص پر قربانی واجب نہ ہو اور قربانی کی نیت سے جانور خرید لے نذر کے حکم میں فرمایا ہے اور عام ضابطہ ہے کہ نذر ماننے والا خود استعمال نہیں کر سکتا۔ مستقیق: محمد سجاد شیریں

﴿مولا﴾ جس شخص پر قربانی واجب نہ ہو اس کے باوجود قربانی کی نیت سے جانور خرید

لے تو اسی جانور کو قربان کرنا اس پر واجب ہو جاتا ہے اور اگر قربانی سے پہلے ہلاک ہو جائے یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے ذبح کر دے تو اس سے قربانی ساقط ہو جاتی ہے، دوسرا جانور خرید کر اس پر

قربانی کرنا ضروری نہیں۔

لسالی البدائع: (۵/۱۶ طبع سعید)

وان كان معسر واشترى شاه للاضحية فهلكت له ايام النحر واضاعت سقطت عنه وليس عليه شيء اخر لما ذكرنا ان الشراء من الفقير للاضحية بمنزلة النذر فاذا هلكت فقد هلك محل اقامة الواجب فيسقط عنه وليس عليه شيء اخر بايجاب الشرع ابتداء لتقد شرط الوجوب وهو اليسار.

اسی طرح قربانی سے پہلے کوئی بھی نفع اس جانور سے حاصل کرنا جائز نہیں ہے اور کسی وجہ سے قربانی سے پہلے ذبح کر لیا تو اس کا گوشت خود استعمال نہیں کر سکتا اسکا صدقہ کرنا واجب ہے۔

لسالی الهندية: (۵/۲۰۰ طبع رشیدیہ)

ولو اشترى شاه للاضحية يكره ان يحلبها او يجر صوفها فينتفع به لانه عينها للقرية فلا يحل له الانتفاع بجزء من اجزائها قبل اقامة القرية بها كما لا يحل له الانتفاع بلحمها اذا ذبحها قبل وقتها.

مندرجہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ جس شخص پر قربانی واجب نہ ہو اور وہ قربانی کی نیت سے جانور خرید لے تو یہ جانور نذر کے حکم میں ہے لیکن قربانی کے موقع پر قربانی کرنے کی صورت میں اس کا گوشت کھا سکتے ہیں، چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ قربانی سے نذر ماننے کے باوجود خود کھانا جائز ہے اور یہ اس لئے کہ دراصل قربانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی ضیافت ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے "فكلوا منها واطعموا الباس الفقير" اور حدیث میں ہے "اذا ضلعي احدكم فلياكل من اضحيته".

لسالی البدائع: (۵/۸۰ طبع سعید)

ولصاحب الاضحية ان ياكل من اضحيته لقوله تعالى فكلوا منها ولا تضيعوا الله جل شانہ فی هذه الايام كفيرة فله ان ياكل من ضيافة الله عز شانہ وجملة الكلام فيه ان الدماء انواع ثلاثة نوع يجوز لصاحبه ان ياكل منه بالاجماع ونوع لا يجوز له ان ياكل منه بالاجماع ونوع اختلف فيه فالاول دم الاضحية يتلا كان او واجبا منذورا كان او واجبا مبتدأ.

والله اعلم بالصواب: جيب الرحمن سواتی

الجواب محج عبدالرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۱۷۹۸

۲۳ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

﴿قربانی کا جانور اگر قربانی سے پہلے ہلاک ہو تو اس کا حکم﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک شخص جو صاحب نصاب نہیں وہ قربانی کیلئے

ایک بکر خرید کر گھر لایا قربانی سے پہلے بکرا بیمار ہوا تو اس نے ضائع ہونے کے خدشہ سے ذبح کر دیا تو کیا اس شخص پر قربانی کا جانور خریدنے سے قربانی واجب ہوگئی اور اس پر دوبارہ جانور خرید کر قربانی کرنا ضروری ہے یا نہیں؟
مستفتی: بدر منیر لگی مردت

﴿مولا﴾ جس شخص پر قربانی واجب نہ ہو اس کے باوجود وہ قربانی کی نیت سے جانور خرید لے تو اسی جانور کی قربانی کرنا اس پر واجب ہو جاتا ہے لیکن قربانی سے پہلے وہ جانور اگر ہلاک یا ضائع ہو جائے تو اس سے قربانی ساقط ہو جاتی ہے، اس پر دوسرا جانور خرید کر قربانی کرنا لازم نہیں ہوتا، تاہم یہ واضح رہے کہ قربانی سے پہلے ذبح کرنے سے اسی جانور کا گوشت صدقہ کرنا واجب ہے، یہ شخص خود استعمال میں نہیں لاسکتا۔

لما فی الشامی: (۴۷۱/۹) طبع امدادیہ

قوله: (فعلى الغنى غير هال الفقىر) أى ولو كانت المية منذورة بعينها لما فى البدائع ان المنذورة لو هلكت او ضاعت تسقط التضحية بسبب النذر، غير انه ان كان موسرا تلزمه اخرى بايجاب الشرع ابتداء لا بالنذر، ولو معسر الاشئ عليه اصلا ۱۵.

ولما فى البدائع: (۲۶/۵) طبع سعيد

وان كان معسرا واشترى شاة للافضحية فلهكت فى ايام النحر او ضاعت سقطت عنه وليس عليه شئى اخر لما ذكرنا ان الضراء من الفقير للافضحية بمنزلة النذر فاذا هلكت فتدهلك محل اقامة الواجب فيسقط عنه وليس عليه شئى اخر بايجاب الشرع ابتداء لفقد شرط الوجوب وهو اليسار.

ولما فى الهندية: (۳۰۰/۵) طبع رشيدية

ولو اشترى شاة للافضحية يكره ان يحلبها او يجرصوها فابتقع به لانه عينها للقرية فلا يحل له الانتفاع بجزء من اجزائها قبل اقامة القرية بها كما لا يحل له الانتفاع بلحمها اذا ذبحها قبل وقتها.

والجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

والله اعلم: حبیب الرحمن سواتی

نوی نمبر: ۱۷۸۴

۱۶ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

﴿قربانی گائے، بیل، بکرے میں سے کس کی قربانی افضل ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ قربانی میں گائے کی قربانی افضل ہے یا بیل کی؟

اس طرح بکرے کی الگ قربانی افضل ہے یا گائے میں حصہ رکھنا؟
مستفتی: محمد طاہر

﴿مولا﴾ (۱) گائے اور بیل کی قیمت اگر برابر ہے تو پھر گائے کی قربانی افضل ہے۔

لمالی البحر المختار (۱/۲۱۷، طبع امداہیہ)

والأنثى من الابل والبقرة أفضل. حاروی ولی الرهبانية أن الأنثى أفضل من الذكر إذا استويا قبة واللہ اعلم.

(۲) قیمت اور گوشت کے اعتبار سے ایک بکرا اگر گائے کے ایک حصے کے برابر ہو تو بکرے کی قربانی افضل ہے۔

لمالی الترمذی الرد (۱/۲۱۶، طبع امداہیہ)

الشاة أفضل من سبع البقرة إذا استويا في القيمة واللحم وفي الشامية: وكل من تمام البقرة قال في التاتار خانية: وفي العتابة: وكان الاستاذ يقول بأن الشاة العظيمة السميت تاروی البقرة قيمة ولحمها أفضل من البقرة لأن جميع الشاة تقع فرضاً بلا خلاف. فإن كان سبع البقرة أكثر لحماً فبها أفضل، والأصل في هذا إذا استويا في اللحم والقيمة لا طيبهما لهما أفضل، وإذا اختلفا فبها الفاضل أولاً.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

فتویٰ نمبر: ۳۳۷

۲۱ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

﴿جس جگہ قربانی کا جانور ہے اس جگہ کا اعتبار ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ زید کراچی میں رہائش پذیر ہے اور اس کے ایک بھائی سرحد میں رہتا ہے، سرحد میں عید الاضحیٰ ایک دن پہلے تھی اور کراچی میں ایک دن بعد تھی، جب کراچی میں عید کا آخری دن تھا تو سرحد میں عید کا چوتھا دن تھا زید کو ادھر جانور مہیا نہیں ہوا اور اس نے بھائی کو فون پر بتایا کہ میری طرف سے قربانی کر لیں، بھائی نے زید کی طرف سے قربانی کر دی، زید کی طرف سے یہ قربانی صحیح ہوگئی یا نہیں؟ مینو اتوجروا۔

﴿جواب﴾ قربانی کا جانور جس جگہ ہو اس جگہ کا اعتبار ہے اگر ادھر عید ہے تو قربانی صحیح ہے ورنہ نہیں، مذکورہ صورت میں زید کی جانب سے قربانی صحیح نہیں ہوئی کیونکہ جس دن قربانی کر دی اس دن سرحد میں عید نہیں تھی۔

لمالی للبحر الرائق (۸/۱۷۵، طبع سعید)

والاعتبار في ذلك مكان الاضحية حتى لو كانت في السراة والمضحي في المصر يجوز كما انشق الحجر في العكس لا يجرؤ الا بعد الصلوة — ولانها تشبه الزكاة فباعتبار في الاداء مكان العمل وهو المال لا مكان الفاعل.

ولمالي بدائع الصنائع (۵/۷۲، طبع سعید)

وانما اعتبار في هذا مكان الشاة لا مكان من عليه مكنا ذكر معد عليه الرحمة في النوازل

وقال انما انظر الى محل الذبح ولا انظر الى موضع المذبح عنه وهكذا روى الحسن عن ابي يوسف..... وان كان الرجل في مصر واهله في مصر آخر فكتب اليهم ان يضجروا عنه روى عن ابي يوسف انه اعتبر مكان الذبيحة فقال ينبغي لهم ان لا يضجروا عنه حتى يصلي الامام الذي فيه اهله وان ضجروا عنه قبل ان يصلي لم يجزه وهو قول محمد.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ

۲ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر: ۱۰۳۷

﴿غریب آدمی کا پالتو جانور میں قربانی کی نیت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ایک آدمی کے پاس ”جو صاحب نصاب نہیں ہے“ پالا ہوا بکرا ہے جس کے بارے میں اسکا یہ ارادہ کہ بقر عید میں اس کی قربانی کرونگا عید آنے سے پہلے وہ آدمی بیمار ہو گیا، اسے رقم کی ضرورت ہے تو کیا اس کے لئے یہ بکرا بیچنا جائز ہے یا اس کی قربانی کرنا لازم ہے؟

﴿جواب﴾ غریب آدمی جس کے ذمہ قربانی واجب نہ ہو اگر قربانی کی نیت سے جانور خرید لیتا ہے تو ایسا جانور قربانی کے لئے متعین ہو جاتا ہے، مگر کا پالا ہوا جانور ہو اس میں نیت کر لی یا خریدنے کے بعد قربانی کی نیت کر لی تو اس نیت سے جانور قربانی کیلئے خاص نہیں ہوتا، لہذا مذکورہ صورت میں یہ آدمی اپنے اس جانور کو بیچ کر رقم اپنے استعمال میں لاسکتا ہے۔

لما فی الہندیہ: (۲۹۱/۵) مطبع رشیدیہ

ولو ملک انسان شاة فنوی أن یضعی بها أو اشتری شاة ولم ینوی الأضحية وقت الشراء ثم نوى بعد ذلك أن یضعی بها لا تجب علیه سواء كان غنيا أو فقيرا. ولما فی التکویر مع الدرر: (۲۶۴/۱-۲۶۵) مطبع امدادیہ

(ولفقیر) عطف علیہ (شراها لها) لوجوبها علیہ بذلک حتی یمنع علیہ بیعها. وفی الشامیة تجوز له (شراها لها) لئلا یؤکد فی ملکة فنوی ان یضعی بها ولو اشترى اهل اول بنوا الضحیة وقت الشراء ثم نوى بعد ذلك لا یجب لأن النیت لم تقارن الشراء فلا تعتبر بمنع.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ عفا اللہ عنہ

۳ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر: ۱۰۳۸

﴿گاؤں میں قربانی کا مستحب وقت﴾

﴿سوال﴾ ایسے گاؤں اور بستیاں جہاں جمعہ اور عیدین کی نماز واجب نہیں ہے تو وہاں پر قربانی کونسے وقت میں کرنا جائز ہے؟ بیٹو تو جروا۔

﴿جواب﴾ ایسے گاؤں اور بستیاں جہاں جمعہ اور عیدین کی نماز واجب نہیں ہے تو وہاں پر

طلوع فجر کے بعد قربانی کرنا جائز ہے مگر مستحب وقت یہ ہے کہ سورج نکلنے کے بعد قربانی کرے۔

لما فی البحر الرائق: (۸/۱۷۵، طبع سعید)

(ولا یذبح مصری قبل الصلاة و یذبح غیره) یعنی لا یجوز لاهل المصر ان یذبحوا الا ضحیة قبل ان یصلوا صلاة العید و یجوز لاهل القرى والبادیة ان یذبحوا بعد صلاة الفجر قبل ان یصلی الامام صلوة العید۔
ولما فی الہندیة: (۵/۲۱۵، طبع رشیدیہ)

والوقت المستحب للضحیة فی حق اهل السواد بعد طلوع الشمس ولی حق اهل المصر بعد الخطبة کذا فی الظہیریة۔

ولما فی التذکرہ مع الرد: (۱/۳۱۰-۳۱۱، طبع امدادیہ)

(واول وقتہا بعد الصلاة ان ذبح فی مصر)۔ (و بعد طلوع فجر یوم النحر ان ذبح فی غیرہ) وفی الشامیة: (قوله ان ذبح فی غیرہ) ای غیر المصر شامل لاهل البوادی و قنقال قاضیخان فاما اهل السواد والقری والرباطات عندنا یجوز لہم الضحیة بعد طلوع الفجر۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

نوی نمبر:

۳ رجب ۱۳۲۸ھ

﴿۱۰﴾ اذی الحجہ کی رات میں نیز شک کی صورت میں ۱۲ اذی الحجہ کو قربانی کا حکم ہے

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ (۱) قربانی کے دنوں میں افضل دن کونسا ہے؟ (۲) دن میں تو قربانی جائز ہے، رات میں بھی جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو پھر ۱۰ اذی الحجہ کی رات میں قربانی کرنا درست ہوگا؟ (۳) جب کسی وجہ سے ۱۲ اذی الحجہ یعنی آخری دن مشکوک ہو جائے تو اس روز قربانی کا کیا حکم ہے؟ مینو تو جروا۔

﴿جواب﴾ قربانی کے دنوں میں سب سے افضل دن ۱۰ اذی الحجہ کا ہے، اس کے بعد ۱۱ اذی الحجہ اور پھر ۱۲ اذی الحجہ کا دن افضل ہے، رات میں بھی قربانی جائز ہے، البتہ بلا وجہ رات کو ذبح کرنا پسندیدہ نہیں ہے اور قربانی کا وقت دس ذی الحجہ کی صبح صادق کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔

اس لئے دس ذی الحجہ کی رات میں صبح صادق سے پہلے ذبح کرنا جائز نہیں ہے اور صبح صادق کے بعد ذبح کرنا جائز ہے بشرطیکہ اہل بستی پر جمعہ و عیدین واجب نہ ہوں اور جہاں پر جمعہ و عیدین واجب ہوں تو پھر ایسی آبادی میں نماز عید کے بعد قربانی جائز ہے، نماز سے پہلے جائز نہیں ہے۔

لما فی الہندیہ: (۲۹۵/۵) مطبع رشیدیہ

وقت الاضحیۃ ثلاثۃ اہام العاشر والحادی عشر والثانی عشر اولھا المضلھا و آخرھا
ادونھا ویجوز فی نھا رھا ولیلھا بعد طلوع الفجر من یوم النحر الی غروب الشمس من
الیوم الثانی عشر الا انہ یکرہ الذبح فی اللیل.

(۳) قربانی تو ادا ہو جائیگی، البتہ اس صورت میں اگر سارا گوشت صدقہ کر لیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

لما فی الہندیہ: (۲۹۵/۵) مطبع رشیدیہ

واذا شک فی یوم الاضحی فالمتعجب ان لا یوخر الی الیوم الثالث فان اخری مستحب
ان لا یأکل منه ویصدق بالکل.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: رشید عالم مروت

فتویٰ نمبر: ۱۰۱۵

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ

﴿مشرکہ قربانی میں گوشت کی تقسیم ضروری نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہم تین بھائی عید الاضحیٰ میں اجتماعی گائے خرید کر
لاتے ہیں پھر اپنے اور بیویوں کی طرف سے ان میں حصہ ڈال کر قربانی کرتے ہیں لیکن قربانی کا
گوشت تقسیم نہیں کرتے بلکہ گھر میں رکھ کر ہر ایک بھائی اور انکے گھروالے مناسب مقدار میں وقتاً
نوعاً استعمال کرتے ہیں تو کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا وزن کر کے آپس میں تقسیم ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کا حکم وہاں ہے جہاں ہر ایک شریک اپنا حصہ الگ
وصول کرنا چاہتا ہو، آپ لوگ ایک ساتھ استعمال کرنا چاہتے ہیں کسی کو کم یا زیادہ استعمال کرنے پر
اعتراض نہیں ہے تو شریعت بھی ایسے اتفاق کو پسند کرتی ہے، تقسیم کرنا کوئی مستقل حکم نہیں ہے۔

لما فی التذویر مع الدر: (۳۱۷-۳۱۸) مطبع سمیعہ

(وصح لشرک استغنی بدتشریت لاضحیۃ) ای ان نوی وقت الشراء الاشتراک صح
استحسانا والا لا لاستحسانا وذلک ای الاشتراک (قبل الشراء لحب وبقسم اللحم ورنالا جزا...) (.....)
وفی الشامیہ: (قوله ویقسم اللحم) انظر هل هذه القسمة متمیة اولاً، حتی لو اشترى
لنفسه ولزوجته واولاده الکبار بدت ولم یقسموها تجزیهم اولاً، والظاهر انها لا تشترط لان
المقصود منها الاراقۃ وقد حصلت وفی فتاویٰ الخلاصۃ واللبض تعلیق القسمة علی
ارادتهم وهو یزید ما سبق.

واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۳۶۳

۱۳ ربیعہ ۱۴۲۳ھ

﴿عنی آدمی کے لئے قربانی کا جانور بدلنا درست ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جانور قربانی کی نیت سے خرید اور اس جانور کو قربانی کے لئے پالتا رہا، درمیان میں کسی اور جانور کو اسکے بدلے خرید لیا اس نیت سے کہ اسکی قربانی کریں گے، سوال یہ ہے کہ اس طرح جانور بدلنا کیسا ہے؟ اور پہلا جانور مہنگا فروخت کر دیا اور اس دوسرے جانور کو سستا خرید تو پہلے والے کی بچی ہوئی رقم کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ قربانی کی نیت سے جانور خریدنے والا اگر غنی ہے تو اسکے لئے گنجائش ہے کہ اس جانور کے بدلے دوسرے جانور کی قربانی کر لے، البتہ چاہیے کہ پہلے والے جانور سے دوسرا جانور بہتر ہو لیکن خریدنے والا کوئی غریب ہو یعنی اس پر قربانی واجب نہ ہو تو اسکے لئے جانور تبدیل کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اسی جانور کی قربانی کرنا ضروری ہے۔

لہذا آپ اگر غنی ہیں اور اس جانور کے بدلے دوسرا جانور آپ نے قربانی کے لئے خرید اتویہ جائز ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ پہلے والے جانور کی اضافی رقم صدقہ کر دیں۔

لما فی تقریرات الراعی: (ص ۳۰۲ طبع سعید)

(قوله وهذا ظاهر الرواية) وفي خزانة الاكمل أنه المختار وعند الجمهور لا يدمع النية ان يقول بلسانه واضحى بها ولو اشترى الفنى بنيتها لم تتعين باتفاق الروايات كمالى الخلاصة وان قال فى الأ شباه من القاعدة الاولى ان كان فقيرا وقد اشترى بنيتها تعينت فليس له بيعها وان كان غنيا لم تتعين والصحيح انها تتعين مطلقا. فان المستقل فى الفنى عدم التعيين باتفاق الروايات اه من شرح البعلی.

ولما فی البحر: (۱۷۸/۸ طبع سعید)

ويكره ان يبدل بها غيرها..... ولو باع اضحية واشترى بئمنها غير هافان كان الثانى انقص من الاول تصدق بالفضل.

ولما فی الشامی: (۲۳۲-۲۳۳ طبع سعید)

ولو كان غنيا مع تصريهم بانها راجبة فى ذمته غير متعينة عليه، حتى جاز له ان يبدلها بغيرها مع الكراهة ط.

واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زکی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۱۶۳

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ

﴿قربانی کے جانور میں دوسرے کو شریک کرنا جائز ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی گائے خرید کر لایا اس نیت سے کہ اس میں پانچ حصے اپنے ہونگے اور دو حصوں میں کسی کو شریک کرے گا۔ گائے کی قیمت کے اعتبار سے فی حصہ کی قیمت گیارہ ہزار روپے بنتی تھی ایک آدمی نے کہا کہ میں دو حصے لیتا چاہتا ہوں۔ لیکن میرے پاس صرف ۱۵ ہزار روپے ہیں وہ اس پر راضی ہوئے کہ ٹھیک ہے آپ دو حصوں کے ۱۵ ہزار روپے دے دیں، شرعاً اس معاملہ کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ یہ شخص اپنے جانور کا خود مالک و مختار ہے اس سے دو حصے قیمت خرید سے نسبتاً کم قیمت کیساتھ فروخت کرنا چاہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، البتہ دو حصے پورے ہوں ساتویں حصہ سے کوئی حصہ کم نہ ہو۔

(مشکوۃ المصابیح باب فی الاضغیۃ الفصل الاول)

عن جابر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال البقرۃ عن سبعة و الف جزور عن سبعة
لما فی البزازیہ کتاب الاضغیۃ ج: ۲/ ۴۰۸، ۴۰۹ ط: نقیعی

اشتری بقرۃ لہا ثم اشترک ستا جاز استحسنان ان اصاب کلا سبع تام وان اصاب احدهم
اقل من سبع لا یصح بان مات عن ابن امراء و بقرۃ مشترکۃ مع الستۃ فضعها بہا لم
یجز ولو اشتری ثلاثۃ بقرۃ و دفع احدهم اربعۃ و الآخر ثلاثۃ و الآخر دینار علی ان الشریکۃ
علی قدر المدفوع لا یصح ولو بین اثنين او ثلاثۃ فضعوا جاز ،

لما فی التذویر مع الدر (ج ۱/ ۱۷۴ سمیع)

(لو صح اشترک ستۃ فی بدنہ شریعت لا ضعیۃ) ای ان نری وقت شراء الاشتراک صح
استحساناً والا لا (استحساناً و اذا) ای اشتراک (قبل الشراء احب) و یقسم اللحم وزناً

لما فی الدر المختار مع کتاب الاضغیۃ (ج ۱/ ۲۷۷ سمیع)

الفرع اولو ان ثلاثۃ نلوا اشتری کل واحد منهم شاة ولو اضعفیۃ احد عشر
والاخر بعشرين والاخر ثلاثین و قیمت کل واحدۃ مثل ثمنها فاختلفت حتی لا یعرف کل
واحد شاتہ بعینہا و اصطلحوا علی ان یأخذ کل واحد منهم شاة یضعی اجزائہم
و یتصدق صاحب الثلاثین بعشرين و صاحب العشرين بعشرة و لا یصدق صاحب
العشرة بشئ و ان اذن کل واحد منهم ان یذبحها عنہ اجزائہ و لا شی علیہ کما لو
ضعی اضعفیۃ غیرہ بغير امرہ ینابح

فی الدر المختار کتاب الاضغیۃ (ج ۱/ ۲۱۵، ۲۱۶ طبع: سمیع)

ولو لاحد ہم اقل من سبع لم یجز عن احد ہم .

الجواب صح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: مفتی اللہ

توی نمبر: ۳۸۹۳

۸ مفر ۱۳۲۵ھ

﴿پیدا اُنشی طور پر بغیر کان والے جانور کی قربانی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ایسے جانور کی قربانی جائز ہے جس کے کان پیدا اُنشی طور پر نہ ہوں؟

﴿جواب﴾ جس جانور کے کان پیدا اُنشی طور پر نہ ہوں ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

لسالی الہدایۃ: (۲/۲۲۸، طبع رحمہ اللہ)

والمسکاء، ومی التی لا اذن لها خلقة لا تجوز ان کان بعد هذا ان مطلق اکثر الاذن اذا کان لا یجوز لمعین الاذن اولیٰ.

ولسالی الہدایۃ: (۵/۲۹۷، طبع رشیدیہ)

ولا تجوز العمیاء، والمروراء البیہن عورہا۔ ومتطوعة الاذنین والالیۃ والذنب بالکلیۃ والقی لا اذن لها فی الخلقة.

ولسالی التکریم مع الدرر: (۱/۲۶۱، طبع امدادیہ)

(ولا بالہتساء، وبالمسکاء، التی لا اذن لها خلقة للولہا اذن صغیرہ خلقة اجزأت.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد حسین

فتویٰ نمبر: ۹۵۷

۷۔ بتاریخ ۱۳۲۸ھ

﴿قربانی کا وقت گزرنے سے پہلے صاحب نصاب ہو جائے تو قربانی واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کے پاس

صرف ایک تولہ سونا ہے اور اس کے علاوہ نقد رقم نہیں ہے، عید کے دن صاحب نصاب بن جاتی ہے مثلاً کسی نے عیدی دیدی تو اگر ان دونوں کو ملایا جائے تو چاندی کے نصاب تک مالیت پہنچ جاتی ہے تو کیا اس عورت پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

مفتی: نعیم اللہ خانی

﴿جواب﴾ قربانی کا وقت نکلنے سے پہلے کسی کا مال نصاب تک پہنچے تو اس پر قربانی واجب

ہے خواہ آخری وقت میں صاحب نصاب بنے۔

لسالی البزلیۃ علی ہوامش الہدایۃ: (۶/۲۸۶، طبع رشیدیہ)

ولو کان فقیر الملک نصابا لایا مہاتلزمہ.

ولسالی بدائع الصنائع: (۵/۲۵، طبع سعید)

اذالم یکن املا للوجوب فی اول الوقت ثم صار اهلا فی اخره بان کان کالرا او عبدا او فقیرا او مسافرا فی اول الوقت ثم اسلم او اعتق او ایسر او اقام فی اخره انه یجب علیہ.

ولسالی خلاصۃ الفتاویٰ: (۲/۲۰۹، طبع رشیدیہ)

والاجاء یوم الاضحی ولا مال له ثم استلاد مانی درہم ولادین علیہ وجبت القرو والغنی

والموت انما يعتبر في حق الاضحية اخرايام البنجر.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ تعالیٰ

فتویٰ نمبر: ۱۷۸۹

یکم ذی الحجۃ ۱۴۲۹ھ

﴿نذر مانی ہوئی قربانی کی ہلاکت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں ایک بیوہ عورت ہوں اور غریب خاندان سے تعلق رکھتی ہوں میں نے نذر مانی کہ اس بکرے کو اللہ تعالیٰ کے لئے عید الاضحیٰ کے دن قربانی کروں گی، اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ بکرا مر گیا، اب میرے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا قربانی کرنا میرے ذمے واجب ہے یا نہیں؟ بیوہ تو جروا۔

﴿جواب﴾ پہلے سے قربانی کرنا واجب نہ تھی لیکن آپ نے جب نذر مان کر اپنے اوپر قربانی واجب کر لی تو قربانی کا جانور ہلاک ہو جانے کے بعد اب نذر کا پورا کرنا آپ کے ذمہ سے ساقط ہو گیا، لہذا اب آپ پر کچھ لازم نہیں۔

لما فی جامع الترمذی: (۱/۱۸۴) طاروقی کتب خانہ

عن ثابت بن الضحاک عن النبی ﷺ قال لیس علی العبد نذر فیما لا ینسلک.

ولما فی البدائع: (۵/۶۶) مطبع بیچ اہم سعید

بان قال للہ تعالیٰ علی ان اضحیٰ بهذه الشاة و هو موسر او معسر فہلکت او ضاعت انه تسقط عنه التضحية بسبب النذر لان المنذور به معین لاقامة الواجب فیسقط الواجب بهلاکہ کالزکاة تسقط بهلاک النصاب عندنا غیر انه ان کان الناذر موسرا تلزمه شاة اخرى بايجاب الشرع ابتداء لا بالنذر.

ولما فی النشامی: (۱/۴۷) مطبع امدادیہ ملتان

ان المنذور فلو هلکت او ضاعت تسقط التضحية بسبب النذر، غیر انه ان کان موسرا تلزمه اخرى بايجاب الشرع ابتداء لا بالنذر، ولو معسر الاشیء، علیہ اصلاہ.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: ولی اللہ ڈیوی

فتویٰ نمبر: ۶۸۳

۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

﴿نماز عید کے بعد اور خطبہ سے قبل قربانی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں، علماء کرام اور مفتیان عقام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر عید کی نماز کے بعد اور خطبہ عید سے قبل قربانی کر لی جائے، تو ایسی قربانی کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ قربانی تو ہو جائے گی لیکن بہتر یہ ہے کہ امینان سے خطبہ عید سننے کے بعد قربانی کرے

لما فی التنبیر مع التر: (۱/۲۶۰-۲۶۱ طبع امدادیہ)

(اول وقتہا بعد الصلاۃ ان ذبح فی مصر) ای بعد اسبق صلاۃ عید ولوقبل الخطبتین
بعدهما حبس فی الشامیۃ: قولہ: (ولوقبل الخطبۃ) قال فی المنع وعن
الحسن بلوضعی قبل الفراغ من الخطبۃ للقداساء۔
ولما فی بدائع الصنائع: (۵/۴ طبع سعید)

ولوضعی قبل فراغ الامام من الخطبۃ ولوقبل الخطبۃ جاز لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رتب
الذبح علی الصلاۃ لا علی الخطبۃ لیماروینا من الاحادیث لذل ان العبرۃ للصلاۃ لا للخطبۃ۔
ولما فی الہندیۃ: (۵/۲۹۵ طبع رشیدیہ) الوصلی ولم یخطب جاز الذبح کذا فی محیط السرخسی۔
الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق غنی عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۳۰۵

۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ

﴿قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے علاقے میں چند عیسائی گھرانے آباد ہیں
اور عید قربانی کے دن یہ لوگ گھروں سے گوشت جمع کرتے ہیں، پوچھتا یہ ہے کہ ان کو قربانی کا
گوشت دینا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ قربانی کا گوشت غیر مسلم کو بھی دے سکتے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ مسلمان دیندار
لوگ ہی آپ کے کھانے میں شریک ہوں، البتہ تالیف قلوب کیلئے غیر مسلموں کو دیدیا اور ان
سے دین اسلام کی طرف مائل ہونے کی امید ہے تو انکو دینے میں زیادہ ثواب ہے۔

لما فی مشکوٰۃ: (ص ۳۶۹ طبع سعید)

قال رسول اللہ ﷺ اکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملائکۃ والطر عندکم الصائون
۔ قال رسول اللہ ﷺ فاطعموا طعامکم الاتقیاء واولو امرؤ فکم المؤمنین۔
ولما فی الہندیۃ: (۵/۳۰۰ طبع رشیدیہ)

ویہب منها ما شاء للفقنی والفقیر والمسلم والذمی کذا فی الغیانیۃ۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق غنی عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۳۰۶

۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ

﴿خصی جانوروں کی قربانی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لوگ بقرہ عید پر خصی جانور

جانوروں کی قربانی کرتے ہیں تو کیا خسی جانوروں کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ خسی جانور کا گوشت نسبتاً زیادہ لذیذ ہوتا ہے، اسلئے اسکی قربانی جائز بلکہ اولیٰ ہے۔

لما فی الہدایۃ: (۲/۴۴۸ طبع رحمانیہ)

و یجوز ان یضعی بالجما..... والخصی لان لحمها طیب وقد صح ان النبی ﷺ ضعی
بکبشین املعین موجدین۔

ولما فی البحر: (۸/۱۶۶ طبع سعید)

(ویضعی بالجما)..... (والخصی) وعن ابی حنیفۃ ہوا ولی لان لحمه طیب وقد صح انه
علیہ الصلاۃ والسلام ضعی بکبشین املعین موجدین "الامح الذی فیہ ملعۃ
وہو البیاض الذی فیہ شعیرات سودوہ من لون الملح والموجود المخصی من الوج،
وہوان یضرب عروق الخصیۃ بشئ۔

ولما فی تفسیر الابصار: (۶/۴۲۲ طبع سعید) (ویضعی بالجما، والخصی والثول)،

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۳۶۷

۲۳ جمادی الاول ۱۴۲۹ھ

﴿ایک خسیہ والے جانور کی قربانی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر جانور

کے خصیتین میں سے ایک نہ ہو تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ جانور کو خسی کرانے کیلئے اس کے دونوں خسیہ ایک عمل سے گزار کر باقاعدہ

تاکارہ کیے جاتے ہیں جبکہ اسکی قربانی جائز ہے اور سنت سے ثابت ہے تو جس جانور کا ایک خسیہ

پیدا نشی نہ ہو اسکی قربانی بطریقہ اولیٰ جائز ہے۔

لما فی المحيط البیانی جلد ۸/۶۶۷ طبع ادارۃ القرآن

ومن المشانخ من یدکر فی هذا الفصل اصلاً ویقول کل عیب یزیل المتعنت علی
للكمال لو الجمال علی الکمال یمنع الاضعیہ ومالا یکون بہذہ الصلۃ لا یمنع

وکذا فی فہندۃ ۲۹۹/۵ کتاب الاضعیہ طبع مکتبۃ رشیدیہ

وکذا فی تبیین الحقائق ۶/۴۸۲ طبع ایچ ایم سعید

ولما فی فتح القدیر ۵۲۹/۹ مکتبۃ رشیدیہ

(ویجوز ان یضعی بالجما) وھذہ الصلۃ (والخصی) لان لحمها طیب وقد صح ان
النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضعی بکبشین املعین موجدین

ولسالی البحر الرقيق ۱۴۱۸/۸ طبع اہم نسعید

لو یضیی بالجہاد کوفی ہذا الصنفہ لکوی الخفی کو عمر امی حبیلۃ رحمہ اللہ تعالیٰ جو اولی
لان لحدہ اطلب وقد صح لہ علوہ الصلوۃ والسلام ضعی. بکثیرہ منہم موجودہ

الجواب صحیح مفتی عبدالرشید عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: شفقت اللہ

نوی نمبر: ۳۸۱۹

۲۳ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ

﴿باوجود صاحب نصاب ہونے کے گزشتہ سالوں کی فوت شدہ قربانی کا حکم﴾
﴿موسلم﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ ایک آدمی صاحب نصاب کے باوجود مسلسل چھ
سالوں میں قربانی نہیں کی، اب وہ گزشتہ چھ سالوں کی قربانی ساتویں سال میں ایک ساتھ
کرنا چاہتا ہے آیا گزشتہ چھ سالوں کی قربانی ادا ہو جائے گی کہ نہیں؟

﴿جو﴾ قربانی کے دنوں میں صاحب نصاب مالدار آدمی پر قربانی واجب ہے کسی شرعی
عذر کے بغیر اس حکم کی تعمیل نہ کرنا باعث گناہ ہے آپ نے کئی سالوں سے اس حکم کی تعمیل میں
غفلت برتی ہے جس کی وجہ سے سخت گناہ ہوا ہے، اب سچے دل سے توبہ واستغفار ضروری ہے اور
ساتھ ساتھ درمیانی قیمت کی چھ بکریوں کی رقم فقراء و مساکین کو بطور صدقہ کرنا لازم ہے قربانی قضا
کرنے کی یہی صورت فقہاء کرام نے بتائی ہے ساتویں عید پر یا تمام دنوں میں قضاء شدہ
قربانوں کی طحانی ذبح کرنے سے اب نہیں ہوگی۔

لسالی اللہ الاسلامی وأئلفہ: (۲/۴۱۲ طبع رشیدیہ)

ولوترکت للتضییۃ حتی مضی وقتہا تصدق بہا - وأما الغنی انظم ہشتر
الأضعیۃ، فیتصدق بقیۃ شاة علی الصبیح کما فی البدائع ہو قول الامام وصاحبہ
لأن الأضعیۃ راجعۃ علی الغنی.

ولسالی الشامی: (۱/۲۲۱ طبع سعید)

(قوله وتصدق بقیۃ شاة غنی شراہا ولا کذا فی المنہاج وغیرہا کالشرع تعقبہ الشیخ
شامی بآن وجوب التصدق بالقیۃ مقبلاً انظم ہشتر، أما اذا اشترى فهو مغیر بین
التصدق بالقیۃ أو التصدق بباحیۃ کما فی الزیلعی أبو السعود۔۔) (قوله
فالمراد بالقیۃ الخ) - فبین أن المراد انظم ہشترها قیۃ شاة تجزئ فی الأضعیۃ کما فی
الخلاصہ وغیرہا قال القستانی ما وقیۃ شاة وسط کما فی المزہدی والنظم وغیرہا.
ولسالی الہندیۃ: (۲/۲۴۴ طبع رحمانیہ)

ولولم یضخ حتی مضت أيام النحر۔۔ وان کان غنیاً تصدق بقیۃ شاة اشترى أو لم

بشتر لأنها واجب على الغنى وتجب على الفقير بالشراء بنية التضيعة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: علی خان غفرلہ ولوالدیہ

کیم صفر الخیر ۱۳۳۱ھ

فتویٰ نمبر: ۲۳۵۷

﴿شُرکاء آپس میں قربانی کا گوشت وزن کر کے تقسیم کریں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قربانی کے سات شرکاء

کو آپس میں قربانی کا گوشت کس طرح تقسیم کرنا چاہیے؟ کیا اندازے سے سات حصے کر کے

آپس میں تقسیم کرنا جائز ہے؟

مستفتی: زاہد لیاری کراچی

﴿مُحَرَّر﴾ قربانی کا گوشت آپس میں برابر وزن کر کے تقسیم کرنا چاہیے تاکہ تمام حصہ

داروں کو برابر سب برابر گوشت ملے اور اگر تر از و میسر نہ ہو تو اندازے سے تقسیم کرنے کی گنجائش صرف

اس صورت میں ہے کہ ہر حصے میں کوئی زائد چیز مثلاً پائے، مغزو وغیرہ رکھ کر تقسیم کریں۔

لما في التنوير مع الدر: (١/٢٦٠، طبع امناديه)

(وَيُقَسَّمُ لِلْحَمِّ وَزَنَانِ الْجَزَاءِ إِذَا ضَامَ مَعَهُ مِنَ الْكَارِعِ أَوِ الْجِلْدِ) أَصْرُ فَاَلْجِنْسِ لِخِلَافِ جِنْسِهِ.

ولمالي خلاصة الفتاوى: (٢/٢١٥، مطبع رشيدية)

سبعة ضحواؤا رادوا ان يقتسموا اللحم بينهم ان اقتسموا روزنا جازوا ان اقتسموا هاجزانا

جعلوا مع اللحم شينا من السلق كالرأس والا كراع يجوز وان لم يجعلوا الا يجوز فان

جعلوا مع عذارى حملوا اللؤلؤ بينهم بعضهم لبعض لم يجز.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

والله اعلم بالصواب: عبدالرزاق غفرلہ

۲. جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ

فتویٰ نمبر: ۱۴۰۳

﴿قربانی میں میت کی شراکت کا حکم﴾

﴿سورۃ﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قربانی کے جانور میں

سات آدمی شریک تھے، ان میں سے ایک شریک کا انتقال ہو گیا لیکن اسکی طرف سے اس کا حصہ

برقرار رکھا گیا، سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں دیگر شرکاء کی قربانی متاثر تو نہیں ہوگی؟

﴿مجموعہ﴾ میت کے محلے کو برقرار رکھنے اور اس کی طرف سے قربانی سے دیگر شرکاء کی

قربانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا جملہ شرکاء کی قربانی درست ہے۔

لما في التنوير مع الدر: (١/٣١٦، مطبع سعيد)

(وان مات احد السبعة) المشتركين في الهدية (وقال الورثة اذبحوا عنه وعنكم صبح) عن

الكل استعسانا لقصص القربة من الكل.

ولسالی البدائع (۶/۴۲، طبع معبد)

وذكر في الاصل اذا اشترك سبعة في بنية لمسات احدهم قبل الذبح لم يرضى ورثته ان يذبح
عن الميت جاز استعسانا وكذا في الخلاصة (۲/۲۱۵، طبع رشديه)

والله اعلم بالصواب: محمد حسن فخر

الجواب: محمد عبدالرحمن عفا الله عنه

فتوى نمبر: ۱۳۹۳

۲۷ جمادی الاول ۱۴۳۹ھ

﴿ جس بیل کے گھٹیا پر پاؤں یا سینگ نکل آئے ہوں اس کی قربانی جائز ہے ﴾

﴿ سوال ﴾ ایسا بیل جس کی کوہان نما گھٹیا پر پاؤں نما چیز یا سینگ خلتا نکل آئے ہوں تو
ایسے جانور کی قربانی جائز ہے؟ اور یہ عیب شمار ہوگا یا نہیں؟ مستفتی رئیس کورنگی نمبرا

﴿ جواب ﴾ شریعت مطہرہ نے قربانی کے جانور میں اُس عیب کو معیوب قرار دیا ہے جو
جانور کے منافع اور خوبصورتی میں رکاوٹ بنتا ہو چونکہ معمولی عیب شریعت میں عیب شمار نہیں ہوتا،
اس لئے مذکورہ جانور کی یہ زائد خلت عیب نہیں ہے، لہذا اس کی قربانی جائز ہے۔

لسالی القدر مع الف (۱/۲۱۴-۲۱۲، طبع معبد)

لو يضحى بالمعبد والخصى والذلاوى والجنى وتكلم بضع من السوم والرعى، وان
منعها لا تجزى لتضعيتها لو لم ير له السية كقولهم: ولتم يجر: لان الجرب في اللحم تنص
الابالمعبد والعيرة والمعبد الكسب: الخ في عظامها لو لم ير له القى لاتسنى في
لسنككى السنج والى يخطيبين مرضها ومقطع اكثر الاذن والذنب
والعين) - (لو اكثر الالية لان لاكثر حكم لكل بناء، وبها فبها كفى بناء الاكثر عليه لفتوى مجتبی

ولسالی الدرر (۸/۱۶۶-۱۷۷، طبع معبد)

”ويضحى بالجاء - والخصى - والثولاء - لابل المعبد والعيرة والمعبد والعرجاء -
لساروى عن النراء بن عازب انه عليه الصلاة والسلام قال لربع لا تجوز في الاضاحى
العيرة البين عيرها والمرضى البين مرضها والمعبد البين ضلعها والكسرة القى
لاتسنى رواه ابو داود والنسائي وجماعة آخرون صححه الترمذى - ” ومقطوعة اكثر الاذن
او الذنب او العين او الالية لتول على رضى الله عنه امرنا رسول الله ﷺ أن نستشرف
المعين والأذن وأن لا نضحى بمثلها لتولاً مناهراً ولا شرقاً، ولا خرقاً، - لان العيب
البسير لا يمكن التعذر عنه فجعل علواً الخ

ولسالی الفلز الية على هامش الهندية (۱/۲۱۴-۲۱۲، طبع رشديه)

(الخامس في عيوبها) خمسة عشر من الآفات لم يمنع منها عدم الاستان لواعث

وقال معسرحه الله لا يجوز في سبع من الميوس، العساء، والموراء — والمعلاء التي
لاتقى لا يجوز ومقطوع رؤس الضروع ان اقل من النصف — وعن الامام رحمه الله ان
الشاة اذالم يكن لها اذن ولا ذنب خلقت يجوز وان لم يكن له خلقة عينا لا يجوز.

الجواب صحیح: حیدر علی عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: تلمیذ احمد رش

نویں نمبر: ۱۳۳۳

۲ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ

﴿ چار سینک والے جانور کی قربانی جائز ہے ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عقام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دنبہ
ہے اسکے مکمل طور پر چار سینک ہیں اب پوچھنا یہ ہے کہ چار سینک کا ہونا اس میں عیب شمار ہوتا ہے
یا نہیں؟ اور اس دنبہ کی قربانی شریعت مطہرہ کی رو سے درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ شریعت مطہرہ نے قربانی کے جانور میں کسی ایسی خامی کو باقاعدہ عیب قرار دیا
ہے جو جانور کے منافع اور خوبصورتی میں رکاوٹ کا باعث ہو تو مذکورہ جانور کی یہ زائد تخلیق ایسا
عیب نہیں ہے بلکہ بعض دفعہ جانور میں زائد تخلیق اسکے جمال میں اور اضافہ کر دیتی ہے۔ لہذا اس
دنبہ کی قربانی جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

لسالی البزالية ۱۲/۲۱۱/۲ مطبع قدیمی

الخامس فی عیوبها خمسة عشر من الآفات لا یمنع منها: عدم الاسنان لو اختلف
سوالجرباء ان سببته والتي لا قرن لها من الاول يجوز فان انتطع او انكسر بجور الا اذا
بلغ الدماغ وصغيرة الاذن والتي فی اذنها تقب او شقاق من الاعلى الى الاسفل
يجوز وعديعة الاذن او احدى الاذنين یمنع الا فی رواية من الامام ومعدر رحمهما الله
والثولاء — والعرجاء التي تسبی ثلاث قوائم ولا تضع الرابعة على الارض لا وان كانت
تضعها وضعا ضعيفا لانها تتمايل مع ذلك يجوز والمحسوب العاجز عن الجماع
والتي لها سعال والعاجز عن الولادة لكبر سنها والتي لا ینزل لها لبن تجوز والتي لها
الیه صغيرة تشبه الذنب يجوز وان لم يكن لها الیه خلقة فكذلك وقال معسرحه
الله لا يجوز فی سبع من الميوس: العساء — والموراء — والمعلاء — وعن الامام رحمه الله
ان الشاة اذالم يكن لها اذن ولا ذنب خلقة يجوز وان لم يكن له خلقة عينا لا يجوز

لسالی للهندیہ ج ۲/۱۱/۵ کوئٹہ

ومن المشايخ من يذكر لهذا الفصل اصلا ويقول كل عيب يزيل المتعة على الكمال
او الجمال على الكمال یمنع الاضحية وما لا يكون بهذه الصفة لا یمنع

لسالی المحيط البرهانی ۲۶/۸ طبع لندرا القرآن

ومن المشايخ من يذكر فی هذا الفصل اصلا ويقول: كل عيب يزيل المتعة على

الکمال بصدق الاضحية وما لا يكتفون بهذه الصلوة لا يصدق

لما في القدر مع الدر ۱/۲۲۲، ۲۲۳ طبع سمیع

(وہ شخص جسے بالجماء، والحصى، واللؤلؤ) ای المجددہ (اذلیم بمعنی من المسموم والبرص
وان معنی لا تنجبہ بالتضحية بها (والجرباء، السیئة)۔ المعجلاء، فللہ مہزولة اللہ
لا یخ لمی صلاہا (والعرجاء، اللہ لا یتخلى الى المسک)۔ الخ

الجواب صحیح: مفتی محمد رفیع رحمہ اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: مفتی محمد رفیع رحمہ اللہ

فتویٰ نمبر ۳۸۹۱

۸ مئی ۱۴۳۵ھ

﴿قربانی سے متعلق چند مسائل﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین درج ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) مارے ہاں سردیوں میں بکرے وغیرہ کا گوشت خشک کر کے ایک خاص ڈش بنائی جاتی ہے جسے لاندی کہتے ہیں اگر کوئی لاندی کی نیت سے قربانی کا جانور ذبح کر لے تاکہ سردیوں کے زمانے میں اسے گوشت کی لاندی بنا کر کھاؤنگا، کیا اس سے قربانی ادا ہو جائے گی؟

(۲) ایک غریب مریض شخص جس کو پیسوں کی ضرورت تھی میرے پاس آیا، میں نے اپنی قربانی کی رقم اس کو دیکر کہا کہ آپ ان پیسوں سے میری طرف سے قربانی کر لویا اپنی ضرورت میں استعمال کر لو، بعد میں اس شخص نے قربانی کرنے کے بجائے پیسے اپنی ضروریات میں استعمال کر لیے تو اب میری قربانی، بونی یا نہیں؟

(۳) اگر کسی شخص نے قربانی نہیں کی یا قربانی تو کی لیکن کسی وجہ سے فاسد ہو گئی اور عید بھی گذر گئی، اب اس کا کفارہ کیا، دکان؟ مستفتی: حبیب الرحمن ضلع ٹوبہ بلوچستان

﴿جواب﴾ (۱) شریعت طہرہ میں قربانی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب و رضا ہے، اس نیت سے جانور ذبح کر لیا جائے تو قربانی کا فریضہ ادا ہو جائیگا، البتہ قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کرنا مندوب ہے، ایک حصہ فقراء و مساکین پر خرچ کر لیا جائے، دوسرا حصہ اعزہ و اقرباء کو کھلایا جائے اور تیسرا حصہ اپنے لئے رکھ لیا جائے اور اگر سارا گوشت صدقہ کر دے یا اپنے لئے اذکار کر لے تو اس کی بھی اجازت ہے۔

لہذا صورت مسئلہ میں اس شخص کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہو اور ساتھ ساتھ اس کے

گوشت سے لاندی وغیرہ بنانا بھی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ہاں صرف لاندی کی غرض سے قربانی کے دنوں میں جانور ذبح کر لے قربانی مقصود نہ ہو تو اس سے قربانی نہیں ہوگی۔

لحمی الهدایہ: (۲/۴۵۰، طبع رحمانیہ)

وہاکل من لحم الاضحية ويطعم الاغنياء والفقراء ويذخر لقوله عليه السلام كنت نهيتكم عن اكل لحوم الاضاحي فكلوا منها والخرجوا.

ولحمی الشامی: (۱/۴۷۴، طبع امدادیہ)

قوله: (ونذير الخ) قال في البدائع: والاضاحي ان يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لأقربائه وأصدقائه ويذخر الثلث ويستحب ان يأكل منها لرحب الكس لفسه جازان القرابة على الاراقة والتصدق باللحم تطوع.

(۲) قربانی ایک شرعی عمل ہے بلا عذر شرعی ترک کرنا موجب گناہ ہے، صورت مرقومہ کے مطابق قربانی کے چھ ایام عید کے اندر صدقہ کر دیے جائے تو اس سے قربانی کا فریضہ ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا، بدستور ذمہ واجب رہیگا۔

چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں اگر قربانی کے دن گزر گئے تاواقیت یا غفلت یا کسی عذر کی بناء پر قربانی نہ کر سکا تو قربانی کی قیمت فقراء و مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے لیکن قربانی کے تین دنوں میں جانور کی قیمت دینے سے یہ واجب ادا نہیں ہوگا اور اس حکم کی تعمیل نہ کرنے سے گنہگار ہوگا کیونکہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے جیسے نماز پڑھنے سے روزہ اور روزہ رکھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور تعامل پھر تعامل صحابہ اس پر شاہد ہیں۔

لحمی الهدایہ: (۲/۴۷۴، طبع رحمانیہ)

ولولم یضح حتی مضت ایام النحر ان کان أو جب علی نفسه أو کان فقیرا وقد اشتری الاضحية تصدق بها حیة وان کان غنیاً تصدق بقیمۃ شاء اشتری أو لم یشترا لانها واجبة علی الغنی وتجب علی الفقیر بالشراء بنیۃ التضحیۃ.

(۳) کسی کی قربانی کسی وجہ سے فاسد ہوگئی، اس شخص پر اگر قربانی واجب تھی تو ایام عید گزرنے کے بعد اس کی قیمت کا صدقہ دینا ضروری ہے اگر واجب نہیں تھی تو صدقہ دینا بھی واجب نہیں ہے۔

لحمی الدر المختار: (۱/۴۸۲، طبع امدادیہ ملتان)

شری اضحیۃ وامر رجلا بذبحها فقال تریکت التسنیۃ عند ذمہ قیمتھا البشتری الأمربھا فخری ویضنی ویصدق ولا یأکل لوانام للنحر بالقیۃ الا تصدق بقیمتها علی الفقراء خانۃ.

ولمافی خلاصۃ الفتاوی: (۳۱۸/۲-۳۱۹، مطبع رشیدیہ کونٹہ)

وفی فتاوی القاضی الامام الفقیر الذی ان یشتري شاء للاضحية لا یلزمه بهذا الذب
شیء، ولو اشتري شاء. ولا ضحية لماتت او باعها لا یلزمه الاخری - والفتاویٰ لیس فی شأنه
ولم یشتري الاخری لیس علیه الاخری.

واللہ اعلم بالصواب: محمد اسلم چترالی

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۲۱۵

۱۵ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ

﴿مرحوم کی طرف سے قربانی کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہم چار بھائی ہیں، اب ہم چاہتے ہیں کہ اس بقریدہ
میں اپنے حصوں کی قربانی کیساتھ کیساتھ اپنے دادا مرحوم کے لئے بھی حصہ رکھ لیں؟

﴿جواب﴾ ایصال ثواب کی غرض سے کسی مرحوم کی طرف سے قربانی کرنا شرعاً پسندیدہ
ہے، بلاشبہ اسکا اجر و ثواب مرحوم کو پہنچتا ہے، اس کے لئے مستقل الگ جانور کی قربانی کرے یا
گائے وغیرہ میں کوئی حصہ لے کر دوسروں کیساتھ کرے، دونوں طرح جائز ہے۔

لمافی الشامی: (۳۲۱/۶، مطبع سعید)

انصر عن ضعی عن السیت یصنع کما یصنع فی اضحیۃ نفسه من التصنیق والاکل والاجر طلسمیت
والسلک للذبح قال الصدوق والمختار لہ ان یلمر السیت لا یأکل منها ولا یأکل بزنیۃ.

ولمافی الفتاوی الولوالجیۃ: (۴۲/۳، مطبع داروقیہ پشاور) رجل ضعی عن السیت جاز اجماعاً.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۲۷۶۰

۳ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

﴿ایام نحر میں قربانی نہ کرنے کی صورت میں اس کی قضا کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری
ملکیت میں ایک تولہ سے زائد سونا اور تھوڑے سے پیسے ہیں لیکن اتنی رقم نہیں جس سے میں قربانی
کر سکوں جبکہ سونے کو میں نے والد صاحب کے پاس بطور حفاظت رکھا ہے، میرے بھائی نے
بقرعید کے موقع پر مجھ سے عرض کیا کہ آپ پر قربانی واجب ہے، میں نے والد صاحب سے کہا کہ
میرا سونا دے دیجئے تاکہ اس سے کچھ فروخت کر کے قربانی کا جانور خریدوں، والد صاحب نے
فرمایا کہ اس سال چھوڑا گلے سال کر لیتا، اس وجہ سے میں ایام نحر میں قربانی نہ کر سکی۔

(۱) میرے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ (۲) نیز یہ بھی فرمائیں کہ قربانی کس شخص پر واجب ہوتی ہے؟ ﴿مورح﴾ صرف ایک تولہ سونے کوئی صاحب نصاب نہیں بننا، اس لئے آپ پر قربانی واجب نہیں تھی، البتہ اس کے ساتھ آپ کے پاس اپنی ذاتی ملکیت میں کچھ چاندی یا نقد روپے بھی خاص عید کے دن اگر تھے تو آپ شرعاً مالدار شمار ہوتی ہیں اور قربانی آپ کے ذمہ واجب تھی۔ اب چونکہ عید گزر گئی، لہذا قضا کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ درمیانی بکری کی قیمت غریب سستی کو صدقہ کریں۔

لما فی الدرر (۱/۲۶۵، طبع امدادیہ) (و ان تصدق) بقیعتھا غنی شراھا (اولاً) وفي الشامیہ بقولہ: (فما المراد بالقیمۃ الخ) بیان لما أجمله المصنف، لأن قوله "تصدق بقیعتھا" ظاہر فیما اذا اشتراها لأن قیمتها تعلم، أما اذا لم يشترها فاما معنی أنه تصدق بقیعتھا فانها غیر معینۃ، فہین أن المراد اذا لم يشترها قیمۃ شاء تجزئ، فی الأضعیۃ کما فی الخلاصۃ وغیرھا. قال التھستانی، أو قیمۃ شاء وسط کما فی الزاہدی والنظم وغیرھا. ولما فی الخلاصۃ: (۳-۴/۱۱۱)، کتاب الأضعیۃ، فی وقت الأضعیۃ طبع رشیدیہ) ولم يشتراً أضعیۃ حتی مضت أيام النحر تصدق بقیۃ ما یصلح للأضعیۃ. ولما فی الہدایۃ: (۲/۲۲۲)، کتاب الأضعیۃ، طبع رحمانیہ)

قال: الأضعیۃ واجبۃ علی کل حر مسلم مقیم موسر فی یوم الأضعی عن نفسه وعن ولده الصغار.... ووجه الوجوب قوله عليه السلام من وجدهم ولم یضح یلا یقرین مصلانا ومثل هذا لو عید لا یلحق بترك غیر الوجوب. ولما فی الشامی: (۱/۲۱۲)، کتاب الأضعیۃ، طبع سعیدی (قوله (والیسار الخ) بان ملک مائی درہم أو عرضاً یسار یھا غیر مسکنہ وثیاب اللبس أو متاع یحتاجہ الی أن یذبح الأضعیۃ... الخ. ولما فی بدائع الصنائع: (۵/۶۴)، کتاب الأضعیۃ، طبع سعیدی) فلا بد من اعتبار الفنی وهو أن یكون فی ملکہ ما نقادہم أو عشرون دیناراً أو شیء تبلغ قیمۃ ذلک سوى مسکنہ وما یقالبت بہ وکسوتہ وخادمہ ومرضہ وسلاحہ وما لا یستغنی عنہ وهو نصاب صدقۃ الفطر.

واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

لتوی نمبر: ۲۹۱۰

۱۲ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ

﴿قربانی کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ اختیار کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ (۱) سر بہو سے کہتا ہے کہ آپ سونا مجھے بہہ کر دو تو

آپ پر قربانی واجب نہیں ہوگی بلکہ میرے اوپر ہوگی (جب کہ سر پر پہلے سے قربانی واجب ہے) اور میں یہ سونا آپ سے ملکہ نہیں لوں گا بلکہ بعد میں واپس کر دوں گا پھر عید کے بعد سر واپس بھی کر دیتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اس طرح حیلہ کر کے بہو سے قربانی ساقط ہوئی؟ جبکہ بہو کے پاس سونے کے علاوہ کوئی ایسا مال بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے قربانی واجب ہو۔

(۲) دوسری بات یہ پوچھنی ہے کہ قربانی کو ساقط کرنے کیلئے اس طرح کا حیلہ اختیار کرنا جائز ہے؟ بیواؤ تو جروا۔ مستقی: عبدالرازق صاحب کراچی

﴿مجموع﴾ عارضی اور وقتی طور پر کسی کو کوئی چیز دیدی تو وہ اس کا مالک قرار نہیں پاتا اور دینے والے کی ملکیت سے وہ چیز نہیں نکلتی، لہذا چند دنوں کیلئے سونا سر کو دینے سے سونے کا مالک سر نہیں ہوا، سونا بدستور بہو کی ملکیت میں ہے، قربانی اس پر واجب ہے۔

اور قربانی یا کوئی دوسرا شرعی واجب حکم ساقط کرنے کیلئے حیلہ اختیار کرنا مکروہ تحریمی ہے دینی احکامات سے فرار کے مترادف ہے کسی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ شرعی احکام کو ایک بوجھ سمجھے۔

لما فی مجمع الانهر: (۲/۲۶۷ طبع المنار)

لوقال الرجل ناعطی الف درهم۔۔۔ فقال اعطیتک لهذا علی الودیعة.

ولما فی درر الحکام: (۲/۲۵۹ طبع ماجدیہ)

باعتدال الایضاع کذا فی: کما لوقال شخص لا یراعطنی هذه العشرة دراهم ار اعطنی هذا الثوب واعطاء یكون ودية لان اعطاء الدراهم او الثوب وان كان محتلا للثبة ایضا ولكن بان الودیعة ادنی عن الثبة تكون الودیعة متبقة والثبة مشكوكة.

ولما فی التلویح مع الدر: (۵/۶۶۲ طبع سعید)

(اور کنہا الايجاب صریحا) کا ردعتک (اور کثایة) کتوله لرجل اعطنی الف درهم ار اعطنی هذا الثوب مثلا فقال ناعطیتک کان ودية بعر لان الاعطاء یحتمل الثبة لكن الودیعة ادنی وهو متیقن لصار کثایة.

ولما فی البزازیة: (۲/۲۰۶ طبع قدیمی)

له دین حال علی مقر ملی، ولیس عنده ما یشر بهابه لا یلزمه الاستقراض ولا قیمة الاضعیة اذ ارسل الدین الیه ولكن یلزمه ان یسال منه لمن الاضعیة اذا غلب علی ظنه انه یعطیه و کذا فی درر الحکام: (۲/۳۱۰ طبع ماجدیہ) و کذا فی الفقه الحنفی والذلتہ:

(۲/۹۷-۹۸ طبع دار الکلم الطیب)

ولما فی روح المعانی: (۲۲-۲۴/۲۶۷ ص ۲۶۷ ص ۲۶۷ طبع رشیدیہ)

وعندی أن کل حيلة أو جبت ابطال حکمت شرعیة لا تقبل.

ولمافی المبسوط للسرخسی (۲۹-۳۰/ص ۲۱۰، طبع دار المعرفۃ بیروت)

وانما یکرہ ذلک ان یحتمل..... فی باطل حتی یمزہ.

ولمافی الہندیۃ: (۶/۲۲۲، طبع قدسی)

کرہ بعض اصحابنا رحمہم اللہ تعالیٰ الحیلۃ فی اسقاط الزکاة وخص فیہا بعضهم
... ومانخنارحہم اللہ تعالیٰ اخذوا بقول محدث.

ولمافی البنایۃ (۱۴/۱۱۴، طبع حقانیہ)

(الحیلۃ فی اسقاط الزکاة) لعندیابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ لا تکرہ وعند معتمد رحمہ
اللہ تعالیٰ تکرہ وقیل الفتوی علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فی الشفۃ وعلی
قول معتمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی الزکاة.

واللہ اعلم بالصواب: ذیشان احمد ملازکی

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۸۰۳

۲۵ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

﴿قربانی کے بکرے کے لئے ایک سال کا پورا ہونا شرط ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک شخص نے قربانی کیلئے بکرہ خریدا مگر جب گھر
میں لایا تو پتہ چلا کہ اسکے دانت نہیں ہے یعنی سال سے کم تھا پھر اس شخص نے دوسرا جانور خریدا
کہ اسکی قربانی کی، پوچھنا یہ ہے کہ پہلے جانور کے ساتھ کیا کرے اسکو بھی ذبح کرے گا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ بکرے وغیرہ کا دو دانت کا ہونا شرط نہیں ہے، البتہ ایک سال عمر کا ہونا قربانی
کیلئے شرط ہے، اس بکرے کی عمر ایک سال اگر نہیں تھی تو یہ قربانی کا جانور شمار نہیں ہوتا اور اس شخص
نے دوسرا جانور خریدا کہ قربانی کر لی تو اب پہلے والے بکرے کا وہ چونکہ مالک ہے تو جس طرح
چاہے استعمال میں لائے اسے اختیار ہے۔

لمافی البدائع: (۵/۴۰، طبع سعید)

فلا یجوز شئ مما ذکرنا من الابل والبقرو الغنم من الاضعیۃ الا اللثنی من کل جنس الا
الجدع من الضان خاصۃ اذا کان عظمیاً..... اللثنی من الشاؤ والمعز ماتم له حول وطمع
فی الستۃ الثانیۃ..... وتقدیر هذه الاسنان بما للثانیۃ المنع القصان لا لمنع الزیادۃ حتی لو
ضعی باقل من ذلک سنا لا یجوز ولو ضعی باکبر من ذلک سنا یجوز ویكون الضل.

ولمافی الفلکۃ السلامی والقلۃ: (۳/۲۴۲، طبع رشیدیہ)

قال العنبدۃ المعز ماتم ستنو طعن دخل فی الثانیۃ..... الخ.

ولمافی البزازیة: (۲/۴۰۸ طبع قدیمی)

ومن الخنم ماتحت علیه ست والذکر منه المضل اذا کان خصبار جاز منه اللنی
فصاعدا ولا یجوز مادون اللنی من کل شئی.

ولمافی الشامی: (۱/۳۲۱ طبع سعید)

(قوله من الضان) هو ماله الیتمنح. قید به لانه لا یجوز الجزع من المعز و غیره بلا خلاف
کما فی البسوط قهستانی.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ۔ واللہ اعلم بالصواب: محمد عمران غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۲۸۶۵

۱۲ صفر الخیر ۱۳۳۲ھ

﴿ قربانی کرنے کے بعد غریب آدمی صاحب نصاب ہو جائے ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ایک غریب آدمی نے قربانی
کیلئے جانور خریدا اور اسکو عید کے پہلے دن ذبح کیا، اب اتفاق سے یہ آدمی تیسرے دن صاحب
نصاب ہو گیا، پوچھنا یہ ہے کہ اس آدمی کیلئے پہلی قربانی کافی ہے یا نہیں؟ دوسری بھی کریگا؟

﴿جواب﴾ صورتہ مسئلہ میں اس شخص پر دوسری قربانی واجب نہیں ہے، پہلی قربانی اس
کے لئے کافی ہے۔

ولمافی الشامی: (۱/۳۱۶ طبع سعید)

ولوضعی القیرم ایسرفی اخره علیہ الاعادہ فی المصحیح لانه تبین ان الاولی تطوع
بدائع ملخصالکن فی البزازیة وغیرہا ان المتأخرین قالوا لا تلزمہ الاعادہ وبہ ناخذ.

ولمافی البحر الرائق: (۸/۱۴۸ طبع سعید)

اشتری شاة لاضحیة وهو فقیر لضعفی بہائم ایسرفی ایام الذبح قال بعضهم علیہ
غیرہا قال بعضهم لیس علیہ غیرہا وبہ ناخذ فی العتابیہ وهو المختار.

ولمافی البزازیة: (۲/۴۱۱ طبع قدیمی)

اشتری القیر فی ایامہا شاء لہا وضعفی بہائم ایسرفی ایامہا قال الخوینی علیہ اخری
والمأخرون قالوا لا وبہ ناخذ.

ولمافی الحقائق: (۱/۴۴۵ طبع سعید)

ولرکان فقیر الفایسر فیہا تجب لانه ادرك وقتہا وهو غنی لان الموجود فی بعض الوقت
کالموجود فی لولہ وقیل لا تجب علیہ لان الوجوب یعلق بطول العید فالفقیر لیس
من اہلہ فجعلہ فی هذه الروایہ نظیر صدقة الفطر.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ۔ واللہ اعلم بالصواب: محمد عمران غفرلہ ولوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۲۸۸۶

۲۰ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

﴿قربانی کے لئے بکرے کی عمر ایک سال ہونا شرط ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ گیارہ ماہ والے بکرے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟
ایک مفتی صاحب نے فرمایا اگر ششی حساب سے گیارہ ماہ ہو چکے ہوں تو قربانی جائز ہے اور اگر قمری ماہ سے ہوئی ہوں تو ناجائز، مفتی صاحب کا یہ قول کس حد تک ٹھیک ہے؟ مفتی: سیف اللہ
﴿جواب﴾ واضح رہے کہ شریعت مطہرہ میں مختلف جانوروں کی قربانی کے سلسلے میں انکی مختلف عمروں کا ذکر ہے کہ ان مخصوص عمروں سے کم والے جانوروں کی قربانی جائز نہیں، البتہ اگر اس عمر کی حد تک پہنچے یا اس سے زیادہ ہو تو جائز ہے اور بکرے وغیرہ کے بارے میں عمر کی حد ایک سال بیان کی گئی ہے اگر ایک دن بھی کم ہو تو قربانی درست نہ ہوگی، لہذا مفتی صاحب کی بات کا بظاہر یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ ششی حساب سے گیارہ ماہ گزرنے کے بعد چاند کے حساب سے چند دن باقی ہوتے ہیں، وہ بھی گزرے ہوں گے تو قربانی صحیح ہوگی ورنہ نہیں۔

لسالی القنبر مع الدر: ۲۲۱-۲۲۲، مطبع ایچ ایم سعید

(روصع الجذع) خوسته أشهر (من الضأن) ان كان بعثت لم يخلط بالثنايا لا يمكن التمييز من بعد. (و) صبح (الشنی) لمساعد من الثلاث والثنی (هو ابن خمس من الابل، وحولین من البقر والجاموس موحول من الشاة) وفي الشامية: تولى البدائع: بتدبر هذه الأسنان بما ذكر لمنع التقصان لا التزاهة طلو ضمني بسن أقل لا يجوز.

ولسالی البدائع: (۵/۷۰)، مطبع ایچ ایم سعید

وتخصيص هذه القرية بسن دون سن أمر لا يعرف الا بالتوليف فيلتبع ذلك

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عباد اللہ حفیظ لولائہ

لتوی: نمبر: ۱۸۰۰

۲۳ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

﴿جانور کی رقم صدقہ کرنے سے عقیقہ کی سنت ادا نہ ہوگی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں ایک شخص کا کہنا کہ عقیقہ میں مخصوص جانور کا خون بہانا ادائیگی سنت کیلئے ضروری نہیں ہے بلکہ اگر کسی نے عقیقہ کی نیت سے جانور خرید کر بھیجہ اسکو صدقہ کر دیا یا جانور کی رقم کسی فقیر کو عقیقہ کی نیت سے صدقہ کر دیا تو اس سے بھی سنت کی ادائیگی ہو جاتی ہے اب پوچھنا ہے

ہیکہ آیا عقیقہ میں سنت پر عمل کرنے کیلئے جانور کا خون بہانا ادائیگی سنت کیلئے ضروری ہے یا یہ ہیکہ
نفس جانور یا اسکی قیمت صدقہ کرنے سے بھی سنت پوری ہو جاتی ہے۔ مستفتی: زبیر احمد سواتی

﴿جواب﴾ عقیقہ مخصوص صفات کے جانور کو عقیقہ کی نیت سے ذبح کرنے کا نام ہے
لہذا شریعت مطہر کی روشنی میں زعمہ جانور کا صدقہ کر دینے سے عقیقہ کی سنت ادا نہ ہوگی اسی طرح
جانور کی قیمت کے برابر رقم صدقہ کرنے سے بھی سنت ادا نہ ہوگی اس شخص کی بات قطعاً صحیح نہیں ہے۔

لما فی البغاری: ۳۵/۲ طبع رحمانیہ

عن محمد بن سیرین قال حدثنا سلم بن عامر الضبی قال سمعت رسول الله صلی
الله علیہ وسلم مع الغلام عقیقۃ فأمر بقوا عنه دماراً میطوا عنه الأذى.

لما فی البدائع: ۱۶/۵ طبع سعید

لو تصدق بعین الشاة أو قیمتها لا یجزیہ لأن الوجوب تعلق بالاراقۃ

لما فی الدر مع الرد: ۱۳/۶ طبع سعید

أی لوقۃ الدم من النعمۃ قال فی الجوامع واللہ علی أنها لا تعلق تصدق بعین للحيوان لم یجز.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: فضل حق زیر ادوی

فتویٰ نمبر: ۳۹۰۰

۱۳ مئی الخیر ۱۴۳۵ھ

﴿عقیقہ اور قربانی کے جانور میں فرق نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عقیقہ
اور قربانی کے جانور میں کوئی فرق ہے؟ جب کہ ”امداد الفتاویٰ“ میں ہے کہ شرائط واجبہ فی الاضحیہ
عقیقہ میں محض مستحب ہے، وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: ایاز

﴿جواب﴾ عقیقہ اور قربانی کے جانور میں فرق نہیں ہے، عقیقہ میں بھی ایسے ہی جانور کو ذبح
کرنے کا حکم ہے جس جانور کی قربانی جائز ہو، کم عمری یا عیب کی وجہ سے کسی جانور کی قربانی
اگر جائز نہیں ہے تو ایسے جانور کو عقیقہ میں ذبح کرنے سے عقیقہ نہیں ہوتا، صرف صدقہ و خیرات
ہوگا، ہاں فرق اس اعتبار سے ہے کہ قربانی صاحب نصاب پر واجب ہے، عقیقہ واجب نہیں ہے
سنت یا مستحب ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے ”امداد الفتاویٰ“ ۳/۶۱۹ میں

ایک سوال کے جواب میں ضمایہ بھی فرمادیا ہے کہ ”شرائط واجبہ فی الاضحیہ عقیقہ میں محض مستحب ہیں“ دراصل یہاں پر عقیقہ کی کمال کی قیمت کے بارے میں صرف رائے کے انداز میں فرمادیا ہے، باقاعدہ کوئی فتویٰ نہیں دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں ”اس لئے تصدق بالقیمہ بھی مستحب ہوگا“ ایسا نہیں فرمایا کہ مستحب ہے بلکہ رائے کے انداز میں فرمایا ہے کہ مستحب ہوگا۔

دیکھئے! اسی فتاویٰ میں اگلے صفحہ یعنی صفحہ ۶۲۰ پر یہی مسئلہ بحوالہ ”اشعۃ الملمعات“ اس طرح بیان فرمایا ہے ”وہرچہ دراضحیہ معتبر است از شرائط احکام در عقیقہ نیز معتبر است“ یعنی قربانی کے لئے جو شرائط معتبر ہیں عقیقہ کے لئے بھی انہی کا اعتبار ہے، لہذا حکیم الامت بھی قربانی اور عقیقہ کے جانور میں کوئی فرق نہیں بتاتے۔

لما فی الشامی، (قبیل کتاب الحظروالاباحۃ ۳۲۱/۱، طبع: سعید)

”و یستحب ممن ولدان یمسہ یوم اسبوعہ و یخلق رأسہ یتصدق عندالانۃ الثلثۃ ہزۃ شعرہ فضۃ اودعہا تم یحق عندالحلق عقیقۃ لباحۃ علی مافی الجامع المحبوسی لوططوعا علی مافی شرح الطحاوی“۔

ولما فی الشامی: (۳۲۱/۱ طبع: سعید)

”وہی شاة تصلح للاضحیۃ تذبح للذکروالانثی سواء فرق لعمہانینا و طبخہ بمسوخۃ اوبدرنہامع کسر عظمہا و لا یرتخا ذعورہ اولاً“۔

ولما فی اوجز المسالک، (العمل فی العقیقۃ ۲۶۷/۱، طبع: دارالکتب العلمیۃ بیروت)

”قال مالک:۔۔۔ فلانما یمنزلة النسک والضحايا، لا یجوز فیہا عوراء ولا عجناء ولا مکسورة القرن ولا مریضة۔۔۔ وکل اہلہا من لحمہا یتصدقون منہا“ وقال ابن رشد: لما من هذا النسک وصفہ فلتمن الضحايا وصفہا ولا تعلم فی هذا خلافا لفلی المذهب ولا خراجا منہ“

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: کسب الدین گلشنی

۲۰ صفر الحیر ۱۴۳۳ھ

فتویٰ نمبر: ۳۵۳۵

﴿عقیقہ میں چند آدمی مل کر ایک جانور ذبح کر سکتے ہیں﴾

﴿سوال﴾ اگر چند آدمی شریک ہو کر عقیقہ میں ایک گائے ذبح کریں تو درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ قربانی کی طرح عقیقہ میں بھی چند آدمیوں کی شرکت گائے وغیرہ میں جائز ہے۔

لما فی الہندیۃ: (۲۰۲/۵، کتاب الاضحیۃ طبع: رشیدیہ)

ولما اردوا القرۃ الاضحیۃ او غیرہا من القرب اجزاء سواء کانت القرۃ واجبۃ او تطوعا و

وجيب على البعض دون البعض ومراء الفلت جهات القرية أو اختلفت بأن أراد بعضهم الاضحية وبعضهم جزء الصيد وبعضهم هدى الاحصار وبعضهم كفارة عن شيء أصابه في احرامه وبعضهم هدى للقطوع وبعضهم دم المتعة أو القران وهذا قول أصحابنا الثلاثة رحمهم الله تعالى وكذلك ان أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولدته من قبل كذا ذكره معذر رحمهم الله تعالى في نوازل الضحايا الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم : شاہ اسماعیل عفا اللہ عنہ

۱۔ جمادی الثانی ۱۳۲۷ھ

التوى نمبر: ۳۵۶

﴿لڑکے کے حقیقہ میں دو بکرے ذبح کرنا ضروری نہیں﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کیا لڑکے کے عقیقے میں دو بکرے ذبح کرنا ضروری ہے؟ کیا ایک بکرہ یا بکری ذبح نہیں کر سکتے؟ بینہ اور جوا۔

﴿ہو!﴾ لڑکے کے عقیقے میں دو بکرے یا دو بھڑیا دو بنے ذبح کرنا افضل ہے، ضروری نہیں ہے۔ یعنی اگر گنجائش نہ ہو تو ایک بکرا یا ایک بکری یا ایک بھڑیا دو جانور میں سے ایک حصہ بھی کافی ہے، اس سے بھی عقیقہ ہو جاتا ہے۔

لحافى جامع الترمذى (١/١٨٣ طبع فاروقى مالطاف)

عن ام كرزى رضى الله عنها انها سالت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن العقبة فقال عن
 الفلام شتان وعن الجبار واحد لا يضركم ذكر ان كان ام لا فلا فلا حديث صحيح عن على بن
 ابي طالب رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحسن بشاء وقال
 بالاطمة انا انا راسه وتصلى بزيته شعرة لم تضل روحه فكان وزنه درهمان وبعض درهم

الجواب صحیح: جہاد الرضی عنہ

والله اعلم بالصواب: محمد ضياء الدين

۱۶. جمادی الاول ۱۳۳۸ھ

فتویٰ نمبر: ۸۹۳

﴿حقیقہ میں ایک بکر اذبح کرنا جائز ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص لڑکے کی پیدائش پر حقیقہ کی نیت کرے اور وہ دو بکروں کا حقیقہ نہ کر سکے یہاں تک کہ سات دن گزر جائیں پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس کے بعد بھی حقیقہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ نیز دو بکروں کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو کیا ایک بکرے کا حقیقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

﴿ہولہ﴾ ساتویں دن عقیقہ کی فضیلت زیادہ ہے، پہلے ساتویں دن عقیقہ نہ کر سکا تو بعد

میں بھی ساتویں دن کی رعایت کی جائے تو افضل ہے، تاہم عقیقہ کسی بھی دن ہو سکتا ہے، لڑکے کے لئے دو بکرے اور لڑکی کے لئے ایک بکرا اصل حکم ہے لیکن ایک سے بھی عقیقہ ادا ہو جائے گا۔

لما فی التفتیح العامدیہ: (۲/۲۲۲-۲۲۳، طبع حقانیہ)

مسألة العقیقة تطوع، ان شاء فعلها، ان شاء لم يفعل، وهي ان يذبح شاة اذا اتى على الولد سبعة ايام، وعند الشافعي ستة، ثم اذا اراد ان يعق عن الولد فانه يذبح عن الغلام شاتين وعن الجارية شاة..... ولو ذبح عن الغلام شاة عن الجارية شاة جاز لان النبي ﷺ عاق عن الحسن والحسين كبشاً كبشاً..... ولا يكون فيه الا السليمة من العيوب لانه اراقة دم شرعاً كالاضحية، ولو قدم يوم الذبح قبل يوم السابع او اخره عنه جاز الا ان يوم السابع افضل..... ويقول عند ذبحه اللهم هذه عقیقة ابني فان دمها بدمه ولحمها بلحمه وعظمها بعظمه وجلدها بجلده وشعرها بشعره، اللهم اجعلها فداء لابني من النار.

ولما فی الشامی: (۶/۳۳۶، طبع سعید)

لخاتمه ليستحب لمن ولد له ولدان يسميه يوم اسبوعه ويحلق راسه ويتصدق عت الانثى فللتبز يتشعره لخصتو ذهبا ثم يعق عند الحلق عقیقة تباحت على ما في الجامع المعبري، أو تطوعا على ما في شرح الطحاوي وهي شاة تصلح للاضحية تذبح للذكر والانثى سواء فرق لهما نينا أو طبخه بموضنة أو بدونهما مع كسر عظمها لولا وقتنا ندعو لولا ربه قال مالك وسنها الشافعي واحمد ستة موكدة شاتان عن الغلام وشاة عن الجارية غرر الافكار ملخصا وكذا في اعلاء السنن: (۱۷/۱۳۱، دار الكتب العلمية بيروت)

والجواب صحیح: عبد الرحمن مفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عبد الحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۳۳۵

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

﴿عقیقہ کے وقت بچے کے بالوں کو چاندی کیساتھ وزن کرنا﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں بعض لوگ جب بچے کا عقیقہ کرتے ہیں، اور بچے کے بالوں کو وزن کرتے ہیں اور پھر چغنی مقدار بالوں کی ہوتی ہے، وہ اس کے بدلے میں اتنی مقدار کی چاندی صدقہ کرتے ہیں، وہ لوگ اس عمل کو ضروری سمجھتے ہیں، میرا ایک دوست مولوی صاحب ہے اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ عمل کرنا کوئی ضروری نہیں، تو کیا ان لوگوں کا عمل شریعت کی روشنی میں درست ہے؟ حوالہ جات کے ساتھ رہنمائی فرمائیں۔

مستفتی: محمد عبد الجلیل میانوالی

﴿مولا﴾ سوال میں ذکر کردہ تمام امور سنت سے ثابت ہیں، لیکن فرض، واجب کے

درجہ میں نہیں ہیں، اس لئے ضروری نہیں سمجھنا چاہیے مستحب یا سنت کہہ سکتے ہیں۔

لسالی جامع الترمذی (۱/۱۸۳ طبع فاروقی)

عن علی بن ابی طالب قال عن رسول اللہ ﷺ عن الحسن بشاء وقال با فاطمة احلتی رأسہ وتصدقی بوزنہ شعرة فضة لوزنته فكان وزنه درهما وبعض درهم.

ولسالی اعلاء السنن (۱۵/۱۴ طبع بہروت)

واخرج الحاكم ايضا عن محمد بن اسحاق — عن علی بن ابی طالب قال عن رسول اللہ ﷺ عن قحسب بن بشاء قال قال فاطمة احلتی رأسہ تصدق بوزنہ شعرة لوزنہ فكان درهما. ولسالی الفہ الاسلامی (۲/۴۵۱ طبع رشیدیہ)

ويستحب حلق رأس المولود في اليوم السابع من ولادته، وإن يمسى فيه بعد ذبح العقيقة، ويتصدق بوزن شعرة ذهباً أو فضة، لأنه ينام فاطمة، فقال: "زنى شعر الحسين، وتصدق بوزن فضة"، كما قال لها ولدت الحسن: "احلتى شعر رأسه، فتصدق بوزن من الورق أى الفضة وقيس بالفضة:

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

وانتم اعلم باصواب: شاہ جہان ڈیوی

تقریب نمبر: ۳۲۵۳

۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿بچے کی ختنہ اور دیگر خوشی کے موقع پر دعوت کرنا مستحب ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان شرع تین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں بچے کی ختنہ کے موقع پر دعوت کی جاتی ہے، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں، اس کی کیا حیثیت ہے؟ بیوا تو جروا۔

﴿مولا﴾ بچے کی ختنہ کے موقع پر دعوت کرنا مستحب ہے اور اس کو بدعت کہنا درست نہیں، اس لئے کہ یہ خوشی کا موقع ہوتا ہے اور خوشی کے مواقع پر دوست احباب کو جمع کر کے دعوت کر دینے میں کوئی قباحہ نہیں، البتہ اس کو ضروری نہیں سمجھنا چاہیے۔

لسالی المرقاۃ: (۱/۲۳۹ طبع رشیدیہ)

وعن عبد اللہ بن عمر أن رسول اللہ ﷺ قال إذا دعى أحدكم إلى الولیة فلیأتها. (متفق علیہ) وفي رواية مسلم فلیجب عرسا كان أو نحره ای كالعقيقة والختان.

ولسالی اعلاء السنن (۱۱/ص ۲۲ طبع دارالکتب المصریہ)

فبحکم الدعوة للختان وسائر الدعوات غیر الولیة أنها مستحبة لسانیہا من اطعام الطعام والاحباب الیہا مستحبة غیر واجبة وهذا قول مالک والشافعی وأبی حنیفة واصحابہ

وقد دعى احمد الى ختان فاجاب واكل فاما الدعوة فلي حق فاعلمنا ان لم يست لها فضيلة
تختص بها العدم وروى الشرع بها ولكن هي بمنزلة الدعوة بغير سبب حادث فاذا قصد
فاعلمنا شكر نعمة الله عليه واطعام اخوانه وبذل طعامه فله اجر ذلك انشاء الله تعالى
قلت وكن ذلك موافق لمذهبنا معشر الحنفية وما كان خلافاً نهيته عليه كساتري

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

والله اعلم بالصواب: عبدالرزاق غفر له

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۹ھ

نوی نمبر: ۱۳۵۵

﴿عذر کی وجہ سے ختنہ نہ کرانے کی گنجائش ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ میرے دو بیٹے ختنے کے زخم (خون نہ رکنے) کی

وجہ سے فوت ہو گئے ہیں، اب تیسرا بیٹا ہے، گھر والی ختنہ کرنے سے روک رہی ہے، ایسی صورت
میں کیا ختنہ نہ کرنے کی گنجائش ہے یا ختنہ کرنا ضروری ہے؟ مستفتی محمد رحمان

﴿جواب﴾ ختنہ کرنا مستقل سنت اور اسلام کے شعار و خصائص میں سے ہے، اس کو ترک
نہیں کرنا چاہیے، آپ شاید بہت کم عمری میں بچوں کا ختنہ کرا دیتے ہیں، عام طور پر کم عمری میں
ختنہ کرانے میں اگرچہ آسانی ہوتی ہے اور زخم بھی جلدی ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن یہ خیال رکھنا کہ
بچے کی صحت بھی اس کی متحمل ہو ضروری ہے۔

آپ کے بچوں میں اسکے علاوہ کوئی خاص وجہ ہو اور ختنہ کرنے کی صورت میں موت واقع ہونے
کا قوی اندیشہ ہو جس کا صحیح فیصلہ ماہر ڈاکٹر ہی کر سکتے ہیں تو یہ عذر ہوگا اور ختنہ نہ کرانے کی گنجائش ہوگی۔

لما فی المتن مع الدر: (۶/۴۵۱، مطبع سعید)

(رو) الاصل أن (الختان سنة) كما جاء في الخبر (وهو من شعار الاسلام) وخصائصه (فلو
اجتمع اهل بلدة على تركه حاربهم) الامام فلا يترك الا لعذر وعذر شيخ لا يطيقه ظاهر.
ولما في الهندية: (۵/۳۵۴، مطبع رشديه)

الشيخ الضعيف اذا سلم ولا يطيق الختان ان قال اهل البصر لا يطيق يترك لان ترك
الواجب بالمعز جازن فترك السنة لولي كذا في الخلاصة.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

والله اعلم بالصواب: محمد شاکر اللہ

۲۳ جمادی الثانی ۱۲۲۹ھ

نوی نمبر: ۱۶۰۳

﴿بدفعی کی ہوئی جانور کی قربانی کا حکم﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک نوجوان نے قربانی

کے جانور سے غیر فطری عمل کیا، اب پوچھنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ مستفی: ایک سائل سے اب تو

﴿مجموع﴾ اس غیر فطری عمل کا علم اس آدمی کے علاوہ بھی اگر کسی کو ہو تو بجائے قربانی کے اس کو ذبح کر کے جلادینا چاہیے تاکہ لوگوں پر اس کی شاعت ظاہر ہو، ہاں لوگوں کو علم نہ ہو تو جانور کا کوئی قصور نہیں ہے، قربانی ہو جائے گی، البتہ اس شخص نے بڑا گناہ کیا ہے، توبہ واستغفار کا اہتمام کرتا رہے۔

لسالی القنبر مع الدر: (۲/۲۶، طبع سعید)

(رو) لا یعد بوطہ (بھیمة) بل یعزرو تذبح ثم تحرق، ویکرہ الانتفاع بها حیة ومیتة مجتبیٰ. وفی الشامیة: (قوله وتذبح ثم تحرق) ای لتقطع امتداد التحدث به کلسارؤیت ولیس بواجب کسالی النہایة وغیرہا۔ فان کانت تؤکل جازا کلتها عنده، وقال: تحرق أيضا الخ. ولسالی فتح القدير: (۵/۲۵۲، طبع رشیدیہ)

ومن وطنی بهیمة فلاحده علیه الا أنه یعزرو لسابینا والذي یروی أنه تذبح البهیمة وتحرق فذلک لتقطع امتداد التحدث به کلسارؤیت فیتأذى الفاعل به ولیس بواجب، واذا ذبحت وهی مما لا تؤکل ضمن قیمتها ان کان مالکها غیره لأنها ذبحت لأجله وان کانت مما تؤکل أکلت وضمن عندابی حنیفة وعندابی یوسف لا تؤکل، والمراد بالمروی ماروی أصعاب السنن الأربعة عن عکرمة عن ابن عباس عنه علیه الصلاة والسلام ((من أتى بهیمة فاقطعوه واقتلوها)) قلت له ما شان البهیمة قال: ما أراه قال ذلک الا أنه کره ان یؤکل لحمها أو ینتفع بها وقد عمل بها ما عمل، ولعل قول ابن عباس هذا هو المتمسک لأبی یوسف فی عدم أکلها، الا ان المعنی الذی عینہ الأصعاب من قطع التعمیر اقرب الی النیس برواه ابن ماجه وضعف أبو دارود هذا الحديث بطرق اخر الخ.

ولسالی البدائع: (۴/۳۲، طبع سعید)

وكذا وطه البهیمة ثم ان كانت البهیمة ملك الواطی، قيل انها تذبح ولا تؤکل ولا رواة فيه عن أصعابنا رحمهم الله تعالى لكن روى محمد عن سيدنا عمر رضی الله عنه أنه لم يعد واطی، البهیمة وأمر بالبهیمة حتی أحرقت بالنار.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنہ
والله اعلم بالصواب: محمد بلال شاہ جنوبی وزیرستان

لتوی نمبر: ۲۹۵۳

۲۹ صفر الحرام ۱۴۳۲ھ

﴿ کتاب الحظر والاباحہ ﴾

﴿ اللہ تعالیٰ کا نام سن کر ”جل جلالہ“ کہنا واجب ہے ﴾

﴿ سوال ﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اللہ تعالیٰ کا نام سن کر مجلس میں ”جل جلالہ“ یا اسی طرح کے دیگر تعظیمی کلمات کہنا فرض عین ہے؟ ایک مولانا صاحب سے اس طرح سنا ہے کیا یہ بات صحیح ہے؟

﴿ جواب ﴾ آپ نے صحیح سنا ہے اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک کوئی نے تو تعظیمی کلمات کہنا

واجب ہے۔ البتہ یہ ایسا واجب ہے جس کی قضاء نہیں ہے اس لئے کہ ہر وقت اور ہر موقع اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور حمد و ثناء کا ہے۔

لما فی الہندیہ کتاب الکراہیہ ۳۱۵/۵، طبع عرشدیہ کوئٹہ

و يستحب ان يقول قال الله تعالى ولا يقول قال الله بلا تعظيم بلار داف وصف صالح للتعظيم كذا في الوجيز للكردي رجل سمع اسما من اسماء الله تعالى يجب عليه ان يعظمه ويقول سبحان الله وما اشبه ذلك لو سمع اسم الله مرارا يجب عليه ان يعظم ويقول سبحان الله وتبارك الله عند كل سماع كذا في خزائن الفتاوى .

ولما فی الشامی: (۵۱۷/۱، طبع: سمیع کراچی)

قال الزاهدی وفي النظم اذا تكرر اسم الله تعالى في مجلس واحد او في مجالس يجب لكل مجلس ثناء على حدة ولو تركه لا يبقی ديناً عليه — واصله انه لما كان ثناء لله تعالى واجبا كل وقت لا يمكن ان يقع ما يفعله ثانيا قضاء عما تركه اولاً لان الشئ في محله لا يمكن ان يضايقه غيره عليه .

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب، محمد اویس فخر لہ والوالدیہ

فتویٰ نمبر: ۳۷۳۷

۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

﴿ بے وضو آدمی کو تنگ کی ہوئی قرآنی آیات کو نہیں چھوس سکتا ﴾

﴿ سوال ﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قرآنی

آیات یا عربی میں لکھی ہوئی دعا پلاٹنگ کو تنگ کی ہوئی ہو تو اسکو چھوسکتے ہیں یا پڑھ سکتے ہیں؟ جبکہ وضو کیا ہوا نہ ہو۔

﴿ جواب ﴾ قرآن کریم کی پلاٹنگ کو تنگ کی ہوئی آیات کو بغیر وضو کے چھونا منع ہے، ہاتھ

لگائے بغیر پڑھنا جائز ہے، قرآن کریم کے علاوہ دعا وغیرہ کو بغیر وضو کے ہاتھ بھی لگا سکتے ہیں، البتہ وضو کے ساتھ ذکر و دعا کا ثواب زیادہ ہے۔

لحالی الذرمع الرد: (١/١٤٣-١٤٣، طبع سعید)

(و) بحرم (به) ای بالا کهر (و بالا صغر) مس مصحف: ای مافیه آیه کدرهم وجدار..... (الا بفلاف متجاف) غیر مشرر..... و فی الشامیه: (قوله ایافیه آیه الخ) ای الراد مطلق ماکتب فیه قرآن مجازاً، من اطلاق اسم الكل على الجزء، او من باب الاطلاق والتقييد..... (قوله غیر مشرر) ای غیر مخیط به، وهو تفسیر للمتجافی قال فی المغرب: مصحف مشرر اجزاء، ه مشدود بعضها الی بعض من الشیرازة ولیست بمریبة. ه فالراد بالفلاف ماکان متصلاً بالخريطة وهی الکیس ونحوها، لان المتصل بالمصحف منه حتی یدخل فی بیهه بلا ذکر.

ولسالى التنوير مع الدر: (١/١٤٢ طبع سعيد)

(ك) ما لا تنكره (إدعية) أي تحريم ما إلا فالوضوء لمطلق الذكر مندوب.

وهكذا إلى الهداية: (١/٦٢، مطبع رحمانيه)

ولسافی شرح الحنیة: (ص ۵۸، مطبع سهیل اکیلمی)

ولا يجوز لهم أي للجنب والحائض والنفساء، (من المصنف الابغلافه) وكذا كل ما فيه آية تامة من لوح لودهم ونحو ذلك لقوله تعالى (لا يدسه الا المكفرون) (وكذلك) لا يجوز من المصنف الابغلافه والدرهم الابصرته (للمحدث) ايضا لما تقدم من الدليل لانه غير طاهر (هذا اذا كان الغلاف غير مشرور) أي غير محبوبك مشرور وبعضه للى بعض (وان كان الغلاف مشرورا) لا يجوز الاخذ به ولا مسه قال فى الهداية هو الصحيح.

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: ظہور احمد شمس

محرم الحرام ۱۳۲۹ھ

فتویٰ نمبر: ۱۰۷۹

﴿قرآن مجید کے بوسیدہ اور اوراق جلانا جائز ہے یا نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قرآن مجید کے وہ اوراق

جواب سیدہ ہو جائیں، پھٹ جائیں اور اتنے پرانے ہو جائیں جو ناقابل انتفاع ہوں تو ان کا کیا کیا جائے؟ کیا ان کو جلاتا جائز ہے؟ بیوا تو جرو

مستفتی: عبداللہ

مستفتی: عبد اللہ

﴿مجموعہ﴾ قرآن مجید کے وہ ادراک جو بوسیدہ، پھٹے ہوئے اور ناقابل انتفاع ہوں انکو

کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر کسی محفوظ جگہ میں میت کی طرح دفن کر دینا چاہیے اور اگر دفن کرنا

ممکن نہ ہو تو پھر ان کے ساتھ کوئی وزنی چیز باندھ کر اس کو بہتے ہوئے گہرے پانی یا کنویں کی تہ میں احترام کے ساتھ پہنچا دینا چاہیے اور بہتر یہ ہے کہ اگر قرآن ہاتھ سے لکھا ہوا ہو تو پہلے اس کو پانی میں دھو ڈالے اور پھر کاغذات وغیرہ دفن دے اور وہ پانی پی لیا جائے کیونکہ اس میں ہر مرض کی دوا اور دلی بیماریوں کی شفا ہے۔

ہمارے معاشرے میں جلانا و قار اور احترام کے منافی سمجھا جاتا اس لیے اس کی اجازت نہیں ہے
لما فی الدر المختار: (۲۲۲/۶ طبع سعید)
الکتب التی لا یستلغ بہا یمحی عنہا اسم اللہ وملائکتہ ورسلہ و یحرق الباقی ولا
باس بان تلقی فی ماء جار کما ہی أو تدفنہو احسن کما فی الانبیاء
ولما فی الشامی: (۲۲۲/۶ طبع سعید)

ولم یالخیر: المصحف اذا صار خلطاً وتعذر القرائۃ منه لا یحرق بالنار الہیہ اشار محمد
وبہ ناخذ ولا یمکرہ دفنہ یوینبغی أن یلف بخرقۃ طاهرۃ ویلحد لہ، لانہ لو شق ودفن
یحْتَاج الی اہاتۃ القراب علیہ.

ولما فی المرقاۃ: (۱۰۸/۵ باب۔ جمع القرآن، طبع رشیدیہ)

وحصول ظاہر الاہاتۃ یتعمین الغسل بل ینبغی ان یشرَب مائہ لمانہ دواء من کل داء
وشفاء لما فی الصدور.

واللہ اعلم بالصواب: محمد شعیب پشاوری

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۰۰۸

الربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿حالت جنابت میں انا اللہ الخ پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! میں ناپاکی کی حالت میں تھا کہ ایک آدمی کی وفات کی خبر
سنی تو میں نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا، ناپاکی کی حالت میں مذکورہ عمل کا کیا حکم ہے؟
﴿جواب﴾ وفات کی خبر سننے پر جنسی اگر "انا للہ وانا الیہ راجعون" بطور دعاء پڑھے تو شرعاً
اسکی اجازت ہے، البتہ تلاوت کی نیت سے اسکے لئے ایک ساتھ پوری آیت پڑھنا جائز نہیں ہے۔

لما فی حلہی کبیر: (ص ۷۵ طبع سہیل اکیلمی)

(ونعمو ما علی نیتہ الدعاء) وکذا الوسع خبر اسرار العقال: الحمد للہ او خبر سوء فقال: انا للہ وانا
الیہ راجعون. وکذا قرأہ بسم اللہ الرحمن الرحیم علی وجہ الثناء لا علی قصد القرآن.

واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۱۷۴۱

۷ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

﴿انگلیوں کو چٹخانا نماز میں مکروہ ہے اور عام حالت میں بھی ناپسندیدہ ہے﴾
 ﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ انگلیوں کو چٹخانا صرف مسجد میں منع ہے یا عام حالت میں بھی منع ہے شریعت کی رو سے اسکا کیا حکم ہے۔
 ﴿مولا﴾ نماز میں انگلیاں چٹخانا بالاتفاق مکروہ ہے۔ اور بیرون نماز میں بھی انگلیاں چٹخانا کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے۔ بعض علماء کرام نے نماز کے علاوہ عام حالت میں بھی اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔

ولما فی الشامی (ج ۱/ ۲۴۲) مطلب اذ تقرئ الدعاء بین ستہ و بدعة سعید

و فرقة الاصابع وتشبهكها ولو مستظرا الصلاة او ماشيا اليها للنهي - فلو لدون حاجته بل على سهيل العبث كره تنزيهاً.

ولما فی الہندیہ: ۱۰۶/۱ الفصل الثانی لہما یکرہ فی الصلاة وما لا یکرہ

و یکرہ ان یشبک أصابعه وأن یسرقع کذا فی فتاویٰ قاضیخان۔ والفرقة خارج الصلاة کرہا کثیر من الناس.

والجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: مفتی اللہ فاروقی

فتویٰ نمبر: ۳۸۹۲

۸ صفر الخیر ۱۳۳۵ھ

﴿دکان میں نقش لگانے کا حکم﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنی دکان میں ایک نقش برکت کی غرض سے لگایا ہے جس میں الم، جم وغیرہ کلمات لکھے ہوئے ہیں۔ کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے؟ مستفتی: ایک سائل

﴿مولا﴾ ایسے نقوش جن میں قرآنی آیات یا مسنون دعاؤں کے کلمات ہوں فی نفسہ ان کا لگانا درست ہے۔ بشرطیکہ ادب و احترام پوری طرح ملحوظ ہو۔ البتہ برکت کے حصول کے لیے شرعی طریقے کے مطابق تجارت کرنا ضروری ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ایسی چیزوں کو لکھ کر لگانے کی اگر برکت ہے تو اس سے زیادہ برکت پڑھنے اور ورد کرنے میں ہے۔

ولما فی الشامی (۲/ ۲۴۶) طبع: سعید، کراچی

ولا بأس بالعنايت اذا كتب فيها القرآن ولو لسا، الله تعالى يوفى قال وقامولا يدري ما هو ولعله يدخل سحر لو كثر أو غير ذلك لعل ما كان من القرآن أو من شيء من الدعوات فلا بأس به.

ولما فی لوزز المسائل (۱۲/۲۵۵، طبع: العلمیہ بیروت)

والدہ: مع الملک علی جوہر الرقی عند اجتماع ثلاثہ شروط: أن يكون بكلام الله تعالى، أو اسمائه أو صفاته أو لسان العربي، أو بما يعرف معناه من غيره، وإن يعتقد أن الرقعة لا تؤثر بذاتها بل بذات الله تعالى.

ولما فی حاشیۃ البخاری لاحد المسائل (۱/۳۰۲، طبع: قدیمی، کراچی)

— ذہبہ جوہر الرقعة وبہ قالت الا انه الاربعة.... قال محمد فی السوط لا بأس بالرقی بما كان فی القرآن وبما كان من ذکر الله.

ولما فی جامع الترمذی (۲/۱۹۱، طبع: طاروقی، ملتان)

من عمر ومن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله ﷺ قال اذا فرغ احدكم من الدعاء فليقل اعوذ بكلمات الله التامة من غضبه وعقابه وشر عباده ومن همزات الشياطين وان يحضرون فانيها لن تضره فكان عبد الله عمرو يلقنها من بلغ من ولده ومن لم يبلغ منهم كتبها في صك ثم علقها في عنقه.

ولما فی الشامی: (۱/۱۷۸، طبع: سعید، کراچی)

(قرئہ رقیۃ الخ) الظاهر أن المراد بها ما يسمونه الآن بالهيكل ولحماني للمشغل على الآيات القرآنية..... ويستلزم منه أن ما كتب من الآيات بنيه الدعاء، والثاء، لا يخرج عن كونه قرآناً بخلاف قرأته بهذه النية لما الفية في تغيير المنطوق لا المكتوب اه من شرح سيد عبد الغنى.

والشامی: تنوير الرحمن غفر له والده

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۳۵۶۳

۲۵ صفر الحرام ۱۴۳۳ھ

﴿اپریل فول کا حکم﴾

﴿مولا﴾ علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ موجودہ مہینہ یعنی اپریل کے آتے ہی لوگ اپریل فول مناتے ہیں، اپریل فول کا مطلب یہ ہے کہ اپریل کا مہینہ آتے ہی لوگ ایک دوسرے کا مذاق اڑاتے ہیں، جھوٹ بولکر ایک دوسرے کو غم یا خوشی کی خبر دی جاتی ہے جس سے بعض اوقات دوسرے کو تکلیف اور پریشانی بھی ہوتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ شریعت کی روشنی میں ایسا مذاق، دھوکہ دہی مباح ہے یا گناہ؟ مستفتی: محمد نعیم بہاؤلنگر

﴿مولا﴾ شریعت کی نظر میں کسی مسلمان کو ایذا پہنچانا قطعاً حرام ہے، اپریل فول کی حقیقت صرف دھوکہ دہی، مذاق اڑانا اور جھوٹ بولکر دوسرے کو پریشان کرنا ہے جو کہ حرام ہے،

اس لئے اس قسم کے مذاق اور جھوٹ سے بچنا از حد ضروری ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ آدمی اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک مذاق اور جھڑے میں بھی جھوٹ بولنا ترک نہ کرے، نیز اپریل فول میں غیروں کی مشابہت کی وجہ سے بھی گناہ ہے۔

لہذا فی مصحح البخاری (۱/۱ طبع قہسبی) قال النبی ﷺ "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ
الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۲۳۷

۱۱ جمادی الاول ۱۴۳۰ھ

﴿موبائل سیٹ میں محفوظ قرآن پاک کو بغیر وضو کے چھونا﴾
﴿سوال﴾ میرے پاس اسکرین ٹچ موبائل ہے، اس میں ٹیکسٹ قرآن پاک محفوظ ہے، تلاوت کی وقت انگلی یا شک سے آیات اور سورتیں منتخب کی جاتی ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ بغیر وضو کے اسکرین پر انگلی یا شک لگانا جبکہ وہاں قرآن پاک کی عبارت لکھی ہوتی ہے جائز ہے یا نہیں؟
﴿جواب﴾ موبائل سیٹ چونکہ مصحف نہیں ہے اور غیر مصحف میں براہ راست منقوش کلمات کو ہاتھ لگانا منع ہے، باقی حصہ کو ہاتھ لگانا جائز ہے، موبائل سیٹ میں براہ راست کلمات قرآن مس نہیں ہوتے بلکہ درمیان میں شیشہ حائل ہوتا ہے، لہذا بغیر وضو کے انگلی لگانا جائز ہے، البتہ زیادہ ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ اشک ہی استعمال کی جائے۔

لہذا فی البحر الرائق (۱/۱-۲۰۲، طبع سعید)

تہجوز من المصحف کلہ المکتوب وغیرہ بخلاف غیرہ فانہ لا یمنع الامس
المکتوب کذا ذکرہ فی السراج الوہاج۔ ہجوز للمحدث الذی یقر القرآن من المصحف
تتلمب الارواق بقلم او عودا و مسکین۔
ولہذا فی الشامی (۱/۱۴۳، طبع سعید)

لکن لا یحرم فی غیر المصحف الا بالمکتوب ای موضع الکتابۃ کذا فی باب الحیض من البحر۔
الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ وغفرہ اللہ

فتویٰ نمبر: ۹۳۲

۳ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ

﴿بے وضو آدمی کے لئے آیت قرآنیہ یا حدیث لکھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ کے متعلق کہ پلاسٹک کا لٹافہ غلاف

کے حکم میں ہے یا نہیں؟ نیز بے وضو شخص قرآن کریم کی آیت یا حدیث مبارکہ لکھ سکتا ہے یا نہیں؟ ﴿جموں (۱)﴾ پلاسٹک کا لفافہ جو تین طرف سے بند اور ایک طرف سے کھلا ہوا ہودہ تو غلاف کے حکم میں ہے لیکن جو چاروں طرف سے بند اور جلد کے ساتھ چپکا ہوا ہودہ غلاف کے حکم میں نہیں۔

(۲) بے وضو آدمی حدیث مبارکہ لکھ سکتا ہے، البتہ قرآن کریم کی آیت لکھنے کی اگرچہ گنجائش ہے بشرطیکہ تحریر پر ہاتھ نہ آئے، تاہم خلاف ادب ہونے کی وجہ سے احتیاط بہتر ہے۔

لحمافی التنویر مع الدرر (۱/۴۵، مطبع سعید)

(و) لا تکرہ (کتاب قرآن والصعبۃ أو اللوح علی الأرض عند الثانی) خلافاً للمعتمد وینفی ان یتال ان وضع علی الصعبۃ ما یعول بینہما رہین یدہ یؤخذ بقول الثانی والاقبول الثالث قالہ الحلبی.

وفی الشامیہ: (قوله خلافاً للمعتمد) حيث قال أحب الي ان لا يكتب لأنه في حكم الماس للقرآن حلية عن المحيط قال في الفتح: والأول أقبح، لأنه في هذه الحالة ماس بالقلم وهو واسطة متصلة فكان ككُتوب متصل الأن يسهه بيده (قوله وینفی الخ) یؤخذ هذا مما ذكرناه عن الفتح هو فوق ط بین القولین بما یرفع الخلاف من أصله بحمل قول الثانی علی الكراهة التحریمة بقول الثالث علی التنزیهية بدلیل قوله أحب الي الخ (قوله علی الصعبۃ) فیدبها لأن نحر اللوح لا یعطى حکم الصعبۃ، لأنه لا یحرم الامس المکتوب منه ط.

ولحمافی شرح المنية علی هامش الحلبي: (ص ۵۱، مطبع نصانیہ)

وكذلك لا يجوز من المصنف الاغلافه والدرهم الابصرته للمحدث ايضا لما تقدم من الدليل فذا اذا كان الغلاف غير مشروران كان الغلاف مشروراً لا يجوز الأخذ به ولا مسه.

ولحمافی حلبي: (ص ۵۸، مطبع سهيل أكملی)

وذكر في الجامع الصغير المنسوب إلى قاضي خان لا بأس للجانب ان يكتب القرآن والصعبۃ أو اللوح علی الأرض والوسادة عند أبي يوسف خلافاً للمعتمد لأنه ليس فيه من القرآن والصعبۃ.

والشاعلم بالصواب: محمد كاشف غريب

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه

توئی نمبر: ۲۱۳۱

۸ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ

﴿بغیر وضو کے کتابت قرآن، کتابت حدیث کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا کسی کے لئے بغیر وضو کی قرآن پاک کی آیت یا حدیث پاک کو کسی چیز یعنی

کاغذ وغیرہ پر لکھ لے تو جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کس طریقے سے؟ اگر ناجائز ہے تو دلیل کیا ہے؟
﴿جواب﴾ جس کاغذ وغیرہ پر قرآنی آیات لکھی جا رہی ہوں اگر کتاب کا ہاتھ اسے نہ چھو رہا ہو تو ایسی کتاب بلا وضوء جائز ہے اور اگر کتاب کا ہاتھ اسے لگ رہا ہو تو ناجائز ہے، البتہ کتب لغہ و حدیث و دیگر کتب اسلامیہ کا یہ حکم نہیں ہے بلکہ انہیں بلا وضوء کے چھونا بھی جائز ہے، تاہم بہتر ان میں بھی یہ ہے کہ بحالت وضوء انہیں ہاتھ لگایا جائے، دیگر کتب شرعیہ میں صرف ان جگہوں کو چھونا ناجائز ہوگا جن میں آیات قرآنی لکھی ہوئی ہوں۔

لما فی التتویر مع الدرر (۱/ ۱۶۵-۱۶۶ طبع سعید)

(و) لا تکرہ (کتابہ قرآن و الصحیفۃ أو اللوح علی الارض عند الثانی) خلافاً للمعسر وینبغی ان یقال بان وضع علی الصحیفۃ ما یعول بینہما و بین یدہ یؤخذ بقول الثانی و الا فبقول الثالث قالہ العلینی۔ (والتفسیر کصحف لا لکتب الشرعیۃ) لمانہ رخص مسہا بالید لا التفسیر کما فی الدرر عن مجمع الفتاوی۔
 و فی الشامیۃ: نفی السراج عن الايضاح ان کتب التفسیر لا یجوز مس موضع القرآن منها و لہ ان یسن غیرہ و کذا کتب الفقہ الخ۔

واللہ اعلم: محمد شریف حسین چترال

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۹۹

۱۱ جمادی الاول ۱۴۳۷ھ

﴿جواب کے آخر میں واللہ اعلم بالصواب لکھنا اکابر کا طریقہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مفتی حضرات جب کسی مسئلے کا جواب لکھ دیتے ہیں تو آخر میں ”واللہ اعلم بالصواب“ یا ”واللہ الموفق“ کے الفاظ لکھتے ہیں تو اس کے لکھنے کا منشاء کیا ہوتا ہے؟ کیا مفتی کو اس مسئلے میں شک ہوتا ہے اس لیے لکھتا ہے؟

﴿جواب﴾ جواب کے آخر میں مذکورہ الفاظ لکھنا فتویٰ لکھنے کے آداب میں سے ہے اور ہمارے اکابر کا طریقہ مسلوک ہے اور فقہائے کرام نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے کہ جب مفتی کسی سوال کا جواب لکھ چکے تو اس کو چاہیے کہ اس کے آخر میں ”واللہ اعلم“ لکھے اور عقائد سے متعلق مسئلہ ہو تو ”واللہ الموفق“ لکھے، اور اس سے لکھے ہوئے مسئلے میں کوئی شک و شبہ پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ لازم آتا ہے کہ مفتی کو اس مسئلہ میں شک ہے بلکہ وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے اور میرا علم اللہ کے علم کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں یہاں صرف یہی

مقصود ہوتا ہے شک و شبہ کا اظہار مقصود نہیں ہوتا۔

لما فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر (۲۹/۱) مطبع رشیدیہ

ینبغی أن یکتب عقب جوابہ واللہ اعلم وقیل یکتب فی العقائد واللہ الموفق ونحوہ۔

ولما فی الہندیہ: (۳۰۹/۳) مطبع رشیدیہ

واذا أجاب المفتی ینبغی أن یکتب عقب جوابہ واللہ اعلم أو نحو ذلك۔

ولما فی البحر الرائق: (۲۹۸/۶) مطبع فی المستقلی مطبع رشیدیہ

ولیکتب الحمد لله ولیختم بقولہ واللہ اعلم۔

ولما فی اصول الفتاویٰ وأدلہ: (ص: ۳۲۳) مکتبہ معارف القرآن

آداب کتاب الفتویٰ - ینبغی أن یکتب عقب جوابہ "واللہ اعلم" أو نحوہ وقیل فی العقائد یکتب "واللہ الموفق" ونحوہ۔

واللہ اعلم بالصواب: محمد توفیق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۷۳۳

۹ جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ

﴿اوقات مکروہہ میں تلاوت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت تلاوت قرآن پاک کرنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ طلوع و غروب کے وقت تلاوت قرآن شریف اگرچہ جائز ہے لیکن اوقات مکروہہ میں بہ نسبت تلاوت قرآن کے دعاء اور درود و تسبیح افضل ہے۔

لما فی الدر مع الرد: (۳۵/۲) مطبع امدادیہ

وفیه عن البغیۃ: الصلاة فیہا علی النبی ﷺ افضل من قراءة القرآن وکانہ لأنہما من اركان الصلاة، فالأولی ترك ما كان ركنًا لها وفي الشامية: قوله: (الصلاة فیہا) أي فی الاوقات الثلاثة، كالصلاة الدعاء، والتسبیح كما هو فی البحر عن البغیۃ: قوله: (لو كانہ النسخ) من كلام البحر قوله: (فالأولی) أي فالأفضل لیوافق كلام البغیۃ فبان مفاده أنه لا كراهة أصلاً، لأن ترك الفاضل لا كراهة فیہ۔

واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۶۳۳

۲ جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ

﴿حرام کمانی کو ذاتی استعمال میں لانا حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ، میں ایک عیالدار آدمی ہوں اور

دورہ حدیث میں پڑھتا ہوں، والد صاحب کے غریب ہونے کی وجہ سے گھر کے سارے اخراجات بڑا بھائی برداشت کرتا ہے، چونکہ بھائی کی اکثر کمائی حرام ہے اور اس سے وہ گھر کا خرچہ چلاتا ہے، لہذا میرے لئے شرعاً کیا راستہ ہے؟

﴿مجموع﴾ آپ کے بھائی نے دوسروں کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کر کے حرام مال اگر جمع کیا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اصل مال تک وہ مال پہنچا دے، اصل مال کم معلوم نہیں ہے یا ان تک رسائی ممکن نہیں ہے اور آئندہ کیلئے بھی ان تک رسائی کی کوئی صورت متوقع نہیں ہے تو پورا مال ان کی طرف سے فقراء و مساکین کو بطور صدقہ دیدے اور ساتھ ساتھ یہ عزم کرے کہ جب بھی اصل مال کو واپس کرنے کی کوئی صورت بنے گی تو اپنی طرف سے اس کا حق واپس کر دوں گا پھر واقعی ایسی صورت اگر بن گئی تو اصل مال کو حقیقت بتا دے اور صدقہ کا اجر و ثواب یا مال دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا اسے حق حاصل ہے، مال واپس کرنے کا مطالبہ آ کر کرے تو مال دینا آپ پر واجب ہوگا اور صدقہ کا اجر و ثواب آپ کیلئے ہوگا۔

چونکہ آپ بھی بظاہر مستحق معلوم ہوتے ہیں اس لئے آپ یا آپ کی اولاد پر خرچ کرنا بھی صدقہ میں شمار ہوگا، آپ کی بھائی کو چاہئے کہ حرام مال سے خلاصی حاصل کرنے کی غرض سے بطور صدقہ آپ اور آپ کی اولاد پر وہ خرچ کرتا رہے لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اصل مال کم معلوم نہ ہو یا اس تک رسائی ممکن نہ ہو اور ذاتی استعمال میں لانا تو کسی بھی صورت میں آپ کے بھائی کیلئے جائز نہیں ہے۔

لشافی الشامی (۱/۴۰۱ طبع امدادیہ)

والمعاصل انه ان علم ارباب الاموال وجب رده عليهم والافان علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه.

ولشافی الشامی (۱/۴۰۱-۴۰۲ طبع امدادیہ)

سئل الفقہ ابو جعفر عن اکتساب ماله من امراء السطان ومن الغرامات المعمرات وغير ذلك هل يحل لمن عرف ذلك ان ياكل ذلك من طعامه؟ قال: احب النى لم يدينه ان لا ياكل ويسته حكاما لم يكن ذلك الطعام غصبا او رشوة.

والجواب مجمع جہاد الرضی عنہ

واللہ اعلم بالصواب: جمیع اللہ عابد

فتویٰ نمبر: ۱۸۳۰

۱۳۳۰/۱/۱۳

﴿چڑے کا غلاف قرآن مجید سے الگ ہو تو ہاتھ لگانا جائز ہے﴾

﴿مولا﴾ میرے پاس ایک چھوٹا قرآن شریف ہے میں چاہتا ہوں کہ اسکو اپنی اصل جلد کے علاوہ دوسرا چڑے کا کور (غلاف) بنواؤں پھر اسکو ہمیشہ جیب میں ساتھ رکھوں، کیا میرے لئے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفی: محمد حنیف کراچی

﴿مولا﴾ قرآن مجید پر جلد کے علاوہ چڑے وغیرہ کا غلاف چڑھانا کوئی منع نہیں ہے اور ہر وقت پاس رکھنا بھی اچھا عمل ہے بشرطیکہ اس کی حرمت کا پورا اہتمام اور لحاظ ہو اور بغیر وضو اس کو ہاتھ لگانے کی نوبت پیش نہ آئی ہو اور احترام کے منافی جگہوں میں بھی نہ لیجا یا جائے۔ واضح رہے کہ چڑے کے کور میں عموماً قرآن مجید جلد سمیت اس طرح محفوظ کیا جاتا ہے کہ غلاف بھی جلد کا حصہ ہو جاتا ہے، اس لئے کہ جلد کے دونوں گتے کور میں باقاعدہ داخل کر دیئے جاتے ہیں، ایسی صورت میں بغیر وضو کے چڑے کو بھی ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے، البتہ غلاف کی طرح چڑہ الگ ہو تو چڑے کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔

لما فی مراقی الفلاح: (ص ۱۰ مطبع قدیمی) (ومسہا الا بغلاف) اللہ فی عنہ بالنص.

ولما فی حلی کبیر: (ص ۵۸-۵۹-۶۰ مطبع سہیل اکیڈمی)

(والخريطة احق من الغلاف) فی انه لا یکره اخذ المصحف بهما لوجود حالین..... (ولا یجوز لہم) ای للجنب والحائض والنفساء (مس المصحف الا بغلافه)..... (هذا یعنی جواز الاخذ بالغلاف) اذا کان الغلاف غیر مشرراً ای غیر معبوك مشرود بعضہ الی بعض مشتق من الشیراز وھی اعجبہ (وان کان الغلاف مشرراً) لا یجوز الاخذ به ولا مسه قال فی الہدایۃ هو الصحیح یعنی ان للغلاف ما یكون متجافیا لا ما یكون متصلا به لانه صار تبعاً للمصحف.

(ویکره دخول المخرج) ای الخلاء (وفی اصبعه خاتم فیہ شی من القرآن) او من اسمائہ تعالیٰ (لما فیہ من ترك التعظیم) وقیل لا یکره ان جعل فصہ الی باطن الکف ولو کان ما فیہ شی من القرآن او من اسمائہ تعالیٰ فی جیبہ لا یأس به وکذا لو کان ملفوفاً فی شی والتحرر اولی.

ولما فی حاشیۃ الطحطاوی: (ص ۳۰ مطبع قدیمی)

(ویکره الدخول للخلاء ومعہ شی مکتوب الخ) ثم محل الکراهیۃ ان لم یکن مستوراً فان کان فی جیبہ فانه حینئذ لا یأس به وفی القہستانی عن المنیۃ الا فضل ان لا یدخل الخلاء وفی کہ مصحف الا اذا اضطر ورنہ جو ان لا یاتم بلا اضطرار.

ولسالی الفقه الاسلامی وأصله (۱/۲۰۲، طبع دار الفکر بیروت)

الایمیل مکتوباً ذکر اسم اللہ علیہ، واکل اسم معظم کالملائکۃ والعزیز والکریم
ومحمداً أحمد طیاروی أنس أن الذبی ﷺ کان اذا دخل الغلاء وضع خاتمه لرواه ابن ماجه
وأبو داود القرمزی لو کان فیہ محمد رسول اللہ لمان احتفظ به واحترز علیہ من المقروط فلا بأس
ولسالی البحر الرائق (۱/۲۰۲، طبع سعید)

ولم کان فی رقیۃ فی غلاف متجاف لم یکره دخول الغلاء به والاحتراز عن مثله المضل
کذافی فتح القدير۔ وفي التوشیح وتکره المصارفہ بالقرآن الی دار الحرب صرنا عن
وقرعه فی أبی الکثرة واستخالفه.

والله اعلم بالصواب: عبدالرحمن کوٹوی

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۲۱۰۱

۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

﴿جھوٹ بول کر مزدوری لینا حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ میں الیکٹریشن ہوں بعض لوگ مجھ سے کام کرواتے ہیں لیکن مزدوری نہیں دیتے
بلکہ صرف اس چیز (پرزہ سامان) کی قیمت دیتے ہیں جو میں نے لگایا ہے تو میں اپنی مزدوری
وصول کرنے کیلئے یہ تدبیر کرتا ہوں کہ جو پرزہ میں خرید کر مشین وغیرہ میں لگاتا ہوں اسکی اصل
قیمت سے زیادہ بتاتا ہوں اور اس میں اپنی مزدوری شامل کرتا ہوں، مثلاً اگر وہ پرزہ دو سو کا ہے
اور میری مزدوری بھی دو سو روپے ہے تو میں اس پرزے کی قیمت تین سو بتاتا ہوں اور سو روپے
مزدوری بتاتا ہوں کیا میرے لئے ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: ذاکر اللہ سواتی

﴿جواب﴾ وضاحت کیساتھ یوں کہنا کہ اس پرزہ کی قیمت خرید اتنی ہے اور حقیقت میں
اتنی نہ ہو، جھوٹ ہے، سخت گناہ ہے بلکہ کما کی بھی حرام ہے، آپ صرف اتنا کہہ دیا کریں کہ اتنے
پیسے آپ کے ذمہ ہیں، مزدوری اور قیمت پرزہ ملا کر بتا دیا کریں اور تفصیل نہ بتائیں تو جائز ہے۔

لسالی البحر الرائق (۱/۱۱۰، طبع سعید)

(قوله ويقول قام على بكذا) ولا يقول اشتريته لانه كذب وهو حرام ولنا قد سألناه اذا قوم
الحوادث ونحوه يقول ذلك وكذا اذا رقم على الثوب شيأرباعه برقه فانه يقول رقمه
كذا وسأله كان مارقاً ما اشتراه به أو أرى حديث كان صادقاً قال الرق كمالى اللتج.

ولسالی فتح القدير (۱/۲۱۰، طبع رشديه)

(و) اذا ضم ما ذكر (يقول قام على بكذا) ولا يقول اشتريته بكذا تعزراً عن الكذب.

ولسالی الشامي (۴/۳۵۲، طبع امداديه)

ولا يقول قام على بكذا ولا قيمته كذا ولا اشتريته بكذا تعزراً عن الكذب اهـ وبه يظهر أن ما

بعیدہ کلام الشارح من أنه يقول: قام علي بكذا غير مراد، بل يظهر لي أنه لا يقول ذلك في مسألة الهبة أيضاً، لأنه يومه أنه ملكه بهذه القيمة مع أنه ملكه بلا عوض فليبه شبهة الكذب، ويؤيد قول الفتح.

والله اعلم بالصواب: عبد الرحمن كوثی

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا الله عنه

فتویٰ نمبر: ۲۱۳۰

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

﴿انگریزی سیکھنا جائز ہے، البتہ انگریزوں کی تہذیب سے بچنا ضروری ہے﴾
 ﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عقام اس مسئلہ کے بارے میں کہ انگلش بقدر ضرورت یا ضرورت سے زیادہ صرف بطور زبان سیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ جیسے اردو وغیرہ۔
 ﴿مولا﴾ انگریزی تعلیم سے اگر دین کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو جائز نہیں ہے، یہ اندیشہ نہ ہو تو دنیوی اور معاشی جائز مقاصد کے لئے سیکھنا جائز ہے اور اگر دینی مقاصد کے لئے ہو تو کار ثواب ہے کسی بھی زبان کا سیکھنا کوئی منع نہیں ہے، البتہ انگریزوں کی تہذیب کو اپنانا منع ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ کسی قوم کی تہذیب سے متاثر ہوئے بغیر انکی زبان حاصل کرنا مشکل ہے، لہذا اس کا خیال رہے۔

لما فی المظہری: (۱/۱۰۸، مطبع رشیدیہ)

وَيَقْتُلُونَ مَا يَفْضُرُهُمْ اَي السَّحَرَفَانِه مَوْجِب لِكُفْرِهِمْ وَلَا يَنْتَفِعُهُمْ شَيْئًا وَفِيهِ اِشَارَةٌ اِلَى اَنْ تَعْلَمَ الْعِلْمُ الْغَيْرُ النَّافِعَةَ كَالطَّبِيعِيِّ وَالرِّيَاضِيِّ وَنَحْوِ ذَلِكَ مَكْرُوهٌ لِاَضَاعَةِ الْوَقْتِ وَمَنْ ثَمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللَّهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْتَفِعُ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ فِي حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ فَانْدَاءَ الْعِلْمِ الَّذِي لَا يَنْتَفِعُ نَوْعَانِ نَوْعٌ مِنْهُ لَا يَنْتَفِعُ اَحَدًا مِنَ النَّاسِ حَيْثُ لَا يَتَصَوَّرُ الْاِنْتِفَاعُ مِنْهُ كَالطَّبِيعِيِّ وَنَحْوِهِ وَنَوْعٌ مِنْهُ لَا يَنْتَفِعُ الْعَالَمُ اِذْ لَمْ يَعْمَلْ بَعْلُهُ وَاللَّهُ اَعْلَمُ وَاَمَّا الْعِلْمُ الضَّارُّ فَلَا شَكَّ فِي حُرْمَتِهِ كَالسَّحَرِ وَالشَّعْبَةِ وَالْاَلِهِيَّاتِ الْفَلَّاسَةِ اِذَا كَانَتْ بَنِيَّةً صَالِحَةً.

ولما فی مشکوٰۃ المصابیح: (ص ۳۹۹ باب السلام، مطبع سعید)

عن زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اتعلم السریانیة وفی رواۃ انه امرنی ان اتعلم کتاب یہود وقال انی ما امن یہود علی کتاب قال فما امرنی نصف شهر حتی تعلمت لکان اذا کتب الی یہود کتبت واذا کتبوا الیہ قرأت له کتابهم رواہ الترمذی.

ولما فی مرقاة المصابیح: (۸/۴۷۷-۴۷۸، مطبع رشیدیہ)

قبل علیہ دلیل علی جواز تعلم ما هو حرام فی شرعنا للوقوفی والعذر عن الوقوع فی

الشر۔ کذا ذکرہ الطیبی فی ذہل کلام السطہوہو غیر ظاہر اذ لا یعرف فی الشرع تعہیم
تعلم لغت من اللغات من یانہ أو عیر الہة أو مندہ أو ترکیة أو فارسیة و قد قال تعالیٰ ومن
آیاتہ خلق السموات والأرض واختلاف ألسنتکم الیوم ۲۲ انی لغاتکم جلی ہومن
جملۃ المباحات نعم یعمن اللغوی ما لا یعنی و ہو منہوم عند آرباب الکمال الا انترتب
علیہ فائدہ فہی یستحب کاستقامت الحدیث۔

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبدالرحمن کبیری

فتویٰ نمبر: ۲۱۳۹

۲۹ تہادی ۱۳۳۰ھ

﴿چوری کا مال خفیہ طریقہ سے مالک تک پہنچا دینے سے چور بری ہو جاتا ہے﴾
﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی شخص نے دوسرے
کا مال چوری کیا پھر بعد میں اسے ندامت ہوئی اور مالک کو واپس کرنا چاہتا ہے لیکن بتا کر واپس
کرنے سے شرمندگی ہوتی ہے تو کسی اور طریقہ سے مالک تک پہنچا دے کہ مالک کو پتہ نہ چل
سکے تو کیا یہ آدمی بری الذمہ ہو جائے گا یا نہیں؟ مستفتی: محمد عثمان

﴿جواب﴾ چوری کا مال کسی بھی طریقے سے مالک تک پہنچا دیا جائے تو اس سے چوری
کرنے والا شخص بری الذمہ ہو جاتا ہے، مالک کو بتا کر واپس کرنا کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ بہتر
نہی ہے کہ اس کو خبر نہ ہو، البتہ اللہ تعالیٰ سے چوری کرنے پر معافی مانگے۔

لما لی اللک مع الشر (۶/۱۸۲-۱۸۳، مطبع سعید)

(ابو یزید دہاوی لہ بغیر علم السالک) فی الجزایۃ غصب در اہم انسان من کہیہ ثم ردھا
لیہ بلا علمہ بری و کذا یسلط الیہ بجهة آخری کہیۃ أو ابداع أو شرارہ و کذا لہ اطعمہ فاکلہ۔

ولما لی اللک مع الشر (۲/۱۱۰، مطبع سعید)

(ابو یزید العین لہ قاضی ان باعنا أو وہبنا البتانی علی ملک مالکہ۔

ولما لی الہدایۃ (۲/۵۲۳، مطبع رحمانیہ)

والنقصی علی رجل بالقطع فی سرقة فہیبت لہ لم یقطع۔

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد تاج کشمیری

فتویٰ نمبر: ۲۱۳۳

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ

﴿حصول ما ازمت کے لئے طبی حایہ کرانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک سودی کہنی

میں ملازمت کے لئے درخواست دی کہنی والوں نے جہاں دیگر کوائف دیکھے، وہاں میرا میڈیکل ٹیسٹ بھی لیا ہے جس میں انہوں نے میرے ستر کے حصے کا بھی معائنہ کیا۔

پوچھنا یہ ہے کہ کیا میڈیکل ٹیسٹ لینے کے لئے ڈاکٹر کے سامنے کشف ستر جائز ہے جبکہ یہ ظاہر ہے کہ اگر میں منع کروں یا انکار کروں تو وہ باز نہیں آئیں گے اور مجھے ملازمت سے محروم ہونا پڑے گا، اس صورت میں کشف ستر کا گناہ مجھے ہوگا یا صرف ان کو ہی ہوگا، یہ معاملہ آجکل ہر بڑی کہنی میں ملازمت کے متنی کو پیش آتا ہے اور فوج میں بھی غالباً یہی قانون ہے، کیا ملازمت کا حصول ایسا عذر ہے جس کیلئے میڈیکل ٹیسٹ کے موقع پر کشف عورت جائز ہو؟ مستفتی: سعید احمد ﴿مجموع﴾ شریعت نے انسان کو ستر چھپا رکھنے کا حکم دیا ہے اور ساتھ ساتھ مرد و عورت میں اسکی تحدید کا بھی ذکر کیا ہے، البتہ جہاں شدید ضرورت ہو مثلاً ڈاکٹر کے سامنے موضع ستر بقدر ضرورت کھولنے کی گنجائش ہے لیکن جہاں پر ضرورت اس حد تک نہیں کہ اس پر صحت یا زندگی کا مدار ہو وہاں یہ گنجائش نہیں ہے اگر آپ کو ایسا کاروبار ملتا ہے جس میں اس غیر شرعی کام کے ارتکاب کی نوبت پیش نہیں آتی اور اس سے آپکا گزارہ بھی چلتا ہے تو ایسے کاروبار کی کیا ضرورت ہے جس میں آدمی کو غیرت، فطرت اور شریعت کے خلاف کرنے کی نوبت پیش آئے اور جہاں پر قانونی مجبوری ہو تو آدمی وہاں معذور ہوتا ہے، وبال گناہ قانون بنانے والوں پر ہوگا، لہذا آپ کی سخت کوئی مجبوری اگر نہ ہو تو بلا ضرورت بے حیا بننے سے گریز کریں۔

لما فی الفقه الاسلامی والفتا: (۱/۵۷۹ مطبع رشیدیہ)

يجب الستر بحضرة الناس اجماعاً وفى الخلوة على الصحيح..... ويجب ستر العورة فى الصلوة وغيرها ولو فى الخلوة لا لاجابة كاحتسالى وتغويط واستنجاء..... واجمع العلماء على وجوب ستر المرأة مطلقاً فى الصلوة وغيرها.

ولما فى التنوير مع الدر: (۲/۷۵-۷۶ مطبع امدادیہ)

(وستر عورتہ) ووجوبہ عام ولو فى الخلوة على الصحيح، لا لغرض صحيح. وفى الشامیة: قوله: (ووجوبہ عام) اى فى الصلوة وخارجها قوله: (ولو فى الخلوة) اى اذا كان خارج الصلوة يجب الستر بحضرة الناس اجماعاً وفى الخلوة على الصحيح..... قوله: (لا لغرض صحيح) كتغويط واستنجاء

والله اعلم بالصواب: محمد الله عابد

الجواب صحیح: محمد الرحمن عفا الله عنه

نوی نمبر: ۱۸۸۳

۷ صفر الخیر ۱۳۳۰ھ

﴿سحری کے وقت لوگوں کو اٹھانے کے لئے ڈھول بجانا جائز ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے ہاں رمضان میں میراثی ڈھول بجا کر لوگوں کو سحری کے لئے اٹھاتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے اور اس غرض سے ڈھول بجانا جائز ہے؟ نیز ثواب ملیگا یا نہیں؟ جواب دیکر ممنون فرمائیں۔

﴿مجاہد﴾ سحری کے لئے لوگوں کو بیدار کرنے کی خاطر ڈھول بجانا جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں اور ڈھول بجانے سے یہی مقصد ہو تو بلاشبہ ثواب بھی ملیگا۔

لسالی الشامی (۱/۳۵۰، طبع سعید)

أقول: وهذا يلينان التللهو ليست محرمة لعينها بل لقصد الله منها إمامة من سامعها ومن المستغفل بها وبه تشعرا لاضافة الأثرى لن ضرب تلك التبعينها حل تارة وحرم أخرى باختلاف النتيجة سماعها والأمور بقاصدا وفيه دليل لسادتنا الصوفية الذين يقصدون أمورهم أعلم بها فلا يباين المعترض بالانكار كي لا يعرم بكتهم فانهم السادة الاخيار أمدنا الله تعالى بامداداتهم وأعاد علينا من مصالح دعواتهم وبركتهم (قوله وتسامه فيما علقته على الملتقى) حيث قال بعد عزوه ما مر الى الملاعب للامام الدينوري وينبغي ان يكون بوق الحمام يجوز كضرب النوبة وعن الحسن لا بأس بالدف في العرس ليشتهر به وفي السراجية هذا ذالم يكن له جلال ولم يضرب على هيئة للتطرب اه. أقول: وينبغي ان يكون طبل المسعر في رمضان لا يقاظ للنامين للمسحور كبوق الحمام تأمل.

ولسالی الاشياء والنظار (ص ۳۱ طبع قدیمی) الامور بقاصدا.

ولسالی للبحر الرائق (۸/۱۸۹، طبع سعید)

وفي النخيره وغيرها لا بأس بضرب الدف في العرس والوليمة والاعیاد وكذا لا بأس بالغناء في العرس والوليمة والاعیاد حيث لا فسق.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا الله عنه واللہ اعلم بالصواب: ثار محمود کوہاٹی

فتویٰ نمبر: ۲۱۶۹

۱۵ جمادی الاول ۱۴۳۰ھ

﴿عذر کی وجہ سے اعضاء بننے سے پہلے اسقاط حمل کی گنجائش ہے﴾

﴿مولا﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری پہلے ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی جس کے سات آٹھ مہینے بعد دوسرا حمل ٹھہر گیا جس کی وجہ سے بیٹی کی صحت پر کافی اثر پڑا، اب بیٹا تقریباً چھ ساتھ مہینے کا ہے کہ دوبارہ ایک مہینے سے حمل ٹھہرا ہے اور قوی خدشہ ہے کہ بیٹے کی صحت پر اس کا برا اثر ہوگا، پوچھنا یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں مجھے حمل ساقط کرنے کی شرعاً

اجازت ہے؟ نیز کن اعذار کی وجہ سے حمل ساقط کرنے کی گنجائش ہے؟ مستفی: ابو مکاشہ

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ شریعت نے چند اعذار کی وجہ سے اسقاط حمل کی اجازت دی ہے جیسے کہ عورت بہت کمزور ہو جس کی وجہ سے وہ حمل کی تکالیف کو برداشت نہیں کر سکتی ہو یا چھوٹا دودھ پینے والا بچہ ہو اور حمل ٹھہرنے کی وجہ سے اس کے صحت پر برا اثر پڑنے کا تو یہ اندیشہ ہو تو اسقاط حمل جائز ہے بشرطیکہ حمل کے اعضاء مکمل نہ ہوئے ہوں اور بچے میں ابھی واضح طور پر جان نہ آئی ہو جس کی مدت تقریباً چار مہینے مکمل ہونے سے پہلے ہے۔

لما فی الشامی: (۱/۲۶۱ طبع سعید)

(قوله وقالوا الخ) قال فی النہر بقی ھل یباح الاسقاط بعد الحمل؟ نعم یباح ما لم یتخلق منه شئی ولن یكون ذلك الا بعد مائت و عشرين یوما و هذا یقتضی انھم لرادوا بالتخلیق نفخ الروح والا فھو غلط، لان التخلیق یتحقق بالمشاهدة قبل هذه المدة کما فی الفتح و اطلاقھم یفید عدم توقف جواز اسقاطھا قبل المدة المذكورة علی اذن الزوج۔۔۔ ومن الاعذار ان یتقطع لبنھا بعد ظهور الحمل و لیس لأبی الصبی ما یتأجر بہ الظن و یخاف ہلاکہ۔

ولما فی الشامی: (۲/۲۲۹ طبع سعید)

(قوله و جاز لعذر) كما لمرضعة اذا ظھر بها الحبل و انقطع لبنھا و لیس لأبی الصبی ما یتأجر بہ الظن و یخاف ہلاک الولد قالوا یباح لھا ان تعالج فی استئزال الدم ما دام الحمل مضطعا و علقت ولم یخلق له عضو و قدر و اتلك المدة بمائة و عشرين یوما و جاز لانه لیس بآدمی و فیہ صہاة الادمی خانیة (قوله حیث لا یتصور) فقیل لقوله و جاز لعذر و التصور کما فی القنیة ان یتظھر له شعر أو اصبع أو رجل أو نحو ذلك۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: ثار محمود کو حائل عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۳۰۰

۱۶ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

﴿گاڑی، بس وغیرہ میں تلاوت کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے کہ اگر دوران سفر کوئی سورۃ یسین

ہاتھ میں لیکر تلاوت کرے تو کیا اس طرح کرنے سے بے ادبی اور گناہ تو نہیں ہوگا؟

﴿جواب﴾ دوران سفر گاڑی میں تلاوت کرنا زبانی ہو خواہ قرآن مجید ہاتھ میں لیکر تلاوت

کرے کوئی بے ادبی یا گناہ نہیں ہے، البتہ دل دل میں تلاوت کرے یا اتنی آواز کیسا تھ کہ خود ہی

سن سکے، آواز کے ساتھ ایسے ماحول میں جہاں ادب کیسا تھ سننے کا اہتمام کوئی نہ کرتا ہو یا اس کا

اہتمام کرنا دشوار ہو بلاشبہ خلاف وضع بلکہ گناہ ہے، اس طرح تلاوت کرنے سے گریز کریں۔

ولمافی الشامی: (۱/۵۴۶، طبع سعید)

فی شرح السنۃ: والاصل ان الاستماع للقرآن فرض کفایہ لانہ لاقامۃ حقہ بان یکون ملتفتا الیہ غیر مضیع وذلك يحصل بانصات البعض کما فی رد السلام حین کان لرعاۃ حق المسلم کفی فیہ البعض عن الكل الا انه یجب علی القاری احترامه بان لا یقرأ فی الاسواق ومواضع الاشتغال لما ذکرنا فیہا کان هو المضیع لحرمتہ، فیکون الاثم علیہ دون اهل الاشتغال دفعا للخرج، وكذا فی صحیح البخاری: (۲/۲۵۶، رحمانیہ) ولما فی حلی الکبیر: (ص ۴۹۵-۴۹۶، طبع سہیل اکیلمی)

وقرئ القرآن من المصحف الفضل لانہ جمع بین عبادتی القرآن والنظر فی صلوة المصحف۔۔۔ والقرئ ما شیا اور هو یعمل عملا ان کان متنبہا لا یشغل قلبہ المشی والعمل جائزہ والا تکرہ والقرئ فی الحمام ان لم یکن فیہ لحد مکشوف العورہ وکان الحمام طاهر اتجوز جہر لو خلیتوان لم یکن كذلك فان قرأ فی نفسه فلا بأس بہ ویکرہ الجہر وکنتکرہ القرأ فی المسلیخ والمفتسل ومواضع النجاسة وكذا فی البحر: (۱/۲۰۲، طبع سعید)

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: دار محمود کوہاٹی عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۱۸۳

۱۸ جمادی الاول ۱۴۳۰ھ

﴿قبائلی علاقوں میں مطلقہ بیٹیوں کیساتھ ظلم کی ایک صورت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ ہمارے قبائلی علاقوں میں بیٹیوں کے ساتھ یہ ظلم ہوتا ہے کہ شادی کے بعد باپ اس کو میراث وغیرہ سے محروم کرتا ہے اور شوہر کی طرف سے اس کو طلاق ملنے کی صورت میں اگر وہ باپ کے گھر آجائے تو اسکے ساتھ غلام جیسا سلوک کیا جاتا ہے اور زبردستی اس کا نکاح دوسری جگہ کر دیا جاتا ہے خواہ وہ آدمی لنگڑا ہو یا بوڑھا اس سے مہر لیکر پہلے شوہر کو جس نے اس کو طلاق دی واپس کیا جاتا ہے کیا یہ رسم شرعاً جائز ہے؟

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ شریعت نے جس طرح دیگر درثاء کے حصے مقرر کئے ہیں، اسی طرح بیٹی کیلئے بھی میت کے ترکہ میں سے متعین حصہ مقرر کیا ہے، وہ کسی کے محروم کرنے سے محروم نہیں ہوتی، اس کمزور و مظلوم صنف کا حق دنیا میں دباننا اگر آسان ہے آخرت میں تو لازماً دینا ہو گا دراصل اسلامی معاشرے میں یہ رسم ہندوؤں کے ساتھ اختلاط کے نتیجے میں آئی ہے۔

لہذا اس کو ختم کرنا ہر ایک کی ذمہ داری ہے اور علاقے میں رائج اس ظلم کو مٹانے کی کوشش کوئی

بھی مسلمان اگر کرے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے اجر کا مستحق ہوگا، بیٹی اگر مطلقہ ہونے کی صورت میں باپ کے گھر آئے اور باپ اس پر خرچ کرے تو حدیث میں اسکو عظیم صدقہ قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ جو آدمی اپنی بیٹیوں کے بارے میں کسی رنج میں مبتلا ہو جائے پھر وہ آدمی ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے تو یہ اس آدمی کیلئے جہنم کی آگ سے حائل بن جائیں گی اور انکی رضامندی کے بغیر جبراً دوسری جگہ انکی شادی کروانے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، البتہ شرم و حیا کی وجہ سے بادلِ ناخواستہ اگر وہ اسکو قبول بھی کر لیں تو نکاح تو منعقد ہو جائیگا لیکن مستقبل میں اکثر ایسے رشتوں کے نتائج اچھے نہیں ہوتے، لہذا ایسے ناجائز عمل سے اجتناب ضروری ہے۔

ولمافی قوله تعالیٰ: (سورة النساء، آیت ۱۱)

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔۔۔ الایة.

ولمافی کنز العمال: (۱۶/۱۸۶، مطبع رحمانیہ)

باسرافة الاا خبرک باعظم الصدقة ان من اعظم الصدقة اجر ابنتک فانها مودودہ الیک لیس لها کاسب غیرک (۲۵۳۵۷) وفيه ایضا: (۲۵۳۵۵) من ابتلی من هذه البنات بشئ فاحسن الیہن کن له ستر من النار. وفيه ایضا: (۲۵۳۵۶) من کانت له انثی فلم یؤنھا ولم یهنا ولم یؤثر ولده علیها ادخله اللہ الجنة.

ولمافی البحر: (۲/۱۱۰، مطبع سعید)

(ولا تجبر بالغة علی النکاح) ای لا یتخذ عقد الولی علیها بغیر رضاها عندنا.

ولمافی التتویر مع الدر: (۲/۵۸، مطبع سعید)

(ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح) لا تقطاع الولاية بالبلوغ.

ولمافی فتح القدیر: (۲/۱۶۱، مطبع رشیدیہ)

ومعنی الاجبار ان یباشر العقد فیقتض علیها شاءت او ابت ومبني الخلاف ان علت ثبوت ولاية الاجبار اموال الصغر أو البکارة فعمدنا الصغر.

واللہ اعلم: عبید اللہ عابد

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

نویں نمبر: ۱۹۹۵

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

﴿حرام مال کو صدقہ کرنا واجب ہے﴾

﴿مولا﴾ میں ایک دینی مدرسے میں پڑھنے کے ساتھ عیالدار بھی ہوں، میرے بھائی

مجھے ایسی زمین کے کچھ حصے کا مالک بنانا چاہتے ہیں جسکے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ انہوں نے وہ زمین حرام مال سے خریدی ہے، کیا میرے لئے اس زمین کا لینا جائز ہے؟ سائل: میرا سلم جباروی ﴿مورثہ﴾ آپ کے بھائی پر لازم ہے کہ اس مال کے اصل مالکان اگر ان کو معلوم ہیں اور ان تک رسائی ممکن ہے تو یہ مال ان تک پہنچائیں ایسا ممکن نہ ہو تو اس ارادہ سے فقراء و مساکین کو صدقہ کر دیں کہ جب کبھی اصل مالکان تک رسائی ممکن ہو جائے تو ان کو بتا دے پھر وہ مال واپس لینا چاہیں یا صدقہ کا ثواب، انہیں اختیار ہوگا، آپ بھی بظاہر مستحق معلوم ہوتے ہیں، لہذا دیگر مستحقین کی طرح آپ کو یہ مال دیکر صدقہ کر سکتے ہیں، البتہ ذاتی استعمال میں لانا آپ کے بھائی کے لئے کسی طرح جائز نہیں ہے۔

لسافی الشامی: (۱/۳۸۵-۳۸۶، مطبع سعید)

وعلى هذا قالوا لومات الرجل وكسبه من بيع الباذق او الظلم او اخذ الرشوة يترفع الورقة، ولا يأخذون منه شيئا وهو اولى بهم..... وفي الذخيرة: سئل ابو جعفر عن اكتسب ماله من امر السلطان والغرامات المحرمة بغير ذلك هل يعمل لمن عرف ذلك ان يأكل من طعامه؟ قال: احب الى في دينه ان لا يأكل ويسعه حكمان لم يكن غصبا او رشوة ۸۱.

ولسافی الشامی: (۵/۱۱، مطبع سعید)

والحاصل انه ان علم لرباب الاموال وجب رده عليهم، والا فان علم عين الحرام لا يعمل له ويتصدق به بنية صاحبه وان كان مالا مختلطا بمجتمع من الحرام ولا يعلم لربابه ولا ضمانه بمعينه حل له حكما، والاحسن ديانة التزهر عنه.

والله اعلم: عبید اللہ عابد

الجواب صحیح: عبد الرحمن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۱۲۸

ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ

﴿کسی کو ناجائز نومولود کا علم ہو تو کیا کرے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کو ناجائز حمل تھا، جب بچہ پیدا ہوا تو اس عورت نے بدنامی سے بچنے کے لئے اس نومولود کو کسی پارک یا شاہراہ وغیرہ پر زندہ حالت میں چھوڑ دیا اور ڈاکٹر کو اس صورتحال کی خبر دی، اب پوچھنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں ڈاکٹر کی کیا ذمہ داری ہے؟ کیا وہ اس عورت کی رازداری کرے اور اس کے غلط اقدام کے بارے میں کسی کو نہ بتائے یا اس معصوم زندہ بچے کے بارے میں حکومت کے متعلقہ

محکمہ کو باخبر کرے؟ مینو اتوجروا۔

مستفتی: عاصر رحمان پشاور

﴿مجموعہ﴾ اس معصوم کی جان بچانے کی خاطر حکومت یا ایسے اداروں کو اطلاع کرنا ضروری ہے جو اس قسم کی خدمات رفاہی طور پر انجام دیتے ہیں، راز فاش کرنے میں معصوم بچے کی جان کا قوی اندیشہ ہے اور پردہ پوشی کے بھی خلاف ہے، البتہ جہاں ایسے بچوں کے لئے حکومتی یا رفاہی کوئی انتظام نہ ہو اور دیکھنے والا خود بھی اس معصوم بچے کا نفقہ وغیرہ برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو اس زنا کار عورت کے بارے میں اس کی برادری والوں کو بتانا ضروری ہے تاکہ وہ پرورش کرنے پر اس کو مجبور کریں۔

لما فی سنن ابن ماجہ (ص: ۱۸۳ طبع قدسی)

”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ: من ستر مسلما سترہ اللہ فی الدنیا والآخرۃ۔“
ولما فی الخانیۃ: (۲۹۵/۳ طبع قدسی)

”رینہفی للمسلط اذا کان لا یرید الاتفاق من مال نفسه ان یرفع الامر الی الامام فیعطی الامام نفقته من بیت المال۔“

ولما فی التنبیہ مع الدر: (۷۹/۶ طبع قدسی)

”لو یرث ولد الزنا واللعان بجمۃ الام فقط لما قدمنا فی العصبۃ انه لا اب لہما۔“
ولما فی الہدایۃ: (۱۱۰/۳ طبع قدسی)

”الشہادۃ فی الحدود ینخیر فیہا الشاہدین الستر والاظہار لانه بین حسبتین اقامۃ الحدود والتوقی عن الہتک والستر افضل۔“

ولما فی الشامی: (۱۱۳/۳ طبع سمیع)

”فان کان لہ ام موسرۃ فنفقۃ علیہا وکذا ان لم یکن لہ اب الا انها ترجع فی الاول۔“

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد شعیب عفی عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۰۸۳

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿زیر ناف بالوں کے حدود﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم نے سنا ہے کہ شرم گاہ کے بال اگر چاول کے دانے سے بڑھ جائیں تو نماز نہیں ہوتی، دریافت یہ کرنا ہے کہ پس (یعنی کولہوں) کے بال بھی اس حکم میں داخل ہیں یا نہیں؟ نیز زیر ناف بالوں کے حدود کیا ہیں؟

﴿مجموعہ﴾ زیر ناف بالوں کی جو حد مقرر ہے وہ ناف کے نیچے سے لے کر رانوں کی

جڑوں تک ہے، اسی طرح اعضائے مخصوصہ اور ان کے ارد گرد بالوں کو جن کے ٹکڑے کا استنجاہ کے وقت خطرہ ہوتا ہے صاف کرنا ضروری ہے، کولہوں کے بالوں کو یہ حکم شامل نہیں ہے، ہر ہفتہ صفائی افضل ہے اور چالیس دن تک چھوڑنے کی گنجائش ہے اس سے زیادہ تاخیر کرنا گناہ ہے نماز کے ساتھ اس حکم کا تعلق نہیں ہے، لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ شرمگاہ کے بال اگر چادری کے دانے سے بڑھ جائیں تو نماز نہیں ہوتی۔

لما لی رد المختار (۲۰۷/۲، طبع سعید)

و يستحب (حلق عانته و تنظيف بدنه بالاغتسال فی کل اسبوع مرة) والافضل يوم الجمعة جاز فی کل خمسة عشرة و کره تركه وراه الاربعین (قوله و کره تركه) ای تحریماً لقول المجتبى و لا عذر فیما وراه الاربعین و يستحق الموعید.

ولما فیہ ایضاً (۲۸۱/۲)

و المعانة: الشعر القریب من فرج الرجل و المرأة و مثلها شعر الدبر بل هو اولی بالازالة لئلا يتعلق به شئی من الخارج عند الاستنجا، بالعبر.

ولما فی حاشیة الطحطاوی (۵۲۷، طبع قدیمی)

ثم المعانة هی الشعر الذی فوق الذکر و حوالیه، و حوالی فرجها و يستحب لزالة شعر الدبر خوفاً من ان يتعلق به شئی من النجاسة للخارجة فلا یتمكن من لزالته بالاستنجا.

ولما فی الہندیة (۳۳۷/۵، طبع قدیمی)

و یحلق عانته و ینظف بدنه بالاغتسال فی کل اسبوع مرة..... و یتنیدی، فی حلق المعانة من تحت سرة.

واللہ اعلم بالصواب: شاہد خان مہتوی

الجواب صحیح: عبدالرحمن مہتوی

فتویٰ نمبر: ۳۱۱۹

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ

﴿زیر ناف بالوں کو صاف کرنے کیلئے "بال صفاء پاؤڈر" استعمال کرنا درست ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک دوست کو بلیڈ کے استعمال سے الرجی ہوتی ہے، جسکی وجہ سے اس سے دانہ نکل آتا ہے اور پھر وہ کئی دن تک جلنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا وہ زیر ناف بالوں کیلئے "بال صفاء پاؤڈر" یا کوئی اور چیز استعمال کر سکتا ہے؟ اور اگر شرعاً "بال صفاء پاؤڈر" استعمال کرنا مردوں کیلئے ناجائز ہے تو زیادہ سے زیادہ کتنے دن تک زیر ناف بالوں کو چھوڑنے کی گنجائش ہے؟ تاکہ مجبوری کی وجہ

مفتی: صدام حسین

سے اس پر عمل کیا جائے۔

﴿مورح﴾ آپ کے دوست کو اگر بلیڈ کے استعمال سے الرتی ہوتی ہے تو ”بال منفاہ پاؤڈر“ یا ایسی کسی دوسری چیز سے زیر ناف بالوں کو صاف کرنا کوئی منع نہیں ہے۔ ایسے بالوں کو ہفتہ وار صاف کرنا چاہئے زیادہ تاخیر ہو جائے تو چالیس دن تک گنجائش بتائی گئی ہے اس سے زیادہ تاخیر کرنا گناہ ہے اور روزانہ صاف کرنے میں زیادہ فائدہ ہے۔

لما فی الہندیہ: (۵/۵۷ طبع رشیدیہ)

وبحلق عانته وينظف بدنه بالاغتسال في كل اسبوع مرة فان لم يفعل ففي كل خمسة عشر يوما ولا يعذر في تركه وراه الاربعين فالاسبوع هو الافضل والخمسة عشر الاوسط والاربعون الابد ولا عذر فيما وراه الاربعين ويستحق الوعيد كذا في القنية.

ولہذا: (۵/۵۸ طبع رشیدیہ)

وفي الابط يجوز الحلق والتفأ أولى ويبتدى في حلق العانة من تحت السرة ولمو عالج بالنورة في العانة يجوز كذا في الغرب.

لما فی التنویر مع الدر: (۲/۲۰۶ طبع سعید کراچی)

ويسحب حلق عانته وتنظيف بدنه بالاغتسال في كل اسبوع مرة والا فضل يوم للجمعة وجاز في كل خمسة عشر وكره تركه وراه الاربعين.

لما فی حاشیۃ الطحطاوی: (۵۲۲، ۵۲۶ طبع قدیمی کتب خانہ)

وبحلق عانته وينظف بدنه في كل اسبوع مرة ويوم الجمعة افضل ثم في خمسة عشر يوما والزائد على الاربعين آثم والستة في حلق العانة ان يكون بالموسى لانه يقوى راصل الستة يتأدى بكل منزل لحصول المقصود وهو النظافة.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ والاشام علم بالصواب: عزیز احمد خضاری غفرلہ لوالدہ

توی نمبر: ۱۳۷۲

اجادی الثانی ۱۳۳۵ھ

﴿مقامات اقوام معلّمہ کی سیر بہ بیت عبرت جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ محترم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ سے یہ مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ آیا آثار قدیمہ مثلاً بھنبور ”دبیل“ یا موئن جو دازو، ہڑپہ وغیرہ کے آثار قدیمہ بغرض سیر و تفریح ”پکنگ“ دیکھے جاسکتے ہیں؟ کیونکہ کچھ عرصہ پہلے میں نے اس خواہش کا اظہار اپنے دفتری ساتھی سے کیا تو انہوں نے ایسا کرنے سے منع کر دیا جسکی وجہ بیان کرتے ہوئے انکا کہنا تھا کہ چونکہ یہ

آثار قدیمہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے باعث تباہ ہوئے ہیں لہذا ایسی جگہوں پر جانے کی ممانعت ہے براہ کرم رہنمائی فرمائیں۔
مستفتی: انور سعید قریشی

﴿جواب﴾ یہ بات تو صحیح ہے کہ جس علاقہ یا قوم پر اللہ کا عذاب آیا ہو اور عذاب سے وہ علاقہ برباد ہو گیا ہو تو بلا ضرورت وہاں نہیں جانا چاہئے ضرورت کیلئے اتفاق سے جانا ہو جائے یا عبرت حاصل کرنے کی غرض سے چلا جائے تو جلدی گزرتا چاہئے اور عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہوئے لکھنا چاہئے لیکن سوال میں ذکر کردہ علاقے واقعی عذاب زدہ ہیں؟ اس بارے میں ہمارے پاس کوئی تحقیقی بات نہیں ہے۔

لسا فی تکملة فتح الملہم شرح صحیح المسلم: (۱/۲۶۰، طبع: دارالعلوم کراچی)
باب لا تدخلوا مساکن الذین ظلموا انفسهم الا باکین "حدثنا یحییٰ بن ایوب
..... أخبرنی عبداللہ بن دینار أنه سمع عبد اللہ بن عمر یقول "قال رسول اللہ
ﷺ لأصحاب الحجر لا تدخلوا علی هؤلاء القوم المعذبین الا أن تكونوا باکین فان لم
تکونوا باکین فلا تدخلوا علیهم أن یصیبکم مثل ما أصابهم ،
قال شیخ الاسلام معذتقی العثماني حفظه اللہ تعالیٰ فی شرح هذا الحدیث "وفی هذا الحدیث
دلالة علی أن منازل الأقوام المعذبة لا ینبغی أن یدخلها المرأ الا لضرورة أو للاعتبار"

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ
واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: علی حیدر چارسدہ

فتویٰ نمبر: ۳۲۹۰

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

﴿چاپلوسی کرتے ہوئے اپنے کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص مالدار آدمی سے کہتا ہے "میں تمہارا کتا ہوں" کیا ایسا کہنا جائز ہے یا نہیں؟
مستفتی: قاری محمد دین ابوبکر مسجد
﴿جواب﴾ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور جس طرح انسان کے لئے دوسرے کا استہزاء اور مزاح اڑانا جائز نہیں

اسی طرح اپنے بارے میں بھی دوسروں کے سامنے ایسے ذلت آمیز اور اہانت انگیز الفاظ کہنا جائز نہیں جن سے بجائے تواضع و انکساری کے ذلت نفس اور احساس کتری پیدا ہو جائے خاص طور پر ایسے لوگوں کے سامنے جن سے کوئی دنیاوی غرض کا لالچ مطلوب ہو جیسا کہ مذکورہ سوال میں کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اعلیٰ و ادنیٰ ہونے کا مدار صرف اور صرف تقویٰ پر ہے باقی تمام

انسان خوا امیر ہوں یا غریب، سب برابر ہیں اسی طرح یہ غیرت نفس، وقار و بنجیدگی کے بھی خلاف ہے کہ کسی کے سامنے اپنے آپ کو کسی دنیاوی غرض کے حصول کیلئے ذلیل کرے۔

لما فی صحیح المسلم: (۱/۳۵، طبع: قدیمی)

وزاد ابن معاذ فی حدیثہ عن ابیہ قال وقال رسول اللہ ﷺ للاشج اشج عبدالقیس "ان فیک لغصلتین یحبہما اللہ، العلم والاناۃ"

ولما فی الشامی: (۱/۳۸۲، طبع: سعید)

(قولہ: التواضع لغیر اللہ حرام) ای اذلال النفس لتبیل الدنیا والافلحاض الجناح لنس دونہ مامور بہ سید الانام علیہ الصلاۃ والسلام ویدل علیہ ما رواہ البیہقی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ "من خضع لغنی ووضیع له نفسه اعظاما له وطعافیبا قبلہ ذمب ثلثا مرۃ، وہ وشرط دینہ"

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: بندہ علی حیدر چارسدوی

نوی نمبر: ۳۱۵۱

۷ صفر الخیر ۱۳۳۳ھ

﴿قبر سے نکال کر پوسٹ مارٹم کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کو پوسٹ مارٹم کے

لئے قبر سے نکالنا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ پوسٹ مارٹم خود غیر شرعی ناجائز کام ہے، دین اسلام اسکی اجازت نہیں دے

رہی چہ جائیکہ اس کے لئے میت کو قبر سے نکالنے کی اجازت دیدے۔

لما فی التنبیہ الاہصار: (۲/۲۳۸، طبع: سعید) ان تكون الارض مفسوبة لو اتخذت بشلعة

ولما فی الشامی: (۲/۲۳۸، طبع: سعید)

(قولہ کن تكون الارض مفسوبة) وکذا لئلا سقط فی القبر متاع لو کن بثوب مفسوب لو دفن معہ مال

ولما فی الہندیہ: (۲/۴۷۰، طبع: رشیدیہ)

السبت بعد ما دفن بمدة طويلة او قليلة لا یسع لغراجه من غیر عذر ویجوز لغراجه بالعذر

ان یظهر ان الارض مفسوبة لو اخذها الشفیع بالشفعة کذا فی الواقعات الحسامیہ.

ولما فی البحر الرائق: (۲/۲۹۰، طبع: سعید)

(قولہ ولا یخرج من القبر الا ان تكون الارض مفسوبة) ای بعد ما اہل القراب علیہ لا

یجوز اخراجه بغیر ضرورة للنہی عن نبشہ وصرحوا بحرملہ.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان ڈیروی

نوی نمبر: ۳۱۶۵

۷ صفر الخیر ۱۳۳۳ھ

﴿شوہر جنتی نہ ہو تو بیوی کا نکاح دوسرے جنتی سے کیا جائے گا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام درجہ ذیل مسائل کے بارے میں (۱) ایک عورت جو کہ حساب و کتاب کے بعد جنت میں چلی جائے اور اس کا شوہر جہنم میں چلا جائے تو اس عورت کا نکاح جنت میں کس کیساتھ کیا جائے گا؟

(۲) جس عورت نے دنیا میں کئی شادیاں کی ہوں اگر وہ ان سب شوہروں کے ساتھ جنت میں داخل ہو جائے تو وہ عورت ان میں سے کس کی بیوی ہوگی؟

(۳) وہ عورتیں جن کا دنیا میں نکاح ہی نہیں ہوا ہے یعنی وہ کنوارہ پن کی حالت میں وفات پائیں تو ان کا عقد جنت میں کن کے ساتھ کیا جائے گا؟ مستفتی: حاجی خادم حسین صاحب

﴿جواب﴾ جس عورت کا شوہر جہنمی ہو اور عورت خود جنتی ہو تو اس عورت کا عقد جنت میں کسی جنتی آدمی سے کر دیا جائے گا جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ فرعون کی بیوی آسیہؑ جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی تھیں جنت میں آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے ہوں گی۔

لسالی روح المعانی (۲۹۶/۲۸) بر مشہدہ

وجاء فی بعض الآثار ان مریم و آسیہ زوجات رسول اللہ ﷺ فی الجنة ، اخرج الطبرانی عن سعد ابن جنادہ قال : قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ زوجنی فی الجنة مریم بنت عمران وامرأہ لرعون واخت موسیٰ علیہ السلام

اور جس عورت نے دنیا میں کئی شادیاں کی ہوں اس کے بارے میں دو قسم کی روایات ہیں ایک روایت میں آتا ہے کہ جس شوہر کے اخلاق اچھے ہوں دنیا میں تو جنت میں اسی کی بیوی ہوگی یا اس کو اختیار دیا جائے گا پھر وہ جس شوہر کو پسند کرے گی جنت میں اسی کی بیوی ہوگی۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ دنیا میں جو اس کا آخری شوہر تھا اسکی بیوی ہوگی دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ اختیار اس صورت میں دیا جائے گا اگر شوہروں نے اس کو طلاق دی ہو اور آخری شوہر کی بیوی اس صورت میں ہوگی کہ جب وہ اس کے نکاح میں فوت ہوئی ہو یا آخری شوہر بغیر طلاق دئے ہوئے فوت ہو گیا ہو اور عورت نے اس کے بعد کسی اور سے نکاح نہ کیا ہو۔

لسالی الفتاویٰ العبدیۃ (۱، مقدمہ)

واخرج البخاری فی مکارم الاخلاق والبیزار والطبرانی عن انس ان ام حبیبہ قالت

ہے کہ کیا یہ رقم رشوت کے زمرہ میں آتا ہے یا نہیں؟ اور آفیسر کیلئے یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ آفیسر کا پہلے سے ایسا کوئی مطالبہ اگر نہیں تھا اور آپ محض اپنی خوشی سے اس کو کچھ دینا چاہیں تو یہ حد یہ ہے رشوت نہیں ہے لینے دینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ البتہ بعض محکموں میں رشوت لینا دینا اس قدر معروف اور رائج ہوتا ہے کہ آفیسر کو مطالبہ کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہر ٹھیکدار جانتا ہے کہ اتنا فیصد تو آفیسر کو دینا پڑتا ہے نہیں دینگے تو آئندہ کوئی کام نہیں ملے گا اس ڈر اور خوف کی وجہ سے بعد میں اس آفیسر کا حصہ نکالتا ہے تو اس طرح لینے دینے کیلئے فقہاء کرام کا مشہور غلطیہ ہے "المعروف کالمشروط" لہذا ایسی صورت میں مطالبہ اگرچہ صاف لفظوں میں نہیں ہوتا لیکن عرفاً ودلالة ہوتا ہے اس لئے یہ حد یہ نہیں ہوگا بلکہ رشوت کے زمرے میں آئیگا، ہاں واقعی کوئی مطالبہ نہ ہو تو جائز ہے کوئی گناہ نہیں ہے۔

لما فی الشامی (۲۶۲/۵) طبع سعید

وفی المصباح الرشوة بالكسر ما يعطيه الشخص الحاكم ليحكم له او يحمله على ما يريد۔۔۔ ولو قضی حاجته بلا شرط ولا طمع فأهدى اليه بعد ذلك فهو حلال لا بأس به وما نقل عن ابن مسعود من كراهته فو.ع.

ولما فی فتح القدیر (۲۵۴/۷) طبع رشیدیہ

وفی شرح الاقطع: الفرق بین الرشوة والهدية ان الرشوة يعطيه بشرط أن يعينه، والهدية لا شرط معها انتهى وفيه ایضا علی صلیحہ (۲۴۶) ولو قضی حاجته بلا شرط ولا طمع فأهدى اليه بعد ذلك فهو حلال لا بأس به وما نقل ابن مسعود من كراهته فو.ع.

ولما فی البحر (۲۶۲/۶) طبع سعید

وفی وصایا الخانیة قالوا بطل المال لاستخلاص حق له علی آخر رشوة۔۔۔ وان طلب منه أن يسرى أمره ولم يذكر له الرشوة واعطاء بعد ما يسرى اختلوا فيه قال بعضهم لا يحل له أن يأخذ وقال بعضهم يحل له وهو الصحيح لانه يريد مجازاة الاستحسان فيحل.

والله اعلم بالصواب: دوست محمد روحانی

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن مفلح

نوی نمبر: ۲۲۳۰

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

